منتخب اللباب

حصّہ چہارم

مغلیہ دورِ حکومت

شاہ عالم سے ناصر الدّین محمد شاہ تک

مُصنّف
ہاشم علی خاں
(خافی خاں نظام الملک)

مُترجّم
محمود احمد فاروقی

نفیس اکیڈمی
بلاسس اسٹریٹ، کراچی ۱

قیمت

فون ۳۲۹۵۶

اشاعت اول : ــــــــــ اکتوبر ۱۹۶۳ء

کتابت : ــــــــــ انوری بیگم دہلوی

۲۶۵۸۴

منتخب اللباب ۔ حصہ اول ــــــ بابر سے جہانگیر تک

منتخب اللباب ۔ حصہ دوم ــــــ دورِ شاہجہانی،

منتخب اللباب ۔ حصہ سوم ــــــ دورِ عالمگیری

منتخب اللباب ۔ حصہ چہارم ۔ شاہ عالم سے ناصر الدین محمد شاہ تک

مطبوعہ
ایجوکیشنل پریس کراچی

سلطنتِ مغلیہ کا زوال

(از چوہدری محمد اقبال سلیم گاہندری)

سلطنتوں کا عروج و زوال کوئی اچانک پیش آنے والا حادثہ نہیں ہوتا۔ جب کوئی قوم عروج کے مدارج عالیہ تک پہنچتی ہے تو زینہ بزینہ ہی پہنچتی ہے۔ اسی طرح اس کا زوال بھی بتدریج ہوتا ہے۔ سلطنتِ مغلیہ کے عروج کی داستان بابر سے عالمگیر تک انسانی جدوجہد کے تدریجی ارتقار کی داستان ہے۔ اسی طرح اس کا زوال بھی ان بہت سے اسباب و محرکات کا نتیجہ ہے جو برسہا برس سے واقعات کے پس پردہ پیدا ہوتے جا رہے تھے۔

کسی ملک اور قوم کو زندہ رکھنے والی اصلی چیز وہ اخلاقی قوت ہوتی ہے جو مادی وسائل و ذرائع میں ایک برقی رو کی طرح کام کرتی رہتی ہے۔ بادشاہی نظام میں بادشاہ کی شخصیت مرکز اور محور کا کام دیتی ہے اسی لئے سلطنت کے بننے اور بگڑنے کا سارا انحصار بادشاہ کے کردار اور شخصیت پر منحصر رہتا ہے۔ اگر بادشاہ کی شخصیت اخلاقی قوتوں کا مظہر ہوتی ہے تو اس کی قلمرو میں ایک ناقابلِ شکست مرکزیت پیدا ہو جاتی ہے اور تمام عناصر اس سے وابستہ رہتے ہیں۔ یہ ہندوستان کی خوش قسمتی تھی کہ بابر سے عالمگیر تک یکے بعد دیگرے جتنے بادشاہ تخت نشیں ہوتے رہے۔ قدرت نے ان کو وہ اوصاف بڑی فیاضی سے عطا کئے تھے جن کی اس وسیع و عریض سلطنت کو چلانے کے لئے ضرورت تھی۔ مگر عہد آخر میں ہم ہندوستان کے تخت پر ایسے بادشاہوں کو فرماں روائی کی باگ ڈور سنبھالتے ہوئے دیکھتے ہیں جو برِ عظیم ہند کا نظم و نسق تو بڑی بات ہے۔ اپنی محل سرا کا بندوبست تک کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ ان کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر خود غرض اور مکار امیروں نے بادشاہت کے سارے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لئے اور یہیں سے امراء کی باہمی رقابتوں درباری سازشوں اور گروہ بندیوں کا وہ منحوس ترین دور شروع ہوا جس نے رفتہ رفتہ سلطنتِ مغلیہ کی مرکزیت کو پارہ پارہ کر دیا اور شمال سے جنوب تک طوائف الملوکی کا دور دورہ شروع ہو گیا

ہندوستان میں سلطنتِ مغلیہ کا عروج و زوال، تاریخ کی وہ دلچسپ روداد ہے جسے ہزار بار دہرایا جا چکا ہے۔ مگر اس کی دلچسپی ایک فسانۂ تازہ کی طرح ہمیشہ قائم و برقرار رہی۔ منتخب اللباب کی تین جلدوں میں ہمارے ناظرین مغل سلطنت کے عروج کے تابناک و شاندار منظر دیکھ چکے

ہیں ۔ چوتھی جلد زوال سلطنت کا انتہائی عبرت ناک مرقع ہے ۔ جس میں اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد پیش آنے والے واقعات کو نہایت دلچسپ انداز میں مرتب کیا گیا ہے ۔ سادات بارہہ کی سازشوں سے مرہٹوں کی شورش تک ہزارہا واقعات کا وہ سلسلہ ہے جس میں متعدد بادشاہ تخت نشین ہوتے ۔ شمال سے جنوب تک بڑی ہنگامہ خیز لڑائیاں لڑی گئیں ۔ تخت و تاج کے لئے سازشیں ہوئیں ۔ جنوب سے مرہٹوں کے ٹڈی دل شمال کی طرف بڑھتے رہے اور شمال سے نادر قہرالٰہی بن کر نازل ہوا اور اُس کے پیچھے ہی نجات دہندہ ابدالی کی فوجیں نمودار ہوتیں ۔ یہ سلسلۂ واقعات اتنا حیران کن اور دلچسپ ہے کہ پڑھنے والا ان میں گم ہو کر رہ جاتا ہے ۔

خافی خاں چونکہ خود ان واقعات کا عینی شاہد ہے اس لئے اُس نے جو تفصیلات بیان کی ہیں وہ دوسرے مورخین کے پاس نہیں ملتی ہیں ۔

منتخب اللباب کے مترجم محمود احمد فاروقی صاحب نے منتخب اللباب کی تین جلدوں کا جس عمدگی سے ترجمہ کیا ہے اس کو عام طور پر پسند کیا گیا ہے ۔ .... چوتھی جلد کا ترجمہ بھی ان ہی کے اعجاز قلم کا نمونہ ہے ۔

ادارہ نفیس اکیڈیمی منتخب اللباب کی تکمیل پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے کہ ایک مستند تاریخی دستاویز کو اردو میں محفوظ کر دینے میں اسے خاطر خواہ کامیابی نصیب ہوئی ۔ نفیس اکیڈیمی نے تاریخ کی اُن نایاب کتابوں کو زندہ کرنے کا عزم کیا ہے ۔ جو زمانہ کی دست برد کے سبب نظروں سے اوجھل ہو گئی ہیں ۔ ان قیمتی نوادرات کو تلاش کر کے سلیقہ و دل کشی کے ساتھ منظر عام پر لانے میں جن مراحل سے ہم کو گذرنا پڑتا ہے ان کا بیان لاحاصل ہے ہمارا اجر صرف یہی ہے کہ قدرشناس نظریں ان کی قدر و قیمت کو پہچان لیں ۔

عنوانات مغلیہ دورِ حکومت حصہ چہارم

خلد منزل شاہ عالم بہادر شاہ غازی

سلطنت مغلیہ کے ایوان اقتدار کا وہ ستون جو
کمزور تھا تاہم اُس نے اس گرتی ہوئی عمارت کو
آخر وقت تک اپنے دوش پر سنبھالے رکھا"

عالمگیر بادشاہ کے جانشینوں میں اقتدار کی جنگ

عالمگیر کی وفات کے بعد محمد اعظم شاہ مالوہ کی صوبہ داری سے رخصت حاصل کرکے بادشاہی لشکر سے بیس کوس پر پہنچ چکا تھا کہ شام کے وقت اسے خلد مکاں عالمگیر بادشاہ کے انتقال کی خبر ملی اُس نے اپنا لاؤ لشکر تو وہیں چھوڑا اور جریدہ یلغار کرتے ہوئے چھاؤنی کی طرف روانہ ہوگیا۔ اور وہاں پہنچ کر سیدھا "گلال بار" (بادشاہی احاطہ) میں داخل ہوگیا۔ اس وقت جتنے امیر وہاں جمع تھے سب اس کے استقبال کے لئے بڑھے، اسد خاں اور حمید الدین خاں تعزیت و نگہبانی کے لئے سراپردہ شاہی کے اندر تھے۔ اس لئے وہ اس کے استقبال میں شریک نہیں تھے۔ امرا نے شاہزادہ سے تعزیت کی، اور مبارکباد بھی دی۔

بادشاہ کے کفن دفن کے بعد شاہزادہ اعظم شاہ جدۃ الملک اسد خاں رکاب شاہی کے دوسرے امیروں اور محل کی عورتوں کو تسلی دلاسا دیتا رہا اور ان کو اپنے حق میں ہموار کرنے کی کوشش کی۔ خزانہ۔ جواہر خانہ، توپ خانہ اور دوسرے بادشاہی شعبوں کا جائزہ لیا اور ساری تفصیلات درج کرا کے ان چیزوں کو جو ساتھ رکھنے کے لائق تھیں علیحدہ کرا دیا۔ اس کے بعد شہزادہ نے تخت گیر داروغہ مقرر کئے تاکہ باربرداری اور سفر کی تیاری کا جلد از جلد انتظام کریں۔ ہندوستان اور ایران کے منجموں اور ستارہ شناسوں کی تجویز پر تخت نشینی کی تاریخ ۱۰ ذی الحجہ مقرر

کردی گئی ۔

شہزادہ بیدار بخت اعظم شاہ کی نیابت میں احمد آباد پر مقرر تھا ۔ جب ابراہیم خاں صوبہ دار احمد آباد پہنچ گیا تو وہ بھی وہاں سے کوچ کرنے کی فکر میں تھا کہ اعظم شاہ نے اس کے پاس حکم بھیجا کہ وہ احمد آباد سے کوچ کرکے مالوے کی سرحد پر پہنچ جائے اور وہاں حکم ثانی کا منتظر رہے اور جب تک بادشاہی لشکر پہنچ نہ جائے وہ وہاں سے آگے نہ بڑھے ۔

احمد آباد میں وفات کی خبر

ان دنوں میں (مصنف) محمد مراد خاں کی رفاقت میں تھا، محمد مراد خاں صوبہ احمد آباد کا واقعہ نگار اور سوانح نگار تھا اور تھانیسر و کودرہ سرکار کی فوج داری بھی اسی کے سپرد تھی ۔ نویں ذی الحج کو محمد مراد خاں کو شاہزادہ بیدار بخت نے روانگی کی خلعت عطا کی ۔ وہ بارگاہ سے خلعت پہن کر گھر لوٹا تھا کہ ابراہیم خاں ناظم کا چوب دار نے آکر پیغام دیا کہ ابراہیم خاں نے آپ کو بلایا ہے اور بڑی تاکید کی ہے ۔ محمد مراد خاں جب اُس کے پاس پہنچا تو ابراہیم خاں نے دریافت کیا " شاہزادہ کے پاس بارگاہ شاہی سے کوئی اطلاع پہنچی ہے ؟ آپ نے شاہزادہ کو کس حالت میں دیکھا تھا ؟" محمد مراد خاں نے کہا ۔ " مجھے تو وہاں کسی خبر پہنچنے کے آثار نظر نہیں آئے ۔ شاہزادہ کا حال بھی روز کی طرح ہی تھا کوئی خاص بات معلوم نہیں ہوئی " ابراہیم خاں نے اپنے وکیل کے خط کو جو احمد نگر سے احمد آباد دسویں دن پہنچا تھا اور جس میں بادشاہ کے انتقال کی خبر درج تھی ۔ محمد مراد خاں کے ہاتھ میں دے دیا اور کہا " اسی وقت شاہزادہ کی خدمت میں جا کر یہ خط ان کو دکھا دو اور ہماری طرف سے بھی تعزیت اور سلطنت کی مبارک باد دیدو " ۔ محمد مراد خاں وہاں سے اپنے گھر آیا اور خلعت اتار کر لباس تبدیل کیا اور شاہزادہ کی خدمت میں چلا گیا ۔ وہاں پہنچا تو معلوم ہوا شاہزادہ سو رہا ہے ۔ چونکہ اس خبر کو جلد پہنچانے کی اسے تاکید کی گئی تھی، اس لئے محمد مراد خاں نے اس وقت ڈیوڑھی دینے والے خواجہ سرا کو مرار سے کہا کہ " جس طرح بھی ہو

شاہزادہ کو بیدار کرو"۔ غرض شاہزادہ بیدار ہو گیا۔ خواجہ سرا نے عرض کیا "۔ محمد مراد خاں آیا ہے اور بہت پریشان معلوم ہوتا ہے۔ اسی نے آپ کو بیدار کرنے کے لیے درخواست کی تھی۔ شاہزادہ کو بادشاہ کی بیماری کی اطلاع پہلے ہی مل چکی تھی اس لیے اس کے دل میں کھٹکا ہوا اور اس نے خواجہ سرا سے پوچھا۔ مراد خاں جو خلعت پہن کر گیا تھا کیا وہی اس کے جسم پر ہے؟" خواجہ سرا نے عرض کیا۔ "نہیں وہ تو دوسرے سفید کپڑے پہن کر آیا ہے"۔ یہ سن کر شہزادہ رونے لگ گیا اور پُرنم آنکھوں کے ساتھ باہر آیا اور محمد مراد خاں کو خلوت خانہ میں بلالیا۔ مراد خاں نے وہ خط شہزادہ کے ہاتھ میں دیدیا اور اپنی طرف سے اور ابراہیم خاں کی طرف سے تعزیت و تہنیت کی تسلیمات بجالایا۔ خط پڑھنے کے بعد شاہزادہ نے کہا۔ "محمد مراد خاں خوب سمجھ لو کہ اب ہندوستان کی سلطنت کا حال بہت خراب ہو جائے گا۔ لوگ عالمگیر بادشاہ کی قدر نہیں کرتے تھے۔ اب انھیں پتہ چلے گا۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ تقدیر چند دن ہمارا ساتھ دے گی اور اللہ تعالیٰ میرے والد (محمد اعظم شاہ) کو بادشاہت عطا فرمائے گا مگر انجام کار خوں ریزی ہو کر رہے گی"۔

اس اطلاع کے بعد ابراہیم خاں بڑی فکر میں پڑ گیا کہ عیدالضحٰی کا خطبہ کس شاہزادہ کے نام کا پڑھا جائے آخر یہ طے پایا کہ چونکہ ابھی لوگوں کو اطلاع نہیں ہے اس لیے خطبہ میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے چنانچہ عید کی صبح کو ابراہیم خاں عیدگاہ گیا اور خطبہ اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ کے نام پر ہی پڑھا گیا۔

اعظم شاہ کی غلطی

ابراہیم خاں خود کو "اعظم شاہی" گروپ میں شمار کرتا تھا اور منتظر تھا کہ محمد اعظم شاہ کی طرف سے حکم آجائے تو وہ فوج کو تیار کر کے محمد بیدار بخت کے ہمراہ اکبرآباد پہنچ جائے۔ اگر اس وقت اعظم شاہ دور دراز کے وسوسوں میں مبتلا ہو کر بیدار بخت کو نہ روکتا اور اکبرآباد جانے کی اجازت دیدیتا تو صورت حال کچھ دوسری ہوتی، کیونکہ اکبرآباد میں اس وقت بیدار بخت کا خسر مختار خاں صوبہ دار تھا، وہاں کے خزانہ میں نو کروڑ روپیہ تھا۔

اس کے علاوہ اشرفیاں اور "فریب نواز" (نامی) روپیہ جس کا وزن پانچ سو تولہ کا ہوتا تھا، طلائی اور نقرہ کی ساز و سامان اور غیر مسکوک سونا چاندی کافی مقدار میں موجود تھا۔ یہ خزانہ باقی خاں قلعدار کی حفاظت میں تھا اور وہ انتظار کر رہا تھا کہ ملک کے وارثوں میں سے جو بھی پہلے پہنچ جائے گا، وہ خزانہ اور قلعہ کی کنجی اس کے حوالہ کر دے گا۔ اس وقت بیدار بخت کو اکبر آباد جانے سے نہیں روکنا چاہیے تھا مگر جو تقدیر الٰہی میں ہوتا ہے وہ پورا ہو کر رہتا ہے۔

شہزادہ کام بخش کی فوج کشی

اب میں چند کلمے محمد کام بخش کے بارہ میں تحریر کرتا ہوں۔ شاہزادہ کام بخش باپ سے رخصت ہونے کے بعد چالیس پچاس کوس پر قلعہ پرینڈہ پہنچ چکا تھا کہ بادشاہ کے واقعہ کی خبر اسے ملی۔ محمد امین خاں ایک جماعت کے ساتھ شاہزادہ کی اطلاع و اجازت کے بغیر وہاں سے کوچ کر گیا اور اعظم شاہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ امین خاں کے جُدا ہو جانے سے کام بخش کے سارے لشکر میں بڑا انتشار اور افراتفری پیدا ہو گئی ... احسن خاں عرف میر سلطان حسن نے ان لوگوں کو تسلی و دلاسا دینے کی کوشش کی جو شاہزادہ کے ہمراہ رہ گئے تھے۔ اور وہاں سے قلعہ بیجاپور پر قبضہ کرنے کے ارادہ سے کوچ کر دیا گیا۔ شاہزادہ نے قلعہ پر پہنچنے کے بعد بیجاپور کے قلعہ دار سید نیاز خاں کو قلعہ سپرد کرنے کے لئے پیغام دیا اور بڑے وعدہ وعید کئے۔ مگر سید نیاز خاں نے اطاعت کرنے سے انکار کر دیا اور برج و فصیل کو مستحکم کر کے مدافعت پر آمادہ ہو گیا شاہزادہ نے قلعہ کے دروازہ کے مقابل مورچہ بندی کرا دی۔ اصل میں کام بخش کے پہنچنے تک قلعدار کو عالمگیر بادشاہ کی وفات کے بارہ میں یقین نہیں ہوا تھا اور وہ بڑے تذبذب میں تھا۔ بعد میں جب یہ خبر ثبوت کو پہنچ گئی تو احسن خاں کی کوششوں سے ایک دوسرے کے درمیان پیغامات کا تبادلہ ہوا آخر کار اس نے قلعہ کی چابی بھجوا دی، پھر خود قلعہ سے نکل کر کام بخش کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔

کام بخش کی تخت نشینی

تقریباً دو ماہ گذرنے کے بعد جب شہر بیجا پور اور اس کے اطراف کا بند وبست اور نظم و نسق کام بخش نے پوری طرح سنبھال لیا تو اسے اطمینان حاصل ہوا۔ اس نے احسن خاں کو پانچ ہزاری کا منصب عطا کیا اور بخشی گری کے عہدہ پر مستقلاً مقرر کر دیا۔ حکیم محسن کو وزارت کا قلمدان تفویض کیا اور اسے تقرب خاں کا خطاب عطا کیا۔ سید احمد، سیف خاں، حکیم محمد مہدی حیدر آبادی، احمد خاں اور دوسرے ہمراہیوں کو جواہرات اور خطابات عطا کئے اور جلوس کا جشن مقرر کرکے "دین پناہ" کے لقب سے تخت نشین ہو گیا اور سکہ پر یہ شعر ضرب کرایا ؎

در دکن زد سکہ بر خورشید و ماہ

پادشاہ کام بخش دین پناہ

تخت نشینی کے بعد کام بخش نے سات آٹھ ہزار سوار فراہم کئے اور قلعہ واکنکیرا کی تسخیر کے ارادہ سے کوچ کر دیا۔ سید نیاز خاں دو تین منزل تک ساتھ رہا وہاں سے وہ اپنے خیمہ کو اسی طرح چھوڑ کر بھاگ گیا اور اعظم شاہ کے پاس پہنچ گیا۔ کام بخش نے گلبرگہ پہنچ کر قلعہ پر قبضہ کر لیا اور احسن خاں کی تجویز پر سادات بارہہ میں سے ایک شخص سید جعفر نامی کو قلعدار مقرر کرکے واکنکیر کی طرف پیش قدمی کر دی جو عالمگیر بادشاہ کی وفات کے بعد پریا نائک کے قبضہ میں چلا گیا تھا۔ واکنکیرا پہنچنے کے بعد کام بخش نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور مورچہ بندی قلعہ گیری کی تیاریاں شروع کر دیں پریا نے محصور ہو کر پندرہ بیس دن تک مدافعت کی آخر احسن خاں کی وساطت سے قلعہ پر کام بخش کا قبضہ ہو گیا اس نے وہاں قلعہ دار مقرر کر دیا۔

کام بخش کے امیروں کا اختلاف

تقرب خاں اور احسن خاں برابر کے امیر تھے ایک دوسرے سے ہمسری کرتے رہتے تھے اور دونوں کے درمیان چشمک رہتی تھی جو آخر کار رنجش و مخالفت بڑھ گئی۔ اسی اثناء میں ایک واقعہ نے اور بھی تفرقہ ڈال دیا۔ گلبرگہ پر سید جعفر کو قلعدار مقرر کیا گیا تھا۔

تقرب خاں نے اس کی جگہ دوسرے کو قلعدار مقرر کرا کے بھجوا دیا مگر سید جعفر نے قلعہ سپرد کرنے سے انکار کر دیا۔ بعد میں جب خود کام بخش بھی قلعہ گلبرگہ پر پہنچا تھا تو سید جعفر نے کچھ دن تک قلعہ سپرد نہیں کیا تھا۔ اس قضیہ میں احسن خاں کی بڑی بد نامی ہوئی کہ یہ اسی کے اشارہ پر ہوا ہے۔

ایک دوسرا واقعہ بازار بسانے کے سلسلہ میں پیش آیا احسن خاں ایک بازار اپنے نام پر "بازار گنج احسن خاں" کے نام سے آباد کر رہا تھا۔ تاجروں کو محصول کی معافی وغیرہ دے کر وہاں جمع کرنے کی فکر میں تھا۔ تقرب خاں نے محمد کام بخش کے کان بھرے کہ "گنج احسن خاں" کے قیام سے بادشاہی بازار "شاہ گنج" کی رونق گھٹ جائے گی۔ کام بخش نے "بازار احسن خاں" کے قیام کی مانعت کر دی۔ احسن خاں کو یہ بڑا ناگوار گذرتا تھا۔ جب کہ اس نے شہزادہ کی خدمت میں بڑی وفاداری اور جانفشانی سے جدوجہد کی تھی۔ احسن خاں نے اپنی خفگی کا اظہار اس طرح کیا کہ بازار کے لئے جو جھنڈا نصب کرایا تھا اُسے دو ٹکڑے کئے اور تقرب خاں کے پاس بھجوا دیا۔

آخر کار کام بخش نے احسن خاں کو سمجھا بجھا کر راضی کر لیا اور اپنے چھوٹے بیٹے کو اس کے ہمراہ کرکے قلعہ کرنول پر فوج کشی کے لئے روانہ کر دیا۔ کرنول پر یوسف خاں قلعدار اور فوج دار تھا۔ مورچہ بندی اور محاصرہ کے بعد یوسف خاں نے احسن خاں کو راضی کر کے تین لاکھ روپیہ سرکار کے لئے ادا کیا اور احسن خاں نے قلعہ سے محاصرہ اٹھا لیا۔ اس کے بعد احسن خاں کو ارکاٹ پر فوج کشی کے لئے مقرر کیا گیا۔ ارکاٹ پر داؤد خاں اپنی فوج دار تھا۔ اس مہم میں احسن خاں نے بڑی عمدہ کارگذاری دکھائی۔ حالانکہ اس وقت رسد کے نہ ملنے کے سبب سارا لشکر فاقوں پر آ گیا تھا اور سخت پریشانی لاحق تھی۔ ہم ان تفصیلات کو یہاں چھوڑتے ہیں۔ اس سلسلہ کا باقی تذکرہ آگے کسی مقام پر کریں گے۔ اب ہم اعظم شاہ اور بہادر شاہ کے کوچ کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

اعظم شاہ کی تخت نشینی

اعظم شاہ دس ذی الحجہ کو تخت نشین ہوا تھا اور اس نے دکن میں یہ سکہ مزب کرایا تھا ؎

سکہ زد درجہاں بدولت وجاہ
بادشاہ ممالک اعظم شاہ

اعظم شاہ کے ساتھ اس وقت قدیم بادشاہی امرار کی ایک بڑی تعداد تھی جیسے جمدۃ الملک امیرالامرا اسد خاں، ذوالفقار خاں بہادر، نصرت جنگ مرزا صدرالدین محمد خاں۔ صفوی خاں جو ایران سے تازہ وارد تھا اور بخشی گری کی خدمت پر مامور کیا گیا تھا۔ تربیت خاں میر آتش، چین قلیچ خاں بہادر جو انہی دنوں بیجاپور کی صوبہ داری سے حاضر بارگاہ ہوا تھا۔ محمد امین خاں، خان عالم اور منور خاں۔ جو خان زماں خاں دکنی کے بیٹے تھے اور دونوں شجاعت میں مزب المثل تھے۔ کامیاب خاں سید مظفر خاں اسد خانی، راجہ رام سنگھ ہارہ، دلپت راؤ بندیلہ ان کے علاوہ رکاب شاہی کے اور بھی امیر تھے۔ جن کی فہرس بڑی طویل ہے۔ اعظم شاہ نے ان سب امیروں کو خلعت جواہر اضافے مرحمت کئے اور وعدہ وعید کرکے اپنا حامی و مددگار بنا لیا تھا۔ وسط ذی الحجہ میں اعظم شاہ ان سب کو لے کر جمدۃ الملک اسد خاں کے ہمراہ شاہ عالم کے مقابلہ پر روانہ ہوا۔

اعظم شاہ باپ کے مزار پر

جب اورنگ آباد کے قریب پہنچے تو اطلاع ملی کہ حمید الدین خان بہادر خلد مکاں عالمگیر بادشاہ کے مزار پر مجاور بن گیا ہے۔ بادشاہ عالمگیر کو حضرت برہان الدین اور زین الدین کے مقبروں کے درمیان دفن کیا گیا تھا۔ جب اعظم شاہ فاتحہ پڑھنے باپ کے مزار پر گیا تو حمید الدین خاں کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور اپنے ہمراہ لے آیا۔ " منصور خاں روز بہانی " عالمگیر بادشاہ کی زندگی میں راستوں کی حفاظت اور انتظام پر پہلے ہی اورنگ آباد آچکا تھا اعظم شاہ نے اورنگ آباد پہنچنے کے بعد منصور خاں کو وہاں کی صوبہ داری پر مامور کردیا۔ مرزا یار علی نے یہاں پہنچ کر کعبۃ اللہ جانے کی اجازت لے لی برہان پور

پہنچنے کے بعد ایک دو دن مقام کرنے کے بعد ضروری بندوبست کر کے فوراً ہی کوچ کر دیا۔ محمد امین خاں بہادر اور چین قلیچ خاں بہادر جس کا خطاب "خان دوراں" ہو گیا تھا۔ اعظم شاہ کے سلوک سے ناراض ہو گئے تھے۔ دونوں نے برہان پور میں ساتھ چھوڑ دیا اور اورنگ آباد واپس چلے گئے اور وہاں اکثر پرگنوں پر قبضہ کر لیا۔

بہادر شاہ کی کابل سے آمد

اب ہم بہادر شاہ (شاہ عالم) کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ منعم خاں بڑا تجربہ کار کارپرداز امیر تھا ، مرحوم بادشاہ نے اسے کابل پر متعین کیا تھا۔ شاہ عالم کے پاس اس نے بڑا اثر و رسوخ پیدا کر لیا تھا۔ شاہ عالم نے صوبہ لاہور میں اپنی جاگیر کے معاملات کا اسے دیوان بھی مقرر کر دیا تھا اور اس کے لئے پورے صوبہ لاہور کی دیوانی کی سفارش مرحوم بادشاہ کے دربار میں بھجوا دی تھی۔ جب منعم خاں کو عالمگیر بادشاہ کی بیماری کی خبر ملی ، تو منعم خاں نے شاہ عالم کی خدمت میں جانے کا ارادہ کیا اور لاہور و پشاور کے راستہ پر تمام پرگنوں میں باربرداری کا سامان توپ کشی کے اونٹ اور بیل اور سامانِ جنگ اس طرح جمع کرا دیا کہ کسی کو خبر نہ ہو۔ پشاور میں بادشاہ کے انتقال کی خبر ۲۰ ذی الحجہ کو پہنچی۔ بہادر شاہ (شاہ عالم) نے اسی دن کوچ کا فیصلہ کر لیا تھا۔ دوسرے دن منعم خاں کی عرض داشت پہنچی ، جس میں سلطنت کی مبارک بادی تھی اور جلد از جلد کوچ کرنے کی درخواست کی تھی۔ بہادر شاہ نے پیش خانہ فوری نکالنے کا حکم دے دیا اور دوسرے دن کوچ کر دیا۔ جتنے امیر رکاب میں تھے سب نے رفاقت کی مگر فتح اللہ خاں نے جو شجاعت و بہادری میں مشہور تھا اور اسی قریب میں اس کی تعیناتی کابل پر ہوئی تھی ساتھ چلنے سے انکار کر دیا۔ جب اس کے ترک رفاقت کی اطلاع بہادر شاہ کو ہوئی تو حکم ہوا کہ "ہمارے قدیم نمک خوار" جاں نثار خاں " کو جو شجاعت و بہادری میں فتح اللہ خاں کا ثانی ہے۔ اکبر آباد کی سرحد پہ بھیج دیا جائے۔ وہ پانچ چھ ہزار سوار لے کر وہاں شہزادہ عظیم الشان کے پاس حاضر ہو جائے۔ شاہزادہ معز الدین ٹھٹھہ کا صوبہ دار تھا اور شاہزادہ اعزالدین ملتان میں باپ (بہادر شاہ) کا نائب تھا ، ان

دونوں کو اور دوسرے امرا کی طلبی گئے احکام بھی صادر ہو گئے جن سے بہادر شاہ کو وفاداری اور جاں نثاری کی توقع تھی۔ شاہ عالم کوچ پر کوچ کرتے ہوئے لاہور کے قریب پہنچ گیا۔ منعم خاں مرحوم بادشاہ کی علالت کی خبر سن کر ہی فوج بھرتی کرنے توپ خانہ درست کرنے اور خزانہ جمع کرنے میں مشغول ہو گیا تھا۔ شاہ عالم کے آنے پر وہ چار پانچ ہزار سوارہ فوج کے ساتھ باہر نکلا اور لاہور سے دو منزل پر اپنی فوج کا اور توپ خانہ کا معائنہ کرایا اور چالیس لاکھ روپیہ کی فراہمی کی دستاویز پیش کی اور سلطنت کی مبارک باد و تسلیمات عرض کیں۔ شاہ عالم نے خوش ہو کر کہا۔ تم کو بھی وزارت مبارک ہو۔

بہادر شاہ کی تخت نشینی

بہادر شاہ (شاہ عالم) نے آخر محرم سن گیارہ سو انیس ہجری ۱۱۱۹ھ میں دار السلطنت لاہور کے نواح میں قیام کیا اور اسی منزل پر محرم کے آخری دن یا صفر کی پہلی تاریخ کو کیونکہ رویت ہلال کے نہ ہونے کے سبب تاریخوں میں اختلاف ہو گیا تھا۔ اپنے نام کا خطبہ پڑھنے اور سکے جاری کرنے کا حکم دے دیا۔ ہم رکاب امیروں نے نذر نیاز تسلیمات مبارک باد پیش کیں سونا چاندی نچھاور ہوئی۔ شاہ نے حکم دیا تھا کہ روپیہ کے وزن میں نصف ماشہ وزن زیادہ کر کے سکہ ضرب دیا جائے۔ نئے وزن پر لاکھوں سکے جاری کر دیئے گئے تھے لیکن تنخواہوں اور لین دین میں پرانے وزن کا ہی حساب کیا جاتا تھا۔ اس لئے یہ نیا سکہ رائج نہیں ہو سکا۔ اسی منزل پر ملتان کا صوبہ دار شاہزادہ محمد معز الدین اپنے بڑے بیٹے کے ساتھ حاضر ہوا اور باپ کی قدم بوسی کی۔ شاہ نے اسے پچیس ہزاری پندرہ ہزار سوار کا منصب عطا کیا۔ معز الدین کے بیٹے اعز الدین کو آٹھ ہزاری تین ہزار سوار کا منصب عطا کیا۔ شاہزادہ محمد عظیم کو نا ئبانہ اٹھارہ ہزاری پندرہ ہزار سوار کا منصب دیا اور مستقر الخلافت اکبرآباد جلد پہنچنے کے لئے فرمان صادر کیا۔ شاہزادہ محمد رفیع القدر کو سولہ ہزاری پندرہ ہزار سوار اور شاہزادہ خجستہ اختر کو چودہ ہزاری نو ہزار سوار کا منصب اور محمد عظیم کے بیٹے شاہزادہ محمد کریم کو سات ہزاری ہزار سوار کا

اضافہ خان زماں کا خطاب نقارہ اور دوسری عنایات سے سرفراز کیا گیا اور وزارت اور اعلیٰ مراتب کا وعدہ کیا۔ خان زماں کے بڑے بیٹے کو اضافہ دیا خانہ زاد خاں کا خطاب عطا کیا۔ بہادر علی خاں کو اللہ وردی خاں کا خطاب اور مردان علی خاں کو ہزبر خاں کا خطاب عطا فرمایا۔ لطف اللہ مرحوم کے بیٹے عنایت خاں کو جو سعد اللہ خاں کا پوتا تھا چار ہزاری تین ہزار سوار کا منصب علم و نقارہ عطا کیا۔ اور بڑے شاہزادہ محمد معزالدین کی ہراولی پر مقرر کردیا۔ خواجہ شکراللہ خاں کو سادات خاں اور محمد رستم خاں کو رستم دل خاں کا خطاب ملا۔ عبداللہ خاں کا بیٹا حسین علی خاں ڈیڑھ ہزار کا منصب دار تھا اُسے تین ہزاری دو ہزار سوار کا منصب اور نقارہ عطا ہوا۔ نیاز علی خاں کو قلیچ خاں کا اور سید تاج کو شہامت خاں کا خطاب مرحمت کیا اسالت خاں کا بیٹا محمد سعید سیف اللہ خاں سے مخاطب کیا گیا۔ آغر خاں کے بیٹے دیدہ مغل کو اس کے موروثی خطاب سے نوازا اور اسے قراولی کے عہدہ پر مامور کیا۔ اس طرح تمام خانہ زادوں اور روشناس ملازمان سرکار کو حسب مراتب اضافہ انعام و اعزاز عطا کئے گئے اور سب کو آئندہ ترقی کی امید اور توقع دلائی اور لاہور کے خزانہ سے چالیس لاکھ روپیے کر کوچ کردیا۔

اکبرآباد کی طرف کوچ

بہادر شاہ سرہند پہنچا تو وہاں کے صاحب مدار وزیر خاں نے اٹھائیس لاکھ روپیہ بادشاہی رقم میں سے پیش کش کی آخر صفر میں دارالخلافہ شاہجہاں آباد کے قریب قیام ہوا۔ اسی درمیان میں شاہزادہ محمد عظیم کی عرض داشت پہنچی کہ شہزادہ پدر کے قریب پہنچے پر جب اسے مرحوم دادا کی وفات کی خبر پہنچی تو اس نے فوج کی فراہمی کے لئے تمن داروں اور فوج داروں کو تسلی دلاسا دے کر بیس ہزار سوار سے زائد فوج جمع کرلی اور محمد بیدار بخت کے پہنچنے سے پہلے ہی اکبرآباد پہنچ گیا اور صوبہ دار مختار خاں کو محصور کرکے بے دخل کردیا اور اُس کا مال و اسباب ضبط کرلیا اور باقی خاں قلعدار کو دلاسا دے کر خزانوں کی کنجیاں سپرد کرنے پر راضی کرلیا ہے۔ اور اب بس حضور کی تشریف آوری کا انتظار ہے۔ ہندوستان کی سلطنت حضور والا کے لئے مبارک ہو۔ اس خوش خبری کو بہادر شاہ نے نیک

شگون جانا۔ یہی اطلاعات اخبار نویسوں اور مخبروں نے بھی پہنچائیں کہ مختار خاں تمید کر دیا گیا اور باقی خاں قلعدار نے اطاعت کر لی۔ معلوم ہوا باقی خاں قلعدار نے شہزادہ محمد عظیم کی خدمت میں بڑے عجز و نیاز سے درخواست کی کہ اگرچہ قلعہ اور خزانے ہر دو وارثانِ تاج و تخت کا حق ہیں۔ لیکن جو بھی پہلے پہنچ جائے گا میں حاضر خدمت ہو کر خزانہ اور قلعہ کی چابیاں اس کے سپرد کر دوں گا۔ کسی کو یہ گمان نہ تھا کہ پشاور سے اتنی طویل مسافت طے کر کے شاہ عالم، محمد اعظم شاہ سے پہلے وہاں پہنچ جائے گا۔

شاہ عالم دہلی میں

بہرحال شاہ عالم کو دارالخلافہ (دہلی) میں پہنچنے کے بعد شاہزادہ محمد عظیم کی عرض داشت ملی۔ اس خوشی میں شادیانے بجانے کا حکم دیا گیا۔ دہلی پر آصف خاں کا پوتا محمد یار خاں قلعدار تھا۔ اس کے پاس خان زماں کے ذریعہ عنایت آمیز پیغام بھجوایا گیا۔ محمد یار خاں نے اطاعت کا اظہار کر کے اپنے بیٹے حسن یار خاں کو قلعہ کی چابی دے کر خدمت میں بھیج دیا اور خان زماں کے ہاتھ نذرانہ کی نو اشرفیاں اور دو ہزار روپیہ بھی بھیجا کہ وہ اس کی طرف سے مبارک باد کے آداب بجا لائے۔ بادشاہی ملازموں اور عدالت کے عہدہ داروں اور دوسرے کارگزاروں نے آکر مبارکباد دی اور عنایات و اعزازات سے نوازے گئے۔ شاہ عالم نے دہلی کے بزرگان دین کے مزاروں کی زیارت کی اور درگاہوں کے خدام کو نذر نذرانے پیش کئے اور دہلی کا نظم و نسق درست کرنے کے بعد وہاں کے خزانہ سے تیس لاکھ روپیہ لیا اور اوائل ربیع الاول میں اکبر آباد کی طرف کوچ کر دیا۔

شاہ عالم اکبر آباد میں

اسی ماہ کے وسط میں شاہ عالم اکبر آباد پہنچ گیا اور شہر کے قریب "دہرہ" نامی باغ میں قیام کیا۔ شاہزادہ محمد عظیم اپنے بیٹے شاہزادہ محمد کریم کے ساتھ باریاب ہوا۔ باقی خاں قلعدار بھی قلعہ اور خزانوں کی کنجیاں لے کر حاضر ہوا اور تخت نشینی کی مبارک باد عرض کی اور شاہ عالم نے اس پر عنایات کیں۔ اکبر آباد کے قلعہ کے خزانہ کی جو فہرس ملاحظہ میں پیش کی گئی تھی وہ بہ اختلاف روایت نو کروڑ کی مالیت کی اشرفیاں تھیں یا روپے اور چوبیس کروڑ روپیہ کے طلائی

آلات اور غیر مسکوک چاندی تھی۔ یہ خزانہ صاحب قرآن ثانی شاہجہاں نے جمع کیا تھا جس میں سے خلد مکان عالمگیر بادشاہ نے ایک بڑا حصہ دکن کی مہم میں خرچ کر دیا تھا۔ ایک دوسری روایت کے مطابق خزانہ میں اشرفیوں کے علاوہ "غریب نواز" نامی روپیہ بھی تھا یہ روپیہ (شاہجہاں نے) ایک سو سے پانچ سو تولہ وزن میں خاص طور سے انعام میں دینے کے لئے تیار کرایا تھا۔ محمد اکبر بادشاہ کے عہد کی بارہ اور تیرہ تولہ وزن کی اشرفیاں بھی تھیں۔ ان سب کی مالیت تیرہ کروڑ کی تھی۔ شاہ عالم نے حکم دیا کہ خزانہ میں سے فوری طور پر چار کروڑ کی اشرفیاں اور روپیہ نکالے جائیں اور ان میں سے ہر شاہزادہ کو تین تین لاکھ روپیہ جو کل نو لاکھ روپیہ ہوتا ہے۔ دیئے جائیں۔ خان زماں بہادر اور اس کے بیٹوں کو تین لاکھ سادات بارہہ کو ایک لاکھ اور آغر خاں کو مع اس کے مغل ہمراہیوں کے ایک لاکھ روپیہ دیدیا جائے اسی طرح فوج کے تمام ملازموں اور سرکاری کارگذاروں کو جن کی آٹھ ماہ اور نو ماہ کی تنخواہیں دینی تھیں مطالبات ادا کر دینے کا حکم ہوا جو ملازم نئے نئے بھرتی ہوئے تھے ان کو دو ماہ کی تنخواہ دیدی گئی اور توپ خانہ کے عملہ کو تین ماہ کی۔ محل کی عورتوں اور تمام محکموں کے آدمیوں کو ان کے واجبات ادا کر دیئے گئے تنخواہوں کے علاوہ مستحقوں درویشوں حاجت مندوں کو جھولی بھر بھر کر روپیہ اور اشرفیاں مرحمت کیں۔ اس طرح دو کروڑ روپیہ سخت نگرانی اور انتظام میں تقسیم کر دیا گیا۔ روپیہ کی تقسیم میں ایسی سخت نگرانی کی گئی تھی کہ خود خان زماں ہاتھ میں لکڑی تھامے تقسیم کا انتظام کر رہا تھا۔ اور اس کے ہاتھ سے ایک تحویلدار مار کھا کر فوت ہو گیا۔

شاہ عالم نے خان زماں کو ترقی دے کر پانچ ہزاری پانچ ہزار سوار کا منصب عطا کیا اور وزارت کے عہدہ پر فائز کر کے خطاب عطا کیا۔" صاحب السیف والقلم وزیر با فرہنگ جملۃ الملک بہادر ظفر جنگ " اپنی فوج کے ہراول کا کماندار بھی اسی کو مقرر کیا۔ فوج کی نئی تنظیم کرائی۔ تجربہ کار جنگجو امراء کو میمنہ، میسرہ، التمش (حاشیہ کی فوج) قول اور چنداول پر مقرر کیا۔ آغر خاں کو "قراولی" کی خدمت پر مامور کیا گیا۔ شاہزادہ محمد عظیم صوبہ بنگالہ سے آٹھ نو کروڑ روپیہ اور ایک قول کے مطابق گیارہ کروڑ روپیہ جمع کر کے

لایا تھا اس نے۔ معائنہ کے وقت تیس ہزار سوار پیش کئے۔ جملہ فوج کی تعداد معائنہ میں اسی ہزار سوار شمار میں آئے تھے۔

گوالیار کے قلعدار کا منصوبہ

جان نثار خاں عرصہ دراز سے گوالیار کا فوجدار اور قلعدار تھا۔ ابتدا ہی سے شاہ عالم کی خدمت میں اس نے تربیت و ترقی پائی تھی۔ قدیم الخدمت ہونے کے سبب وہ سب سے زیادہ ترقی کا اُمیدوار تھا۔ شاہ عالم کو بھی اس سے امید تھی کہ وہ چار پانچ ہزار سواروں کی فوج لے کر شاہزادہ محمد عظیم کے لشکر میں شامل ہو جائے گا۔ لیکن جان نثار خاں نے جب محمد اعظم شاہ کے سکہ خطبہ غلبہ و تسلط کی خبریں سُنیں۔ نیز اس خیال سے کہ شاہ عالم بڑے طویل فاصلہ پر ہے اُس نے محمد اعظم شاہ کی اطاعت کو زیادہ ضروری سمجھا مگر اسے ساتھ ہی شاہ عالم کے ساتھ قدیم وابستگی کا بھی خیال تھا۔ اسی زمانہ میں دکن سے محمد اعظم شاہ اور عظیم آباد سے شاہزادہ محمد عظیم کی آمد آمد کی شہرت ہونے لگی۔ جان نثار خاں اپنے آپ کو عقل و تدبیر میں معلم ثالث سمجھتا تھا اس نے ایک دو طرفہ منصوبہ بنایا اور محمد اعظم شاہ کے پاس عرض داشت بھیجی کہ اگرچہ میں بظاہر شاہ عالم کے قدیم الخدمت کارگذار دل میں سمجھا جاتا ہوں مگر درحقیقت میں دل و جان سے آپ کی بارگاہ کا عقیدت مند ہوں اور حاضر ہونے کا مصمم ارادہ کر چکا ہوں اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ نکلنے کی تیاری کر رہا ہوں مگر یہاں باربرداری کا اور زنانہ سواریوں کا انتظام نہیں ہے ادہر محمد عظیم قریب پہنچ رہا ہے اور اس نے میرے ارادوں سے واقف ہو کر ایک فوج میری گرفتاری کے لئے مقرر کر دی ہے۔ اب براہِ کرم آپ اس بلائے عظیم کے پہنچنے سے قبل ہی شائستہ اور منظم فوج کے ہمراہ باربرداری اور سواری بھیج دیجئے تاکہ میں آپ کے حضور میں پہنچ جاؤں۔ دوسری طرف اس نے اسی مضمون کی عرض داشت محمد عظیم کو بھی لکھی کہ یہ قدیم الخدمت غلام جاں نثاری کے لئے آمادہ ہے اور محمد اعظم شاہ نے ایک فوج مجھے یہاں سے لے جانے کے لئے مقرر کر دی ہے اگر حضور والا فوج اور باربردار بھیج دیں تو میں حاضر ہو جاؤں گا۔ یہ خطوط بھجوا دیئے اور دل میں یہ طے کر لیا کہ جہاں

سے بھی فوج پہلے پہنچ جائے گی، میں اس کے ساتھ چلا جاؤں گا اور میری طرف سے عذر و معذرت کی گنجائش رہے گی کہ میں نے پہلے ہی اطلاع دی تھی اور مجبور ہو گیا تھا۔ مگر دونوں طرف سے کسی نے بھی فوج نہیں بھیجی یہاں تک کہ شاہ عالم کے اکبرآباد پہنچ جانے کی خبر آگئی۔ ادھر سے محمد اعظم شاہ کی آمد آمد بھی سننے میں آرہی تھی۔ اب اس کے لئے بجز اس کے کوئی راہ نہیں تھی کہ وہ شاہ عالم کے پاس چلا جاتا مگر اس کی ہمراہی فوج سے سابقہ اور موجودہ مطالبات کی ادائیگی میں تنازعہ پیدا ہو گیا تھا اور وہ باربرداری کا انتظام بھی نہیں کر سکا تھا۔ اس لئے زائد از ضرورت سامان جلا دیا اور جس طرح بھی بن پڑا سفر کا انتظام کر کے گنتی کے چند سواروں اور مختصر باربرداری کے ساتھ جو شاہزادہ محمد عظیم کی طرف سے راستہ میں اسے مل گئی تھی وہ شاہ عالم کی فوج میں حاضر ہو گیا۔ شاہ عالم اس پر اپنے حق نمک کو واجب جانتا تھا پھر یہ خیال تھا کہ وہ تیرہ چودہ سال سے ایک سرسبز اور سیر حاصل تعلقہ اور جاگیر میں قلعداری اور فوج داری پر مامور رہا ہے۔ یقیناً وہ بڑی عمدہ اور منظم فوج لے کر آئے گا۔ اس لئے جب وہ آیا تو شاہ عالم نے بڑی توقع سے دریافت کیا "تم کتنی فوج ساتھ لائے ہو"؟ عرض کیا گیا تین چار ہاتھی پندرہ بیس سوارے کر آیا ہے۔ یہ بات شاہ عالم کو بہت ناگوار گذری اور وہ اس سے ناراض ہو گیا، اس رنجش کا جو نتیجہ نکلا اس کا ذکر ہم آگے کریں گے۔

اعظم شاہ کی مالی پریشانیاں

اب ہم محمد اعظم شاہ کی طرف چلتے ہیں۔ محمد اعظم شاہ کی فوج بندی اسی نوّے ہزار سواروں سے متجاوز تھی مگر لشکر میں موجود تعداد پینتیس ہزار کے قریب تھی وہ اس فوج کو اور توپ خانہ کو لے کر دشمن کے مقابلہ پر چلا اس کے ساتھ بادشاہ عالمگیر کے مزاج داں بڑے بڑے ہم رکاب امیر بھی تھے۔ اورنگ آباد میں اس نے منصور خاں کو چھوڑ دیا۔ فیروز جنگ برار میں تھا اسے وہیں رہنے کا حکم دیا اور کوچ پر کوچ آگے بڑھتا رہا۔ اس سے بے خبر کہ موت اس کی قافلہ سالار بنی ہوئی ہے۔ اس نے امراء کو اور فوج کے افسروں کو اضافہ اور ترقی عطا کر کے ان کی دل دہی کا خیال رکھا تھا مگر

فوج کے مطالبات کے ادا کرنے نقد روپیہ اور انعام دینے میں اس نے ہاتھ روک رکھا تھا۔ کیونکہ اس کے ساتھ جو خزانہ تھا وہ بہت کم تھا۔ اس سلسلہ میں جب امرا عرض کرتے تھے تو وہ فریق مخالف کے بزدل ہونے اور اپنے بہادر ہونے کی ڈینگیں مار کر صاف کہتا تھا۔ مجھے تمھارے لشکر کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ یہ باتیں وہ اکثر بڑی درشتی سے کہہ دیا کرتا تھا۔ اور حقیقت میں اس کے پاس اتنا خزانہ نہیں تھا کہ کھلے ہاتھوں صرف کر سکے۔ لوگوں کو اس کے پاس سے روپیہ تو نہیں ملتا تھا، ہاں یہ سخت سست باتیں، جن کا وہ عادی تھا سننے کو مل جاتی تھیں، جن سے لوگوں کے دل اس سے پھر گئے۔ چنانچہ جب برہان پور سے گذر ہوا تو چین قلیچ خاں بہادر جسے "خان دوراں" کا خطاب ملا تھا۔ چند مشہور آدمیوں کو لے کر ساتھ چھوڑ کر اورنگ آباد چلا گیا۔ محمد امین خاں بھی مغلوں کی ایک بڑی تعداد کو لے کر کوچ کے وقت لشکر سے نکل گیا، بلکہ اس نے چلتے چلتے لشکر کے اکثر بنجاروں اور باربرداری پر بھی ہاتھ صاف کر دیا۔ اس نے بھی اورنگ آباد کا رخ کیا۔ جب ان امیروں کے جانے کی خبر اعظم شاہ کو ہوئی تو اس نے سنی ان سنی کر دی اور اس کی تلافی کی کوئی فکر نہیں کی۔

ساہوجی کی غداری اور فرار

سیواجی کا پوتا راجہ ساہو لشکر کے ہمراہ تھا۔ ذوالفقار خاں نصرت جنگ بہت پہلے سے اس پر مہربان رہتا تھا۔ نصرت جنگ نے اعظم شاہ کی خدمت میں اسے اور اس کے چند ساتھیوں کو باریاب کرایا اور سفارش کرکے اس کو صاحب اختیار سردار بنا دیا۔ اب تک وہ نگرانی اور نظر بندی میں تھا، جب اعظم شاہ ناندیا ندی کو عبور کرکے دوراہہ کی سرحد پر پہنچا تو ساہوجی اپنے پچاس ساٹھ رفیقوں کے ساتھ لشکر سے نکل بھاگا، اور موہن سنگھ زمیندار کے پاس چلا گیا۔ موہن سنگھ نندربار کے پرگنہ سلطان پور اور سرکار بیجاگڈھ کی سرحد پر دشوار گذار پہاڑوں میں رہتا تھا اس کا شمار مشہور فتنہ پردازوں میں ہوتا تھا۔ راجہ ساہو کو اس نے اپنے علاقہ سے بڑے اعزاز و اکرام سے گذار دیا۔ وہاں سے ساہو ایک مشہور مرہٹے آجونامی کے پاس جو پاندہ کے نام سے مشہور تھا پہنچا۔ پاندہ بھی اس علاقہ کا

مانا ہوا فسادی تھا اور سلطان پور کے پرگنہ میں کوکرمندہ کی گڑھی اس کے قبضہ میں تھی اور وہ بندرگاہ سورت سے برہان پور تک تاخت وتاراج کرتا رہتا تھا۔ پانڈہ نے ایک فوج ساہو کے ہمراہ دیدی اور وہ بحفاظت اپنے وطن اور موروثی قلعوں میں پہنچ گیا یہ تمام قلعے خلدمکاں نے فتح کرلئے تھے مگر اس طوائف الملوکی کے دور میں اکثر مفتوحہ قلعے دوبارہ مرہٹوں کے ہاتھ چلے گئے تھے۔ جو مرہٹہ سردار مجبوراً رام راجہ کی بیوی تارابائی کے ساتھ ہوگئے تھے۔ ساہو کے پہنچنے پر اس کا ساتھ چھوڑکر چلے آئے اور ساہو کے رفیق
۷ بن گئے۔ کہتے ہیں جس وقت وہ اپنے وطن کی طرف جارہا تھا تو راستہ میں اس کا گذر گل زمین پر ہوا جہاں خلدمکان عالمگیر بادشاہ کی وفات ہوئی تھی۔ ساہو نے وہاں پہنچ کر اس جگہ کی زیارت کی اور فقیروں کو کافی نقدی دی اور کھانا کھلایا۔

وطن پہنچنے کے بعد ساہو نے ایک بڑی فوج جمع کرلی اور پہلے وہ احمدنگر کے نواح میں پہنچا .... اس وقت اس کے جھنڈے کے نیچے تقریباً بیس ہزار مرہٹے جمع ہوگئے تھے۔ وہ اس بڑی فوج کو لے کر حضرت خلدمکاں عالمگیر کے مزار کی زیارت کے ارادہ سے اورنگ آباد کی طرف روانہ ہوا۔ مرحوم بادشاہ کو دولت آباد کے قریب دفن کیا گیا تھا اور اب وہ مقام خلدآباد کے نام سے مشہور ہے۔ جب اس کا ہراول اورنگ آباد کے قریب پہنچا تو اس کے اُچکے لیٹرے ساتھیوں نے اورنگ آباد کے اطراف لوٹ مار شروع کردی۔ اگرچہ ساہوجی اور اس کے بھائی تاخت وتاراج کا ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ منصور خاں اور اورنگ آباد پر متعین دوسرے امیروں نے برج اور فصیل کی مرمت کرائی اور قلعہ سے نکل کر مرہٹوں کا تدارک کرنے لگے۔ ساہو نے اپنے آدمیوں کو شروفساد
۹۶ سے روک دیا اور بزرگوں کے مزاروں اور حضرت خلدمکاں کے قبر کی زیارت کرکے اپنے قلعوں کو واپس ہوگیا۔ اب ہم راجہ ساہو کا تذکرہ ملتوی کرتے ہیں، اور اصل مضمون کی طرف لوٹتے ہیں۔

اعظم شاہ کا کوچ

جب محمد اعظم شاہ نربدا کو عبور کرکے گوالیار پہنچا تو اسے اطلاع ملی کہ شاہ عالم اور محمد عظیم ایک بڑا لشکر لے کر اکبرآباد

پہنچ گئے ہیں۔ یہاں اس نے اپنی فوج کی تنظیم کی اور اپنی بڑی بہن زیب النساء بیگم کو اور مرحوم بادشاہ کے حرم کی خواتین وغیرہ کو قلعہ میں چھوڑ دیا اور تمام غیر ضروری سامان خزانہ جواہرات بھی وہیں رکھوا دیئے۔ ہمراہی امیروں کے خاندان بھی قلعہ میں رہ گئے۔ گوالیار کی حفاظت پر امیرالامراء اسد خاں اور عنایت اللہ خاں وغیرہ مامور ہوئے اس بندوبست کے بعد اس نے اپنے حرم کی چند عورتوں کو ساتھ لیا اور جواہرات واشرفیوں کی ایک مقدار بھی ہمراہ رکھ لی۔ گوالیار میں اس نے فوج کے مطالبات میں کچھ رقم ادا کی اور فوج کی ترتیب مقرر کردی۔ شاہزادہ بیدار بخت کو ہراول پر مقرر کیا اور بیدار بخت کے ہراول پر ذوالفقار خاں، خان زماں حیدرآبادی کے بیٹے خان عالم اور منور خاں، راؤ دلپت بندیلہ، رام سنگھ ہارہ اور دوسرے بہادر اور افغان جمعیت مقرر کردی گئی۔ شاہزادہ کے ساتھ نامور امراء کی ایک جماعت تھی۔ جیسے مرزا صدر الدین محمد خاں، تربیت خاں، امانت اللہ خاں، مطلب خاں، صلابت خاں، عرف سلطان نذر، عاقل خاں عرف شیخ سلطان صفوی خاں بخشی، جو ولایت (ایران) سے نیا نیا آیا تھا۔ سید شجاعت خاں، ابراہیم بیگ تبریزی، عثمان خاں وغیرہ تھے، تورانیوں، افغانیوں، راجپوتوں کی فوجیں ہمراہ تھیں، جن کی تفصیل باعثِ طوالت ہوگی۔ غرض پچیس ہزار کا لشکر شجاعت و بہادری کے گھمنڈ میں اکبرآباد کی طرف روانہ ہوا۔

کہتے ہیں اگرچہ محمد اعظم شاہ کے پاس کوئی پچاس ہزار سوار جمع ہو گئے تھے مگر وہ خزانہ کی کمی کی وجہ سے فوج کو روپیہ دینے سے ہاتھ روکے ہوئے تھا اور فریق ثانی کی زرپاشی اور گنج بخشی کے بڑے چرچے ہو رہے تھے اس لئے بہت سے تمن دار (قبائلی سردار) اور فوجی اعظم شاہ کا ساتھ چھوڑ کر شاہزادہ محمد عظیم اور شاہ عالم کے پاس چلے گئے۔

شاہ عالم کا خط اعظم شاہ کے نام

بیان کرتے ہیں جب محمد اعظم شاہ کے گوالیار پہنچنے کی خبر شاہ عالم کو ملی تو اس نے بھائی کے

نام نصیحت آمیز خط لکھنے کی ہدایت کی کہ والد محترم نے خط خاص سے ملک کی تقسیم کے سلسلہ میں وصیت نامہ لکھ دیا تھا۔ دکن کے چھ صوبوں میں سے چار صوبے بشمول صوبہ احمد آباد تم کو دیدیا تھا۔ ان کے علاوہ میں تم کو ایک دو صوبے اور بھی دیدیتا ہوں اور میں نہیں چاہتا کہ مسلمانوں کی خوں ریزی ہو۔ اسلام پر ایمان رکھنے والوں کا اعتقاد یہی ہے کہ ایک مسلمان کے خون کے کفارہ میں جو ناحق بہایا گیا ہو اگر ایک ملک کا خراج بھی دیدیا جائے تو اس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ تم کو چاہیئے کہ والد بزرگوار کی وصیت کے مطابق اللہ نے جو کچھ عطا کر دیا۔ اُس پر راضی ہو جاؤ اور فتنہ و فساد کے رفع کرنے کی کوشش کرو" یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ شاہ عالم نے محمد اعظم شاہ کو پیغام دیا تھا کہ اگر تم بے انصافی اور زیادہ طلبی سے دست بردار نہیں ہونا چاہتے اور والد مرحوم کی وصیت پر جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق وہ کر گئے ہیں۔ راضی نہیں ہو اور اپنی بہادری کا مظاہرہ کرنے پر تُل گئے ہو تو پھر یہ کیا ضروری ہے کہ اس فانی سلطنت پر ہمارے باہمی تنازعہ میں ایک مخلوق ماری جائے۔ بہتر یہ ہے کہ تنہا ہم اور تم مقررہ مقام پر ایک دوسرے سے مقابلہ کرلیں۔ ؎

" بہ بینیم کز ما بلندی کراست "

خود ہی فیصلہ ہو جائے گا کہ اللہ کی اعانت کس کے ساتھ ہے، چونکہ تم اپنی تلوار کے آگے کسی اور کے وجود کو تسلیم ہی نہیں کرتے ہو، اس لئے اس لڑائی میں تو تمھارا ہی فائدہ ہے۔ ویسے اللہ تعالیٰ کی مدد جس کے بھی ساتھ ہو جائے۔

شاہ عالم کی صلح پسندی

اگرچہ ظاہر بین معترضین کے نزدیک شاہ عالم کی طرف سے اس پیغام کے بھیجنے کا کوئی امکان نہیں ہے کیونکہ شاہ عالم قتال وجدال سے ہمیشہ پہلو بچاتا تھا اور اس کے برخلاف محمد اعظم شاہ کی بہادری اور دلیری مسلّم تھی۔ مگر یہ بات ایک بے تعصب اور بے غرض ثقہ راوی سے سننے میں آئی۔ وہ اس شخص کا رفیق تھا جس نے یہ پیغام اعظم شاہ کے پاس پہنچایا تھا۔ اس کے علاوہ ایک اور جماعت بھی اسی بات کو بیان کرتی ہے یہ

لوگ عرصہ تک دونوں بھائیوں کے محرم اور رفیق رہ چکے ہیں۔ ان کا بیان محتاط اور مبنی برانصاف ہے کہ شاہ عالم اگرچہ محمد اعظم شاہ کی تیزدستی اور اس کی دلیری و بہادری کی شہرت کے سبب حتی المقدور جنگ میں پیش قدمی نہیں کرنا چاہتا تھا اور مسلمانوں کی خون ریزی پر راضی نہیں تھا، مگر جب مقابلہ ہوا اور جنگ لڑنی پڑی تو اس کی ثابت قدمی اور حوصلہ مندی میں کوئی خلل نہیں پڑا۔ اس کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ اگر اس کی بزدلی اس کی شجاعت پر غالب ہوتی، اور وہ مسلمانوں کے خونِ ناحق کو بہانے کی طرف مائل ہوتا تو تخت نشینی کے بعد وہ اپنے آباؤ اجداد کے رویہ کے برخلاف وارثان سلطنت اور مدعیان ملک کو اس طرح آزادی اور خودمختاری کے ساتھ اپنے ہمراہ نہیں رہنے دیتا۔ اس دوران میں شاہ عالم کے مقرب، مصاحب لشکر کی کثرت اور خزانہ کی فراہمی پر جب بھی مغرورانہ باتیں کرنے لگتے تو شاہ عالم ان کو ٹوک دیتا تھا اور کہا کرتا تھا لشکر خزانہ اور شجاعت پر تکیہ کرنا دین داری کے خلاف ہے۔ کیونکہ سب کچھ بادشاہ حقیقی خداوند تعالیٰ کی مرضی اور اختیار پر منحصر ہے۔

مر اورارسد کبریا و منی
کہ ملکش قدیم است وذاتش غنی

کبھی کبھی اس کی زبان سے یہ بھی نکل جاتا تھا کہ ہمارے بھائی کو اپنی شجاعت ودلیری پر اتنا غرّہ ہے کہ شاید وہ جلد بازی کے سبب پہلے ہی حملہ میں خود کو کسی ہلاکت میں مبتلا کر دے اور محض اس غرور کے سبب وہ بس سلطنت کی آرزو ہی آرزو میں اس دنیا سے رخصت ہو جائے۔

اعظم شاہ کا جواب بہرحال جب بڑے بھائی کا خط اور پیغام محمد اعظم شاہ کو ملا تو اس نے بگڑ کر کہا کہ "اس کی عقل ٹھکانے نہیں رہی ہے کیا اس نے گلستان نہیں پڑھی کہ شیخ سعدی نے فرمایا ہے۔

"دو بادشاہ در اقلیمی نہ گنجند و دہ درویش در گلیمی بخسپند"

(دو بادشاہ ایک ملک میں نہیں سما سکتے اور دس درویش ایک کمبل میں سو جاتے

ہیں) - بھلا ایک نیام میں دو تلواریں کس طرح رہ سکتی ہیں - پھر اُس نے اپنی آستینیں چڑھالیں اور یہ شعر پڑھا ؎

چو فردا برآید بلند آفتاب

من و گرز و میدان و افراسیاب

(جب کل آفتاب طلوع ہوگا، تو میں ہوں گا گرز ہوگا - میدان ہوگا اور افراسیاب ہوگا۔)

جاجو کا میدانِ جنگ

شاہ عالم اور اعظم شاہ کی فوجوں میں خونریز لڑائی

بہادر شاہ کی فوج بندی

بہادر شاہ کے جاسوسوں نے خبر پہنچائی کہ محمد اعظم شاہ کے ہراول نے کوچ کر دیا ہے اور وہ دریائے چنبل کو جو اکبر آباد سے اٹھارہ کوس پر ہے عبور کریں گے۔ بہادر شاہ (شاہ عالم) نے حکم دیا کہ خانہ زاد خاں اور توپ خانہ کا داروغہ صف شکن خاں چند بہادروں اور آغر خاں کے قراول کے ساتھ جائیں اور گھاٹ پر قبضہ کر کے دشمن کو دریا عبور کرنے نہ دیں۔ اسی اثنا میں دوسری اطلاع ملی کہ محمد اعظم شاہ چاہتا ہے کہ سوگڈھ سے گزر کر اکبر آباد کو پشت پر چھوڑ دے اور مقابلہ پر آئے۔ شاہ عالم نے حکم دیا کہ ہمارا پیش خانہ سرائے حاجو پر لگا دیا جائے۔ رستم دل خاں کو دو تین نامی گرامی امیروں اور توپ خانہ کے بڑے عملہ کے ساتھ اس طرف مامور کیا آغر خاں کو قراولی پر مامور کیا کہ وہ دشمن کی فوج کی خبر مسلسل پہنچاتا رہے۔ اس انتظام کے بعد شاہ عالم شکار کے لئے سوار ہو گیا اور شاہزادہ محمد عظیم کو پیغام دیا کہ وہ اپنے لشکر کو تیار رکھے اور دشمن سے باخبر رہے خان زماں کو حکم دیا کہ وہ فوج بندی کر کے محمد عظیم کی کمک پر موجود رہے۔ اس طرح شاہ عالم نے تینوں شاہزادوں کو امراء کے ساتھ مستعد رہنے کے احکام دیئے اس کے

ساتھ حسب ذیل امراء تھے۔ جیتہ خاں بہادر فتح جنگ، حسن علی خاں اور حسین علی خاں کے ساتھ اس کے بھائی اور دوسرے بہادر سادات بارہ تھے۔ بہادر علی خاں، الہ وردی خاں، بہرہ خاں، تہور خاں، رستم دل خاں، سادات خاں، سیف خاں، شہامت خاں، سعد اللہ خاں کا پوتا عنایت خاں، مقصود خاں، فتح محمد خاں، جاں نثار خاں، آتش خاں، راجہ رام سنگھ کا پوتا راجہ جے سنگھ، راجہ انوپ سنگھ، باز خاں، فغان تھے، ان کے جلو میں ایران اور توران کے بہادر پٹھان اور راجپوت جمعیت تھی۔ شاہ عالم نے میمنہ میسرہ اور التمش کی فوجوں کو از سر نو مرتب کیا۔

اعظم شاہ کی صف آرائی

دوسری طرف سے محمد اعظم شاہ نے اپنی فوج کو آراستہ کیا، مگر اپنی بہادری کے گھمنڈ میں ایسا مست تھا کہ بھائی کی فوج کی کثرت کو تو خاطر میں لا نہیں رہا تھا مگر تدبیر جنگ اور منصوبہ بندی پر بھی نگاہ نہیں تھی۔ بس جیسے شیر بھیڑوں کے متدے پر جا پڑتا ہے۔ شاہ عالم کی فوج کی طرف بڑھا۔ اس کے ایک طرف شاہزادہ محمد بیدار بخت تھا جس کے ہراول پر ذوالفقار خاں بہادر نصرت جنگ، جان عالم اور منور خاں تھے جو دکن کے بڑے بہادر اور جنگجو مشہور تھے ان کے علاوہ امان اللہ خاں، مرزا بندہ خاں، راؤ دلپت بندیلہ، رام سنگھ ہارا، رتن راٹھور کا بیٹا ستر سال، مصطفیٰ قلی بیگ رنگنہ کا بیٹا مرشد قلی خاں تھا جو قدیم الخدمت ملازموں میں سے تھا اس کا خطاب بادشاہ قلی خاں تھا اور توپ خانہ کی داروغگی پر مامور تھا اس کو توپ خانہ کے ساتھ اور دوسرے جنگجو نامآور افسروں کے ساتھ مقرر کیا گیا۔ بائیں طرف شاہزادہ محمد والاجاہ تھا۔ اس کے ساتھ ہراول بسالہ ردی خاں کا پوتا امان اللہ خاں عبداللہ خاں عرف امان اللہ خاں بیگ ترکمان، حسن بیگ والا شاہی اور کارگزار افسروں کی جمعیت تھی دوسری جانب شاہزادہ والا تبار کے ساتھ سلیمان خاں پنی، شمشیر خاں کے بیٹے عمر خان اور عثمان خاں اور عبداللہ خاں، صلابت خاں، عاقل خاں، حمیدالدین خاں، امیر خاں، مطلب خاں، مرزا صدرالدین محمد خاں صفوی اور صفوی خاں کہ یہ دونوں ایران کے شاہی خاندان کے فرد تھے ان کے علاوہ ایران کے اور بھی بہادر تھے پٹھانوں اور

راجپوتوں کی بھی جمعیت تھی۔

اعظم شاہ کا دلیرانہ اقدام

محمد اعظم شاہ اپنی فوج کو لے کر بڑھا تو تیز روی کے سبب اس کی تنظیم و ترتیب باقی نہیں رہی تھی تاہم اس کی فوج نے اچانک شاہ عالم کے پیش خانہ پر حملہ کر دیا۔ اس وقت شاہ عالم کی فوج بے خبر اور غافل تھی۔ رستم علی خاں اور ایک جمعیت پیش خانہ کے ہمراہ تھی اس نے توپ خانہ کے آدمیوں کے ساتھ کچھ دیر اعظم شاہ کے ہراول کا مقابلہ کیا مگر چند آدمیوں کے گرتے ہی رستم علی خاں اور اس کے ساتھی پسپا ہو گئے۔ اس حملہ میں شاہ عالم کا پیش خانہ توپ خانہ اور رسد وغیرہ تباہ و تاراج ہو گئی۔ حملہ آوروں نے خیمہ کو آگ لگا دی اور جو ہاتھ لگا لوٹ لیا، توپ خانہ کے داروغہ کو بھی گرفتار کر کے لے گئے اسے جب محمد اعظم شاہ کے سامنے پیش کیا گیا تو دریافت کیا "تو کون ہے؟" اس نے عرض کیا "میں توپ خانہ کا داروغہ تھا اور سید ہوں" اعظم شاہ نے کہا "اسے چھوڑ دو"۔

شاہزادہ محمد عظیم طلایہ گردی کے لئے سوار ہو کر نکلا تھا مگر اس کو اس حملہ کی کوئی خبر نہیں تھی جیسے ہی اسے معلوم ہوا وہ اپنی بھاری فوج لے کر پہنچ گیا اس کے ساتھ ہی ہر طرف سے شاہ عالم کی فوجیں موج در موج اعظم شاہ کے ہراول کے مقابلہ دم بہ دم پہنچ گئیں۔ مگر اس خبر کے پھیل جانے سے لشکر میں بڑی افراتفری پھیل گئی تھی۔ اس وقت ذوالفقار خاں اور دوسرے مقربوں نے اعظم شاہ سے عرض کیا کہ "خیر خواہانہ مشورہ یہی ہے کہ آج کی فتح پر شادیانہ بجانے کا حکم ہو اور اب حضور اسی جگہ خیمہ لگا دیں اور مقابلہ کو کل پر ملتوی کر دیں آج کی فتح اور غلبہ کی شہرت اور اس ہیبت سے کہ اصل مقابلہ کل ہونے والا ہے۔ دشمن کے لشکر میں بڑی افراتفری مچے گی اور ادھر کے بہت سے نامور سردار ہماری فوج سے آکر مل جائیں گے۔ اور ایک بڑی تعداد بدحواس ہو کر بھاگ کھڑی ہو گی" اس مشورہ پر اعظم شاہ برہم ہو گیا اور کہا "یہ زنانہ پن ہے" پھر اس نے مشورہ دینے والوں کو خوب پھٹکارا۔ اس وقت محمد اعظم شاہ کی فوج کا بڑا حصہ لوٹ مار اور غارت گری میں مشغول ہو گیا تھا۔ اعظم شاہ نے سخت گیر سزاول (فوجی پولیس) مقرر کئے تاکید

و تہدید کی اور ہراول کو اور اپنی فوج کو غارت گری سے روک لیا۔

گرمی کارزار

۱۸ ربیع الاول سن ایک ہزار ایک سو انیس ۱۱۱۹ ہجری مطابق انتیس خورداد کو جب کہ گرمی اور حدت سے آسمان اور زمین لوہار کی بھٹی کی طرح دہک رہے تھے۔ دونوں فوجوں کا مقابلہ اکبر آباد سے سات آٹھ کوس پر جاجو کے میدان میں ہوا۔

رقم سنج شہنامۂ زر نگار جنیں کرد تحریر آں کارزار
کہ چوں شد مقابل بہم ہر دو فوج طپش زد بدلہا چو در بحر موج

پہلا مقابلہ اعظم شاہ کے ہراول اور شہزادہ محمد عظیم کے ہراول میں ہوا۔ محمد عظیم کے ہراول میں اس کا ماموں راجہ بہادر اور محمد رفیع خراسانی جو بعد میں سربلند خاں کے خطاب سے سرفراز کیا گیا اور بازخاں اور دوسرے تجربہ کار اور بہادر افسر تھے۔ دونوں طرف سے توپیں سر ہو رہی تھیں۔ آتشیں بان چھوڑے جا رہے تھے نقاروں اور بگل کی وحشت ناک آوازوں سے میدان دہل رہا تھا جنگجو دلاور دلیرانہ بڑھ کر ایک دوسرے پر حملہ کر رہے تھے۔ مست جنگلی ہاتھی پہاڑ کے پہاڑ دو من تین من کی زنجیروں کو لٹکائے جھومتے جھامتے بڑھ رہے تھے۔ زنجیروں کی ماریں جو بھی آجاتا۔ ایسا گرتا کہ اٹھ نہ پاتا، بس جدھر یہ ہاتھی نکل جاتے، قیامت مچ جاتی ؎

چو گشت از دو سو لشکر آراستہ جہانی بہ پرخاش برخاستہ
دبادہ برآمد ز ہر پہلوی چکاچاک برخاست از ہر سوی
زبس خون کہ از کشتگاں شد رواں محیط بلا گشت ہندوستاں
بسی سر کہ بے تن خمار تیغ تیز ز دست نبرد و نہ پائی گریز

شاہزادہ محمد عظیم نرغہ میں

جب اعظم شاہ کے ہراول کی اگلی صف آگے بڑھی تو راؤ دلپت بندیلہ اور راجہ رام سنگھ ہارا جو بڑے شیر دل اور جنگجو تھے چند دوسرے دلیر ساتھیوں کے ساتھ گولہ باری اور تیراندازی کی زد میں آکر ختم ہو گئے اور شاہ عالم کی فوج میں بازخاں کام آگیا۔ اب جنگ کی آگ

تیزی سے بھڑک اٹھی یہاں تک کہ دکن کے صف شکن اور دلیر افسر خان عالم اور منور خاں لڑائی کے میدانوں میں جن کی بڑی دھاک بیٹھی ہوتی تھی۔ نعرہ لگاتے اپنے ہاتھیوں کو بڑھا کر محمد عظیم کے ہاتھی کے آگے لے آئے اور منور خاں نے رستانہ حملہ کر کے بڑی بے باکی سے شاہزادہ پر نیزہ پھینک مارا مگر محمد عظیم بڑی پھرتی سے اس وار کو بچا گیا اور نیزہ محمد عظیم کے ردیف جلال خاں قراول کو جا کر لگا۔ محمد عظیم نے چلّہ چڑھا کر ایسا تاک کر تیر مارا کہ تیر حملہ آور حریف کے سینہ کو توڑتا ہوا نکل گیا اور اسی وقت اس کا کام تمام ہو گیا ایک روایت کے مطابق وہ کسی دوسرے شخص کے تیر سے مارا گیا۔ خان عالم نے جو دیکھا کہ اس کا بھائی مارا گیا تو اس کی آنکھوں میں دنیا اندھیر ہو گئی۔ پُرنم آنکھوں کے ساتھ آب دار نیزہ لیا اور شہزادہ کے ہاتھی پر ٹوٹ پڑا جلال خاں نے بندوق سرکی اور اس کی گولی کھا کر خان عالم بھی وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔ اسی اثناء میں شہزادہ رفیع القدر بہادروں کی ایک کثیر جمعیت لے کر محمد عظیم کی مدد کو پہنچ گیا اس کے ساتھ ہی محمد معز الدین حسین علی خاں بارہہ اور سعد اللہ خاں کے پوتے عنایت خاں کے ہمراہ کمک لے آیا۔

شہزادہ بیدار بخت کی ہلاکت شاہزادہ بیدار بخت نے بھی اپنا ہاتھی دشمن کی صفوں میں گھسا دیا اور بڑی بہادری سے حملے کر کے دشمن کو بُری طرح تنگ کر دیا۔ اس وقت حسن علی خاں اور حسین علی خاں اپنے بارہہ بھائیوں کے ساتھ ہاتھی سے کود کر پیادہ پا لڑنے لگ گئے ان کے خالہ کے لڑکے اور بھانجے رستم علی خاں، نور الدین خاں اور حفیظ اللہ خاں وغیرہ پانچ نوجوانوں نے جان نثاری کا حق ادا کر دیا۔ خان زماں اور اس کا بڑا بیٹا دونوں کو گولہ اور تیر کے شدید زخم لگے۔ دوسری طرف شہزادہ بیدار بخت جو بُری طرح دشمنوں میں گھر گیا تھا اور اس کے جاں نثار پروانہ وار ختم ہو چکے تھے پے درپے گولیوں کے لگنے سے جاں بحق ہو گیا۔ جب بیدار بخت کے مارے جانے کی خبر محمد اعظم شاہ کو ملی تو اس نے ایک دل دوز آہ کھینچی اور مست ہاتھی کی طرح پھنکارے بھرتا دشمن پر ٹوٹ پڑا جدھر بھی وہ مردانہ وار نکل جاتا صف کی صف اُلٹ جاتی گھوڑوں کی پشت ننگی ہو جاتی اور ہاتھیوں کے ہودج خالی ہو جاتے جو موت کا مارا بھی اس

کی زد پہ آجاتا وہ اس کے دل دوز تیر کھا کر بس چپ چاپ مرجاتا ؎

زہر تیر کز شست پر واز کرد — تنے را ز پیوند جاں باز کرد
در افگند خود را دراں کارزار — چو شیری کہ گور افگند در شکار
بر آمد خروشی وہ و دار و گیر — چو باراں بیارید از و مین و تبر
گر آں جنگ رستم بدیدی بخواب — شدی از نہیبش دل و زہرہ آب

غرض تیموری خانوادہ کے اس شہزادہ نے میدان کارزار میں ایسی بہادری دکھائی کہ رستم کی بہادری کے افسانے بھی پھیکے پڑ گئے۔ جس وقت اعظم شاہ مردانہ وار حملے کر رہا تھا۔ ابراہیم بیگ تبریزی جو بڑا مشہور اور جنگجو افسر تھا، گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا اور عرض کیا "حضور اب اپنے اس شیر کی جاں نثاری بھی ملاحظہ فرمائیں" یہ کہہ کر گھوڑے سے اترا اور دشمن پر ٹوٹ پڑا اور بہادری سے لڑتے ہوئے جان دیدی۔

شہزادہ والا جاہ کی لاش

اسی لڑائی میں جب کہ گرد و غبار اور بارود کے دھویں سے فضا تاریک ہو رہی تھی اور کسی کو کسی کی خبر نہیں تھی۔ بیدار بخت کے چھوٹے بھائی والا جاہ کو زنبورک (بندوق) کی گولی لگی۔ اسی وقت والا جاہ کے ہاتھی کا فیل بان مسلسل زخموں کے لگنے سے گر گیا تھا گولی کھاتے ہی والا جاہ نے دم توڑ دیا ایک اور گولی ہاتھی کی عماری میں گھس گئی اور اس کی ضرب سے والا جاہ کی بیوی بھی جاں بحق ہو گئی۔ اس قیامت کے ہنگامہ میں کہ آتشیں بانوں کی سنسناہٹ اور گولہ باری کے دھماکوں سے میدان جنگ دہل رہا تھا۔ بے مہاوت کا یہ ہاتھی شہزادہ اور اس کی بیوی کی لاشوں کو لئے ادھر سے اُدھر سراسیمہ وار پھر رہا تھا۔ ایک روایت کے مطابق ہاتھی لشکر سے نکل کر اکبر آباد کے راستہ پر نکل گیا اور دونوں لشکروں میں سے کسی کو اس کا علم ہوا نہ کسی نے ہاتھی کو روکا۔ اعظم شاہ نے شہزادہ کی خبر لینے کے لئے آدمی بھی دوڑائے۔ مگر اس ہنگامہ میں کوئی اطلاع نہ مل سکی۔

بادِ صرصر کے تھپیڑے

شاہ عالم کی رکاب کے امیروں اور افسروں نے جن میں خان زماں اپنے بیٹوں کے ساتھ تھا سادات بارہہ کے

بہادر نوجوان تھے حامد خاں اور سعد اللہ خاں کا پوتا عنایت خاں، جاں نثار خاں، لطف اللہ خاں پالی پتی قلیچ خاں ان کے علاوہ شاہزادہ محمد عظیم کے ہمراہی بہادر تھے پیش قدمی کی اور محمد اعظم شاہ کو حلقہ دار چاروں طرف سے گھیر لیا۔ عین اس وقت جب کہ لڑائی بڑے زور شور سے جاری تھی۔ قبلہ کی سمت سے سخت آندھی اٹھی۔ جدھر سے آندھی چل رہی تھی ادھر شاہ عالم کے لشکر کی پشت تھی اور محمد اعظم شاہ کی فوج کا سامنا بادتند کے اس رخ سے شاہ عالم کو بڑی مدد ملی چنانچہ جو تیر بھی ادھر سے چھوڑا جاتا ہوا کے رخ اس کی قوت اور رفتار اتنی تیز ہو جاتی کہ زرہ بکتر کو توڑتا ہوا نکل جاتا۔ پھر ریت کے ذرے تھے جو اعظم شاہ کے سپاہیوں کے چہرے پر چھروں کی طرح جا کر لگ رہے تھے یہ طوفان اس وقت عاد و ثمود کا طوفان بنا ہوا تھا۔ اعظم شاہ کے لشکر سے مسلسل گولے چھوڑے جا رہے تھے۔ وہ ہوا کے دباؤ کی وجہ سے درمیان ہی میں رہ جاتے تھے شاہ عالم کی فوج تک پہنچ نہیں پاتے تھے۔

اعظم شاہ خطرہ میں بیان کرتے ہیں اس وقت تربیت خاں نے اعظم شاہ کی طرف سے شہزادہ عظیم الشان پر دو بندوقیں سر کیں مگر دونوں نشانے خطا ہو گئے اور اسی وقت بندوق کی ایک گولی اس کے سینہ میں دھنس گئی اور اس کے ساتھ ہی ایک ہوائی تیر اس کے منہ پر آکر لگا اور وہ اسی وقت ختم ہو گیا۔

بہر حال اس گرد و غبار اور آندھی میں اعظم شاہ کے لشکر پر دنیا تاریک ہو گئی تھی ۔

نگردی کہ برخاست در رزم گاہ
جہاں گشت در چشم مردم سیاہ
بداں گونہ گم شد دراں گرد مہر
کہ می جست با صد چراغش سپہر

اعظم شاہ کا لشکر بڑی مشکل میں پھنسا ہوا تھا مگر اعظم شاہ نے چغتائی خاندان

کے شہزادوں کی روایات کو برقرار رکھا اور اپنی بہادری و شجاعت کا سکہ جما دیا بلکہ اس کی دلیری اور شجاعت کی تاب نہ لاکر دشمن کی فوج کا ایک بڑا حصہ پس پا بھی ہونے لگا تھا اس معرکہ میں لطف اللہ خاں کا بیٹا اور سعد اللہ خاں کا پوتا عنایت خاں۔ سلطان خاں تہور خاں اور سادات بارہہ کے چند نامی بہادر شاہ عالم کے لشکر کے کوئی چودہ پندرہ سردار کام آ گئے۔ اور ایک کثیر تعداد زخمی ہو گئی۔ اعظم شاہ کے لشکر سے مارے جانے والوں میں تربیت خاں تھا جو طویل عرصہ سے توپ خانہ کا داروغہ تھا خلد مکاں مرحوم کی وفات کے بعد انہی دنوں اس کا عہدہ تبدیل ہو گیا تھا۔ صفوی خاں بخشی جو ایران کا نوزادہ تھا، مرشد قلی خاں جو انہی دنوں توپ خانہ کا داروغہ مقرر ہوا تھا، کوکتاش خاں عرف میر تہور کہ اس نے بڑے کارنامے انجام دیئے تھے اور یوسف خاں بلوچی شامل تھے۔ یوسف خاں بلوچی تو شاہزادہ محمد عظیم کے ہاتھی تک پہنچ گیا تھا اور کئی سواروں کو مار گرایا تھا۔ مگر بیشمار زخم اٹھانے کے بعد وہ بھی گر گیا۔ ان کے علاوہ مست علی خاں، شجاعت خاں، اشرف خاں، شریف خاں شیخ ابوالمکارم کا نواسہ ضیاء اللہ خاں عثمان خاں اور پٹھان سردار کوئی باون نامی گرامی فیل سوار سردار مارے گئے زخمی ہونے والوں میں خدا بندہ خاں تھا جو خلد مکاں کے زمانہ میں خانساماں تھا۔ عبدالمطلب خاں نے بھی کاری زخم کھائے تھے یہ لوگ اگرچہ اس معرکہ سے جان بچا لے گئے مگر شاہ عالم کی ملازمت میں جانے کے بعد انہی زخموں سے فوت ہوئے مرزا صدر الدین محمد خاں بخشی، عمر خاں ظفر علی خاں بھی ایک جمعیت کے ساتھ زخمی ہوئے تھے۔

اعظم شاہ کی ثابت قدمی

ذوالفقار خاں کے لب پر بھی ایسا زخم لگا تھا کہ دہانہ بدنما ہو گیا تھا جب ذوالفقار خاں نے دیکھا کہ میدان ہاتھ سے نکل گیا اور بہادر ہمراہیوں کی ایک بڑی تعداد ختم ہو چکی ہے اور محمد اعظم شاہ پر ایسا تنگ وقت آ گیا ہے کہ اس کے بچنے کی امید نہیں رہی وہ محمد اعظم شاہ کے پاس پہنچا اور کہا۔ یہ ماجرا آپ کے آباؤ اجداد پر بھی گذر چکا ہے ایسے وقت وہ تنہا لشکر سے نکل گئے اور وقت کے تقاضا کو ملحوظ رکھا اس وقت بہتر یہی ہے کہ میدان جنگ سے نکل کر آپ

ایسی جگہ چلے چلیں کہ پھر قسمت ساتھ دے تو وہاں سے اس کی تلافی وتدارک کا بندوبست کیا جا سکے۔" محمد اعظم شاہ یہ سُن کر بگڑ گیا اور جواب دیا:" بہادر جی! تم اپنی جان بچا کر جہاں جانا چاہو چلے جاؤ ہمارے قدم اس جگہ سے نہیں ہٹیں گے، بادشاہوں کے لئے یا تو تخت ہے یا تختہ ان کے درمیان کچھ اور نہیں۔ کچھ دیر بعد ذوالفقار خاں گوالیار کی طرف فرار ہو گیا اور حمید الدین خاں بھی اس کے ساتھ نکل گیا۔

ہائے محمد اعظم

اعظم شاہ کے اطراف دو سو تین سو سوار سے زائد فوج نہیں رہی تھی وہ دشمن کی ہزار دو ہزار فوج کے درمیان گولہ باری اور تیروں کی زد میں خود کو پا رہا تھا۔ چیخ کر کہا " شاہ عالم مجھ سے جنگ نہیں کر رہا ہے بلکہ میرا خدا اور میرا نصیبہ مجھ سے برگشتہ ہو گیا ہے" ہاتھی کی عماری میں کم عمر شہزادہ عالی تبار کو بٹھا رکھا تھا اور اسے تیروں اور گولوں سے بچا رہا تھا۔ کم سن شاہزادہ باوجود نو عمری کے بار بار مقابلہ پر آنے کے لئے اصرار کر رہا تھا مگر اعظم شاہ نے اسے روک رکھا تھا۔ محمد اعظم شاہ کے ہاتھی کے دو تین فیل بان گولہ باری میں کام آ چکے تھے ہاتھی بھی بری طرح زخمی ہو چکا تھا اور بے چین ہو رہا تھا۔ محمد اعظم شاہ کو بھی سخت زخم آئے تھے اور بس وہ سفر آخرت کے لئے پابرکاب ہو چکا تھا مگر غیرت و شجاعت کا یہ عالم تھا کہ ہاتھی کو سنبھالنے اور اسے دشمن کی طرف بڑھانے کے لئے عماری سے نکلنا چاہا مگر کمزوری سے اُتر نہ سکا، عین اس وقت ایک تیر اس کی پیشانی پر آ کر لگا اور اس کی عمر کا آفتاب غروب ہو گیا رستم علی خاں اس کے ہاتھی کے قریب پہنچ چکا تھا وہ ہاتھی پر چڑھ گیا اور اعظم شاہ کا سر کاٹ کر اپنے دامن میں چھپا لیا اور شاہ عالم کے حضور میں پیش کرنے کے لئے روانہ ہو گیا۔ شاہ عالم کے لشکر میں فتح کا شادیانہ بجنے لگا۔ محمد اعظم شاہ کی ہلاکت کی تاریخ "ہائے محمد اعظم" سے نکالی گئی ہے۔

جہاں و کار جہاں جملہ ہیچ در ہیچ است
ہزار بار من ایں نکتہ کردہ ام تحقیق

اعظم شاہ کا سر

نامرد کتا رستم علی خاں محمد اعظم شاہ کے سر کو لے کر بہادر شاہ (شاہ عالم) کی خدمت میں حاضر ہوا اور دامن کے نیچے سے سر

ڈالی کہ پہلے اس نے اپنے ناپاک دانتوں سے اعظم شاہ کے خون آلود رخسار کو بڑے جوش وغضب کے ساتھ کاٹ لیا پھر اسے شاہ عالم کے ہاتھی کے پاؤں میں ڈال دیا اور مبارکباد آداب تسلیمات بجالایا۔ شاہ عالم نے جب اس سگ سرشت وحشی کو بھائی کے رخسار اس طرح کاٹتے ہوئے دیکھا تو غضبناک ہوگیا کڑی نگاہ سے اس کی طرف دیکھا اور اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اب چاروں شہزادے خان خاناں مع بیٹوں اور دوسرے امیروں کے پہنچے اور ہاتھ کے اشارہ اور زبان سے فتح کی مبارک باد دینے لگے۔

اعظم شاہ کے بیٹوں شاہزادہ عالی تبار، بیدار دل، سعید بخت کو دوسرے امیروں کے ساتھ پیش کیا گیا۔ اعظم شاہ کا سارا لاؤلشکر تباہ وتاراج ہوگیا صرف وہ جواہرات اور اشرفیاں رہ گئیں جو محمد اعظم شاہ کے ہاتھی کی عماری میں رکھی ہوئی تھیں۔ اس کا خیمہ، ہاتھی، توپ خانہ اور دوسرا ساز وسامان ضبط کر لیا گیا۔

خان خاناں کی عزت افزائی

شاہ عالم کے لئے ایک مختصر خیمہ لگا دیا گیا۔ شاہ عالم نے شکرانہ کی نماز پڑھی اور محمد اعظم شاہ کے بیٹے عالی تبار اور محمد بیدار بخت کے بیٹوں بیدار دل وغیرہ کو حاضر کرنے کا حکم دیا جب وہ آئے تو ان کو گلے سے لگا کر پدرانہ شفقت سے ان کے سر پر ہاتھ رکھا اور جان کی امان دی اور فرزندوں کی طرح ان کی تربیت و پرورش کے احکام دیئے اور ان پر بے حد عنایات کیں اعظم شاہ کی عورتوں کو بھی تسلی دلاسا اور پرسہ کے پیغام بھجوائے۔ خان خاناں کو بڑی محبت سے گلے لگا کر کہا ”جو کچھ میں نے پایا وہ صرف تمہاری جانفشانی اور کوشش سے پایا“ حکم صادر کیا کہ محمد اعظم شاہ، بیدار بخت اور والاجاہ کی لاشوں کو غسل وکفن دے کے ہمایوں بادشاہ کے روضہ کے قریب دفن کردیں۔

دوسرے دن شاہ عالم خان خاناں کی عیادت کے لئے گیا اور اسے ”خان خاناں بہادر ظفر جنگ یار وفادار“ کا خطاب مرحمت فرمایا اور ایک کروڑ روپیہ نقد وجنس کی صورت میں انعام دیئے۔ ایسا بھاری انعام تیموری خاندان میں آغاز سلطنت سے اب تک کسی بادشاہ نے کسی امیر کو نہیں دیا تھا۔ سات ہزاری سات ہزار سوار اور پانچ ہزار دواسپہ

سہ اسپہ کا منصب مع ۔وکروڑ دام انعام کے عطا کیا اور وزارت کے عہدہ پر مستقلاً مامور کر دیا ۔خان خاناں نے دس لاکھ روپیہ کا نذرانہ پیش کیا ۔بہادر شاہ نے صرف ایک لاکھ روپے کے تحفے اور نقدی قبول کی ۔خان خاناں کے بڑے بیٹے نعیم خاں کو خان زماں بہادر کا خطاب عطا کیا اور ترقی دے کر پانچ ہزاری پانچ ہزار سوار کا منصب دار بنا دیا اور "بخشی سوم" کی خلعت مرحمت فرمائی ۔اس کے چھوٹے بیٹے کو خانہ زاد خاں بہادر کا خطاب چار ہزاری تین ہزار سوار کا منصب عطا کیا ۔

انعامات وخطابات

چاروں شاہزادوں کے لئے تیس تیس ہزاری اور بیس بیس ہزار سوار کے منصب مقرر کئے گئے ۔بڑے بیٹے محمد معزالدین کو جہاں دار شاہ بہادر کا خطاب اور محمد عظیم کو عظیم الشان بہادر رفیع القدر کو رفیع الشان بہادر خجستہ اختر کو جہاں شاہ بہادر کے خطابات دیئے اور چاروں کو حضور میں نوبت بجانے اور پالکی پر تخت رواں کی طرح سوار ہونے کے اعزاز عطا کئے ۔

ارسلان خاں کا شنری بادشاہ کی حرم محترم کا بھانجہ تھا ۔اسے بہادر شاہ نے چنتہ خاں فتح جنگ کا خطاب دیا اور سات ہزاری سات ہزار سوار کا منصب دیا دوسرے تمام قدیم الخدمت امرائے رکاب کو اور ان تمام بہادروں کو جنھوں نے اس جنگ میں کارہائے نمایاں کئے تھے ۔اضافہ ترقی ہاتھی جواہر اور نئے نئے خطاب عطا ہوئے ان کی تفصیل کو قلم بند کرنا مشکل ہے ۔تاہم جہاں جہاں ضرورت ہو گی' ہم ان خطابوں کا ذکر کر دیں گے ۔

شہزادی زیب النساء کو صدمہ

جب بہادر شاہ کے فتح پانے اور محمد اعظم شاہ کے مارے جانے کی خبر گوالیار میں پہنچی تو ہر خیمہ میں نالہ وشیون ہونے لگا ۔امیر الامراء اسد خاں نے محمد اعظم شاہ کی بڑی بہن کی خدمت میں جاکر پرسہ دیا اور حرم کی عورتوں کو تسلی ولاسہ دیا ۔عنایت اللہ خاں کی مدد سے جو خزانہ کا داروغہ تھا ۔خزانہ ،جواہر خانہ اور دوسرے ساز وسامان پر مہر لگا دی اور

حضور میں جانے کی تیاریاں شروع کردیں۔ اسی اثنار میں بہادر شاہ کا عنایت آمیز فرمان صادر ہوا جس میں امان دی گئی تھی اور امیر الامرا، ذوالفقار خاں نصرت جنگ اور حمید الدین خاں کو جو گوالیار پہنچ گئے تھے محل کی عورتوں اور تمام کارخانہ جات کے ساتھ طلب کیا گیا تھا۔ امیر الامرا، نواب قدسیہ زیب النسا بیگم کی رکاب میں وہاں سے روانہ ہوگیا۔ زیب النسار بیگم نے تعزیت کا لباس پہن لیا تھا۔ جب سب لوگ حضور میں پہنچ گئے تو زیب النسا بیگم نے بھائی کے ماتم میں مبارک باد کے مراسم ادا نہیں کئے۔ بادشاہ کو یہ بات ناگوار گذری، تاہم ازراہ خلق اغماض سے کام لیا اور بیگم کے سالانہ وظیفہ کو دگنا کرکے بادشاہ بیگم کا خطاب عطا کیا۔ تعزیت و تہنیت کے بعد محمد اعظم شاہ کے محل کی تمام عورتوں کو ہر ایک کے مناسب حال ماتمی خلعت اور یومیہ خرچ عطا ہوا اور حکم دیا کہ سب کو بادشاہ بیگم کے ہمراہ دارالخلافہ روانہ کردیا جائے۔

امرائے شاہی کے اعزاز و مراتب

بہادر شاہ نے امیر الامرا اسد خاں کو نظام الملک آصف الدولہ کا خطاب عطا کیا اور وکیل مطلق کے عہدہ پر مامور کیا یہ عہدہ شاہان سلف کے زمانہ میں ہوتا تھا اور وزیروں کا تقرر و تنزل اور دوسرے ارکین سلطنت کا عزل و نصب وکیل کے اختیار میں ہوتا تھا۔ بادشاہ نے اس کو چار قباؤں والی خلعت طلائی و نقرئی ساز کے پانچ گھوڑے مرصع پگڑی عطا کی اور حضور میں نوبت بجانے کا اعزاز بھی دیا۔ اگرچہ بعض حاسد مقربوں نے عرض بھی کیا کہ امیر الامرا، محمد اعظم شاہ کا رفیق اور مددگار تھا مگر بادشاہ نے جواب میں فرمایا۔ اگر اس ہنگامہ میں ہمارے اپنے فرزند بھی دکن میں ہوتے تو ان کی بھی مصلحت یہی ہوتی کہ اپنے چچا کا ساتھ دیتے۔

ذوالفقار خاں کو ہفت ہزاری ہفت ہزار سوار کا منصب اور "صمصام الدولہ امیر الامرا، بہادر نصرت جنگ" کا خطاب عطا کیا اور حسب سابق اسے میر بخشی گری کے عہدہ پر مامور کردیا۔ مرزا صدر الدین محمد خاں صفوی کو پانچ ہزاری پانچ ہزار

سوار کا منصب اور "حسام الدولہ مرزا شہنواز خاں صفوی" کا خطاب عطا ہوا اور تن بخشی کی خدمت پر اسے بحال کر دیا گیا۔ اکبر آباد کے معزول صوبہ دار مختار خاں ناظم کو بحال کر کے خانساماں کی خدمت پر بحال کر دیا اور اسے "خان عالم بہادر شاہی" کا خطاب ملا اور اسے حکم دیا کہ وہ صوبہ اکبر آباد پر اپنا نائب مقرر کر دے یہ حکم بھی صادر ہوا کہ شاہزادہ عظیم الشان نے اس کا جو مال و اسباب ضبط کر لیا تھا اسے واپس دیدیا جائے اور اس کو خلعت اور ہاتھی عطا کیا جائے۔ بہرحال تمام چھوٹے بڑے بادشاہی ملازم عنایات شاہانہ سے بہرہ مند ہوتے سب نے منصب جواہر اور ہاتھی حسب مراتب حاصل کئے۔

وزارت و وکالت کے عہدے

بہادر شاہ نے خان خاناں کو وزارت عطا کر دی تھی مگر امیر الامراء اسد خاں اور ذوالفقار خاں کی دل جوئی بھی پیش نظر تھی۔ اسی لئے اسد خاں کو وکالت کا عہدہ دے کر وزارت میں شریک کر دیا تھا مگر یہ بات خان خاناں کو ناگوار گذری اور قدرتی طور پر اس نے آصف الدولہ (اسد خاں) کا اختیار وکالت عملاً نافذ ہونے نہیں دیا۔ جب آصف الدولہ اسد خاں نے اپنا اجلاس منعقد کیا تو حسب ضابطہ دوسرے امراء کی طرح خان خاناں کو بھی وکیل مطلق آصف الدولہ کے اجلاس پر مجرا دینے کے لئے حاضر ہونا پڑا اور کھڑے ہو کر کاغذات پیش کرنے پڑے۔ یہ حاضری بھی خان خاناں کے لئے دو بھر ہو گئی۔ پھر آصف الدولہ اس وقت عیش طلب اور آرام پسند ہو گیا تھا ویسے بھی عالمگیر بادشاہ کے عہد میں اسے ہمیشہ سفر میں رہنا پڑا تھا اور زندگی سے لطف اندوز ہونے کا موقع نہیں ملا تھا۔ ان سب وجوہ سے یہ طے کیا گیا کہ دربار میں وکیل مطلق کی نیابت اس کا بیٹا صمصام الدولہ سرانجام دے اور آصف الدولہ، نواب بادشاہ بیگم (زیب النساء بیگم) کو ساتھ لے کر دارالخلافہ شاہجہاں آباد چلا جائے اور وہاں بلا کسی زحمت کے پیرانہ سالی کے دن آرام سے گذار دے۔ اس انتظام کے بعد امور سلطنت میں آصف الدولہ کا کوئی عمل دخل نہیں رہا البتہ مالی اور ملکی

پروانوں اور اسناد پر وزارت کی مہر کے بعد اس کی مہر ضرور لگتی تھی۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ حضرت بادشاہ عالمگیر کو آئندہ سے "خلد مکاں" لکھا جائے۔

خان خاناں کی خدمات

خان خاناں نے وزارت کی خدمت بڑی بے نفسی بے طمعی نیک نامی اور استقلال کے ساتھ انجام دی لوگوں کے کام نکالنے کا یہ اہتمام رہتا تھا کہ اجلاس کے وقت اہل دفتر پر سخت گیر داروغہ مقرر رہتے تھے تاکہ کسی حاجت مند کا کاغذ دستخط سے رہ نہ جاتے۔ خان خاناں نے ایک کام ایسا کیا جس کا بڑا ثواب اس کو ملے گا یہ کام منصب داروں کے ذمہ سے لشکر کے جانوروں کی خوراک کی تخفیف تھی (خلد مکاں عالمگیر بادشاہ کے زمانہ میں آختہ بیگی (داروغہ اصطبل) اور دوسرے متصدیوں نے جانوروں کے خرچ کی ذمہ داری منصب داروں پر ڈال دی تھی۔ جس منصب دار پر بھی جانوروں کی خوراک لازم ہوجاتی اسے وہ کسی طرح مہیا کرنے پر مجبور ہوجاتا حالانکہ منصب داروں کی اکثریت بڑی پریشان حال تھی۔ مدتوں سے ان کے بقایا چڑھے ہوئے تھے۔ چنانچہ مرحوم بادشاہ نے خود ایک تجویز میں لکھ دیا تھا "یک انار و صد بیمار" ان کی اکثریت روٹی روٹی کو محتاج ہوگئی تھی بڑی دوڑ دھوپ کے بعد جاگیر سے بہت معمولی آمدنی حاصل ہوتی تھی۔ جاگیریں بھی ویران ہی رہتی تھیں۔ پوری جاگیر کی آمدنی بھی وہ دیدیتے تو جانوروں کے خرچ کا نصف یا تہائی بھی ادا نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر اس کے اور اس کے اہل وعیال کے لئے تو پھوٹی کوڑی بھی نہ بچتی۔ جب منصب دار یہ مطالبہ پورا نہ کر پاتے تو آختہ بیگی اور متصدی منصب دار کے وکیل کو جو دربار میں متعین رہتا تھا قید کر لیتے تھے اور بڑی سختی کر کے جانوروں کے خرچ کی رقم وصول کرتے تھے۔ مرحوم بادشاہ کی خدمت میں منصب داروں کے وکیلوں نے اس ظلم کے خلاف استغاثہ بھی کیا تھا۔ مگر فیل خانہ کے داروغہ اور آختہ بیگی نے معاملہ کو کچھ اس رنگ میں بادشاہ کے سامنے پیش کیا کہ ان کی فریاد خالی گئی۔ اس زبردستی کے ٹیکس سے ایک دنیا تنگ تھی، اور

وکیلوں نے تنگ آکر وکالت سے استعفے دیدیئے تھے۔ آخر شاہ عالم بادشاہ کے عہد میں خان خاناں نے یہ طے کرایا کہ جب منصب داروں کو جاگیردی جایا کرتے تو جانوروں کے خرچ کے مطابق اس کی جاگیر سے رضاعت کردی جائے اور بغیر جاگیر اس کی تنخواہ میں دیدی جائے اس قاعدہ کے نفاذ سے جانوروں کے خرچ کا بار منصب داروں کے سر سے اتر گیا بلکہ ایک طرح سے جانوروں کی خوراک کی معافی حاصل ہوگئی۔

خان خاناں کے مزاج پر تصوف کا رنگ چڑھا ہوا تھا اور وہ علم سے بھی بہرہ مند تھا اس نے علم سلوک اور تصوف میں ایک کتاب "الہامیہ" کے نام سے تالیف کی تھی جس میں متکلمین کے اعتقاد کے مطابق بعض مضامین حد شرع سے تجاوز کر گئے تھے۔

کیا شاہ عالم سید تھا؟

بادشاہ نے حکم دیا کہ روپیہ اور اشرفی کا سکہ نظم میں نہ لگایا جائے۔ نثر میں "شاہ عالم بہادر شاہ" کا اور شہر کا نام ضرب کردیا جاتے خطبہ کے لئے حکم ہوا کہ "شاہ عالم" کے نام کے ساتھ "سید" کے لفظ کا اضافہ ہو۔ ہندوستان کے شاہان سلف میں صاحبقران تیمور کے خاندان بلکہ غوریوں کی حکمرانی کے آغاز سے اب تک کسی بادشاہ کے حسب نسب کا ذکر خطبہ میں نہیں ملتا۔ بجز خضر خاں کے اس کے آباؤ اجداد اور اس کی قوم پٹھان تھی۔ جیسا کہ ان کے نام کے ساتھ "ملک" کے لفظ سے ظاہر ہے۔ مگر جب وہ دہلی کی سلطنت پر قابض ہوگیا تو اس کے عہد کے مورخوں نے اس کو سیادت سے منسوب کیا تھا مگر یہ روایت بھی بہت ضعیف ہے۔ شاہ عالم نے جسے ہم آگے "خلد منزل" کے لقب سے بھی لکھتے رہیں گے۔ جس دلیل پر خود کو سید کہلوایا تھا اگرچہ اس میں بھی روایتوں کا اختلاف ہے مگر ہم مجملاً بیان کرتے ہیں۔

کہتے ہیں حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی کی اولاد میں سے ایک شخص سید شاہ میر نامی خلد منزل (شاہ عالم) کے ننھیال کے وطن جو کشمیر کے توابعات میں تھا۔ آکر گوشہ نشین ہوگئے تھے۔ وہاں کے راجہ کو معلوم ہوا

تو وہ سید مذکور کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کا عقیدت مند بن گیا ۔ آخر اس نے اپنی بیٹی سید شاہ میر کی خدمت کے لئے دیدی ۔ سید نے اس لڑکی کو مسلمان کر کے اس سے عقد کر لیا ۔ اس سے ایک لڑکی اور ایک لڑکا تولد ہوا۔ راجہ ان بچوں کی دیکھ بھال کرتا رہتا تھا ۔ کچھ عرصہ بعد سید شاہ میر وہاں سے بیت اللہ کے طواف کے ارادہ سے سفر پر نکل گئے ۔ اس کے بعد ان کا کوئی پتہ نہیں چلا ۔ راجہ نے ان بچوں کو مسلمانوں سے دور رکھا اور بڑی احتیاط و اخفا کے ساتھ ان بچوں کی اسی کوہستان میں پرورش اور تربیت کرتا رہا ۔ یہاں تک کہ فردوس آشیانی صاحبقران ثانی (شاہجہاں) نے اس راجہ سے باج و خراج کے ساتھ اس کی لڑکی کو بھی طلب کیا ۔ راجہ نے اسی سید کی بیٹی کو جو حسن صورت و سیرت اور سمجھ بوجھ میں طاق تھی تحائف اور نذرانوں کے ساتھ جہیز دے کر روانہ کر دیا ۔ شاہجہاں نے معلموں اور مغلانیوں کو مقرر کر کے اس لڑکی کو تعلیم و تربیت دی اور بہت سی زبانیں سکھائیں پھر ایک مبارک گھڑی میں شاہزادہ محمد اورنگ زیب سے اس کا عقد کر دیا اس سید زادی کے بطن سے شاہ عالم بہادر شاہ عالم وجود میں آئے ۔ جن کی ماں نواب بائی بیگم تھی جو بڑی خوبیوں کی بیگم تھیں ۔ خاندیس کے وسط میں گھاٹی کے کنارے فرداپور مدت تک نواب بائی کی جاگیر میں رہا ۔ اس نے وہاں سرائے بنوائی تھی ۔ اور اورنگ آباد میں " بائی جی پورہ " تعمیر کر رہا تھا اور آباد کیا تھا ۔ اس طرح ماں کی طرف سے شاہ عالم کی سیادت ثابت ہوئی ۔

شاہ عالم بہادر شاہ غازی

بہادر شاہ شاہ عالم کی سال گرہ کی تقریب میں "جشن وزن" اکبر آباد میں سن گیارہ سو انیس ۱۱۱۹ھ میں منعقد ہوا۔ بادشاہ کی عمر کا اکسٹھواں سال شروع ہوا جب کہ تخت نشینی کا پہلا سال تھا۔ جشن کے بعد ہی بادشاہ نے راجپوتوں کی سرکوبی کے لئے اودے پور اور جودھ پور کی طرف کوچ کر دیا۔

راجپوتوں کے خلاف فوج کشی

راجپوتانہ پر فوج کشی کا ہم مختصر حال بیان کرتے ہیں۔ صوبہ اجمیر اور جودھ پور کے اطراف کے پرگنوں کے اخبار نویسوں نے لکھا کہ راجہ اجیت سنگھ نے جو راجہ جسونت سنگھ کا مجہول النسب لڑکا تھا جو از عمری ہی سے درگا داس وغیرہ کے بہکانے میں آکر مرحوم بادشاہ خلد مکاں کے عہد ہی میں بغاوت اور سرکشی پر آمادہ ہو گیا تھا۔ ان دنوں خلد مکاں کے انتقال کی خبر سن کر اس نے ازسرنو فتنہ پردازی شروع کر دی۔ مسلمانوں کو ستانے لگا۔ گاؤکشی کی ممانعت کردی۔ اذان بند کرادی بعض مسجدوں کو تباہ کرا دیا جو عالمگیر بادشاہ کے زمانہ میں بت خانوں کی جگہ تعمیر ہوئی تھیں۔ ان مسجدوں کو مسمار کر کے اس نے مندر اور اپنی عبادت گاہیں بنا دیں۔ اس کو ایک طرف تو اودے پور کے رانا کی فوج مدد دیتی رہتی تھی۔ دوسری طرف

اسے راجہ جے سنگھ کی پشت پناہی حاصل تھی۔ جس سے دامادی کا رشتہ بھی تھا۔ وہ ان سہاروں پر ایسا مغرور ہوگیا کہ بہادر شاہ کی خدمت میں فتح سے پہلے حاضر ہوا نہ تخت نشینی کے بعد اسی وجہ سے ۷ رشعبان سن مذکور کو بہادر شاہ راجپوتوں کی تادیب کے لئے روانہ ہوا۔ بادشاہی لشکر نے جے سنگھ کے وطن آنبیر کے راستہ سے کوچ کیا۔ جب لشکر اجمیر اور چتوڑ کے درمیان پہنچا تو رمضان کا مہینہ شروع ہوگیا تھا اس لئے بادشاہ نے وہاں قیام کرنے کا حکم صادر کردیا۔ شاہزادہ محمد عظیم الشان کو فوج کا سپہ سالار اور جدۃ الملک خان خاناں کو ہراول مقرر کیا اور صمصام الدولہ وغیرہ کو ان کے ساتھ تعین کیا۔ بادشاہی فوج نے حملہ کر کے اس کفرستان کو روند دیا۔ بکثرت راجپوت مارے گئے اور اُن کے بیوی بچوں کی ایک بڑی تعداد کو اسیر بنا لیا گیا۔

بہت سے قصبے اور دیہات اس فوج کشی میں بے چراغ ہوگئے اور راجپوتوں کے بڑے بڑے سردار دشوارگذار پہاڑوں پر بھاگ گئے۔ بعد از خرابی بسیار اجیت سنگھ اور اس کے معاون راجاؤں کو ہوش آیا کہ بجز اطاعت کے ان کی جان ومال کو امان نہیں مل سکتی۔ چنانچہ انھوں نے خان خاناں اور اس کے بیٹے خان زماں کی بڑی منت اور عاجزی کی اور پیغام دیا کہ خان زماں اور قاضی القضات قاضی خاں جودھ پور تشریف لاکر بت خانوں کو گرادیں اور مسجدیں تعمیر کردیں اور شرعی احکام نافذ کر کے اذان اور نماز اور گاؤکشی کا اجرا فرمائیں اور عدالتی عملہ کو قائم کر کے جزیہ کی وصولی کے لئے حکام کا تقرر کردیں اور ہماری خطائیں بادشاہ سے معاف کرادیں۔ ان کا معافی نامہ بہادر شاہ نے قبول کرلیا اور جودھ پور اور اس کے اطراف کی بستیوں میں عدالتی حاکم، قاضی، مفتی، امام اور موذن مقرر کرا دیئے۔ اجیت سنگھ اور جے سنگھ درگا داس کے ساتھ جو سارے فتنہ کی جڑ تھا بارگاہ شاہی میں معافی طلب کرتے ہوئے حاضر ہوگئے۔ بادشاہ نے ان کو خلعت، ہاتھی، تلوار، پدم اور دوسری شاہانہ عنایات سے نوازا۔

تخت نشینی کا دوسرا سال

بہادر شاہ نے جشن جلوس کی تاریخ اٹھارہ ماہ ذی الحج مقرر کی تھی۔ دوسرے سال کا جشن اس تاریخ کو جب کہ ماہ الٰہی کے حساب سے اسفندار کی پہلی تاریخ تھی بڑی دھوم دھام سے منعقد ہوا۔ جھولی بھر بھر کر زر و جواہر لٹائے گئے۔ خلعت جواہرات ہاتھی اور ترقیاں مرحمت ہوئیں۔ شاہی ضیافت میں عام و خاص چھوٹے بڑے نے بلا لحاظ قوم و ملت شرکت کی اور اس خوان کرم سے بہرہ مند ہوئے۔

پدر بجائے پسر ہرگز ایں کرم نکند — کہ دست جود تو با خاندان آدم کرد
خدائی خواست کہ بر عالمی بخشاید — بفضل خویش ترا پادشاہ عالم کرد

شاہ عالم کا خط کام بخش کے نام

انہی دنوں بہادر شاہ نے محمد کام بخش کے نام اس مضمون کا خط لکھوایا کہ " والد بزرگوار نے صوبہ بیجاپور کی حکومت تم کو عطا کر دی تھی، ہم بیجاپور اور حیدرآباد دونوں صوبوں کی حکمرانی بشمول توابعات و لواحقات اس عالی قدر بھائی کے تفویض کرتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ دکن کے سابق فرماں رواؤں کے طریقہ پر ہمارے نام کا سکہ و خطبہ جاری کر دے۔ جو پیش کش زمانہ قدیم سے ان دونوں صوبوں کے حکام بادشاہی سرکار میں جمع کراتے رہے ہیں۔ ہم اس کی معافی عطا کرتے ہیں۔ اس عنایت و مرحمت پر حسب آیت "فان شکرتم لازیدنکم" (اگر تم شکر بجالاؤ تو ہم تم کو زیادہ دیں) تم دل و جان سے شکر بجالاؤ اور اپنے بزرگوں کی طرح عدل پروری، دادگستری اور رعایا کے ساتھ حسن سلوک کو اختیار کرو اور اس علاقہ کے سرکشوں ظالموں اور راہزنوں کی سرکوبی

سے غفلت نہ برتو"۔

اس فرمان کو لے جانے اور دکن کی حجابت (رزیڈنسی) کے فرائض انجام دینے کے لئے حافظ احمد مفتی کا تقرر عمل میں آیا۔ مفتی موصوف کو معتبر خاں کا خطاب عطا ہوا اور فتنہ و فساد کے سدباب کے لئے چند باتیں زبانی بھی کہدیں۔ شہزادہ محمد کام بخش کے لئے خلعت، جواہرات ہاتھی گھوڑے تحفے تحائف دے کر معتبر خاں کو رخصت کیا اور جلد پہنچنے کی تاکید کی۔ آخر ذی الحج میں بادشاہ نے اجمیر کا رخ کیا اور خواجہ معین الدین چشتی کی زیارت کی اور درگاہ کے خدام کو کافی رقمیں دیں۔

کام بخش حیدرآباد میں

اب ہم محمد کام بخش کے متعلق چند باتیں تحریر کرتے ہیں۔ احسن خاں محمد کام بخش کا وفادار اور مددگار تھا مگر مداندازوں نے لگائی بجھائی کر کے شہزادہ کو اس سے بددل کر دیا شہزادہ کی بے توجہی کے باعث احسن خاں عرف میر ملنگ کو بڑی ذلت بھی اٹھانی پڑی۔ اس کے باوجود وہ اسی طرح خیر خواہ اور وفادار رہا۔ یہاں تک کہ کام بخش نے قلعہ گولکنڈہ اور شہر حیدرآباد کی تسخیر کا ارادہ کر لیا۔ اس مہم میں بھی احسن خاں نے حسن کارکردگی کا مظاہرہ کیا چنانچہ جب حیدرآباد سے تین چار منزل پر جا کر لشکر نے کیمپ لگایا تو احسن خاں نے حیدرآباد کے صوبہ دار رستم دل خاں کو کوشش کر کے موافق بنا لیا۔ رستم دل خاں نامی گرامی خاندان کا فرد تھا اور خلد مکاں کے عہد سے وہ حیدرآباد کا صوبہ دار تھا۔ رستم دل خاں کو اپنے ساتھ لینے کے بعد احسن خاں نے گولکنڈہ کے قلعدار سے نامہ پیام اور مراسلت کی اور گولکنڈہ سپرد کر دینے کے لئے وعدہ وعید کر کے اسے آمادہ کرنے کی کوشش کی مگر قلعدار بہادر شاہ کا فرمان پہنچنے کا عذر کر کے قلعہ سپرد کرنے پر راضی نہیں ہوا۔ احسن خاں کو محمد کام بخش نے اپنے دستخط خاص سے فرمان بھیجا تھا اور کلام پاک کی قسم پر وعدہ وعید کے پیغام بھیجے تھے۔ چنانچہ وہ چار پانچ ہزار مستعد سواروں کو لے کر شاہزادہ کے استقبال کے لئے نکلا اور خدمت میں حاضر ہو گیا۔ احسن خاں نے اور اُس نے

یہی تجویز رکھی کہ قلعہ پر وقت صرف کرنے کے بجائے فی الحال ملک کے بندوبست اور اطراف واکناف سے محصول جمع کرنے پر توجہ کی جائے اور عمال وحکام کو مقرر کرکے نظم ونسق سنبھال لیا جائے۔ اور قلعہ کی ناکہ بندی کردی جائے تاکہ قلعدار کے پاس جاگیرات کی آمدنی اور غلہ ورسد نہ پہنچ سکے۔

کام بخش کے امیروں کا نفاق

احسن خاں بڑا کارگذار آدمی تھا چنانچہ کام بخش کی سلطنت کا سارا کاروبار عملاً اسی سے متعلق تھا۔ مگر وہ چونکہ زیادہ معمر آدمی نہیں تھا ابھی جوانی کا نشہ اُترا نہیں تھا۔ اس لئے اپنی کارکردگی کے زعم میں رہتا تھا۔ یہ بات شہزادہ کے لئے تشویش کا باعث تھی۔ اس کے مخالفوں نے بھی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اس کے خلاف حکیم محمد محسن جو وزارت کے عہدہ پر فائز تھا اور ایک شخص سید احمد نامی نے جو احسن خاں کا ہی تربیت دادہ آدمی تھا چند خواجہ سراؤں کے ساتھ محاذ بنا رکھا تھا۔ احسن خاں نے اپنے زعم میں حاسدوں اور دشمنوں کے تدارک کی کچھ زیادہ فکر نہیں کی۔ ان دنوں احسن خاں اور محمد کام بخش کا تیر اندازی کا استاد سیف خاں، ارشد خاں، ناصر خاں، احمد خاں اور رستم دل خاں ہم خیال اور ہمدم تھے۔ یہ لوگ سرکاری کاموں کے سلسلہ میں عموماً خلوت میں مشورے کرتے تھے۔ ایک دوسرے کی ضیافت اور باہم تحفے تحائف کا سلسلہ بھی رہتا تھا۔ تقرب خاں، اہتدا خاں اور دوسرے مخالفوں نے احسن خاں اور اس کے ہم نواؤں کے خلاف خلوت میں بیٹھ کر منصوبے سوچے اور اس کو نیچا گرانے کی تدبیریں کرتے رہے اور برابر محمد کام بخش کے کان بھرتے رہے۔ محمد کام بخش کا مزاج پہلے ہی سے سوداوی تھا بدخواہوں کی اس افسوں سازی سے وہ ایسا متوحش اور برہم ہوا کہ اپنے ہی پیر پر آپ کلہاڑی مار لی۔

رستم دل خاں کی گرفتاری

تقرب خاں، اہتدا خاں اور میر احمد نامی نے احسن خاں اور رستم دل خاں کے میل ملاپ کو بہانہ بنا کر کام بخش کے دل میں یہ بات اُتار دی کہ رستم دل خاں، احسن خاں، سیف خاں

اور احمد خاں نے حضور بادشاہ دین پناہ کو گرفتار کر لینے کی سازش کی ہے، اور جمعہ کے دن جامع مسجد میں اس سازش پر عمل ہونے والا ہے۔ انھوں نے شہزادہ کو آمادہ کیا کہ اگر جلد ان تین چار بدخواہوں کا انتظام نہ ہوا تو وہ اپنے خطرناک ارادوں میں کامیاب ہو جائیں گے۔ محمد کام بخش کا کام تھا کہ وہ اس معاملہ کی تحقیقات کراتا اور جھوٹ سچ کا پتہ چلاتا۔ مگر اس نے غرض مندوں کی ان باتوں کو سنتے ہی باور کر لیا۔ اور اس رات رستم دل خاں کو اپنے ہاتھ سے ایک پرچہ لکھا کہ "ہم باہم مشورہ کر کے بادشاہ کے خط کا جواب لکھنا چاہتے ہیں تم طلوع آفتاب سے قبل اپنا قلم دان لے کر حاضر ہو جاؤ۔" رستم دل خاں غافل و بے خبر تھا وہ حسب الحکم حاضر ہو گیا۔ جب وہ آیا تو کام بخش نے کہا "اپنے آدمیوں کے ہجوم کو دور کرو، اور تسبیح خانہ میں قلمدان لے جا کر بیٹھ جاؤ میں ناشتہ کر کے آتا ہوں اور تمھارے لئے بھی آش انوش بھجوا رہا ہوں، کھانے پینے کے بعد تم سے مشورہ کروں گا، اور بہادر شاہ کا جواب لکھوں گا" رستم دل خاں، ہر روز کے معمول کی طرح کمر کھول کر بلا کسی وسوسہ کے تسبیح خانہ میں چلا گیا اور اسی وقت محمد کام بخش کے مقرر کردہ آدمیوں نے ہجوم کر کے اس کو مع اس کے بیٹوں کے گرفتار کر لیا اور ان کو قید کر دیا۔

وفادار ہاتھی بہادر بیوی

محمد کام بخش کو یہ بھی بتایا گیا کہ احسن خاں یوسف خاں اور رستم دل خاں کے درمیان مراسلت بھی ہوتی ہے اب جو قلمدان کی تلاشی لی گئی تو اس میں سیف خاں کا لکھا ہوا ایک خط برآمد ہوا اس نے رستم دل خاں کو لکھا تھا کہ۔

"آپ نے حضور دین پناہ کے مقتدر ہمراہیوں کے ساتھ رویہ و سلوک کے بارے میں دریافت کیا ہے آپ کو چاہیئے کہ آپ پہلے احسن خاں کی خوشنودی کا خیال رکھیں کیونکہ وہ بارگاہ کا صاحب اختیار امیر سپہ سالار اور میر بخشی ہے۔ اس کے بعد احمد خاں کے اور دوسروں کے ساتھ روابط رکھیں۔"

پس یہ وہ رقعہ تھا جس کو کام بخش نے مفروضہ الزاموں کا ثبوت سمجھ لیا اور تین دن کی قید کے بعد حکم دیا کہ رستم دل خاں کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسی کی سواری کے ہاتھی کے پاؤں میں ڈال دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا مگر ہاتھی ایسا وفادار تھا کہ ہر طرح کوشش کر لینے کے باوجود اس نے اپنے آقا کو کوئی ضرر پہنچنے نہیں دیا۔ آخر مجبور ہو کر دوسرا ہاتھی لایا گیا اور اس کو بڑا عذاب دے کر قتل کرا دیا۔ پھر اُس کی لاش کی سارے شہر میں تشہیر کرا کے انبلی محل کے باغ کے درختوں کے سایہ میں دفن کرا دیا۔ انبلی محل سلاطین سابق کا تعمیر کردہ محل تھا۔ ایک روایت یہ ہے کہ اس مظلوم و مقتول سید کے قتل سے پہلے اس کے گھر کی ضبطی کے لئے آدمی مقرر کئے گئے تھے۔ اس کی بیوی مختار خاں کے باعزت گھرانے کی بیٹی تھی اس نے اپنے گھر کے اطراف مورچہ بندی کر لی اور تیراندازی کرنے لگی اور بندوق سے گولیاں برسانے لگی جو آدمی آتے تھے ان میں سے چند مارے گئے اور بعض زخمی ہو گئے۔ آخر احسن خاں نے جا کر اس ماتم زدہ مجبور عورت کو سمجھایا اور ہتھیار ڈالنے پر رضامند کر لیا۔ سرکاری آدمیوں نے اس کو بڑی بے حرمتی سے گرفتار کر لیا اور اسے رستم دل خاں کے بھائی امیر حسن نامی کو اور اُس کے ایک بیٹے کو کام بخش کے سامنے پیش کر دیا۔ کام بخش نے ان کے سامنے رستم دل خاں کے قتل کرنے کا حکم جاری کیا اور اس کے گھر بار کو بحق سرکار ضبط کر لیا۔

وحشیانہ سزائیں رستم دل خاں کے بعد سیف خاں کی باری تھی چنانچہ اس کو بھی قید میں ڈال دیا اور اس کے رقعہ کو اس کی نمک حرامی کا ثبوت قرار دے کر اس کا ہاتھ کاٹ دینے کا حکم دے دیا۔ سیف خاں تیراندازی میں محمد کام بخش کا اُستاد تھا۔ اُس نے اپنی خیر خواہی کے اظہار میں بہت کچھ کہا اور اسی رقعہ کو خیر خواہی اور وفاداری کے ثبوت میں رکھا مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ ہاتھ کٹنے پر اس نے گالیاں دینی شروع کیں اور کہا، یہ ماں کی طرف سے کم اصلی کا ثبوت ہے تم نے اس ہاتھ کو بے قصور کٹوا دیا

جس ہاتھ سے میں نے تم کو تیراندازی سکھائی تھی" اس پر حکم دیا کہ اس کی زبان بھی کھینچ لی جائے۔ جس وقت سیف خاں کو یہ سزائیں دی جا رہی تھیں اس کی مدخولہ (بیوی) کو گھسیٹتے ہوئے لاکر عمارت خاص کے قریب ہی بٹھا دیا گیا تھا، اس نے سیف خاں کا جو حال دیکھا تو اس نے اپنی زبان بھی حلق سے کھینچ لی اور مرگئی۔ سیف خان بھی انہی دو زخموں سے اور ایک روایت کے مطابق اس کا دوسرا ہاتھ بھی کٹوا دیا تھا مرگیا۔

تیسرا نمبر احمد خاں افغان کا تھا۔ اس کے لئے حکم ہوا کہ ہاتھ پاؤں باندھ کر لمبا لٹا دیں اور دندانے دار پائے بند باندھ کر گھوڑوں کو اس پر سے دوڑا دیں، اس درد ناک سزا سے تڑپ تڑپ کر اس نے جان دے دی۔

ارشد خاں دکن کے دیوان ارشد خاں کا پوتا تھا اس کی زبان بھی جڑ سے کھنچوا دی تھی۔ مگر حیرت کی بات یہ تھی کہ زبان کے کٹ جانے کے باوجود وہ بلا دقت باتیں کرتا تھا دوسرے مظلوم مقتولوں کے لئے بھی یہی حکم ہوا کہ ان کی لاشوں کو بھی گدھوں پر باندھ کر شہر میں تشہیر کریں اور اسی انبلی محل کے باغ میں رستم دل خاں کے ساتھ دفن کردیں ان کو کفن بھی نہ دیا جائے انہی جسم کے کپڑوں میں قبر میں ڈال دیا جاتے کیونکہ ان سب نے مل کر مجھے قید کرنے کی سازش کی تھی۔

احسن خاں قید وبند میں

فوج کے بعض جمعداروں نے جو احسن خاں کے ساتھ خلوص رکھتے تھے اس کے پاس آکر کہا "ہم کو خبر ملی ہے کہ وہ تم کو بھی قید کرنے اور قتل کردینے کی فکر میں ہے. تم اپنے اہل و عیال کو تیز رفتار گھوڑوں پر سوار کرا کے نکل چلو ہم تین چار ہزار سوار تمھارے ساتھ چلیں گے اور دو تین راتوں میں بہادر شاہ کی سرحد میں تم کو پہنچا دیں گے ورنہ تمھاری جان بھی بڑی بے آبروئی سے تلف ہوجائے گی"۔ ویسے بھی احسن خاں فوج میں اتنا ہر دل عزیز تھا کہ اگر وہ علانیہ مخالفت کا اعلان کر کے بھی نکل کھڑا ہوتا تو تمام فوج اور جمعدار اس کے ساتھ ہوجاتے اور محمد کام بخش کی سرحد سے اسے باہر پہنچا دیتے مگر احسن خاں کو اپنی عقیدت و فدویت کا ایسا بھروسہ تھا کہ اُس نے سنی ان سُنی کر دی اور کہا۔

- میں حضرت دین پناہ کا موروثی عقیدت مند ہوں، مجھ بے گناہ کے متعلق ان کو کسی طرح کی بدگمانی نہ ہوگی اور میرے بارے میں دشمنوں کی باتوں کا وہ کوئی اثر نہیں لیں گے۔ یہ اس کی خوش خیالی تھی آخر کام بخش نے احسن خاں کو بھی حیلہ و تدبیر سے اپنے پاس بلایا اور تسبیح خانہ کے نزدیک قید میں ڈال دیا۔ اس وقت احسن خاں کو ہوش آیا۔ اُس نے گھر پیغام بھجوا دیا کہ سونا اور نقدی جو کچھ بھی ہو کسی جگہ بھجوا دیں۔ احسن خاں کے عزیزوں نے گھر بار کی ضبطی سے پہلے ہی زیور، اشرفی ہون وغیرہ صندوق میں بند کرکے ایک پٹھان کے گھر بھجوا دیا جو عرصہ سے احسن خاں کا آشنا اور احسان مند تھا۔ چند دن بعد ہی اس کا گھر بھی ضبطی میں آ گیا اور قید میں روزانہ اس کو طرح طرح کی تکلیفیں دی جاتی رہیں۔ دشمنوں نے کھوج لگا کر صندوق کا پتہ بھی چلا لیا۔ اس پٹھان نے بھی عاجز آ کر صندوق کو حوالہ کر دیا۔ جب محمّد کام بخش کے سامنے صندوق کو کھولا گیا تو ہون اور اشرفیوں سے بھری ہوئی تھیلیاں نکلیں اُن کو دیکھ کر کہنے لگا " اچھا تو یہی وہ تھیلیاں ہیں جو میری گرفتاری کے لئے رستم دل خاں نے دی تھیں " اس رقم کو دیکھ کر کام بخش کا غصہ اور بھڑک اٹھا اور اس بے گناہ پر طرح طرح سے سختی اور عذاب ہونے لگا۔ خوراک میں بس پاؤ بھر کھچڑی دی جاتی تھی۔ اس میں بھی خوب نمک بھر دیا جاتا تھا۔ طوق و زنجیر میں جکڑ کر برہنہ بارش میں اور دھوپ میں رکھا جاتا تھا۔ دو مرتبہ اسے زہر بھی دیا گیا۔ مگر زہر کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ دو تین مہینے تک وہ شکنجہ میں گرفتار رہا آخر یہ عذاب سہتے سہتے جان دے دی۔ اس سفاکی کا سبب یہی تھا کہ محمّد کام بخش پر سودا کا اور توہم و وسوسہ کا غلبہ تھا۔ اسی حالت میں ایک اور حرکت بغیر کسی تحقیق کے اس سے سرزد ہو گئی۔

مرگ انبوہ

جب بہادر شاہ کے پاس سے ایلچی وہاں آیا تو بد سرشت ہوا خواہوں نے اس کے ذہن نشین کر دیا کہ معتبر خاں ایلچی سپاہیوں کی ایک جمعیت اپنے ساتھ اسی ارادہ سے لے کر آیا ہے کہ موقع پاکر دین پناہ کو ضرر پہنچائے۔ اس بات کو سُن کر بغیر کسی تحقیق کے کام بخش نے فوراً حکم جاری کر دیا کہ

ایلچی کے ہمراہیوں کے نام لکھ کر لائیں تاکہ میں ہر ایک کے لئے روزینہ اور خوراکی مقرر کردوں۔ جب یہ مشہور ہوا کہ بادشاہ روزینہ مقرر کررہے ہیں۔ تو شہر کے بعض تنگ دست لوگوں نے حفظ قرآن اور طالب علمی کے بہانے ایلچی کے پاس آمدورفت رکھتے تھے اپنے نام اس کے ہمراہیوں کی فہرست میں لکھوا دیئے۔ فہرست تیار ہونے پر کام بخش نے حکم دیا کہ سب کو کھانے کی دعوت دے کر ایک جگہ بلا لیا جائے۔ رات کے وقت تقریباً پچھتر آدمی جمع ہو گئے تھے۔ حکم ہوا کہ سب کے ہاتھ باندھ کر دس دس کی ٹولی کو ایک محلہ میں لے جائیں مشعل اور تلواریں ساتھ ہوں اور سب کو بے دریغ تلوار کے گھاٹ اتار دیں۔ ان میں دو نوجوان تھے جن کی نئی نئی شادی ہوئی تھی ان کی ماں نے آکر بڑی واویلا مچائی اور فریادیں کیں کہ یہ ایلچی کے ساتھیوں میں نہیں ہیں اسی شہر کے رہنے والے ہیں مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا اور وہ سب کے ساتھ مارے گئے۔

مفتی حیدر آباد کی حق گوئی

حیدر آباد کے مفتی ملا سعدالدین تھے جو بڑے فاضل متدین اور صاحب تقویٰ آدمی تھے۔ ان مظلوم مقتولین کے قتل کے لئے کام بخش نے ان سے فتویٰ طلب کیا تھا۔ اس خداپرست حق گو نے بے باکانہ اور بے محابا جواب دیا شرع محمدی کی رُو سے محض بدگمانی پہ اور غرض مندوں کے کہنے پر مسلمانوں کی خوں ریزی ندامت کا اور روزِ جزا میں بازپرس کا باعث ہوئی۔ کام بخش کی اس خوں ریزی اور ظلم کو دیکھ کر اکثر علما و نے اور شرفائے حیدر آباد نے شہر میں سکونت ترک کردی اور مال واسباب اہل و عیال کو لے کر جدھر بن پڑا نکل گئے۔ جب لوگوں کے فرار ہونے کی شہرت ہوئی تو کام بخش نے شہر کے اطراف چوکی پہرے بٹھا دیئے۔ بہادر شاہ کے ایلچی کو بھی بڑی ذلت کے ساتھ قید کردیا اور بادشاہ کے لطف آمیز خط کے جواب میں مخاصمانہ باتیں لکھ کر یہ آیت نقل کردی۔ "کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ" (کتنی ہی قلیل جماعتیں کثیر جماعتوں پر غالب آگئی ہیں)

بہادر شاہ کی دکن کو روانگی

جب شاہ عالم بادشاہ کو یہ جواب ملا اور اس اثنا میں دوسری اور باتوں کی بھی اطلاع ملتی رہی تو فوراً بادشاہ نے جس کا ذکر ہم آئندہ سطروں میں "خلد منزل" کے لقب سے کریں گے فوراً کوچ کر دیا اور بارش کی آمد کے اندیشہ سے طویل طویل کوچ کرتے ہوئے دکن کا رخ کیا۔

راجپوتوں کا فرار

راجہ جے سنگھ اور دوسرے راجپوت سردار اطاعت قبول کرنے کے بعد بادشاہی لشکر کے پیچھے ہی اکبر آباد پہنچ گئے تھے اور رکاب شاہی میں شامل ہو گئے تھے۔ دکن کی طرف کوچ ہوا تو یہ بھی ساتھ تھے۔ مگر جب لشکر دارالفتح اوجین کی سرحد پر پہنچا اور وہاں لشکر نے پڑاؤ ڈالا تو یہ راجپوت سردار شکار کے بہانے سوار ہو کر نکل گئے جو کچھ اپنے ساتھ لے جا سکتے تھے انھوں نے اٹھا لیا اور پھٹے پرانے خیمے وہاں چھوڑ دیے بلکہ بعض کو آگ بھی لگا دی۔ بادشاہ کو اطلاع ملی تو مصلحت وقت کی بنا پر اغماض سے کام لیا۔

غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ خلد مکان کی وفات کے وقت برار کا صوبہ دار تھا۔ جب محمد اعظم شاہ شمال کی طرف روانہ ہو گیا تو وہ برہان پور آکر ٹھیر گیا

تھا۔ بادشاہ نے اسے احمد آباد کا صوبہ دار مقرر کر دیا تھا۔ مگر اس سفر میں یہ شہرت ہوئی کہ فیروز جنگ اطاعت پر راضی نہیں ہے اور محمد کام بخش کی رفاقت کا ارادہ رکھتا ہے۔ فیروز جنگ چونکہ بڑا با اثر اور صاحب فوج امیر تھا۔ اس لیے اس کے ساتھ چھوڑنے کی خبر سے شاہ عالم کے لشکر میں بڑی افراتفری سی مچ گئی۔ مگر اسی اثنار میں اطلاع مل گئی کہ وہ برہان پور سے اپنے مفوضہ صوبہ پر چلا گیا۔

محمد مراد خاں فوج دار

محمد مراد خاں، محمد کام بخش کے میر بخشی احسن خاں عرف میر ملنگ کا ماموں تھا۔ مرحوم بادشاہ کے زمانہ میں جب حیدر آباد پر فوج کشی کی تھی۔ اسے خان کا خطاب ملا تھا، وہ اسی وقت سے خلد مکاں کی طرف سے شاہ عالم کی خدمت میں بخشی گری اور واقعہ نگاری پر مقرر تھا اور اپنی خدمات کی وجہ سے اس نے بڑا مقام پیدا کر لیا تھا۔ عرصہ تک حیدر آباد کی "حجابت" کے فرائض بھی انجام دیئے تھے۔ اس زمانہ میں وہ کل صوبۂ احمد آباد کی واقعہ نگاری اور سوانح نگاری پر مامور تھا۔ اسی صوبہ میں کودرۃ اور نباسرہ جیسے عمدہ علاقوں کی فوج داری بھی اسی سے متعلق تھی۔ اعتماد خاں محمد مراد خاں کی قرابت میں تھا۔ اس پر مراد خاں کے بڑے احسانات بھی تھے مگر اس نے بہادر شاہ کی خدمت میں ذوالفقار خاں کے ذریعہ عرض کیا کہ "احسن خاں کا ماموں محمد مراد خاں جو صوبہ احمد آباد میں واقعہ نگار سوانح نگار ہے اور اس ضلع کا فوج دار بھی ہے جو فوجی اعتبار سے سرحدی اور سپاہ خیز علاقہ ہے اور وہ اپنے بھانجے احسن خاں سے جو محمد کام بخش کی فوج کا صاحب اختیار امیر ہے مراسلت کرتا رہتا ہے۔ اس لیے مذکورہ خدمات سے اس کو ہٹا کر اس خانہ زاد کے تفویض کر دی جائیں"۔ محمد مراد خاں کا سابقہ خطاب سعادت خاں تھا بعد میں وہ تبدیل ہو گیا تو بادشاہ کے ذہن سے اُتر گیا کہ مراد خاں ہی سعادت خاں ہے۔ پھر بہادر شاہ نے مدعی کی اصل غرض پر اور محمد مراد خاں کی وفاداری اور خدمات پر غور کرنے کی زحمت بھی نہیں کی اور فوج داری کی خدمات اعتماد خاں کے نام کر دیں اور واقعہ نگاری اور سوانح نگاری پر دوسرے

آدمیوں کو مقرر کرنے کے احکام دیدیئے اور محمد مراد خاں کو حضور میں طلب کرنے کے لئے گرز بردار مقرر کر دیئے۔ خان خاناں کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اُس نے مراد خاں کے وکیل کی درخواست پر بادشاہ کو حقیقت حال سے مطلع کیا اور مدعی کی غلط بیانی ثابت کر کے مراد خاں کی خدمات کی بحالی اور حضور میں طلبی کو موقوف رکھنے کے احکامات لے لئے۔ بحالی کی سند حاصل کرنے اور پہنچانے تک دربار کا مقرر کردہ سوانح نگار اور واقعہ نگار وہاں پہنچ چکا تھا۔ محمد مراد خاں کے پاس بھی بحالی کے احکامات کچھ دن بعد پہنچ گئے مگر اس نے اپنی حسن عقیدت کو جتلانے اور دشمنوں کو مزید رسوا کرنے کے خیال سے یہ مصلحت اختیار کی کہ واقعہ نگاری اور سوانح نگاری کا عہدہ دربار کے مقرر کردہ آدمی کے تفویض کر دیا۔ البتہ فوج داری کو جو اُس کے مخالف کے نام ہو گئی تھی بحالی کے حکم کے مطابق خود اپنے پاس رکھا اور خواجہ حمید خان احمد آباد کے دیوان کو اپنا نائب مقرر کر کے خود بادشاہ کے حضور اس وقت پہنچ گیا۔ جب کہ نربدا ندی کو بہادر شاہ نے عبور نہیں کیا تھا اور احسن خاں کے معتوب ہونے اور مارے جانے کی اطلاع بھی نہیں پہنچی تھی۔ مراد خاں بہادر شاہ کی خدمت میں آیا تو بادشاہ نے بڑی عنایات کیں اس کا منصب ہفت صدی چار سو سوار کا منصب تھا۔ ترقی دے کر اسے ہزاری پانچ سو سوار کا منصب عطا کر دیا۔ دوبارہ عرض داشت پر دو ہزاری ڈیڑھ ہزار سوار کا منصب مل گیا۔ اس کے علاوہ خلعت اور خنجر مرصع کا اعزاز بھی ملا۔ دوبارہ منصب میں اضافہ ہوا تو "داغ" کی خدمت پر تقرر کی خلعت عطا ہوئی (داغ' فوج کے گھوڑوں جانوروں کے معائنہ اور ان کی تعداد اور حساب کتاب کا محکمہ تھا اس کے ذمہ یہ کام تھا کہ وہ بادشاہ کے ملاحظۂ خاص میں محکمۂ داغ کی جو کارروائیاں تصحیح و تصدیق کے لئے پیش ہوتی تھیں ان کو پیش کرے اور شاہی احکام حاصل کرے)

احسن خاں کا بڑا بھائی میر سلطان حسین بھی اپنے ماموں یعنی مراد خاں کے ساتھ حاضر خدمت ہوا تھا وہ تین صدی پچاس سوار سے ترقی کر کے ہزاری دو

سوار کے منصب پر پہنچ گیا اور خطاب طالع یار خاں ملا۔ بہادر شاہ نے حکم دیا کہ احسن خاں کے نام ایک تسلی آمیز خط لکھا جائے کہ وہ اس بارگاہ کی طرف رجوع کرے۔ احسن خاں کو شہزادہ محمد کام بخش نے قتل کرادیا تو عام طور پر یہی زبان زد تھا اور اکثر بڑے امیر بھی جو واقف نہیں تھے یہی کہتے رہے کہ محمد مراد خاں اور طالع یار خاں کے خطوط جو احسن خاں کے نام لکھے گئے تھے پکڑے گئے تھے اور اسی وجہ سے احسن خاں کو روز بد دیکھنا پڑا مگر یہ بات محض غلط اور بے بنیاد تھی کیونکہ وہ ان خطوط کے پہنچنے سے ایک ماہ قبل ہی قید کردیا گیا تھا۔ جب اس کے خیر خواہوں نے قید کی حالت میں وہ خطوط کسی تدبیر سے پہنچا دیئے تو اس نے ان کو بارش کے پانی میں دھوکر دور پھینک دیا۔

بہادر شاہ برہان پور میں

بہادر شاہ نے اوائل جمادی الاول (۱۱۱۹ھ) میں (دارالسرور) برہان پور میں چھاؤنی قائم کی اسی رات بڑی سخت بارش ہوئی اور تاپتی دریا میں جو قلعۂ برہان پور کے دامن سے بہتا ہے ایسی زبردست طغیانی آئی کہ پندرہ بیس دن تک عبور کرنا دشوار ہو گیا۔ گرانی ایسی ہو گئی کہ گھاس روپیہ میں پانچ تولہ بکنے لگی (روپیہ میں پانچ تولہ گھاس بڑا مبالغہ ہے گرانی کی شدت کو ظاہر کرنے کے لئے لکھا ہوگا) تین چار دن کے قیام کے بعد جب طغیانی کا زور ٹوٹ گیا اور ندی نالے پایاب ہو گئے۔ بادشاہ نے باوجود موسم باراں کے برہان پور سے کوچ کردیا اور تیزی سے سفر کرنے کے لئے ایک کوچ اور ایک مقام کرنے کی ہدایت کردی گئی۔ بادشاہی لشکر ملکاپور اور ناندیڑ کے راستہ سفر کرتے ہوئے جلوس کے پہلے سال شوال کے آخر میں حیدرآباد سے دو تین منزل پر پہنچ گیا۔

کام بخش کی دیوانگی

محمد کام بخش کے لشکر والے اس کے جنون اور سفاکی سے ڈر کر منتشر ہو گئے تھے اور اس کے ساتھ پانچ سو چھ سو سوار سے زیادہ نہیں رہے تھے وہ بھی اس کی خون ریزی اور بدسلوکی سے نالاں

تھے۔ پھر ایک سال سے فوج کو تنخواہیں نہیں ملی تھیں سپاہی بھوکے مر رہے تھے اور سب کے سب بد دل اور ناراض تھے۔ اور شاہ عالم بادشاہ کے ساتھ تقریباً اسی ہزار سوار جمع تھے مگر جب لشکر جاکر ٹھیرا تو شب خون کا ایسا خوف اس پر طاری ہوا کہ ساری رات لوگ خیموں میں جاگتے اور ڈرتے رہے۔

سیف خاں کی سازش

سیف خاں عرف میر اسد اللہ جو خلد مکاں کے روشناس خانہ زادوں میں سے تھا۔ ایسا خبطی اور جنون زدہ تھا کہ مرحوم بادشاہؒ اسے لشکر سے خارج کرکے کعبۃ اللہ روانہ کردیا تھا۔ وہاں سے واپسی کے بعد اس کو سابقہ منصب مع اضافہ کے مل گیا تھا اور کل صوبہ جات ہندوستان کی میر بحری کے عہدہ پر مامور کردیا گیا تھا۔ ان دنوں جب کہ بہادر شاہ کا لشکر حیدر آباد پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا ذوالفقار خاں بہادر نصرت جنگ اور آصف الدولہ امیر الامراء سے اس کا بگاڑ ہوگیا اور ان کے مقابلہ میں خفت اٹھا کر وہ بادشاہ کے لشکر سے بھاگ گیا اور راجہ جے سنگھ اور راجا جیت سنگھ اور دوسرے راجپوت سرداروں کے پاس جاکر محمد کام بخش کی وکالت و حمایت کرنے لگا، اور ان سے عہد و پیمان لیا کہ اگر محمد کام بخش۔ برار کے راستہ سے ان کی سرحد پر پہنچ جائے تو پچاس ہزار راجپوت سوار اس کی مدد کے لئے تیار رہیں اور جب تک دکن سے بہادر شاہ لوٹ کر آئے اسے شاہجہاں آباد (دہلی) لے جاکر تخت نشین کردیں۔ ان لوگوں سے جو بہادر شاہ سے ناراض تھے اس نے معاہدے کی دستاویز پر مہریں بھی لگوالیں۔ یہ منصوبہ بناکر جو ایک فتنۂ عظیم کا سبب بن سکتا تھا۔ وہ بڑے جوش و خروش کے ساتھ راجپوتوں کے پاس سے روانہ ہوا اور گونڈوانہ، برار اور چاندہ کے راستہ حیدر آباد پہنچ گیا اور اس نے کام بخش کے پاس پیغام بھجوایا کہ اس نے کس طرح خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا اور کس طرح زحمتیں اٹھا کر یہ منصوبہ بنایا کہ محمد کام بخش کو وہ یہاں سے بالا بالا لے جائے گا اور راجپوتوں کے لشکر میں پہنچا دے گا سترہ اٹھارہ ہزار راجپوت سوار اسی کے

استقبال کے لئے نربدا کے گھاٹ پر موجود رہیں گے اور بہادر شاہ کو خبر ہونے اور اس بھاری لشکر کو لے کر لوٹنے تک راجپوت اسے دارالسلطنت پہنچا دیں گے اور اس کے نام کا سکہ وخطبہ جاری ہو جائے گا پھر وہ موجود اور غیر موجود امیروں سرداروں کو اپنا موافق بنا کر بہادر شاہ کے مقابلہ پر نکلے :: محمد کام بخش خبط اور وسوسہ کا شکار تھا اور اس وقت سراسیمہ بھی' اُس نے سیف خاں کے اس پیغام کو بہادر شاہ کی سازش ہی سمجھا اور اس کے اس خیال انگیز منصوبہ پر کوئی دھیان نہیں دیا اور نہ اُسے باریابی کی اجازت دی بلکہ جواب میں یہ کہلوا دیا کہ تو نے جو یہ دوڑ دھوپ کی ہے اس کا انعام ہمارے پاس سے بھی یہی مل سکتا ہے کہ تیری زبان کھینچ دی جائے اور تجھے عذاب دے دے کر مروا دیا جائے" اب سیف خاں کے لئے کوئی راستہ نہیں رہا تھا وہیں پڑا رہا اور بڑی کوششوں کے باوجود اسے باریابی کا موقع نہیں ملا البتہ کام بخش نے بڑے اصرار پر تنگ دلی کے ساتھ کچھ یومیہ قوت لایموت کے طور پر مقرر کر دیا۔

کام بخش کی عزیمت

محمد کام بخش نے باوجود اس سودائی پن کے اور اپنی بے بضاعتی کے مقابلہ کا عزم کر رکھا تھا حالانکہ اس کے پاس نہ لشکر رہا تھا نہ خزانہ۔ فقیروں اور نجومیوں نے اسے یقین دلا دیا تھا کہ کامیابی اسی کو حاصل ہوگی اور وہ ان کی باتوں سے شگون اور فال لیتا رہتا تھا۔ کچھ نہ ہوتے ہوتے بھی اس کو اس طرح آمادۂ پیکار دیکھ کر بہادر شاہ کے لشکر میں اس کی کامیابی کے امکانات کے چرچے ہوتے رہتے تھے یہ بھی مشہور ہوگیا تھا کہ اس مختصر سی جمعیت کے ساتھ وہ ویسے ہی مقابلہ پر جما ہوا نہیں ہے، ضرور اس کے پاس کوئی جادو ٹونا ہے۔ بہرحال وہ بڑی جرأت کے ساتھ حیدرآباد سے دو تین کوس پر پڑاؤ ڈالے بہادر شاہ کے لشکر کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ جو عمدہ سردار رہ گئے تھے۔ ان میں تقرب خاں عرف حکیم محمد محسن' عبدالرزاق خاں لاری' عرف محمد معصوم اور اس کا بھائی' محمد کریم اور دوسرے تین امیر تھے۔ اس کے محافظ خاص چند جاں نثار کوکے اور چیلے تھے اور تین سو چار سو سے زائد سوار نہیں تھے۔

بہادر شاہ اور کام بخش کا مقابلہ

بہادر شاہ کی صف بندی

بہادر شاہ کا لشکر تین کوس کے فاصلہ پر آ کر ٹھیر گیا. بہادر شاہ نے شاہزادہ رفیع الشان اور جہان شاہ کو فوج کشی کے لئے مقرر کیا اور دونوں شاہزادوں کے ہراول پر خان خاناں اور دوسرے امرار کا تقرر کیا اس فوج میں دس بارہ ہزار سوار تھے اور پندرہ سولہ تجربہ کار نیل سوار امیر تھے۔ فوج کے کمان داروں میں داؤد خاں، نیما سندھیا مرہٹہ، رستم خاں جیسے مشہور سردار تھے۔ یہ لوگ شاہزادہ جہاں شاہ کے زیر کمان تھے۔ شاہزادہ رفیع الشان کی فوج میمنہ پر تھی اور ذوالفقار خاں بہادر چودہ پندرہ ہزار سواروں کے ساتھ میسرہ پر مقرر تھا۔

حملہ میں تاخیر

بہادر شاہ نے لشکر کو رخصت کرتے ہوئے ہدایت کی کہ جہاں تک ہو سکے حملہ کرنے میں سبقت نہ کریں اور قراولی کے طور پر محمد کام بخش کو اطراف سے محاصرہ میں لے لیں کوشش کریں کہ وہ زندہ ہاتھ آجائے مارا نہ جائے اور مسلمانوں کی خوں ریزی نہ ہو۔ بادشاہ سے رخصت ہو کر لشکر آگے بڑھا۔ ذوالفقار خاں شاہزادہ رفیع الشان کے ہمراہ سوار ہوا اور فوج محمد کام بخش کے مقابل ایک گولہ کی مار کے فاصلہ پر پہنچ گئی۔

شاہزادہ رفیع الشان کے سیدھے بازو پر نصف کوس کے فاصلہ پر خان خاناں اور بائیں بازو پر ذوالفقار خاں ایک بان پرتاب کے فاصلہ پر کھڑے ہوئے حملہ کا انتظار کررہے تھے۔ چونکہ بادشاہ نے سبقت کرنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ اس لئے دونوں سردار اور تمام فیل سوار کمان دار دوپہر تک اسی طرح کھڑے رہے اور پیش قدمی نہیں کی اور بادشاہ کے پاس اجازت لینے کے لئے پیغام بھیجتے رہے مگر معلوم ہوا کہ بادشاہ سلامت آرام کررہے ہیں اس لئے جواب نہیں مل سکا یا بیداری کے باوجود عمداً جواب دینے میں تامل کررہے ہیں ذوالفقار خاں کو محمد کام بخش سے پرانی عداوت تھی وہ یورش کرنے کے لئے خان خاناں کو خفیہ طور پر ہر گھڑی پیغام بھجوارہا تھا۔

کام بخش کی بہادری

دوسری طرف محمد کام بخش اپنی مختصر سی فوج لئے بڑی پامردی سے امید اور خوف کے عالم میں دشمن کے حملہ کا انتظار کررہا تھا۔ آخر ذوالفقار خاں بادشاہ کے حکم کا اور خان خاناں کی رفاقت کا انتظار نہ کرسکا اور جنگ کا نقارہ بجاتے ہوئے حملہ کے لئے بڑھ گیا۔ اب خان خاناں کو بھی مجبوراً نکلنا پڑا اس نے بھی چودہ پندرہ ہزار سواروں کے ساتھ حرکت کی۔ اور دونوں فوجیں طوفانی موجوں کی طرح محمد کام بخش کی جمعیت پر ٹوٹ پڑیں....

ذوالفقار خاں، داؤد خاں، ھیبا سیندھیا کہ چار پانچ ہزار مرہٹے اس کے ساتھ تھے سب سے پہلے محمد کام بخش کے مقابل پہنچے۔ اس گرفتار اجل شہزادہ کے پاس بس چار پانچ سو سوار تھے سامان جنگ بھی موجود نہیں تھا البتہ بان کافی تعداد میں تھے۔ اس نے بان کو آگ دکھانے کا حکم دیا۔ اتنے میں ذوالفقار خاں اور خان خاناں نے توپ خانہ پر حملہ کردیا اور کام بخش سے پرتاب کے فاصلہ پر پہنچ گئے اس حملہ میں کام بخش کے دو تین جان نثار رفیق مارے گئے تھے اور زخمی ہوگئے تھے مگر کام بخش نے بڑی ثابت قدمی دکھائی اور بیس تیس ہزار سواروں کے مقابلہ پر تیر کمان سنبھالے اس بہادری سے حملے کرتا رہا کہ بہادر شاہ کی فوج میں بھگدڑ

بچ گئی۔

کام بخش کی گرفتاری

کام بخش کے حملوں سے قریب تھا کہ داؤد خاں اور دوسرے سردار ہزیمت کھا کر پس پا ہو جاتے۔ اُس نے دو ترکش پورے خالی کر دیئے تھے اور تیر اندازی سے بہت سے آدمیوں کو ہلاک اور زخمی کر دیا تھا۔ لیکن وہ خود بہت زیادہ زخمی ہو چکا تھا۔ جب کافی خون زخموں سے بہہ گیا تو اس پر ضعف طاری ہونے لگا اور بہادر شاہ کے سرداروں نے بڑھ کر اس کے ہاتھی کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور کام بخش کو گرفتار کر لیا۔ ہاتھی پر اس کا چھوٹا بیٹا اُس کے ساتھ سوار تھا۔ اسے بھی چار پانچ کاری زخم لگے اور وہ بھی باپ کے ساتھ گرفتار کر لیا گیا۔

فیل بے زنجیر

کام بخش کا بڑا بیٹا محی السنۃ اس خوں ریز معرکہ میں بڑی بہادری سے لڑتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کا فیل بان اور اس کا ردیف دونوں زخم پر زخم کھا کر گر پڑے اور شاہزادہ خود ہاتھی کو سنبھالنے لگا اسے بھی گولی لگی اور مسلسل کئی تیر آ کر لگے اور وہ بیہوش ہو کر ہاتھی کی عماری میں گر گیا۔ بغیر مہاوت کا ہاتھی فوج میں اِدھر اُدھر بے زنجیر گھومتا پھر رہا تھا۔ اس وقت چونکہ تمام سردار محمد کام بخش کو گرفتار کرنے کی دھن میں تھے۔ اس لئے کسی کی توجہ محی السنۃ کے ہاتھی کی طرف نہیں گئی۔ اور لوٹ مار کرنے والوں نے اُس کے ہاتھی کو خوب لوٹا عماری میں جو کچھ تھا۔ ہاتھی پر چڑھ کر دبا لیا عماری کی ریشمی رسیاں اور جھالریں تک نوچ لیں اور ہاتھی کو چھوڑ دیا۔ ہاتھی لشکر سے نکل کر جنگل کی طرف نکل گیا۔ مرہٹے لوٹ مار کی فکر میں لشکر کے اطراف چکر لگا رہے تھے۔ ذوالفقار خاں کے حکم سے وہ تعاقب میں گئے اور ہاتھی کو گھیر کر لے آئے۔

بہادر شاہ کی فتح

بہر حال بہادر شاہ کے لشکر کو فتح ہوئی اور وہ شادیانے بجاتے ہوئے اپنے کیمپ کو لوٹا۔ کام بخش کی گرفتاری پر خان خاناں اور ذوالفقار خاں دونوں امیروں میں اختلاف ہو گیا اور بات

تلمی تک پہنچ گئی ۔ خان خاناں شاہزادہ رفیع الشان کی کمان میں تھا، دونوں امیر جب لڑتے ہوئے محمد کام بخش کے ہاتھی کو شاہزادہ کے پاس لائے تو شاہزادہ نے رفع فساد کے لئے اسے ذوالفقار خاں کے حوالہ کر دیا ۔ اس لڑائی میں بادشاہی سرداروں میں سے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا ۔ سوائے جلال الدین خاں نامی کے جو خان خاناں کے ہمراہیوں میں تھا ۔ چھوٹی توپ کا گولہ اس پر آکر پھٹا اور وہ ختم ہو گیا۔

راقم الحروف (خافی خاں) بھی اس جنگ میں موجود تھا ۔ جب لڑائی ختم ہو گئی تو میں نے ان مقتولوں کا شمار کیا جو کام بخش کے ہاتھی کے اطراف لڑتے ہوئے جاں بحق ہوئے تھے ۔ میں نے باسٹھ لاشوں کو شمار کیا تھا ۔ جس وقت لوگ لوٹ مار میں لگے ہوئے تھے ۔ بارود اور بان کے ذخیرہ میں آگ لگ گئی اور وہاں چوبیس آدمی جل کر مر گئے۔

کام بخش کا آخری وقت

جب محمد کام بخش اور اس کے دونوں بیٹوں کو خلد منزل (بہادر شاہ) کے پاس لایا گیا تو بادشاہ نے فوراً ان کے علاج کے لئے فرنگی اور یونانی جراحوں کو مقرر کیا .... اور ان کو بادشاہی خیمہ کے قریب ٹھہرایا ۔ محمد کام بخش نے علاج کرانے سے انکار کر دیا ۔ اور اس کے لئے بادشاہ نے شوربہ بھجوایا تھا ۔ اس کو پینے پر بھی راضی نہیں ہوا ۔ آخر رات میں بادشاہ خود بھائی کو دیکھنے اور عیادت کرنے کے لئے گیا اور اس کے پاس جاکر بیٹھ گیا ۔ کاندھے پر جو چادر تھی وہ اتار کر اس برگشتہ نصیب کو اڑھا دی اور بڑی شفقت سے اس کی مزاج پرسی کی اور رقت آمیز لہجہ میں کہا ۔ "ہم تمھیں اس حال میں تو نہیں دیکھنا چاہتے تھے "۔ کام بخش نے جواب دیا ۔ "میں نہیں چاہتا تھا کہ بے غیرتی کے ساتھ گرفتار ہو کر تیمور کی اولاد پر رسوائی کا داغ لگاؤں "۔ شاہ عالم نے بڑی منت سماجت کر کے بھائی کو شوربہ کے دو تین چمچے پلاتے اور آنسو پونچھتے ہوئے وہاں سے اٹھا ۔ باپ بیٹوں کو کاری زخم لگے

تھے۔ تین چار گھڑی بعد میں محمد کام بخش اور اس کا ایک بیٹا فیروز مند اللہ کو پیارے ہو گئے۔

تو عروسی است جہاں اور صورت لیکن
ہر کہ پیوست بدو جان خودش کابین داد

بہادر شاہ نے دونوں کی لاشوں کو ہمایوں بادشاہ کے روضہ میں دفن کرانے کے لئے شاہجہاں آباد روانہ کر دیا۔ اور تین دن تک تعزیت کے مراسم ادا کئے گئے اور نوبت نہیں بجائی گئی۔ خان خاناں کے القاب میں معظم خاں کا خطاب بڑھایا اس کے بڑے بیٹے خان زماں کو "مہابت خاں بہادر شاہی" کا خطاب ملا۔

سینبھا مرہٹہ نیبا سینبھا دکن کے ملعون سرداروں میں سے تھا اس کی لوٹ مار سے مالوا کے صوبہ تک لوگ تنگ آ چکے تھے۔ جب دکن کی طرف لشکر چلا تھا تو وہ ذوالفقار خاں کے توسط سے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا تھا اور محمد کام بخش کی لڑائی میں شرکت کر کے اس نے اس خدمت کو اپنی خطا بخشی کا وسیلہ بنایا تھا۔ سینبھا بادشاہ کی خدمت میں اپنے بیٹوں اور قوم کے سرداروں کے ساتھ حاضر ہو گیا تھا۔ بہادر شاہ نے اسے سات ہزاری پانچ ہزار سوار کا منصب دو لاکھ روپیہ نقد خلعت، ہاتھی، نقارہ مرصع دھوپ اور جیغہ عطا کیا۔ اس کے بیٹوں اور پوتوں میں سے ہر ایک کو پانچ ہزاری چار ہزاری کے منصب ملے اس طرح مرہٹوں کے نام جملہ چالیس ہزاری چوبیس ہزار سوار کے منصب درج کئے گئے۔ اس کی درخواست اور بخشی الممالک کی تجویز پر اس سے قبل کہ اس کے منصب کی اسناد تیار ہوں، بلکہ منصب کی کارروائی کے مکرر پیش ہونے سے پہلے ہی بادشاہ نے حکم دیدیا کہ سرکار تیر کے سیر حاصل پرگنے اور صوبہ اورنگ آباد کے دوسرے محالات اس کی جاگیر میں دیدیئے گئے۔ اس کارروائی میں تقریباً ایک ہزار چھوٹے اور بڑے منصب داروں کی جاگیروں کا تبادلہ کرنا پڑا۔

قدرت الہٰی کا بھی عجب کارخانہ ہے کہ اس حربی کا فر نے کتنے ہی شرفا۔

سادات اور علماء کو اور ہر قوم کے آدمیوں کو تاخت وتاراج کیا تھا۔ کتنوں کی روزی چھین لی تھی۔ اور پھر بھی وہ الطاف شاہانہ سے ایسا مالا مال ہو گیا۔ کہنے والوں نے خوب کہا ہے کہ عقاب زندگی بھر تمام پرندوں کے لئے آفت جان بنا رہتا ہے اور جب مرتا ہے تو اُس کے پر تیروں میں لگائے جاتے ہیں۔ اور وہ مرنے کے بعد بھی بے شمار جان داروں کی جان لے کر رہتا ہے۔

بہادر شاہ کی کمزور شخصیت

امرائے دربار کے اختلافات

ذوالفقار خاں بہادر نصرت جنگ پورے دکن کا صوبہ دار بنا دیا گیا تھا اور اس کے ساتھ وہ میر بخشی کے عہدہ پر بھی مامور تھا۔ راجہ ساہو کے وکیل نے ذوالفقار خاں کے توسط سے دکن کے چھ صوبوں کی چوتھ اور سردیسکھی کی درخواست پیش کی۔ اس شرط پر کہ وہ تمام ویران علاقوں کو آباد کرا دے گا۔ دراصل قصہ یہ تھا کہ جملۃ الملک معظم خاں خان خاناں برہان پور کے صوبہ اور صوبہ برار کے نصف حصہ کو جو دفاتر میں پایان گھاٹ کے نام سے لکھا جاتا تھا۔ اکبر بادشاہ اور فاروقی سلاطین بیجاپور کے قدیم سررشتہ کے مطابق دکن کے چھ صوبوں سے علیحدہ کرکے شاہجہاں آباد کے تابع کر دینا چاہتا تھا (واضح رہے شاہجہاں آباد اور اس کے توابعات کو بھی عام طور سے لوگ ہندوستان کہتے تھے) اور اس سارے علاقہ کے ملکی و مالی معاملات معزولی اور تقرر کے اختیارات اپنے بڑے بیٹے مہابت خاں کے نام مقرر کرانا چاہتا تھا اس مسئلہ پر ذوالفقار خاں اور معظم خاں کے درمیان سخت اختلافات پیدا ہو گئے کیونکہ بخشی الملک معظم خاں نہیں چاہتا تھا کہ دکن کے ملکی اور مالی امور میں کوئی دوسرا بھی شریک اور صاحب اقتدار بن جائے۔

تارا بائی اور ساہو کا مقدمہ اس سے پہلے بھی راجہ ساہو کی چچی تارا بائی نے بھی جو رام راجہ کے دو خورد سال بچوں کی ماں تھی اس نے خلد مکاں عالمگیر بادشاہ کے عہد میں دس سال کی لشکر کشی کے بعد اطاعت اختیار کر لی تھی "سردیسکھی" کی درخواست کی تھی کہ نو روپیہ سیکڑہ پر بندوبست اس کے حوالہ کر دیا جائے جس کا ہم ذکر کر آئے ہیں کہ مرحوم بادشاہ نے بعض وجوہ سے اس کو قبول نہیں کیا تھا۔ اس وقت تارابائی نے دوبارہ جملۃ الملک خان خاناں کے توسط سے درخواست دی تھی کہ "سردیسکھی" بحساب نو روپیہ سیکڑہ اس کے نام کر دی جائے اور چوتھ کا کوئی سوال درمیان میں نہ رہے۔ وہ اس سلسلہ میں اپنے بیٹے کے نام فرمان حاصل کرنا چاہتی تھی، تاکہ وہ فرمان ملنے کے بعد سرکشوں اور مفسدوں کا قلع قمع کر کے ملک کا بندوبست سنبھال لے۔ تارا بائی کا مخالف راجہ ساہو تھا۔ اور صمصام الدولہ ذوالفقار خاں بہادر راجہ ساہو کا پشت پناہ تھا۔ پس دونوں امیروں میں اس مسئلہ پر سخت اختلاف ہو گیا۔ ادھر بہادر شاہ کے خلق و مروت کا یہ عالم تھا کہ اس نے اپنے دل میں یہ طے کر رکھا تھا کہ ادنیٰ اعلیٰ کسی کی درخواست کو وہ رد نہیں کرے گا۔ چنانچہ یہ صورت رہتی تھی کہ جب کسی معاملہ میں مدعی مدعا علیہ حاضر ہوتے تھے تو بادشاہ صبح میں کسی فریق کے حق میں حکم دیتا تھا تو شام کو دوسرے فریق کے حق میں اور وہ حکم بھی قطعی ہوتا تھا۔ اس سردیسکھی کے معاملہ میں بھی جملۃ الملک اور میر بخشی دونوں ہی کے نام فرمان جاری کر دینے کا حکم دے دیا آخر ان دونوں کے جھگڑے میں سردیسکھی نہ تارابائی کو ملی نہ راجہ ساہو کو اور معاملہ معرض التوا میں پڑ گیا۔

خطاب واعزاز کی بے قدری تیموری خاندان کا ابتدا سے یہ طریقہ تھا کہ ایک خطاب دو آدمیوں کو نہیں دیا جاتا تھا۔ اگر کبھی ایسا ہوتا بھی تھا تو خطاب میں ایک دو لفظ فرق کے لئے رکھ دیئے جاتے تھے۔ مگر بہادر شاہ کے زمانہ میں احمد آباد پر "صفدر خاں بابی" متعین تھا اسے

خلد مکاں کے زمانہ سے ہی یہ میں دتی خطاب حاصل تھا۔ بہادر شاہ نے اپنی رکاب کے ایک قدیم ملازم کو صفدر خاں کا خطاب عطا کر دیا۔ صفدر خاں بابی نے خطاب کی بحالی کے لئے عرضی دی۔ کہ اس سے کوئی قصور سرزد نہیں ہوا ہے پھر اس کا خطاب دوسرے کو کس لئے عطا کر دیا گیا۔ بادشاہ نے اس کی عرضی پر لکھا "بحال، بحال بحال، اگرچہ کہ دوسرے کا بھی یہی خطاب رہے گا۔" بس اس دن سے ایک ہی خطاب دو تین آدمیوں کو دینے میں کوئی قباحت باقی نہیں رہی اسی طرح منصب نوبت نقارہ ہاتھی جیغہ اور سرپیچ جیسے اعزازات بھی بے وقعت ہو گئے جو بلحاظ مراتب دیئے جاتے تھے۔

بہادر شاہ کی بے خبری و بدنظمی

ان دنوں "اخلاص خاں جدید الاسلام" جو فضیلت و دیانت میں ممتاز تھا اور متصدی گری میں بڑا سخت آدمی تھا، اور حساب کتاب میں بڑی دقت نظری سے کام لیتا تھا۔ بادشاہ کی دریا دلی سے تنگ آ گیا کہ بغیر سوچے سمجھے منصب اور ترقی بلا لحاظ مراتب عطا کر دی جاتی تھی۔ عطیات کا بس ایک سیلاب تھا جو تھمتا ہی نہیں تھا۔ آخر اس نے جملۃ الملک سے عرض کیا کہ بادشاہ کے بے پناہ جود وسخا کے لئے تو ہفت اقلیم بھی ہوں تو کافی نہیں ہو سکتے۔ ساری دنیا زیادہ سے زیادہ حاصل کرنا چاہتی ہے اگر یہی حال رہا تو پھر تمام منصب داروں اور خانہ زادوں کی نوکریاں جاتی رہیں گی، کیونکہ ہندوستان کی سلطنت بادشاہ کی سخاوت کے مقابلہ میں تو عشر عشیر بھی نہیں ہے، ملک کی بہتری اور مصلحت کا تقاضہ یہی ہے کہ اس معاملہ میں کوئی تدبیر اور بندوبست کیا جائے کہ اس سیل بے پناہ پر کچھ روک تو لگے اور ہندوستان کی آمدنی بادشاہ کی بخشش کی تو کم ازکم پا بجائی کر سکے۔ اس کی یہ بات اگرچہ لوگوں میں اخلاص خاں کے بخل حسد اور شرارت کے عنوان سے مشہور ہو گئی اور حقیقت بھی یہ ہے کہ خلق خدا کے رزق میں حائل ہونا اور خیر کے آڑے آنا بدترین اور نہایت مذموم صفت ہے، مگر اخلاص کا یہ کہنا منصف مزاج نکتہ سنج اشخاص کے نزدیک غلط بھی نہیں تھا۔

یکسر "سخن راست تلخی آمیز" تھا۔ اخلاص خاں چاہتا تھا کہ جب بھی کسی کے منصب کی یادداشت عرض مکرر اور دستخط کے لئے آئے تو اس کے اصل و نسب درجہ و مرتبہ کی تحقیق کے بعد ہی وزیر دستخط کرے، مگر خان خاناں نے خلق خدا کی روزی پر پابندی لگانے اور اُن کے اسناد کو روکنے کی بدنامی کو پسند نہیں کیا اور اخلاص خاں کو ہی تحقیقات کی ذمہ داری سپرد کردی۔ اخلاص خاں نے بھی لوگوں کے طعنوں اور ملامت سے ڈر کر اس کو قبول نہیں کیا۔ بلکہ ملازمت سے استعفیٰ دینے پر آمادہ ہو گیا۔ آخرکار یہ طے پایا کہ اس نئی خدمت پر مستعد خاں کو، جس کا عرف محمد ساقی تھا، مامور کردیا جائے۔ مستعد خاں بڑا کارپرداز راست رو، اور ساتھ ہی خوبصورت آدمی تھا۔ اس کی صورت و سیرت کو دیکھ کر ہی اس ذمہ داری کے سرانجام پانے کی اُمید بندھتی تھی۔ یہ قاعدہ مقرر ہوا کہ جب بھی منصب کی یادداشت بادشاہ کے دستخط سے نکل کر عرض مکرر کے لئے آئے تو وہ مستعد خاں کے پاس بھیج دی جائے۔ اور وہ اس بات کی تحقیقات کرے کہ تو ملازم صاحب منصب بادشاہ کی خدمت کی اہلیت بھی رکھتا ہے یا نہیں اور اس نے کسی سبب اور وسیلہ سے منصب یا اضافہ حاصل کیا ہے اور کہیں اُسے درجہ و مرتبہ سے زیادہ اور مقررہ میعاد سے قبل ہی اضافہ تو نہیں مل گیا ہے۔ منصب کے ساتھ یومیہ معاش وغیرہ کی تحقیقات بھی اسی کے سپرد کی گئی وہ ان امور کی تحقیقات کرنے کے بعد ہی جس میں کافی عرصہ لگ جاتا تھا۔ مستعد خاں منصب، اضافہ اور یومیہ معاش کی یادداشتوں پر لفظ "صحیح" لکھ کر تصدیق کرتا تھا۔ مگر اکثر یادداشتوں کے ساتھ بادشاہ کی دو بیویاں مہر پرور اور امتہ الحبیب کے اور دربار کے بعض خاص مقربین کے دارو غہ بھی مسلط ہو جاتے تھے اور بغیر کسی تحقیق و کاوش کے مستعد خاں کے دستخط کرا کے لے جاتے تھے۔

بہرحال تمام سرکاری معاملات میں بے ضابطگی راہ پا گئی اور بادشاہ کے دستخط کا کوئی اعتبار نہیں رہا۔ بہادر شاہ نے متصدیوں کو کہہ دیا تھا کہ "ہمارے لئے لوگوں کی درخواستوں کو منظور کرنے کے سوا کوئی راہ نہیں اور خلق خدا کے مطالبات کی

بھی کوئی انتہا نہیں۔ بہرحال ہمارے دستخطوں کے باوجود جو تم بہتر جانو عمل کرو۔"
کہتے ہیں صائب کا یہ شعر اکثر وردِ زباں رہتا تھا ۔

ہر کہ ایں جا دست رد بر سینۂ سائل زند
حاجب جنت گذارد چوب پیشش روز بار

شہ بے خبر

گزشتہ تاریخوں خاص طور سے خانوادۂ تیمور یہ میں بہادر شاہ جیسا سخی، باہمت، خلیق، عیب پوش اور خطا بخش بادشاہ نظر نہیں آتا مگر بے عیب تو اللہ کی پاک ذات ہے۔ امور سلطنت میں ملک کی خبرگیری اور بندوبست سے وہ اس قدر لاپروا اور بے خبر رہتا تھا کہ شوخ طبع اشخاص نے اس کے جلوس کی تاریخ ہی "شہ بے خبر" سے نکال لی تھی۔ بہادر شاہ راتوں میں دیر تک جاگنے کا عادی تھا، اور دن چڑھے دو پہر تک پڑا سوتا رہتا تھا۔ سفر میں بھی اس کی آرام طلبی کا یہی حال تھا، عموماً کوچ میں بڑی دیر ہو جاتی تھی اور لشکر کو بڑی زحمت اٹھانا پڑتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ راتوں میں قیام بڑی تاخیر سے ہوتا تھا۔ اندھیرے میں لشکر ادھر اُدھر منتشر پڑا رہتا تھا، لوگوں کو اپنا سامان اور خیمے تک نہیں مل پاتے تھے اسی لئے ناچار لوگ بادشاہی خیمہ گاہ میں نقار خانہ اور کچہری میں اور لشکر کے بازار میں رات بسر کر لیتے تھے۔

ورنگل میں پاپڑا کی بغاوت

ورنگل کا باغی

سرکار ورنکل (ورنگل) میں پاپڑا نامی ایک فتنہ پرداز نے لوگوں کو بہت تنگ کر رکھا تھا۔ چنانچہ ورنگل کا قاضی اور دوسرے معزز اشخاص روزانہ راتوں کو مشعلیں روشن رکھتے تھے اور بادشاہ کے پاس پاپڑا کے خلاف استغاثہ کیا تھا۔ ہم اس واقعہ کو ابتدا سے کیوں نہ بیان کریں۔ خلد مکاں کے زمانہ میں جاں سپار خاں کا بیٹا رستم دل خاں حیدرآباد کا صوبہ دار بن گیا تھا۔ بداصل پاپڑا ذات کا کلال تھا۔ یہ قوم سیندھی بیچنے کا پیشہ کرتی تھی، (سیندھی دکن میں تاڑی کو کہتے ہیں)، اس کی ایک بیوہ بہن کافی مال دار تھی۔ پاپڑا نے اس کی دولت پر قبضہ کرنے کے لئے سازش کی اور اس سے ملنے کے لئے گیا اور چار پانچ دن اس کے گھر ٹھیرا اور اس کی دولت زیور وغیرہ کو اچھی طرح دیکھ بھال لیا۔ پھر چند پیادوں کی مدد سے اس نے اپنی بہن کو اغوا کر لیا اور اسے طرح طرح سے عذاب دے کر اور اعضا کو داغ دے کر جلا دیا اور جو کچھ اس کی نقدی اور زیورات تھے ان پر قابض ہو گیا۔ کچھ دن بعد ہی اس نے اپنے آدمیوں کا ایک جتھا بنا لیا اور ایک پہاڑی میں پناہ گاہ بنا کر بیٹھ گیا۔ چند ہی دن میں اس کی راہزنی سے اطراف کے راستے مخدوش ہو گئے۔ اور رعیت اس کی لوٹ مار اور

غارت گری سے عاجز آ گئی ۔ مسافروں کے لئے راہ چلنا دشوار ہو گیا ۔ آخر اس نواح کے زمینداروں اور فوج داروں نے اس کو گرفتار کر لینے کی فکر کی اور ایک جمعیت کو اس کی سرکوبی کے لئے مقرر کر دیا۔

پاپڑا کی ڈاکہ زنی

پاپڑا کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو وہ وہاں سے فرار ہو گیا اور سرکار ایل کندل کے پرگنہ کولاس میں وہاں کے زمیندار ونکٹ راؤ کے پاس چلا گیا اور اس کے پاس جمعداری کی خدمت پر ملازم ہو گیا ۔ کولاس میں اسے ایک اور ساتھی مل گیا۔ اس کا نام چنا ہنونت تھا اور وہ بھی ونکٹ راؤ کے پاس جمعدار تھا پاپڑا نے چنا کو اپنا رفیق بنانے کے بعد دوبارہ اس ضلع میں راہزنی شروع کر دی ۔ جب ونکٹ راؤ کو ان کی بدمعاشیوں کی خبر ملی تو اس نے دونوں کو پکڑ کر قید کر دیا اور سخت سزائیں دیں ۔ ایک دو ماہ بعد ونکٹ راؤ کا بیٹا سخت بیمار ہو گیا۔ اس کی بیوی نے بیٹے کی شفایابی کے لئے تمام قیدیوں کو چھوڑ دینے کی سفارش کی ۔ پاپڑا بھی انہی قیدیوں کے ساتھ رہا ہو گیا اور وہاں سے نکل کر موضع شاہ پور میں چلا گیا ۔ یہ ایک دشوار گذار کوہستانی علاقہ تھا جو سرکار بھونگیر میں نرکندہ پرگنہ کے ماتحت تھا یہاں اسے ایک اور فتنہ پرداز سروا نامی مل گیا ۔ دونوں نے مل کر ڈاکوؤں کا ایک بڑا جتھہ بنا لیا اور شاہ پور کی ایک پہاڑی پر کچا احاطہ بنا کر گڑھی تعمیر کر لی ۔ اور اس گڑھی کی پناہ میں رہتے ہوئے دونوں اطراف و اکناف میں لوٹ مار کرنے لگے ۔ جہاں بھی سنتے تھے کہ کوئی ہندو یا مسلمان خوبصورت عورت ہے اور مال و دولت ہے تو وہاں یہ چھاپہ مارتے تھے اور عورتوں کو اڑا لے جاتے تھے اور لوگوں کا مال و اسباب لوٹ لیتے تھے ۔ ان کی ڈاکہ زنی سے تنگ آ کر ہر قوم کے بیوپاریوں اور معزز اشخاص کا ایک وفد بادشاہ کے پاس فریاد لے کر آیا اور پاپڑا کے خلاف انھوں نے استغاثہ کیا۔ اور رستم دل خان صوبہ دار حیدرآباد کے پاس دربار سے اس کی سرکوبی کا حکم نامہ لے آئے ۔

قاسم خاں اور پاپڑا کا مقابلہ

جب رستم دل خاں کو یہ حکم ملا تو اُس نے قاسم خاں افغان کو جو بڑا صاحب تدبیر اور بہادر فوج دار تھا ۔ پرگنہ کلپاک کی فوج داری پر مقرر کردیا اور اُسے ایک فوجی دستہ دے کر پاپڑا کو گرفتار کرنے کی تاکید کی ۔ کلپاک شاہ پور سے سات آٹھ کوس کے فاصلہ پر تھا ۔ قاسم خاں نے کلپاک پہنچنے کے بعد پرگنہ کا بندوبست کرایا ۔ اور اس علاقہ کے بدمعاشوں اور مفسدوں کی اچھی طرح سرکوبی کی اور برابر پاپڑا کو گرفتار کرنے کی فکر میں لگا رہا ۔ پاپڑا بھی اس کے مقابلہ میں کبھی کبھی شوخی کرجاتا تھا ۔ یہاں تک کہ ایک دن اس ملعون نے پرگنۂ کلپاک کے ایک موضع پر حملہ کردیا ۔ قاسم خاں کو اطلاع ملی تو وہ اسی وقت اس موضع میں پہنچ گیا اور وہاں پاپڑا سے اس کی اچھی خاصی جنگ ہوتی ۔ جب پاپڑا کے آدمی کافی تعداد میں مارے گئے تو وہ وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا اور ایک پہاڑی میں جاکر پناہ لے لی قاسم خاں اس کے تعاقب میں تنہا نکل آیا تھا اور اس کے قدم بہ قدم بڑھا چلا جارہا تھا ۔ اسی دوران میں پاپڑا کے کسی ساتھی نے بندوق سے اس پر فائر کردیا ۔ گولی اس کی پیشانی میں لگی اور وہ اسی جگہ شہید ہوگیا ۔ اور اس کی بقیہ فوج ہزیمت کھاکر بھاگ گئی ۔ پاپڑا نے شکست خوردہ فوج کو جی بھر کر لوٹا اور بڑی تباہی مچائی ۔

شاہ پور کی قلعہ بندی

رستم دل خاں کو یہ خبر ملی تو اُس نے ایک اور دلیر افسر کی ماتحتی میں دوسری فوج روانہ کی مگر وہ بھی اس کے مقابلہ میں ناکام رہا آخر رستم دل خاں خود اس بدبخت کی سرکوبی کے لئے نکلا اور شاہ پور پہنچ کر اس کا محاصرہ کرلیا پاپڑا اور سروا دو ماہ تک محصور رہ کر جنگ کرتے رہے آخر وہاں سے وہ جان بچاکر فرار ہوگئے ۔ رستم دل خاں نے ان کی گڑھی کو مسمار کرادیا اور شاہ پور سے لوٹ آیا ۔ مگر پاپڑا اور سروا رستم دل خاں کے پشت پھیرتے ہی دوبارہ شاہ پور پہنچ گئے اور کچی گڑھی کو انھوں نے پتھر چونے سے پختہ کرلیا اور توپ نصب کرکے کافی سامان جنگ گڑھی میں جمع کرلیا ۔

درختی کہ اکنوں گرفتہ است پائی ۔ بہ نیروی مردی برآید ز جائی
اگر ہم چناں روزگاری ہلی ۔ بگردونش از بیخ بر نگسلی

اور حسب سابق غارت گری اور راہزنی میں مشغول رہے۔ اس عرصہ میں رستم دل خاں نے کوئی مداخلت نہیں کی اور ان کو گڑھی بنا لینے کا موقع دیا۔ اس کے اس رویہ کی وجہ سے لوگوں میں یہ بات مشہور ہوگئی کہ رستم دل خاں خود نہیں چاہتا تھا کہ ان مفسدوں کا پوری طرح قلع قمع ہو جاتے۔ بلکہ وہاں کی شرانگیزیوں کو اپنی کارگذاری جتلانے اور اضافہ وترقی حاصل کرنے کے لئے ایک ذریعہ بناتے ہوے تھا۔ بہرحال کوئی وجہ رہی ہو، اُس کے فتنہ وفساد نے کافی طول پکڑ لیا۔ یہ حال ہوگیا تھا کہ اس کے خوف سے شاہ پور کے اطراف پندرہ بیس کوس تک کوئی شخص رات کو آنکھ لگا کر سو نہیں سکتا تھا۔ اس درمیان میں ایک اور واقعہ پیش آیا۔ سروا کا ایک جمعدار پُردل خاں تھا۔ کسی بات پر ان دونوں میں جھگڑا ہوگیا۔ بات یہاں تک بڑھی کہ دونوں ایک دوسرے سے تنہا مقابلہ کرنے پر کھڑے ہوگئے۔ اس طرح کے شخصی مقابلوں کا دکن میں بہت رواج ہے۔ پُردل خاں نے سروا کے پاؤں پر بڑا کاری زخم لگایا۔ مگر خود بھی اُس کی زد میں آکر مارا گیا۔ چند دن بعد سروا بھی اسی زخم سے جہنم رسید ہوگیا۔ سروا کے مارے جانے سے پاپڑا اور زیادہ خود مختار ہوگیا اور اس کی قوت کافی بڑھ گئی اور اُس نے ایک بڑی فوج اور ذخیرہ جمع کرکے اطراف واکناف کے قلعوں کو تسخیر کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس دوران میں رستم دل خاں نے کئی بار شاہ پور کا محاصرہ کیا۔ مگر مہم کو ادھورا چھوڑ کر اس سے کچھ رقم لے کر واپس چلا آیا۔

ورنگل پر پاپڑا حملہ

کچھ عرصہ بعد اس کا فرنے قلعۂ ورنگل پر قبضہ کرنے کی تیاری کی۔ ورنگل شاہ پور سے سولہ سترہ کوس پر واقع ہے۔ ورنگل کا قصبہ بڑا تجارتی مرکز تھا۔ وہاں بڑے بڑے سرمایہ دار تاجروں

کے ذخیرے تھے۔ لاکھوں کا قیمتی کپڑا اور قالین ان کے کارخانوں میں تیار رہتے تھے۔ پاپرا نے ورنگل پر ڈاکہ مارنے کے لئے محرم (۱۱۲۱ھ) کی دسویں رات کو منتخب کیا۔ اس دن شہر کے تمام مسلمان اور ہندو محرم کے تابوتوں کے گشت اور جلوس میں مشغول تھے۔ پاپرا دو تین ہزار پیادوں اور چار سو پانچ سو سواروں کو لے کر قلعہ ورنگل کے قریب چھپ کر بیٹھ گیا اور اپنے آدمیوں کو اُس نے راستوں کی ناکہ بندی پر مقرر کردیا اور ایسا انتظام کیا کہ قصبہ والے واقف ہی نہ ہو سکے کہ ایک آفت عظیم ان کے سر پر مسلط ہے۔ جب رات کافی گذر گئی اور لوگ تھک تھکا کر بے خبر سو گئے تو وہ مکار آخر رات میں اپنی فوج کو لے کر نکلا۔ اس وقت قلعہ ورنگل کے برج اور فصیل کے استحکام وحفاظت کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ اس لئے اس کے پیادے بلا دقت قلعہ پر چڑھ گئے اور دوسرے لوگ قصبہ پر اچانک ٹوٹ پڑے۔ پاپرا کو اس واردات میں بڑی دولت ہاتھ آئی۔ لاکھوں کا نقد اور مال واسباب لوٹ لیا۔ بھاری قالین کاٹ کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے اڑائے گئے۔ تقریباً بارہ پندرہ ہزار شرفا کے گھرانوں پر یہ لٹیرے ٹوٹ پڑے۔ عورت مرد بچے سب اس کے رحم وکرم پر تھے۔ قاضی محمدؐ سعید کی بیوی کو اُس کی آٹھ نو سال کی بچی کے ساتھ پکڑ لے گئے۔ پاپرا وہاں دو تین دن تک بڑے اطمینان سے رہا اور اس قصبہ کے تمام گھروں کا اُس نے اس طرح صفایا کردیا کہ سارے لوگ محتاج اور قلّاش ہو گئے۔ مسلمانوں کی دشمنی میں قاضی کی بیوی کو تو اپنے تصرف میں کرلیا اور قاضی کی بیٹی کو ناچ گانا سکھانے کے لئے رقاصوں کے سپرد کردیا۔ قاضی کو بھی چند دن تک روک رکھا۔ اس نے اپنی عزت وآبرو کے تحفظ کے لئے بڑی عاجزی اور منت درآمد کی مگر کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ آخر چند دن بعد قاضی کو روانہ کردیا۔

پاپرا کی سواری

پاپرا کی قوت اور شان اس قدر بڑھ گئی کہ اس کی سواری بڑے شاہانہ انداز سے نکلنے لگی۔ سات سو خاص بندوقیں تیار کرائی تھیں۔ ہر بندوق کے ساتھ دو دو میگزین لگے ہوتے تھے۔ ایک ختم ہو جاتا

تو دوسرا کام دیتا۔ تمام حوالی موالی اس کی پالکی یا سواری کے گھوڑے کے اطراف جلوس کی صورت میں چلتے۔ اب اس کی غارت گری کا سلسلہ بھی طویل ہو گیا۔ ایک دن بنجاروں کے ایک مشہور لڑکے کو امان کا قول دے کر قلعہ میں بلایا اور انھیں قید کر دیا۔ ان کے ساتھ غلہ اور اناج سے لدے ہوئے دس بارہ ہزار بیل تھے اور دوسرا مال و اسباب بھی تھا۔ ان پر پاپڑا نے قبضہ کر لیا اور بیلوں کو کھیتی باڑی کے لئے جگہ جگہ بھجوا دیا۔

بھونگیر پر پاپڑا کا حملہ

اب پاپڑا بھونگیر کے قلعہ پر قبضہ کرنے کی فکر میں رہا۔ بھونگیر ایک مستحکم اور مشہور قلعہ ہے جو حیدر آباد سے سولہ کوس پر ہے اور شاہ آباد سے بھی اس کا فاصلہ سولہ کوس کا ہے۔ ربیع الاول کی ۱۲ تاریخ کو جب کہ مسلمان شرفاء کے گھرانوں میں حضرت رسالت پناہ کی فاتحہ کے لئے نزدیک و دور سے ان کے رشتہ دار آئے ہوئے تھے کہ وہ ملعون صبح ہونے سے پہلے قلعہ کے نیچے پہنچ گیا۔ زینے اور کمند لگا کر وہ قلعہ پر چڑھنے لگے تھے کہ ایک بڑا پتھر جس پر کمند ڈالی گئی تھی۔ ٹوٹ کر اس چھپر پر گرا جس میں قلعہ کی چوکی پہرہ کے لوگ رہتے تھے پتھر کے گرنے سے دھماکہ ہوا۔ تو چوکیدار جاگ اٹھے قصبہ والوں نے بندوقوں کی دو تین آوازیں بھی سُنی تھیں۔ اب ہر طرف پاپڑا کے پہنچنے کا غل ہونے لگا اور سخت ہنگامہ برپا ہو گیا۔ اگرچہ قلعہ اس ملعون کے ہاتھ نہ آسکا مگر ان لٹیروں نے قصبہ ایک پہر دن تک خوب لوٹا۔ پاپڑا سوانح نگار کے گھر میں جا کر بیٹھ گیا تھا اور وہاں سے اپنے حکم نافذ کر رہا تھا۔ اس کے آدمی زر نقد کی تلاش میں اور زمین کھود کر دفینے نکالنے کی فکر میں تھے۔ گھر میں دو بڑی دیگیں چار پانچ تھال اور سرپوش رکھے ہوئے تھے پاپڑا کے سامنے یہ برتن لائے گئے تو بگڑ کر کہا "جس آدمی کے پاس کھانے کے یہ برتن ہوں اس کے پاس نقدی دفینہ کہاں سے مل سکتا ہے"۔ قلعہ سے چونکہ سخت گولہ باری شروع ہو گئی تھی اور سنگ اندازی بھی ہو رہی تھی۔ پھر ہر طرف سے اس کے مقابلہ کے لئے کافی لوگ

جمع ہوتے جا رہے تھے۔ اس لئے اس نے بھاگنے کی فکر کی اور راستہ میں جو کڑوی کے بڑے بڑے ذخیرے تھے۔ ان کو آگ لگوادی۔ تاکہ ان کے دھوئیں میں اس کے آدمی نکل جائیں اور قلعہ والے گولہ باری نہ کرسکیں۔ غرض وہ وہاں سے بھاگ گیا مگر اپنے ساتھ قصبہ کے دو تین ہزار عورتوں اور مردوں کو گرفتار کرکے لیتا گیا۔

اغوا کا ایک واقعہ

معتبر راوی سے یہ سننے میں آیا ہے کہ اس بدبخت نے اپنے لشکر میں یہ اعلان کر رکھا تھا کہ جو بھی مسلمان عورت کو قید کرلائے گا۔ اس کو پانچ روپیہ انعام ملے گا اور جو کسی قاضیوں اور مشائخوں کے مشہور گھرانوں کی عورت کو پکڑ لائے گا اس کو پانچ ہون ملیں گے اس دن جب کہ قصبہ کو یہ لوگ تاخت و تاراج کر رہے تھے۔ ایک شریف مشائخ گھرانے کی سات آٹھ سالہ لڑکی کو جس کا رشتہ قاضی شیخ زین الدین کے خاندان سے تھا اس کافر کے ایک بندوقانداز نے پکڑ لیا اور بکری کے بچے کی طرح اس کو پیٹھ پر لاد کر قصبہ سے باہر نکلا۔ اسی وقت ایک مسلمان سوار جو شیخ زین الدین کے سلسلہ میں دور نزدیک کا رشتہ دار بھی تھا اور گردش زمانہ کے ہاتھوں پاپیا کی فوج میں نوکر ہو گیا تھا۔ وہاں پہنچ گیا۔ اس نے جب دیکھا کہ پیادہ نے اپنی پیٹھ پر ایک لڑکی کو لاد رکھا ہے اور وہ روتی جاتی ہے اور فریادیں کر رہی ہے۔ سوار نے یہ جان کر کہ یہ مسلمان کی بچی ہے۔ بڑا رحم آیا اس کی رہائی کے لئے پیادہ سے التجا کرنے لگا۔ پیادہ نے تندی اور تلخی سے جواب دیدیا اور کہا "اگر تو میرے قریب آیا یا اس لڑکی کی رہائی کے لئے کوشش کی تو بس بندوق چلا دوں گا"۔ سوار نے نرمی اور عاجزی سے باتیں کرکے پیادہ کو کچھ ٹھنڈا کیا اور اس لڑکی سے اس کا حال پوچھا اُس نے جب اپنے قبیلہ خاندان کا ذکر کیا تو سوار پہچان گیا کہ وہ شیخ زین الدین کی بیٹی ہے۔ یہ سُن کر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پھر اس نے پیادہ کو نقد روپیہ اور مال دے کر لڑکی کو چھڑانے کی کوشش کی کوئی فائدہ نہیں ہوا آخر وہ اس لڑکی سے باتیں کرتے اور اس پیادہ سے حال احوال پوچھتے ہوئے قریب آ گیا۔ باتوں میں

جب وہ ذرا غافل ہوا تو سوار نے تلوار کھینچ کر اس کی گردن پر اچانک ایسا وار کیا کہ لڑکی کو تو کوئی گزند نہیں پہنچا اور اس کا سر کٹ کر دور جا پڑا اور اس نے لڑکی کو گھوڑے پر سوار کرلیا اور قلعہ کے پاس لے آیا۔ وہاں قلعہ میں لڑکی کے اغوا پر ماتم بر پا ہوگیا تھا کوئی دو ہزار آدمی جمع تھے اور افسوس و ماتم کر رہے تھے۔ اس سوار نے لڑکی کو وہاں چھوڑ دیا اور دور سے ہی ان کو اطلاع دے کر بڑے اضطراب و پریشانی میں پاپڑا کے پاس لوٹ کر چلا گیا۔

تاریکنڈا میں قلعہ بندی شاہ پور سے چار کوس پر موضع تاریکنڈا ہے اسی موضع کے قریب اس نے ایک دشوار گذار پہاڑی کو منتخب کیا جس کے نشیب و فراز قلعہ بندی کے لئے نہایت موزوں تھے اور وہاں بھی ایک قلعہ تعمیر کرایا جہاں وہ وقت بے وقت پناہ لے سکتا تھا۔ اکثر قیدیوں کو اُس نے اسی قلعہ میں بند کرا دیا۔ وہاں ایک بڑی جمعیت بھی متعین کردی اور ضروری اشیا کے ذخیرے بھی جمع کرا دیئے۔ جہاں بھی کسی بالغ یا نابالغ لڑکی کی شادی ہوتی وہ راستہ سے بلکہ گھر سے دلہن کو اڑا لاتا۔ چنانچہ لوگوں نے شادی بیاہ کی رسم ہی بند کردی۔ غرض اس کے مظالم سے اس ضلع کے باشندوں کا خواب و خور حرام ہوگیا تھا۔

بہادر شاہ کے حضور فریاد جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ ایک قاضی کی بیوی پاپڑا کے قبضہ میں چلی گئی تھی۔ اس عورت کا باپ خدا رسیدہ گوشہ نشین آدمی تھا اور مشہور مشائخوں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ وہ دوسرے شرفا کے ساتھ بہادر شاہ بادشاہ کے حضور آیا اور روزانہ مشعلوں کو روشن کرکے بار ہا یہ درخواست کی کہ بادشاہ پر واجب ہے کہ وہ خود اس کافر کی سرکوبی کے لئے چلیں۔ بادشاہ نے فرمایا۔ ہمارے لئے مناسب نہیں کہ ایک سیندھی فروش کے مقابلہ پر جائیں۔ اپنے ایک ملازم کو ہم حیدرآباد کا صوبہ دار مقرر کرتے ہیں اور ایک اچھی فوج اس کے ہمراہ دے کر روانہ کرتے ہیں۔ اس جواب سے وہ مطمئن نہیں ہوا اور

اس نے بہت زیادہ اصرار اور سماجت کی یہاں تک کہ دربانوں نے تنگ آکر بڑی بے عزتی اور ذلت سے اسے باہر نکال دیا۔ ایک تو بے ناموسی کا غم تھا ہی اب یہ مزید بے آبروئی ہوئی۔ چنانچہ وہ غریب اپنے گھر والوں اور آدمیوں سے رخصت اور وداع ہوکر گھر کے ایک گوشے میں دروازہ بند کرکے بیٹھ گیا اور چالیس دن تک گھر سے باہر نہ نکلا اور اسی عالم میں جاں بحق ہوگیا۔

کلپاک کا معرکہ

بعد میں بادشاہ نے یوسف خاں روز بیانی کو حیدر آباد کی صوبہ داری تفویض کردی۔ اس کو بر سر دربار اضافہ اور اعزازات عطا کیے۔ پھر خلوت میں بلا کر پاپڑا کی سرکوبی کے لئے سخت تاکید کی۔ یوسف خاں بادشاہ سے رخصت ہوکر حیدر آباد آیا اور حیدر آباد میں داخل ہونے کے بعد ہی اس نے ایک تجربہ کار اور بہادر جمع وار دلاور خاں کو عمدہ فوج دے کر پاپڑا کافر کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ اس کے ساتھ بہادر افغان سردار ہشدار خاں، نیاز خاں اور تاتار خاں بھی مقرر کیے گئے۔ اس فوج کے مقرر ہونے سے پہلے وہ بدبخت شاہ پور سے آٹھ کوس پر قصبہ کلپاک پر حملہ کرنے گیا ہوا تھا۔ کلپاک کے زمیندار سے اس کی جانی عداوت تھی اس نے موقع پاکر کلپاک کا محاصرہ کرلیا۔ زمیندار محصور ہوکر بڑی ناامیدی اور مُردہ دلی سے جنگ کرتا رہا۔ یوسف خاں کے پاس بھی اس زمیندار کی کئی ایک درخواستیں فوج اور کمک کو طلب کرنے کے لئے آئیں۔ افغانوں کی فوج آنے کے بعد بھی وہ مقابلہ پر ڈٹا رہا۔ جب اس کے کافی آدمی مارے گئے تو محاصرہ اٹھاکر رام لچھمن نامی توپ لے کر واپس چلا گیا۔ یہ توپ وہ شاہ پور سے گولہ باری کے لئے لایا تھا۔ کلپاک کے تھانہ دار دلاور خاں نے تھانہ قائم کردیا اور موقع کا منتظر رہا۔ اس بدبخت کے آدمی بھی کلپاک کے اطراف تک لوٹ مار کرنے میں کوتاہی نہیں کرتے تھے۔

پاپڑا کے خلاف سازش

اس ظالم نے اپنے سالے تک کو ایک کثیر جماعت کے ساتھ عرصۂ دراز سے قلعہ میں قید کر رکھا تھا۔ باہر سے اس کے پاس کوئی نہیں جا سکتا تھا۔ صرف اس کی بیوی کو اجازت تھی کہ وہ آٹھ

گھنٹوں میں ایک بار اس کے لئے کھانا لے کر جا سکتی ہے۔ اس نے اپنی عورت سے کہا۔ "کھانے کے ساتھ چھپا کر تین چار سوہان لے آؤ"۔ اس کی بیوی نے فرمائش پوری کی اور تیز دانت کے چند سوہان کھانے کے نیچے رکھ کر اپنے شوہر کو پہنچا دیئے۔ اُس نے سوہان سے اپنے پاؤں کی اور دوسرے چند ساتھ کے قیدیوں کی زنجیریں کاٹنی شروع کیں۔ روزانہ تھوڑا تھوڑا لوہا وہ کاٹتے رہتے تھے۔ جس دن زنجیروں کے کاٹنے کا کام ختم ہوا اتفاق سے پاپڑا مچھلی کے شکار کے لئے شاہ پور سے دو کوس پر گیا ہوا تھا۔ اور خوش قسمتی سے اس دن صرف وہ نگہبان رہ گئے تھے جو قیدیوں پر مقرر تھے یا دروازہ کے دربان تھے۔ قلعہ میں زیادہ آدمی نہیں تھے۔ زنجیریں تو کٹ چکی تھیں۔ تمام قیدی زنجیریں اُتار کر نکلے اور نگہبانوں پر اور دروازے کے دربانوں پر حملہ کر دیا اور سب کو ختم کر کے دروازہ پر قبضہ کر لیا۔ دوسرے بہت سے لوگ جو وہاں قید تھے یا اس کے مظالم سے تنگ تھے۔ ان کے ساتھ ہو گئے۔ پاپڑا کے سالے نے اس کے شکار پر جانے سے پہلے ہی اپنی بیوی کے ذریعہ کہلا بھیجا تھا کہ وہ تیار رہے اور جیسے ہی توپ چلنے کی آواز سنے، جتنی فوج بھی ممکن ہو ساتھ لے کر آ جائے۔ جب قلعہ کے اس ہنگامہ کی خبر اس مردود کو پہنچی تو اُس نے ہنستے ہوئے خبر لانے والے کی زبان کاٹ دینے کا حکم دیا۔ مگر بعد میں جب اس اطلاع کی متواتر تصدیق ہوئی تو پریشان ہو کر سوار ہوا جس وقت وہ شاہ پور کے دروازہ کے مقابل پہنچا تو توپ چلنے کی آواز بلند ہوئی۔ کلپاک میں جب توپ کی گرج سنائی دی اور ہرکاروں نے بھی آ کر اطلاع دی تو دلاور خاں بھاری فوج لے کر سوار ہوا اور اس وقت روانہ ہو گیا۔ دلاور خاں کے پہنچنے سے پہلے پاپڑا نے قلعہ میں داخل ہونے کی لا حاصل کوشش کی۔ پھر دروازہ کو آگ لگانے کا حکم دیا مگر خود اُس نے قلعہ بناتے وقت مزید استحکام کے لئے دروازہ کے اوپر ایسی صنعت کرا رکھی تھی کہ اگر دروازہ نکال دیا جائے یا جلا دیا جائے تو آہنی تختے اور پتھر کی چوڑی سلیں اوپر سے نیچے اُتر آتی تھیں اور لکڑی کی جگہ لگ جاتی تھیں۔ اس کی یہ حکمت اس کے لئے ہی بلائے جان بن گئی۔

تاریکنڈا کا محاصرہ

دروازہ کو آگ لگی تو وہ دھڑا دھڑ جلنے لگا پاپڑا نے چند بھینسوں کو ذبح کر کے ان کی کھال کھنچوائی ایک خون آلود کھال اُس نے پہن لی، دوسری کھالیں اور لوگوں نے ۔اب یہ لوگ کچی کچی کھالیں پہن کر اس آگ میں گھسنے لگے تاکہ قلعہ میں داخل ہو جائیں مگر یہ ممکن نہ ہوا ۔ چند قدم جا کر لوٹ آئے ۔دروازہ جیسے ہی جل کر خاک ہوا لوہے اور پتھر کے تختے اوپر نیچے اُتر آئے اور اس کے ہاتھی اور فوج کے لئے سدراہ بن گئے ۔بس اسی وقت کلپاک کی فوج بھی پہنچ گئی اور پاپڑا کے آدمیوں سے بڑی سخت مار دھاڑ شروع ہو گئی اور وہ فصیل کی پناہ لیتے ہوئے مدافعت کرتے رہے جو بالکل بے فائدہ تھی ۔آخر دلاور خاں کے آدمی فتح کا نقارہ بجاتے ہوئے قلعہ میں داخل ہو گئے اور پاپڑا کے سالے کو بہت آفریں اور شاباش دی۔ پاپڑا شام کے وقت جب کہ اس کی ساری فوج منتشر ہو گئی تھی بھاگ نکلا اور قلعہ تاریکنڈا پہنچ گیا مگر قلعہ والوں نے احتیاط کے مارے رات کے وقت اسے قلعہ میں داخل ہونے نہیں دیا۔صبح ہوئی تو قلعہ میں گیا اور فصیل برج وغیرہ کو مستحکم کرنے اور ذخیرہ جمع کرنے میں مصروف ہو گیا اس کی منتشر فوج بھی تاریکنڈا پہنچ گئی۔ یوسف خاں کے آدمی تین چار دن تک قلعہ شاہ پور میں ٹھیرے رہے اور مال و اسباب کی جمع بندی اور قلعہ کے انتظام و بندوبست میں مصروف رہے ۔ اور یوسف خاں کے حکم کا انتظار کرتے رہے ۔یوسف خاں اس ملعون کے خلاف مہم کی تیاریوں سے لمحہ بھر کے لئے بھی غافل نہ تھا اس خبر کے پہنچتے ہی اس نے اپنے دیوان مرزا علی کو جو بہادری اور کارگذاری میں رستم ثانی تھا۔ پانچ چھ ہزار سوار دے کر کہ اس وقت اتنی ہی فوج اس کے پاس تھی ۔ بلاتاخیر روانہ کر دیا اور مرزا علی نے شاہ پور پہنچ کر مالی اور انتظامی معاملات سرانجام دیئے اور جتنی فوج فراہم ہو چکی تھی اسے لے کر تاریکنڈا کے محاصرہ کے لئے روانہ ہو گیا ۔تین چار ماہ تک اس نے قلعہ کا محاصرہ رکھا۔مورچہ بندی کی، نقب لگائی یورش اور حملے کئے غرض کوئی تدبیر نہیں چھوڑی مگر کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ بعد میں خود یوسف خاں مزید پانچ چھ ہزار سوار لے کر پہنچ گیا۔اب

دس بارہ ہزار سوار بیس ہزار پیادے جمع ہو گئے تھے۔اطراف واکناف کے قلعدار اور زمیندار بھی مدد پہ پہنچ گئے تھے۔ مگر اس کا فرجہنمی پاپڑا نے اس خوبی سے قلعداری کے فرائض انجام دیئے۔جس کی تفصیلات معتبر اور ثقہ راویوں سے سننے میں آئی ہیں مگر ان کے تذکرہ سے طوالت کا اندیشہ ہے۔

پاپڑا کا فرار

جب محاصرہ پر نو ماہ گذر گئے اور دونوں طرف سے گولہ باری اور سنگ باری میں بکثرت آدمی مارے گئے تو یوسف خاں نے اپنے لشکر میں امان اور قول کا جھنڈا لہرا دیا اور خفیہ طور پر قلعہ کے آدمیوں کو پیغام دیا کہ پاپڑا کا ساتھ چھوڑ کر وہ امان لے لیں۔جس قدر روزینہ ان کو پاپڑا دیتا تھا، اس سے دُگنا روزینہ ادا کرنے کی حامی بھی بھرلی یہ تدبیر کارگر ہوئی اور پاپڑا کی فوج میں تفرقہ پڑ گیا۔ اور لوگ جوق در جوق قلعہ سے نکل کر امان اور قول کے پرچم کے نیچے جمع ہونے لگے یوسف خاں نے ان کو کافی رقمیں دیں۔ جب قلعہ میں بارود کا ذخیرہ بھی ختم ہو گیا تو یوسف خاں نے دوبارہ قلعہ پر یورش کی اور قلعہ کے اطراف کے حصوں پر کوٹہ۔ بارہ وبرج پر قابض ہو گیا۔ پاپڑا کے برے دن آگئے تھے۔اس نے فرار ہو جانے ہی میں خیریت دیکھی۔ قلعہ میں ایک سرنگ تھی جس میں ایک زینہ سے اترتے تھے اندھیرے کے سبب چراغ لے کر جانا پڑتا تھا۔پاپڑا بھیس بدل کر اسی سرنگ کے ذریعہ باہر نکل گیا اس نے اپنے فرار ہونے کی کسی کو اطلاع نہیں دی تھی۔یہاں تک کہ اُس کے بیٹوں کو بھی اس کی خبر نہیں تھی چنانچہ دو روز تک اس کے بھاگ جانے کی اطلاع نہ ہو سکی اور اس کے آدمی برابر قلعہ پر لڑنے میں مصروف رہے۔

پاپڑا کا قتل

پاپڑا قلعہ سے نکل کر حسن آباد پہنچا جو اسی کا بسایا ہوا موضع تھا اور تاریکنڈا سے اس کی مسافت دو منزل تھی۔ حسن آباد میں اُس نے ایک تاڑی فروش کے پاس پہنچ کر اچھی تاڑی لانے کی فرمائش کی۔ پاپڑا نے بھیس بدل رکھا تھا مگر اس کی شکل صورت اور لہجہ آواز سے تاڑی فروش نے پہچان لیا اور اس کو عمدہ تاڑی لانے کا لالچ دے کر وہاں بٹھائے رکھا۔حسن آباد کی حکومت

پاپڑا کے سالے سے متعلق تھی جو اس کی جان کا لاگو ہو رہا تھا اور وہاں کے سب لوگ اس کے خون کے پیاسے تھے۔ غرض تاڑی فروش نے نائب فوج دار کو جاکر مخبری کردی اور اس وقت دو سو سپاہی اسے گرفتار کرنے پہنچ گئے۔ اس نے کچھ ہاتھ پیر چلائے اور نکل بھاگنے کی کوشش کی۔ مگر اس کی ٹانگ میں ایک گولی لگی اور وہ بھاگ نہ سکا۔ جب اسے گرفتار کر کے یوسف خاں کے سامنے پیش کیا گیا تو بدزبانی کرنے لگا اور اول فول بکتا رہا۔ چند دن تک خزانے دفینے کی تحقیق کے لیے اُسے قید میں رکھا گیا۔ اس کے بعد اس کے عضو عضو کو کاٹ کر جدا کردیا اور اس کا سر دربار میں بھجوا دیا اور اس کی لاش کو حیدرآباد کے دروازہ پر لٹکا دیا۔ اور وہ بدبخت کیفر کردار کو پہنچا۔

دہقان سال خوردہ چہ خوش گفت باپسر
کہ ای نور چشم من بجز از کشتہ ندروی

قلعہ قندھار پر باغیوں کا قبضہ

خلد منزل بہادر شاہ کے سن جلوس کے آخر میں جو واقعات پیش آئے ان کا ذکر اختصار کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ جو کابل اور ملتان کے اخبار نویسوں کے بیانات سے ماخوذ ہیں۔ فردوس آشیانی ہمایوں بادشاہ کے زمانہ سے شاہ ایران اور بادشاہان دہلی کے درمیان قندھار کا قلعہ باعث نزاع بنا ہوا تھا اور کئی بار فوج کشی ہو چکی تھی۔ ان دنوں گرگین خاں نامی ایک ایرانی امیر جو شاہ ایران کی طرف سے قلعہ دار اور "ضابطہ بحر" تھا۔ قندھار میں مقیم تھا۔ میر اویس افغان ایک قبیلہ کا سردار (تمن دار) تھا اور شجاعت و بہادری میں مشہور تھا اسی تمن داری کے سلسلہ سے "میر" کہلاتا تھا۔ یہ شخص گرگین خاں کا معتمد اور صاحب رائے ملازمت تھا۔ قلعہ کے ایک دروازہ کا انتظام بھی اسی کے سپرد تھا۔ قندھار کے قلعدار (گرگین خاں) سے کبھی کبھی اس کی ناچاقی ہو جاتی تھی اور جب معاملہ رفع دفع ہو جاتا تو بظاہر وہ مل بھی لیتے تھے۔ مگر افغان کے دل میں اس کی طرف سے کدورت و ملال برابر رہا اور اس کا کینہ بڑھتا رہا۔ اس زمانہ میں قلعہ کے باہر افغانوں بلوچوں اور ازبکوں کی طرف سے اکثر شورش ہوتی رہتی تھی۔ ایک دن افغان کسی انتظام کے بہانہ میر اویس گرگین خاں کو قلعہ کے باہر دامن کوہ پر ساتھ لے کر گیا اور

ضیافت کے بہانے رات تک اُسے وہاں روک لیا۔ضیافت کے بعد مشاورت کے حیلے سے خلوت میں اسے لے گیا اور اس کے ہمراہیوں سے جدا کر دیا، جیسے ہی وہ مقررہ مقام پر پہنچا۔افغان کے جلادت پیشہ ساتھی کمین گاہ سے نکل آتے اور اچانک قلعدار پر حملہ کردیا۔اس کے ساتھ کے دس بارہ آدمیوں کو بھی گھیر کر مار دیا یا گرفتار کرلیا۔اور قلعہ دار کے دوسرے آدمیوں کو خوشی ناخوشی اطاعت پر مجبور کر دیا۔افغان نے ایسی نگرانی رکھی تھی کہ گرگین خاں کے قتل کی اطلاع قلعہ میں نہیں پہنچ سکی۔اور وہ اسی رات سواری کا نقارہ بجاتا ہوا قلعہ کی طرف لوٹ گیا اور اسی دروازہ سے قلعہ میں داخل ہوگیا جو اس کے زیر انتظام تھا۔قلعہ میں گرگین خاں کے جو آدمی تھے، اُن کو بھی قتل اور قید کرکے تمام مال و اسباب اور خزانہ پر قبضہ کرلیا۔اور مصلحت کے تحت اُس نے وہاں "قطب الدین بہادر شاہ "کے نام کا خطبہ پڑھا دیا اور قلعہ کی سونے کی چابی فتح کی عرض داشت کے ساتھ بادشاہ کے پاس بھجوائی اور اپنے لئے پانچ ہزاری منصب کی اور اپنے بیٹے محمود خاں اور بھائی بندوں کے لئے مناصب عطا کرنے اور قلعہ داری کی سند جاری کرنے کے لئے درخواست کی۔خلد منزل بہادر شاہ شاہ ایران سے اتفاق و اتحاد کا قائل تھا۔اور اس کی خواہش تھی کہ عالمگیر بادشاہ کے زمانہ میں غلط کار ایلچیوں کی وجہ سے جو رنجش اور ملال پیدا ہوگیا تھا دور ہوجائے چنانچہ پہلے تو تجار کے ذریعہ نامہ و پیام اور تحائف بھیجے گئے۔اس کے بعد تجربہ کار سفیروں کے ذریعہ دیرینہ تعلقات کی تجدید ہوئی۔مگر اب جو قندھار کا معاملہ پیش آیا تو خلعت فرمان اور قلعہ داری کی سند جاری کردی اور میراویس افغان کو پانچ ہزاری کا منصب اور اس کے ہمراہیوں کو درجہ بدرجہ مناصب عطا کر دیئے۔دوسری طرف بہادر شاہ نے تاجروں کے ذریعہ خفیہ پیغام سلطان حسین شاہ ایران کے پاس بھجوادیا کہ افغان کی نمک حرامی سے ہم کو سخت رنج پہنچا ہے۔اس کے خلاف آپ جلد کارروائی کریں اور خاطر جمع رہیں کہ ہماری طرف سے کوئی کمک نہیں جائے گی۔

یہ اطلاع شاہ ایران کو پہنچ گئی مگر وہ زمانہ ہی کچھ ایسا بگڑا ہوا تھا کہ شاہ ایران بھی امور سلطنت سے قطعاً بے خبر اور لا پروا تھا وہ فوج کشی اور مردم کشی کا قائل ہی نہیں تھا۔ علماء و فضلا کی صحبت اور عمارتوں کے انہدام و تعمیر سے ہی اسے فرصت نہیں ملتی تھی کہ امور مملکت کی طرف توجہ کرتا۔ اپنے آباؤ اجداد کے مسلک کے خلاف وہ قصور وار یا بے قصور کسی امیر کے قتل پر راضی نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ شرعی اور قانونی ثبوت مہیا ہو جانے کے باوجود وہ قاتل کو مقتول کے وارثوں کے حوالہ کر دینے پر راضی نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ سرکار سے ان کو خون بہا کی رقم ادا کر دیتا تھا۔ اس کی اس رحم دلی کی وجہ سے سلطنت ایران کا نظم و نسق خراب ہوتا جا رہا تھا۔ غرض سلطان حسین نے قلعہ قندھار کی جلد فکر نہیں کی۔ دو سال بعد کہیں جا کر چند فوجیں متعین کر دیں۔ مگر اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ اس غفلت کا خمیازہ اسے آخر اُٹھانا پڑا جس کا ذکر ہم محمد شاہ بادشاہ کے ذکر میں کریں گے۔

حیدرآباد کی تسخیر کے بعد عالمگیر بادشاہ نے اس کا نام "دارالجہاد" رکھا تھا — بہادر شاہ نے حکم دیا کہ حیدرآباد کو "فرخندہ بنیاد" لکھا جائے۔

حیدر آباد سے بہادر شاہ کی واپسی

(خلد منزل بہادر شاہ کے جلوس کا تیسرا سال مطابق دس سو بیس ہجری سنہ ۱۷۰۸ء)

اس سال کے آخر میں ۸ار ماہ ذالحج کو تیسرے سال کا آغاز ہوا۔ سفر کے حسب حال جشن کا انعقاد عمل میں آیا۔ جو نقد انعامات ہاتھی گھوڑے، جواہرات اور ترقیاں دی گئیں ان کا ذکر بہت طویل ہو جائے گا۔ بادشاہ نے شاہزادوں کو ہدایت کی کہ وہ نالکیوں پر جن کو تخت رواں کی صورت میں ترتیب دیا گیا تھا سوار ہوکر نکلیں۔ اعظم شاہ، بیدار بخت اور کام بخش کے بیٹوں کو خلعتیں عطا ہوئیں ان کو دربار میں بیٹھنے اور سواری کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہونے کے اعزاز ملے اور ان کو جان کی امان اور عزت و آبرو کی بحالی کا مکرر اطمینان دلایا گیا۔ جملۃ الملک خان خاناں، بخشی الملک ذوالفقار خاں بہادر کو حضور میں نوبت بجوانے اور نالکی پر سوار ہونے کا اعزاز دیا گیا۔ مگر ذوالفقار خاں نے تسلیمات بجالانے کے بعد عرض کیا کہ "ہم بندگان نعمت کی تمام آرزوئیں شاہانہ فضل و کرم سے پوری ہو گئی ہیں۔ ہمارے اور خانہ زادوں اور شاہزادوں کے درمیان بس ایک ہی فرق رہ گیا ہے کہ ان کو حضور والا کی رکاب میں نقارہ بجانے کی اجازت ہے۔ ادب و احترام کے لحاظ سے اس فرق کو باقی رہنا چاہئے" اس نے یہ کہہ کر نوبت بجانے کی عنایت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ چونکہ جملۃ الملک کے اور

بخشی ممالک ذوالفقار خاں کے درمیان رنجش اور ناچاقی تھی اور خان خاناں (جملۃ الملک) حضور شاہ میں نقارہ بجانے کا آرزومند تھا اس سے لوگوں نے بادشاہ کی عنایت سے ذوالفقار خاں کے انکار کو اس کے حسد اور ہم چشمی پر محمول کیا۔

فرخندہ بنیاد حیدر آباد کے بندوبست و انتظام کے بعد یوسف خاں کو حیدر آباد میں چھوڑ دیا اور اس کو پاپڑا اور دوسرے مفسدوں کی سرکوبی کے لئے تاکیدی احکام دیئے، اور اوائل ربیع الاول گیارہ سو اکیس ہجری ۱۱۲۱ھ میں دار الخلافہ کی طرف کوچ کر دیا۔ محمد مراد خاں کو اصل و اضافہ کے ساتھ تین ہزاری دو ہزار سوار کا منصب نقارہ خلعت اور بیجاپور کی صوبہ داری عطا کی جو ہزاری طویرہ ہزار سوار کے اضافہ سے مشروط تھی۔

جڑواں بچے

صوبہ جات دکن میں دہیڑ مردار خور اور ادنیٰ قوم ہے ایک دہیڑ کے گھر میں اللہ کی قدرت کا عجب کرشمہ نظر آیا اس کی عورت کو دو توام بچے پیدا ہوئے جو ایک دوسرے سے بالکل چپاں تھے جسمانی خرابی امیروں کے لئے بے اعتباری کا سبب بن جاتی ہے مگر بسا اوقات یہ محتاجوں کے لئے رزق کا ذریعہ بھی ثابت ہوتی ہے ۔

بسا شکست کزو کارہا درست شود
کلید رزق گدا پائی لنگ و دست شل است

بہرحال ان جڑواں بچوں کے ماں باپ نے پہلے تو اس کو اپنے حق میں غضب الٰہی سمجھا تھا مگر یہ ان دونوں کو اپنے کاندھے گود میں اٹھائے ہوئے سرراہ جاکر بیٹھے تو ان کو دیکھنے کے لئے مجمع لگ گیا اور ان پر رحم کھاکر خیرات دینے لگے اس طرح روزانہ روپیہ دو روپیہ وہ گھر لے جانے لگے۔ اتفاق سے حیدرآباد جاتے ہوئے بادشاہ کا گذر اسی راستہ سے ہوا۔ ان دونوں جڑواں بھائیوں کو لے کر ان کے ماں باپ لشکر میں آئے اور ان کو خیمہ خیمہ گھمانے لگے۔ شاہ عالم بہادر شاہ کو بھی علم ہوا تو ان کو حضور میں طلب کرکے ایک ہزار روپیہ نقد اور سواری کے لئے ایک گھوڑا عطا کیا۔ ان دونوں جب لشکر واپس ہوا تو دونوں بھائی بڑے ہو چکے تھے اور اپنے

پاؤں چلنے لگے تھے۔ دونوں کو بادشاہ کے حضور پیش کیا گیا۔ بادشاہ نے از راہ ذرہ نوازی پانچ سو روپیہ کی جمع بند تنا کا ایک گاؤں مدد معاش میں دیا۔ سواری کے لئے ایک ہاتھی اور دو ہزار روپیہ نقد عطا کیا اور حکم دیا کہ وہ لشکر کے ہمراہ رکاب میں رہیں اور ہاتھی کی خوراک سرکار سے دی جائے۔ بہرحال رزاق حقیقی نے ان کے پیدائشی عیب کو اُن کے رزق اور آبرومندی کا ذریعہ بنادیا۔

امراء کا تقرر اور تبادلے محمد مراد خاں بیجاپور کا صوبہ دار مقرر ہوا تھا اور ذوالفقار خاں بہادر نے ضروری انتظامات کے دس ہزار روپیہ اپنی طرف سے مدد کے طور پر دیا بھی تھا مگر وہ تیاری نہ کرسکا اور اب اس کو اپنے تعلقہ پر جانے کی طاقت نہیں تھی اور بار بار بیجاپور سے فتنہ وفساد اور شورش کی خبریں آ رہی تھیں۔ اس لئے بادشاہ نے بیجاپور پر محمد مراد خاں کی جگہ غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ کے بھائی حامد خاں بہادر کو مقرر کردیا اور اورنگ آباد کی صوبہ داری ذوالفقار خاں بہادر کی نیابت میں محمد مراد خاں کو عطا کر کے رخصت کر دیا۔

سیف اللہ خاں کے متعلق ہم لکھ آتے ہیں کہ وہ امیرالامراء اسد خاں سے بگڑ کر محمد کام بخش کے پاس چلا گیا تھا مگر اس کی چال ناکام رہی تھی اب وہ جملۃ الملک معظم خاں خان خاناں کے واسطے اور سفارش سے حاضر دربار ہوا۔ بادشاہ نے باوجود ذوالفقار خاں کی بے توجہی کے اس کے قصور معاف کر دیئے۔ اور عالمگیر بادشاہ کے زمانہ کے منصب کی بحالی کا حکم دے دیا اور پانچ ہزار روپیہ کا سالیانہ مقرر کردیا سیف اللہ خاں نے پہلے تو سالیانہ قبول کر لیا تھا مگر بعد میں حکومت وریاست کے لالچ میں دوبارہ سلسلۂ ملازمت میں آگیا۔

خلد آباد کا پرگنہ بادشاہ کی سواری وسط جمادی الاول (۱۱۲۱ھ) کو اورنگ آباد کے قریب پہنچی۔ موسم باراں کے خیال سے ڈیڑھ ماہ قیام کا حکم دیا گیا۔ اس درمیان میں بادشاہ نے امور مملکت سرانجام دیتے بزرگوں کے مزاروں کی زیارت کی۔ حضرت خلد مکاں عالمگیر بادشاہ غازی کے

مقبرہ پر فاتحہ خوانی کے لئے گیا۔ وہاں کے خدام کو کافی رقم انعام میں دی اور دولت آباد کی سرکار سے چند سیر حاصل پرگنے علیحدہ کرکے ان کو خلد آباد کے نام سے ایک علیحدہ پرگنہ قرار دیا جس کی جمع بندی پچاس ہزار روپیہ ہوتی تھی۔ خلد آباد کو خلد مکاں کے مقبرہ کے خدام اور لنگر و عرس کے لئے وقف کردیا اور متولی کو مقرر کردیا۔ آخر جمادی الآخر (۱۱۲۱ھ) کو بادشاہ نے خجستہ بنیاد اورنگ آباد سے کوچ کیا۔

خان خاناں اور ذوالفقار خاں کی آویزش

چونکہ ابتداء میں ذوالفقار خاں نے محمد مراد خاں کی شکایتیں کرکے بادشاہ سے اس کی طلبی کے احکام حاصل کر لئے تھے مگر خان خاناں نے مداخلت کرکے اس کی بے گناہی ثابت کی اور شاہزادگی کے زمانہ میں اس کی کارگذاریوں کا ذکر کیا اور خدمات کی بحالی کا پروانہ لے کر اس کے پاس بھجوادیا۔ جب محمد مراد خاں حضور میں آیا تو ذوالفقار خاں اس کی پشت پناہی پر آمادہ ہوگیا۔ محمد مراد خاں نے خان جہاں بہادر کے مقدمہ میں جو خدمت سرانجام دی تھی۔ وہ ذوالفقار خاں کو یاد نہیں رہی تھی۔ اب اس کی ساری کارگذاریاں یاد آگئیں۔ اور پہلے جو اُس نے مراد خاں کے خلاف شکایت کی تھی۔ اس پر ندامت کا اظہار کیا اور اس کی تلافی کے لئے محمد مراد خاں کا پشت پناہ بن گیا۔ ظاہر ہے۔ یہ سب کچھ خان خاناں کی مخالفت اور ضد میں تھا۔ چنانچہ اُس کی تجویز پر بیجاپور کی اور پھر اورنگ آباد کی صوبہ داری مراد خاں کو ملی تھی اور اُس نے اپنے پاس سے دس ہزار روپیہ کی مدد بھی کی تھی۔ ذوالفقار خاں کی ان عنایات کو دیکھکر خان خاناں نے یہی سمجھا کہ مراد خاں ذوالفقار خاں سے مل گیا ہے۔ اور یہ بات اس کو بہت گراں گذری اور اُس نے اپنی توجہات کم کردیں۔ اسے کم حاصل جاگیریں دیں اور وہ بھی جلد جلد تبدیل کرادیں محمد مراد خاں پہلے ہی پریشان تھا اس صورت حال سے اور بھی پریشان ہوگیا اور اورنگ آباد کی صوبہ داری بھی وہ ٹھیک سے انجام نہ دے سکا۔ آخر

اسے صوبہ داری سے ہٹا دیا گیا اور اس کی جگہ داؤد خاں پنی کو مقرر کردیا گیا۔

بہادر شاہ برہان پور میں

رجب کے آخر میں برہان پور میں چھاؤنی قائم ہوئی۔ بادشاہ کی خواہش تھی کہ وہاں کچھ عرصہ سیر و شکار میں گذرے۔ خاص طور سے آبشار کرارہ کی سیر پیش نظر تھی جو وہاں کا ایک دلچسپ اور فرحت افزا مقام ہے۔ مگر بدخصال راجپوتوں کے فساد کی خبریں پہنچنے لگیں۔ واضح رہے محمد کام بخش کی مہم کے وقت سے ہی راجپوتوں نے اجمیر کے نواح میں شورش برپا کر رکھی تھی اور صوبہ اجمیر کے سرکاری تھانے برخواست کر دیئے۔ اور فوج داروں کو بے دخل کر دیا تھا۔ جب ان کی تادیب کے لئے سید حسین خاں بارہہ اجمیر کا صوبہ دار پہنچا تو راجپوتوں نے اطراف سے گھیر کر مقابلہ شروع کر دیا۔ سید حسین خاں نے ایک سخت لڑائی کے بعد ان کو شکست دی۔ ہزاروں راجپوت مارے گئے۔ ہزاروں کے بیوی بچے اسیر بنائے گئے اور ان کے بے شمار بت خانے مسمار کر دیئے گئے۔ مگر دوبارہ راجپوت چاروں طرف سے جمع ہو گئے اور اچانک حملہ کر کے سید حسین کو اور اُس کے ساتھیوں کو شہید کر دیا۔ حسین خاں کے حقیقی بھائی احمد سعید خاں فوج دار میرٹھ و سنگھلاش اور غیرت خاں فوج دار نارنول بھی اس کے ساتھ شہید ہو گئے۔ جب یہ خبریں مکرر پیش ہوئیں تو بادشاہ نے برہان پور میں مزید قیام مناسب نہ جانا اور میر احمد خاں کو برہان پور میں نگہبان (حارس) مقرر کر کے اوائل شعبان (۱۱۲۱ھ) کو (دارالسرور) برہان پور سے کوچ کر دیا۔ نربدا کے کنارے پہنچنے کے بعد رمضان کا مہینہ اکبر پور کے گھاٹ کے قریب بسر کیا اور عید الفطر کے بعد نربدا کو عبور کیا۔

پنجاب میں سکھوں کی شورش

سکھ فرقہ اور اُن کا گرو

جب بادشاہی لشکر اُجین کی سرحد پر پہنچا تو دارالخلافہ نواح اور پنجاب کے علاقہ میں گرو فرقہ کے فتنہ و فساد کی خبریں ملیں مختصراً یہ کہ گرو فرقہ کے لوگ سکھ کے نام سے مشہور ہیں ان کا پیشوا فقیرانہ بھیس میں لاہور کے قریب سکونت رکھتا تھا۔ کافی عرصہ سے اس نے تمام شہروں اور مشہور بستیوں میں عبادت خانے بنا رکھے تھے۔ ہر معبد میں اس کی طرف سے ایک فقیر نائب مقرر ہوتا تھا۔ گرو کے معتقد جو نذر نیاز ان عبادت خانوں میں لاتے تھے۔ اس میں سے وہ اپنی ضرورت کے مطابق لے لیتا تھا اور باقی بغیر کسی خیانت کے گرو کے پاس بھجوا دیتا تھا۔ اس فرقہ میں زیادہ تر جاٹ اور پنجاب کے کھتری اور دوسری ادنیٰ ذات کی قومیں شامل تھیں خلد مکاں عالمگیر بادشاہ کو جب اس فرقہ کی کارستانیوں کی خبر ملی تو مرحوم بادشاہ نے اس گروہ کے نائبوں کو ہر جگہ سے خارج کر دینے اور ان کے معبدوں کو ویران کر دینے کا حکم دیدیا تھا۔ جس زمانہ میں کہ بہادر شاہ بادشاہ نے حیدرآباد کی طرف توجہ کی تھی اس قوم کا سرگروہ گوبند نامی حضور میں پہنچا تھا اور دو تین سو نیزہ داروں اور پیادوں کے ساتھ اس سفر میں ساتھ رہا تھا مگر دو تین ماہ بعد ہی جمدھر کے زخم سے وہ مرگیا اور اس کے قاتل کا پتہ نہ چل سکا کہ کون تھا؟

سچا بادشاہ

جب اس کے قتل کی خبر پنجاب میں پہنچی جو اس گمراہ فرقہ کا گڑھ بنا ہوا تھا تو ان میں سے ایک غیر معروف شخص نے جس کے نام کے متعلق روایات کا اختلاف ہے ۔ یہ دعویٰ کیا کہ از روئے تناسخ گوبند مقتول اوتار بن کر آیا ہے اور اس نئی زندگی میں گوبند نے اپنی شکل بدل دی ہے اور ڈاڑھی والی صورت میں وہ مذکورہ شخص کے روپ میں ظاہر ہوا ہے ۔ اس فتنہ پرداز نے اس دعوے کے ساتھ اعلان کیا کہ وہ گوبند مقتول کا انتقام لے گا ۔ چنانچہ اس نے خروج و بغاوت کے لیے لوگوں کو جمع کرنا شروع کیا اور چند شعبدہ بازیاں کیں جن کو کمزور اعتقاد رکھنے والوں نے خرق عادت سمجھا ۔ اپنے آپ کو وہ "سچا بادشاہ" کہتا تھا ۔ پنجاب اور سرہند کے نواح میں اس نے تاخت و تاراج شروع کر دی اور دو تین ماہ کے عرصہ میں اس نے سات آٹھ ہزار پیادے جمع کر لیے اور روز بروز اس کا جتھا بڑھتا گیا ۔ چار پانچ ہزار ٹٹو سوار بھی فراہم ہو گئے ۔ لوٹ مار سے کافی مال ان لوگوں نے جمع کر لیا ۔ یہاں تک کہ اٹھارہ انیس ہزار مسلح سوار اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے ۔ اب یہ لوگ ہر طرف قزاقی اور مردم آزاری کرنے لگے ۔ دو تین فوج داروں نے اُن کی سرکوبی کا ارادہ کیا تو سکھوں نے لڑ کر ان کو قتل کر دیا اور بہت سے دیہاتوں کو لوٹ لیا ۔ اور ہر جگہ انھوں نے اپنے تھانہ داروں ، مال کے تحصیل داروں کو مقرر کر دیا ۔ اب ان کی تعداد بڑھ کر تیس چالیس ہزار تک پہنچ گئی ۔ یہ لوگ بادشاہی حکام کو اور جاگیرداروں کے کارندوں کو لکھتے رہتے تھے کہ وہ ان کی اطاعت کریں اور اپنے تعلقوں سے دست بردار ہو جائیں ۔

وزیر خاں کی شکست

سرکار سرہند کا فوج دار وزیر خاں تھا ۔ عرصہ سے اس ضلع کے ملکی و مالی معاملات اسی سے متعلق تھے ۔ اس کے پاس فوج اور خزانہ بھی تھا اور اس ضلع کے نظم و نسق میں اس کی بڑی شہرت تھی ۔ جب اسے معلوم ہوا کہ سکھوں نے اس کے تعلقہ کے پرگنوں پر بھی دست درازی شروع کر دی ہے تو اس نے فوج فراہم کرنے اور جنگی سامان تیار کرنے کا انتظام کیا ۔ چار پانچ مشہور

فوج داروں اور بڑے بڑے زمینداروں کو اپنے ساتھ لیا۔ اور گولہ بارود ذخیرہ کرکے وہ مقابلہ پر نکلا۔ اس کے ساتھ پانچ چھ ہزار سوار اور سات آٹھ ہزار برقنداز پیادے تیر انداز تھے توپ خانہ کا ساز و سامان اور مست جنگی ہاتھی تھے۔ جب وزیر خاں تین چار کوس پر پہنچا اور سکھوں کو خبر ملی تو وہ "سچا بادشاہ" اور "فتح درس" کے نعرے لگاتے ہوئے وزیر خاں کے مقابلہ پر نکلے۔ اور بڑی بہادری سے حملہ کیا۔ چنانچہ تلواریں علم کئے ہوئے ہاتھیوں پر چڑھ دوڑے اور ایک دو ہاتھیوں کو گرادیا۔ اور مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ان کے ہاتھوں شہید ہوگئی اور بہت سے کافر بھی مسلمانوں کے ہاتھوں تلوار کے گھاٹ اُتر گئے۔ مسلمانوں کے جوابی حملوں کی وجہ سے قریب تھا کہ کافروں کے قدم اُکھڑ جاتے اچانک بندوق کی گولی وزیر خاں کو لگی اور وہ شہادت کے درجہ پر پہنچ گیا۔ اور مسلمانوں کو ہزیمت اٹھانی پڑی۔ سارا ساز و سامان اور ہاتھی کافروں کے ہاتھ لگ گئے جو سوار بھی بچ کر نکلے وہ صرف اپنی جان بچاکر بدن کے کپڑوں سے بھاگ آئے۔ اس لڑائی میں بے شمار پیادے اور سوار مارے گئے اور سکھوں کا پیشوا تعاقب کرتے ہوئے سرہند تک آگیا۔

سرہند پر سکھوں کا حملہ

سرہند مال و اسباب سے پُر بڑا آباد شہر تھا۔ یہاں مالدار تاجر صراف اور ہنرمند رہتے تھے۔ ہر قوم کے شرفا خاص طور سے صلحا و فضلا کا یہ مرکز تھا۔ سرہند والوں کو جان و مال اہل و عیال کو نکال لے جانے کی فرصت ہی نہیں ملی۔ وزیر خاں کی شہادت اور سلطانی لشکر کے تباہ ہوجانے کی خبروں سے سب کے حوصلے پست ہوگئے تھے ناچار وہ لوگ محصور ہو گئے اور ایک دو دن تک لاحاصل مدافعانہ لڑائی لڑتے رہے۔ آخر تقدیر پر شاکر ہوکر مقابلہ ترک کردیا وحشی سکھوں نے جی بھر کر لوٹ مار کی لوگوں کو قتل کیا۔ ان کے اہل و عیال کو اسیر بنالیا تین چار دن تک وہ وہ مظالم توڑے کہ پناہ بخدا۔ حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر کے بچوں کو کھینچ لیا اور زمین پر پٹک دیا۔ عمارتوں کو آگ لگا دی۔ امیر فقیر سب کو خاک پر بٹھا دیا۔ جہاں بھی مسجد مقبرہ اور بزرگوں کے مزار نظر آتے سب کو گرادیا، بلکہ مردوں کی ہڈیاں تک نکال کر پھینک دیں۔ سرہند کی لوٹ مار کے بعد تمام پرگنوں میں اُنھوں نے

باج وصول کرنے کے لئے اپنے عمال کو مقرر کردیا۔

سہارن پور میں لوٹ مار

جب سکھوں کے خطوط سہارن پور کے فوج دار علی محمد خاں کے پاس آئے تو وہ اس حادثہ کا حال سُن کر جو سہرند پر گذرا تھا سخت بدحواس ہوگیا۔ اگرچہ وہاں کے شرفائے اور افغانوں نے جمع ہوکر قلعہ کے استحکام اور مقابلہ کی تیاریوں کے لئے زور بھی دیا مگر وہ مقابلہ پر راضی نہ ہوا۔ اپنے اہل و عیال مال و اسباب کو لے کر شاہجہاں آباد کی طرف روانہ ہوگیا آخر سکھ سہارن پور بھی پہنچ گئے۔ قصبہ کے تمام آدمیوں نے جمع ہوکر اطراف میں مورچہ بندی کرلی تھی اور بلاشبہ سکھوں سے ان لوگوں نے بڑی بہادری سے جنگ کی اور تیراندازی گولہ باری سے سکھوں کے بکثرت آدمیوں کو جہنم رسید کردیا۔ اکابر و شرفا کی ایک جماعت نے بہادری سے لڑتے ہوئے جان دے دی۔ سکھوں نے سہارن پور کو بھی بری طرح لوٹ لیا اور قصبہ کے اکثر آدمیوں کے اہل و عیال، عزت و ناموس اور مال و اسباب کو تباہ کردیا۔ بہت سی عورتیں آبرو بچانے کے لئے کنوؤں میں گر گئیں۔ مگر جن بہادر شریف گھرانوں نے اپنے اہل و عیال کو ایک جگہ رکھ کر کافروں کا سختی سے مقابلہ کیا تھا، وہ جان و مالی نقصان سے بڑی حد تک محفوظ رہ گئے۔ سکھوں کو سہارن پور سے بھی کافی مقدار میں سونا چاندی زیور اور قیمتی کپڑے لوٹ میں ملے اور انھوں نے سہارن پور کا بندوبست سنبھال لیا۔

جلال آباد کا معرکہ

سہارن پور کے بعد جلال آباد کے فوج دار جلال خاں کو سکھوں کی طرف سے تہدید آمیز احکام ملنے لگے۔ جلال آباد جلال خاں کا بسایا ہوا قصبہ تھا، وہاں قلعہ اور فصیل بھی تھی اور بڑے بڑے مال دار پٹھان وہاں رہتے تھے۔ جلال خاں بڑا بہادر دلیر آدمی تھا۔ قبیلہ داری میں اس کی بڑی شہرت تھی۔ جب سکھوں کے گرو کا خط اس کے پاس آیا تو اس نے خط لانے والوں کی تشہیر کراکے انھیں جلال آباد سے باہر نکال دیا اور برج و فصیل کو مستحکم کرکے سامانِ جنگ فراہم کیا اور مقابلہ کے لئے تیار ہوگیا۔ جلال خاں کو خبر ملی کہ سکھوں کی فوج تین چار

کوس کے فاصلہ پر پہنچ گئی ہے اور جلال آباد کے ماتحت مواضع گڈھی اور آبادی کو جو مال تجارت سے بھرے ہوتے تھے۔ لوٹ لیا ہے اور محاصرہ کر رکھا ہے۔ جلال خاں نے تین چار سو افغان سواروں، ایک ہزار برقندازوں اور تیراندازوں کو اپنے پوتے غلام محمد خاں اور چچیرے بھائی ہزبر خاں کی کمان میں محصوروں کی کمک کے لئے روانہ کیا۔ اس کمک کے پہنچنے سے محصوروں کی ہمت بڑھ گئی۔ اور چار سو پانچ سو برقنداز اور تیرانداز اور رعیت کی ایک بڑی تعداد ہتھیار اور گوپن لے کر نکل آئی اور انھوں نے کافروں پر مردانہ وار سخت حملہ کیا اور دونوں طرف سے لڑائی چھڑ گئی۔ اس جنگ میں ہزبر خاں اور ایک بڑی جمعیت شہید ہو گئی مگر پٹھانوں اور دوسرے مسلمان بہادروں نے مسلسل حملے کر کے کافروں کو شکست فاش دی اور ایک بڑی تعداد کے مارے جانے کے بعد سکھ بھاگ گئے۔ اس کے بعد بھی جلال خاں اور کافروں کے درمیان کئی ایک لڑائیاں ہوئیں، اور دو تین بار سکھوں کا گرو شکست کھا کر بھاگا۔ آخر سکھ ستر اسی ہزار پیادہ فوج لے کر آئے اور جلال آباد کا محاصرہ کر لیا۔ سکھ متحرک مورچے بنا کر لائے تھے۔ لکڑی کے تختوں کو جوڑ رکھا تھا اور نیچے گاڑی کی طرح پہیے لگا دیئے تھے۔ جلال خاں افغان نے جس بہادری اور دلیری سے ان کا مقابلہ کیا، اس کی بڑی دلچسپ تفصیلات ہیں مگر ہم مختصراً ذکر کرتے ہیں۔ جس وقت سکھوں نے اپنے مورچے حصار تک پہنچا دیئے اور گولہ بار سنگ باری میں وہ "فتح درس" کا نعرہ لگاتے ہوئے فصیل کے پاس ہجوم کرنے لگے اور چار سو پانچ سو آدمی کدالیں اور پھاوڑے لئے ہوئے فصیل کو گرانے کے لئے بڑھے دیواروں پر زینے چڑھانے اور دروازہ کو جلانے کی کوشش کرنے لگے۔ بہادر پٹھان قلعہ کا دروازہ کھول کر ننگی تلواریں علم کئے چہروں پر ڈھال کی آڑ لئے ہوئے اچانک باہر نکل آئے اور ان پر ایسا سخت حملہ کیا کہ تین دو سو کافر ایک ہی تاخت میں مارے گئے۔ اور مسلمان بھی کافی تعداد میں شہید ہو گئے۔ اس طرح پٹھانوں نے راتوں رات نکل کر متعدد بار ان پر کامیاب شب خون مارے بیس دن تک محصوروں نے رات دن محنت اور جاں فشانی کی اور اس عرصہ میں کھانا

چینا چین آرام سب کچھ حرام کر رکھا تھا۔ ان کی اس پامردی کا نتیجہ یہ ہوا کہ سکھ اپنے ہزاروں آدمیوں کو کٹا کر ناکام و نامراد محاصرہ اٹھا کر چلے گئے۔

سلطان پور اور جالندھر پر حملہ

جلال آباد سے ناکام واپس ہونے کے بعد سکھوں نے سلطان پور اور دوآبہ جالندھر کے پرگنوں کا رخ کیا اور اس ضلع کے فوجدار شمس خاں کے پاس ایک خط پروانہ کی طرز پر لکھ کر بھیجا کہ وہ ان کی بعض فرمائشات کی تکمیل کرے اور ان کی اطاعت اختیار کرلے اور جو بھی خزانہ اس کے پاس ہے وہ حوالہ کردے۔ یہ خط دو سکھ لے کر آئے تھے۔ شمس خاں نے شرفاء سے اور بہادر تمن داروں سے مشورہ کیا۔ سب نے اس کا ساتھ دینے کا عہد کیا اور درجہ شہادت پانے کے لئے فاتحہ پڑھی اور کلام الٰہی پر قسم کھا کر وفاداری کا عہد کیا۔ اس مشاورت کے بعد شمس خاں نے ان پیغام رساں سکھوں کے سامنے خیمہ باہر نکالنے کا حکم صادر کیا اور تہدید آمیز جواب لکھ کر ان سے جلد آنے کا مطالبہ کیا۔ سکھوں نے سیسہ اور بارود بھی اس سے طلب کیا تھا۔ خط کے ساتھ شمس خاں نے تھوڑا سا سیسہ اور بارود بھی بھجوا دیا اور لکھا کہ چونکہ سواری اور باربرداری کے جانور ہمارے رفقا و شرفاء کے سوار ہونے کے لئے روک لئے گئے ہیں اس لئے بارود اور سیسہ زیادہ مقدار میں بھجوانے کا انتظام نہیں ہوسکا۔ ویسے ہمارے پاس بارود اور سیسہ کی کمی نہیں ہے تاجروں کے پاس بھی کافی مقدار میں ہے اور سرکار کے بارود خانہ میں تو ذخیرے بھرے ہوتے ہیں۔ جس قدر باربردار تم لوگ بھیج دوگے اتنی ہی بارود اور سیسہ لاد کر ہم بھجوادیں گے۔ شمس خاں نے سکھوں کے مقابلہ کی خوب تیاریاں کرلی تھیں تقریباً چار پانچ ہزار سوار تھے۔ تیس ہزار برقنداز اور تیرانداز پیادے تھے ان کے علاوہ دوسرے اسلحہ دار بھی کافی تعداد میں تھے، یہ تو اس کے قدیم ملازم تھے۔ اس مہم کے لئے اس نے نئی بھرتی کا حکم دیا اور اطراف کے زمینداروں کی مدد سے ایک بڑی تعداد کو بھرتی کیا۔ ان میں ہر قوم کے اور رعیت کے شریف اور باعزت لوگ تھے، ہنرمند پیشہ ور تھے۔ جلاہوں کی بھی ایک بڑی تعداد تھی۔ یہ سب شہادت کے لئے کمربستہ

ہو گئے تھے اور جان و مال اہل و عیال سے دست کش ہو کر کلام اللہ پر عہد و پیمان باندھ لیا تھا۔ جنگی اخراجات میں بھی لوگوں نے حصہ لیا تھا اور مالی مدد کی تھی۔ غرض شمس خاں ایک لاکھ آدمیوں کا لشکر لے کر بڑے کروفر کے ساتھ سلطان پور سے نکلا۔

راہون کا معرکہ

ادھر سکھ نشتر اسی ہزار سوار اور پیادہ فوج کو لے کر بڑھ رہے تھے ان کے ساتھ وہ توپیں بھی تھیں جو وہ سہرند سے اپنے ساتھ لائے تھے۔ قلعہ گیری کا بھی کافی سامان ان کے ساتھ تھا۔ متحرک مورچہ بندی کے تختے اور لٹھے ریت سے بھرے ہوئے تھیلے سیسہ اور بارود سب کچھ لاد رکھا تھا، لوٹ مار کرتے ہوئے وہ سلطان پور سے سات کوس پر قصبہ راہون میں پہنچے۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ شمس خاں اس جرأت و اہتمام کے ساتھ خود مقابلہ پر نکل آیا ہے تو اسی جگہ وہ ٹھیر گئے۔ راہون میں اینٹوں کے بھٹے بڑی تعداد میں موجود تھے اور اینٹوں کے ذخیرے لگے ہوئے تھے۔ سکھوں نے انہی بھٹوں سے گڑھی کا کام لیا اور اطراف میں مورچہ بندی کر لی اور اپنی طلایہ گرد فوج کو اطراف میں روانہ کر کے پرگنات کے چودھریوں اور قانون گویوں کو تہدید آمیز احکام بھیجے۔

سکھوں کی شکست اور فرار

شمس خاں کے دائیں بائیں جو لوگ تھے وہ اس بات کو پوری طرح سمجھ چکے تھے کہ اگر شمس خاں کو ہزیمت ہوئی یا وہ شہید ہو گیا تو ان کے جان و مال اور اہل و عیال بھی تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ اسی لئے وہ مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئے تھے اور ایک دوسرے کو جہاد کی اور شہادت کی ترغیب دے رہے تھے اور تکبیر کہتے ہوئے ایک دوسرے پر سبقت کر رہے تھے۔ جیسے ہی مسلمان کافروں کی مورچہ بندی سے ایک گولہ کی مار کے فاصلہ پر پہنچے تو دن کی ایک گھڑی گذر چکی تھی۔ ان کے مقابل آتے ہی سکھوں کے مورچوں سے توپ اور بندوق کے دھماکے شروع ہوئے اور بیک وقت دس بارہ ہزار گولے اور گولیاں کے تپھر لشکر اسلام پر آ کر گرے مگر خدا کے فضل سے ان سے کوئی خاص نقصان نہیں پہنچا اور نہ کوئی افسر اس حملہ میں مارا گیا۔ شمس خاں نے تیز روی

سے اور بارود کے غیر محتاط استعمال سے منع کر دیا تھا اس لئے اس کی فوج قدم قدم آگے بڑھ رہی تھی۔ جیسے ہی سکھوں کی طرف سے گولہ باری کی پہلی اور دوسری باڑھ چلی۔ مسلمانوں نے تیزی سے پیش قدمی کی پرگنوں اور اطراف سے چالیس پچاس ہزار مسلمان مدد کے لئے آئے تھے وہ بھی تکبیر کہتے ہوئے بڑھے اور کافروں پر حملہ کر دیا اور ایک بڑی تعداد کو قتل اور زخمی کر دیا۔ کافروں نے لاحاصل ہاتھ پاؤں مارے مگر ہزیمت کھاکر بھاگ کھڑے ہوتے۔ میدان سے فرار ہونے کے بعد سکھوں نے راہون کے قلعہ میں جاکر پناہ لی جو اس جنگ سے پہلے ان کے قبضہ میں آگیا تھا۔

سکھ راہون میں محصور ہو گئے تھے اور قلعہ پر سے بندوق اور بان چھوڑنے میں مصروف تھے۔ راہون والے سکھوں کے حملہ سے جان بچاکر بھاگ گئے تھے۔ اور قلعہ میں کافی سامان جنگ اور غذا کے ذخیرے چھوڑ گئے تھے۔ اس لئے سکھ بڑے اطمینان سے اس گڑہی میں ٹھیرے رہے اور مسلمانوں پر نکل نکل کر حملے کرتے رہے۔ ان حملوں میں کافی تعداد میں مسلمان اور ان کے گھوڑے تلف ہو گئے یہاں تک کہ دونوں فریق لڑائی سے تنگ آ گئے۔ خاص طور سے کافروں کی حالت بہت نازک ہو گئی اور جب مسلمانوں کی طرف سے دباؤ بڑھا تو وہ گڑھی سے نکل کر راتوں رات فرار ہو گئے شمس خاں نے چند کوس تک ان کا تعاقب کیا ایک توپ اور باربرداری کے چند اونٹ اور بیل اس کے ہاتھ آ گئے اور وہ سلطان پور کو لوٹ آیا۔ مگر دوسرے دن تقریباً ایک ہزار سکھ جمع ہو کر آئے اور شمس خاں نے راہوں میں جو تھانہ قائم کیا تھا برخاست کر کے قلعہ کے اندر اپنا تھانہ قائم کر دیا۔

لاہور کے اطراف قتل و غارت گری

اب سکھوں نے لاہور کے اطراف کے پرگنوں کو تاخت و تاراج کرنا شروع کر دیا ان کے حملوں اور لوٹ مار سے لاہور میں اور لاہور کے اطراف بڑی افراتفری مچ گئی۔ اسلم خاں شاہزادہ کا دیوان اور صوبہ لاہور کا نائب تھا اس نے بادشاہی دیوان کاظم خاں کی مدد سے لاہور کے برج اور فصیل کو مستحکم کیا اور ہندو مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کے ساتھ

شہر سے نکل کر تین چار کوس پر خیمے لگا دیتے اور سکھوں کی ٹلا یہ فوج کی روک تھام شروع کردی ۔سکھوں کے حملوں سے اگرچہ لاہور محفوظ رہا اور شہر کے لوگوں کو کوئی جان و مالی نقصان نہیں ہوا مگر شہر کے اطراف شالا مار باغ تک جو شہر سے دو کوس پر ہے سکھوں نے بہت نقصان پہنچایا۔

مختصر یہ کہ ان آٹھ نو ماہ کے عرصہ میں دارالخلافہ شاہجہاں آباد (دہلی) کی دو تین منزلوں سے دارالسلطنت لاہور کے اطراف تک تمام مشہور قصبے اور بستیاں ان وحشیوں کی تاخت و تاراج سے ویران اور بے چراغ ہوگئی تھیں ۔بکثرت آدمی مارے گئے انھوں نے بے شمار مسجدوں اور مزاروں کو اکھاڑ کر پھینک دیا اور مسمار کردیا ۔ خاص طور سے جب وہ لاہور سے لوٹے تو سادھورہ اور کرنال کے دیہات اور قصبوں میں کہ وہاں کا فوجدار مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ .بہادری سے لڑتا ہوا شہید ہوگیا تھا ۔ بڑی تباہی مچائی ۔ جو ہندو مسلمان ان کے ہاتھ اسیر ہوگئے تھے ،ان کو سو دو سو کی ٹکڑی میں ایک جگہ بٹھا کر ان ظالموں نے قتل کر دیا۔

سکھوں نے نئی نئی کافرانہ رسمیں اختیار کر رکھی تھیں ۔ان کی اکثریت ہندوؤں کے پس ماندہ طبقوں پر مشتمل تھی جو سکھوں کے گرو کے عقیدت مند ہوگئے تھے ۔ان لوگوں نے سر اور ڈاڑھی کے بال منڈوانے کو اپنے مسلک کے خلاف قرار دیدیا تھا ۔گرو کے ساتھ ایسی عقیدت ان کو تھی کہ اپنی جان اس کے قدموں پر نچھاور کردینے کے لئے تیار رہتے تھے ۔اور ہندوؤں کے دوسرے فرقوں کے قتل اور ایذا رسانی پر اصرار کرتے تھے ۔

راجپوتوں کی اطاعت

جب سکھوں کے اس ہنگامہ و فساد کی خبریں ملیں تو بادشاہ کو سخت افسوس اور رنج ہوا مگر اس مصلحت کی بنا پر کہ ان کی شورش راجپوتوں کی بغاوت کے مقابلہ میں اتنی زیادہ اہم نہیں تھی اور یہ اطمینان تھا کہ جس وقت بھی بادشاہی لشکر پنجاب کا رخ کرے گا ۔سکھوں کے کوڑے کرکٹ کا آسانی صفایا ہوجائے گا اس لئے بادشاہ نے راجپوتوں کی سرکوبی کو ترجیح دی

اور (دارالفتح) اجمیر سے بادشاہی لشکر راجپوتوں کے وطن کی طرف روانہ ہوگیا۔
اسی اثنار میں محمد مراد خاں کے متعلق خبر ملی کہ وہ طبعی موت سے فوت ہوگیا۔ جب اجمیر کے قریب لشکر گاہ قائم ہوگئی تو بادشاہ نے تجربہ کار سرداروں کے زیر کمان راجہ جے سنگھ اور رانا چتوڑ کے تعلقے اودے پور اور جودھ پور پر حملہ کرنے کے لئے فوجوں کو متعین کر دیا۔

اس زمانہ میں بہادر شاہ نے حکم دیا کہ خطبہ پڑھتے وقت خلفائے راشدین کے ذکر میں حضرت امیرالمومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام کے ساتھ "وصی" کا لفظ بھی پڑھا جائے۔ یہ حکم تمام ممالک محروسہ کے لئے صادر ہوا تھا۔

جب بادشاہی افواج راجپوتوں کے علاقہ میں داخل ہوگئیں تو راجپوت خوف زدہ ہوگئے اور خان خاناں منعم خاں بہادر اور مہابت خاں بہادر کو واسطہ بناکر اپنے قصوروں کی معافی کی درخواست دی۔ اگرچہ بعض شرائط کو قبول کرنے میں راجپوتوں نے ٹال مٹول سے کام لیا مگر لاہور اور دہلی کے نواح میں فتنہ و شورش کی خبروں نے بڑی تشویش پیدا کر دی تھی۔ اس لئے مقربان بادشاہ کے مشورہ سے ان کی درخواستوں کو قبول کر لیا گیا اور یہ طے پایا کہ راجہ جے سنگھ، راجہ اجیت سنگھ اور رانا کے وکیل اور دوسرے راجپوت سردار بادشاہ کی سواری کے وقت خدمت میں حاضر ہوں اور باریابی اور رخصت کی خلعتیں اسی دن حاصل کریں اور بادشاہ کے کوچ کے بعد سفر کا انتظام کرکے بادشاہی رکاب میں حاضر ہو جائیں چنانچہ تمام نامی گرامی راجپوت سرداروں نے تیس چالیس ہزار سواروں کا جائزہ دیا اور معائنہ کرایا اور اپنے ہاتھوں کو رومال سے باندھ کر بادشاہ کی سواری کے سامنے حاضر ہوگئے اور خلعت ہاتھی گھوڑے انعام میں لے کر واپس ہوگئے۔

چوتھے سال کے واقعات

(شاہ عالم بہادر شاہ کے جلوس کا چوتھا سال مطابق سن گیارہ سو اکیس ہجری ۱۱۲۱ھ)

۱۸ ذی الحج کو چوتھے سال کا جشن سفر کے حسب حال منعقد ہوا۔ جشن کے بعد ہی بادشاہ نے دہلی اور لاہور کے ارادہ سے کوچ کر دیا۔ چین قلیج خاں بہادر صوبہ اودھ کی صوبہ داری پر مامور ہوا۔

ایران کے شہزادہ کی آمد

بندرگاہ سورت کے سوانح نگار نے اطلاع دی کہ مرزا محمد ہاشم نامی ایک ایرانی امیر اور محمد صالح جو مومن خاں نجم ثانی کا چچا اور شاہزادہ رفیع الشان کے ننھیال میں سے تھا ایران سے سورت آئے ہیں۔ مرزا محمد ہاشم ایران کے شاہ عباس کا تین واسطوں سے نواسہ ہوتا تھا اور دو واسطوں سے وہ مازندراں کے شاہزادہ خلیفہ سلطان کا پوتا تھا۔ جب مازندران شاہ عباس ثانی کے قبضہ میں آ گیا اور ایران کی وزارت خلیفہ سلطان کے ہاتھ آئی تو شاہ عباس نے اپنی بیٹی کو خلیفہ سلطان کے عقد میں دیا تھا۔ ان دونوں کی آمد کی اطلاع ملی تو بادشاہ نے ان دونوں کو لانے کے لئے دو گرزبردار اور مہمان دار روانہ کئے اور مرزا محمد ہاشم کے نام تین ہزار روپیہ اور محمد صالح نجم ثانی کے لئے دو ہزار روپیہ خرچ کا حکم بندرگاہ سورت کے خزانہ کے نام لکھ دیا گیا۔ غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ صوبہ دار احمد آباد کے نام فرمان صادر ہوا کہ جب مرزا محمد ہاشم احمد آباد پہنچے تو اس کے لئے ساز و سامان

اس طریقہ پر مہیا کیا جائے جس طرح خلد مکاں (عالمگیر بادشاہ) کے زمانہ میں اسی مرزا محمد ہاشم کے چچازاد بھائی قوام الدین خاں کے لئے اس وقت کے صوبہ دار احمد آباد محمد امین خاں نے کیا تھا وہ بھی ولایت ایران سے احمد آباد وارد ہوا تھا۔ جب مرزا ہاشم بارگاہ شاہی کے لئے روانہ ہو تو صوبہ دار اپنے مہمان دار کو اس کے ساتھ کر دے۔

احمد آباد کے خطیب کا قتل

دارالسلطنت لاہور سے اطلاع ملی کہ جب خطبہ میں حضرت علیؓ کے نام کے ساتھ لفظ "وصی" بڑھانے کا حکم پہنچا تو جان محمد اور حاجی یار محمد جو لاہور کے افضل العلماء تھے، علماء وفضلا کا جلوس لے کر قاضی اور صدر کے گھر پر آئے اور لفظ وصی کی پابندی کے ساتھ خطبہ پڑھنے سے انکار کر دیا۔ اسی طرح دارالخلافہ دہلی اور مستقر الخلافہ آگرہ میں بھی اس حکم کی شدید مخالفت ہوئی اور مسلمانوں نے خطبہ میں اس حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا۔ یہی اطلاعات دوسرے شہروں کے اخبار نویسوں نے بھی روانہ کی تھیں۔ انہی دنوں یہ خبر بھی آگئی کہ احمد آباد کی جامع مسجد کے خطیب نے لفظ وصی پڑھا تو اہل سنت و جماعت نے اُسے قتل کر دیا۔ جمعہ کے دن خطیب کے مارے جانے اور احمد آباد کے واقعہ نگار اور بخشی مہر علی خاں کے قید ہونے کے بارے میں احمد آباد میں مختلف روایات مشہور ہیں۔ مہر علی خاں کو خطیب کے قتل کے بعد اتوار کے دن فیروز جنگ کے حکم سے ذلیل کر کے کوتوالی کے چبوترہ میں قید کر دیا گیا تھا۔ راقم الحروف (خانی خاں) انہی دنوں احمد آباد گیا ہوا تھا۔ میں نے حتی الامکان اس واقعہ کی تحقیق کی ہے۔ مختصراً بیان کرتا ہوں۔ عالم حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ جب لفظ "وصی" پڑھنے کا حکم صادر ہوا تو احمد آباد کے صدر نے اجازت حاصل کرنے کے لئے صوبہ دار فیروز جنگ کے پاس عرضی لکھی۔ جواب میں صوبہ دار نے دستخط کر دیئے کہ "خلیفہ کے حکم کے مطابق پڑھا جائے" جب جمعہ کے دن جامع مسجد میں لفظ "وصی" کے ساتھ خطبہ پڑھا گیا تو پنجاب کے چند آدمیوں اور توران کے "حضرات" نے شورش برپا کر دی اور اسے برا بھلا کہہ کر دھمکی دی کہ "اس جمعہ کو تو نے پڑھ دیا، ہم معاف کرتے ہیں۔ مگر آئندہ جمعہ میں تو یہ لفظ نہیں پڑھے گا" اس نے جواب میں کہا۔

"میں تو بادشاہ اور ناظم اور صدر کے حکم کے مطابق پڑھ رہا ہوں" "دوسرے جمعہ کو جب خطیب منبر پر آیا تو ایک مغل نے کہا "تم لفظ وصی نہیں پڑھوگے" مگر خطیب کی تو موت آئی تھی وہ نہیں مانا۔ جیسے ہی خطبہ پڑھتے ہوئے اس کی زبان سے "وصی" کا لفظ نکلا وہ پنجابی اٹھ کھڑا ہوا اور اُس نے خطیب کا دامن پکڑ کر اسے منبر سے نیچے کھینچ لیا اور لعنت ملامت کرنے لگا اسی وقت تورانی مغل لپک کر آیا اور چھری خطیب کے پیٹ میں گھونپ دی اور اسے منبر کے نیچے گرا دیا۔ بس مسجد میں ہنگامہ برپا ہوگیا۔ خطیب کو گھسیٹتے ہوئے لوگ مسجد کے صحن میں لے آئے اور اس قدر خنجر مارے اور جوتے لگائے کہ خطیب نے بڑی بے حرمتی سے جان دیدی اس کے وارثوں کو ایک دن ایک رات تک لاش اٹھانے اور کفن دفن کرنے کی جرأت نہیں ہوئی دوسرے دن مقتول کے ماں باپ فیروز جنگ کے پاس فریاد کرتے ہوئے استغاثہ کرنے آئے اور تجہیز و تدفین کی اجازت طلب کی۔ فیروز جنگ نے اس کے ورثا کو سرکار سے کچھ رقم دلادی اور اس کے کفن دفن کی اجازت دیدی۔ تیسرے دن بخشی اور واقعہ نگار، مہر علی خاں کو فیروز جنگ نے اس کے گھر سے طلب کیا اور اسے ذلیل کرکے قید میں ڈال دیا کیونکہ بعض مقدموں میں اس نے خلاف واقعہ باتیں تحریر کی تھیں۔ تین چار دن بعد اس کو رہا کردیا گیا۔

خان دوراں کا استعفا

فیروز جنگ کا بیٹا خان دوراں اودھ اور گورکھپور کی صوبہ داری پر فائز تھا۔ اس نے اپنے تعلقہ میں پہنچنے کے بعد بڑا اچھا بندوبست کیا، بلکہ سہ بندی کے خرچ سے وہ زیر بار بھی ہوگیا تھا، مگر انہی دنوں بلا کسی قصور کے اس کو معزول کردیا گیا اور وہ لوٹ کر دربار میں آگیا چونکہ بادشاہ امور سلطنت سے بالکل بے خبر رہتا تھا اور خانہ زاد کارگذاروں کے معاملہ میں پورے غور و خوض اور توجہ سے کام نہیں لیتا تھا۔ اس لئے خان دوراں نے تنگ آکر استعفا دیدیا اور گھر بیٹھ گیا۔

مرزا ہاشم کا استقبال

مرزا محمد ہاشم سورت کی بندرگاہ سے احمد آباد پہنچ گیا تھا وہ فیروز جنگ کی ملاقات کے لئے آیا۔ فیروز جنگ نے

اس کے استقبال کے لئے اپنے بیٹے کو بھیجا جب وہ گھر کے قریب آیا تو فیروز جنگ نے چند قدم بڑھ کر پیشوائی کی اور بڑے اعزاز سے اسے ٹھیرایا اور چار پانچ دن تک مہمان داری کی پندرہ ہزار روپیہ نقد ایک ہاتھی اور چار گھوڑے پیش کئے اور مجھے (خافی خاں) اس کا دیوان اور مہمان دار مقرر کرکے بڑی آبرو کے ساتھ اسے رخصت کیا۔

مرہٹوں کا برہان پور پر حملہ

اس سال دکن میں مرہٹوں نے پھر سر اٹھایا، اور برہان پور کا محاصرہ کر لیا۔اس لڑائی میں وہاں کا صوبہ دار میر احمد خاں شہید ہوگیا۔اس واقعہ کی تفصیل مختصرًا درج ہے۔ایک مرہٹہ عورت تلسی بائی نامی، جو مرہٹوں کی سردار تھی۔ پندرہ سولہ ہزار سوار فوج کو لے کر (دارالسرور) برہان پور سے چوتھ وصول کرنے کے لئے نکلی اور تاخت وتاراج کرتے ہوئے برہان پور سے سات کوس پر راویر کے قصبہ پر پہنچ گئی۔ مرہٹوں نے راویر کی سرائے کا محاصرہ کرلیا۔ اس وقت سرائے میں ایک قافلہ کے آدمی اور دیہات کے بکثرت لوگ پناہ لینے جمع ہوگئے تھے۔ مرہٹوں نے میر احمد خاں صوبہ دار کو پیغام دیا کہ سرائے میں محصور ہونے والوں اور شہر کے باشندوں کے عوض گیارہ لاکھ روپیہ کی چوتھ ادا کردی جائے۔

میر احمد خاں نے تلسی بائی کا خط پہنچنے سے پہلے ہی مرہٹوں سے مقابلہ کا فیصلہ کر لیا تھا کیونکہ وہ ایک عورت کی شرائط کو تسلیم کرنے میں مردانگی اور جذبۂ شباب کی توہین سمجھتا تھا۔چنانچہ اس نے اطراف واکناف کے فوج داروں اور برہان پور کے متصدیوں اور منصب داروں کو جمع کرکے آٹھ نو سو سواروں کی ایک جمعیت منظم کرلی اور نویں محرم کو مرہٹوں سے مقابلہ کے لئے برہان پور سے نکل آیا۔ان فوج داروں میں پرگنہ جامود کا فوج دار ظفر خاں بڑا بہادر صاحب فوج اور باتدبیر آدمی تھا۔ میر احمد خاں نے اسے اپنی فوج کا ہراول مقرر کیا۔مرہٹوں کو جب خبر ملی تو انھوں نے اپنے بہیر بنگاہ کی حفاظت کے لئے تین چار ہزار سوار چھوڑ دیئے اور چار پانچ ہزار سوار لے کر میر احمد خاں کے مقابلہ پر آگئے۔اور بقیہ فوج کو برہان پور کے محاصرہ اور شہر کی لوٹ مار پر متعین کردیا۔

لڑائی شروع ہوئی تو میر احمد خاں دو تین دن تک میدان میں مرہٹوں سے بڑی دلیری کے ساتھ لڑتا رہا، اس لڑائی میں وہ خود اور اُس کے پوتے زخمی بھی ہو گئے۔ جب اسے اطلاع ملی کہ مرہٹوں کی ایک فوج نے برہان پور کا محاصرہ کر لیا ہے تو شام کے قریب وہ شہر کے محصورین کی کمک کے لئے لوٹ گیا۔ واپس ہوتے وقت دشمن اسے چاروں طرف سے گھیرتا جا رہا تھا اور وہ ان سے لڑتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔ اسی اثنا میں ظفر خاں بھی لڑتے ہوئے زخمی ہو گیا۔ آخر رات کو اُس نے جب دشمن کے بڑھتے ہوئے غلبہ کو دیکھا تو اس نے جان بچا لے جانے میں مصلحت دیکھی اور میر احمد خاں کے ایک لڑکے کو ساتھ لے کر شہر میں چلا گیا۔ میر احمد خاں کے اکثر ہمراہی اور شہامت خاں چنداول شہید ہو چکے تھے، اور جو لوگ رہ گئے تھے وہ بھی جان بچا کر فرار ہونے کی سوچ رہے تھے اور ایک بڑی تعداد کو کافروں نے اسیر بنا لیا تھا۔ اس کے باوجود وہ تنہا کافروں سے لڑتا رہا اور متعدد زخم کھانے کے بعد گھوڑے سے گر پڑا اور نیم جاں گھسٹ گھسٹ کر بہ مشکل ایک درخت کے نیچے پناہ لی مگر کچھ ہی دیر بعد اس کی روح پرواز کر گئی۔ برہان پور کے منصب داروں میں سے میر علی رضا نامی جو سبزواری سادات میں سے تھا اور آبرو مند بہادر آدمی تھا شہید ہو گیا اسی طرح میر احمد خاں کے متعین کردہ دوسرے افسر بھی شہادت سے سرخ رو ہوئے۔ ایک بڑی تعداد اسیر ہو گئی تھی۔ ان میں شرف الدین نامی شہر کا افسر بیوتات بھی شامل تھا جو فن موسیقی میں بڑے بڑے قوالوں اور گویّوں کا ہمسر تھا۔ جب مرہٹے اسے پکڑ لے گئے تو اس نے اپنے آپ کو قوال ظاہر کیا اور فارسی ہندی اور مرہٹی کے اشعار گانے لگا۔ اور مرہٹہ سرداروں سے اس لٹک سے بات چیت شروع کر دی، جس طرح ڈوم ڈھاری صاحب ثروت لوگوں سے بات کرتے ہیں اس بہروپ کے باوجود مرہٹوں نے اس سے کہا "ہم یہ تو سمجھ گئے کہ تو مشہور امراء کی مجلس کا گویّا ہے مگر ہم یہ تحقیق کر چکے ہیں کہ تو مال دار اور آبرو دار آدمی ہے۔ اگر جان کی سلامتی چاہتا ہے تو دو ہزار روپیہ ادا کر دے" آخرکار

بڑی حجت اور تکرار کے بعد ایک ہزار دو سو روپیہ دینے کا اس نے اقرار کر لیا اور گھر سے یہ رقم منگا کر دیدی اور اپنی برأت کا پرچہ ان سے لکھوا لیا اور ان کے ایک ہرکارہ کو ساتھ لے کر شہر کے قریب پہنچا اور دریا عبور کرنے کشتی پر سوار ہو گیا۔ جب کشتی چلی تو اس نے مرہٹوں کے ہرکارہ کو آواز دی کہ "اپنے سردار سے جا کر کہد سے میں مشہور منصب دار اور شہر کا افسر بیوتات ہوں اور صرف ایک ہزار دو سو روپیہ کے صدقہ میں اپنی جان بچا کر نے جار ہا ہوں "۔

محمد نقی نامی امانت خاں مرحوم کا پوتا اور برہان پور کا بخشی اور واقعہ نگار تھا۔ گرفتاری کے بعد جب مرہٹے تفتیش کرنے لگے تو لوگوں نے فارسی زبان میں اور اشارے کر کے اسے سمجھایا کہ وہ خود کو منصب دار اور نامی گرامی آدمی ظاہر نہ کرے، مگر اس نے جواب میں کہا "آخر میں کس لئے اپنے مراتب اور قومیت سے انکار کروں اور کیوں اپنا حسب نسب چھپاؤں"۔ اس کے بعد اس نے کڑک کر مرہٹوں کو بتایا "میں شہر کا بخشی ہوں اور دکن کے دیوان امانت خاں کا پوتا ہوں" مرہٹہ سرداروں نے یہ سُن کر شاباش دی اور بڑی عزت و آبرو سے اس کی خاطر کرنے لگے اور کھانے کے لئے مرغوب غذائیں حاضر کر دیں مگر جب جان بہا کی بات آئی تو تیس ہزار روپیہ پر رہائی کا معاوضہ طے پایا اور اسے یہ رقم دے کر ہی رہائی نصیب ہوئی۔

بادشاہی لشکر پنجاب میں جب بادشاہ کی سواری دہلی کے قریب پہنچی تو چورامن جاٹ حاضر خدمت ہوا یہ شخص محمد اعظم شاہ کی فوج کے شکست کھانے پر جواہرات اور کافی مال و اسباب لوٹ کر بھاگ گیا تھا۔ بادشاہی لشکر نے بارہ کوس کے فاصلہ پر دہلی کو دائیں ہاتھ پر چھوڑ دیا اور سکھوں کی سرکوبی کے لئے پیش قدمی کی، بادشاہ نے ہراول پر محمد امین خاں بہادر رستم دل خاں اور چورامن جاٹ اور دوسرے سرداروں کو مقرر کیا اور ان کو اس گمراہ فرقہ کی سرکوبی کے لئے روانہ کر دیا۔ ان کو ہدایت کی کہ سکھوں کے بدبخت گروہ کو خارج کر دینے اُس کے تھانوں کو برخاست کر کے بادشاہی تھانے قایم کریں اور شاہ آباد، مصطفےٰ آباد، شادھورہ اور

دوسری بستیوں کی مظلوم رعیت کو آباد کرنے کی ہدایات دیں۔ اس کے باوجود کہ بادشاہی لشکر سرحدوں پر پہنچ چکا تھا، وہ بدعاقبت شرانگیزی سے باز نہیں آتے، مقابلہ سے بھاگ جاتے تھے اور پھر لوٹ کر چھاپے مارتے رہتے تھے۔ دسویں شوال کو قصبۂ شادھورہ سے چار پانچ کوس پر سواری پہنچی۔ بادشاہ نے رستم دل خاں اور فیروز خاں میواتی کو آگے روانہ کیا کہ وہ جاکر خیمہ گاہ قائم کرنے کے لئے کوئی مناسب جگہ دیکھ آئے۔ راستے راہ میں اچانک سکھوں کے تیس چالیس ہزار سوار بے شمار پیادے دس بارہ کوس سے دھاوا مارتے اور "فتح درس" کے نعرے لگاتے ہوئے بادشاہی لشکر کے مقابل آگئے۔ اب میں کیا لکھوں کہ ان فقیرانہ لباس پہنے ہوئے وحشی صورت ہزار در ہزار آدمیوں کو بڑھتے ہوئے اور حملہ کرتے ہوئے دیکھ کر بادشاہی فوج میں کیسا ہراس پیدا ہوگیا۔ سکھوں نے اس طرح اچانک حملہ کیا تھا کہ بادشاہی فوج خطرہ میں پڑ گئی۔ جب کافی آدمی مارے گئے اور زخمی ہوچکے تو فیروز خاں میواتی اور سادات بارہہ آگے بڑھے اور گھوڑوں سے پیادہ ہوکر انھوں نے مردانہ وار حملے کئے اور ان گمراہوں کو شکست دے کر بھگا دیا۔

شادھورہ میں داخلہ

اب بادشاہی لشکر شادھورہ پہنچ گیا، اور وہاں افواج کو متعین کرنے کے لئے چھاؤنی لگادی گئی۔ اوائل ذی الحجہ میں جو ماہ الٰہی کے مطابق ماہ دیتے کے آخری دن تھے۔ چلّے کے جاڑے شروع ہوگئے۔ چار پانچ دن تک سرما کی بارش ہوتی رہی۔ سارا لشکر کیچڑ پانی میں گھرا ہوا سرد ہوا کی زد میں تھا، خاص طور سے دکن کے آدمیوں کے لئے تو یہ سردی ناقابلِ برداشت تھی۔ چنانچہ ہزاروں آدمی مر گئے اور سواری اور باربرداری کے گھوڑے اور جانور اس قدر تلف ہوتے، کہ ان کی بدبو سے ناک میں دم آگیا۔ لوگ ان مشکلات کو سکھوں کے جادو ٹونے کا اثر سمجھ رہے تھے، اور بے سر پا باتیں کرتے تھے۔ اس دوران میں برابر یہ خبریں ملتی رہیں کہ مردم آزار سکھوں کے جتھے باربرداری اور رسد کو لوٹ رہے ہیں اور بادشاہی لشکر کے اطراف چھاپے مار رہے ہیں۔ ان حدود میں بادشاہی فوج کے داخل ہونے کے بعد ایک دو نامی گرامی فوج دار سکھوں کے

ہاتھوں شہید ہو گئے۔

بلوگڑھ کا محاصرہ

بہادر شاہ نے ان کی سرکوبی کے لئے ہراول یسرہ میمنہ اور ملتمش کی فوجوں پر شاہزادہ رفیع الشان کو کمان دار مقرر کیا اور اس کے ماتحت جملۃ الملک خان خاناں کو مع اپنے فرزند کے اور حمیدالدین خاں بہادر رستم دل خاں، راجہ چتر سال، فیروز خاں میواتی، چورامن جاٹ اور دوسرے تجربہ کار امراء کو مقرر کیا۔ جب یہ لشکر آگے بڑھا تو سکھوں کے گرو سے کئی ایک لڑائیاں ہوئیں، جس میں بکثرت سکھ مارے گئے۔ بادشاہی لشکر سے بھی کافی تعداد میں لوگ کام آئے۔ آخر گرو ہزیمت اٹھا کر بھاگا اور ایک دشوار گذار مقام بلوگڑھ میں جا کر چھپ گیا۔ بلوگڑھ راجہ برتی کے تعلقہ کے قریب ایک پہاڑ پر واقع ہے۔ اس کے قلعہ اور فصیل کی وسعت اتنی ہے، کہ ساٹھ ستر ہزار سوار اور پیادہ فوج ہی اس کا محاصرہ کر سکتی ہے۔ سکھوں نے بلوگڑھ کی فصیل اور برج کو مستحکم کر لیا۔ دو تین ہزار بنجاروں کے بیل لوٹ مار کر کے لے آئے اور اناج کے ذخیرے بھر لئے۔ بادشاہی فوج کے بہادروں نے بھی تعاقب کرتے ہوئے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور مورچہ بندی، نقب اندازی شروع کر دی، گرو نے ان گمراہوں کو یہ سبز خواب دکھائے تھے کہ جو بھی اس لڑائی میں مارا جائے گا وہ لوٹ کر آئے گا اور ابدی زندگی سے سرفراز ہوگا اور بڑے اور سچے روحانی درجے اسے ملیں گے۔ اس کے معتقد ایسے جاہل تھے کہ تناسخ کی اس بے بنیاد ڈھونگ کو جسے تمام اہلِ قبلہ قوموں نے رد کر دیا ہے۔ برہان قاطع سمجھ رہے تھے اور بڑی عقیدت سے اس کی ان باتوں کو سنتے اور مانتے تھے۔ اسی اندھے جوش میں وہ قلعہ سے "فتح درس، سچا بادشاہ" کے نعرے لگاتے ہوئے نکلتے اور پروانہ وار توپوں کی آتش باری میں خود کو جھونک دیتے تھے۔ اور بادشاہی مورچوں پر بڑھ بڑھ کر حملے کرتے رہتے تھے۔ اور روزانہ کثیر تعداد میں موت کے گھاٹ اتر جاتے تھے۔ ان جھڑپوں میں مسلمانوں کی بھی ایک جماعت شہید ہو گئی۔

گرو کی عقیدت اور جان نثاری

سکھوں کے زمرہ میں ہندوؤں کی پست اقوام میں سے بے شمار آدمی داخل ہو گئے تھے اور وہ اپنے گرو پر جان قربان کر دینے کو سعادت سمجھتے تھے۔ اعلیٰ ذات کے ہندوؤں میں سے زیادہ تر پنجاب کے کھتری اس ملعون کے شریک مصلحت تھے۔ بہادر جاٹوں کی بھی ایک بڑی تعداد اس کے ساتھ تھی ان تمام لوگوں کو تو سکھ کوئی نقصان نہیں پہنچاتے تھے۔ ان کے علاوہ تمام ہندوؤں کو وہ مسلمانوں کے ساتھ واجب القتل سمجھتے تھے۔ جن لوگوں کو جنگ کا تجربہ ہے وہ اس حقیقت کو خوب جانتے ہیں کہ دو ہزار تین ہزار سواروں میں اگر سو دو سو سوار بہادری جاں نثاری عقیدت مندی اور نمک حلالی کے اوصاف رکھتے ہوں تو وہ اس لشکر کی فتح مندی کا سبب بن جاتے ہیں۔ اس بدبخت گروہ میں یہ وصف موجود تھا کہ باوجود ان کی اکثریت پیادہ تھی۔ کم ہی ایسے آدمی ہوں گے جو خود کو قربانی کے بکرے کی طرح اپنے گرو پر نچھاور کر دینے میں دریغ کریں ان کی دلی آرزو اور مراد یہی تھی کہ اپنے گرو پر خود کو قربان کر دیں۔ اس عقیدت کے ساتھ مال و متاع اور روپیہ کا لالچ بھی تھا۔ کیونکہ لوٹ مار میں ان کے ہاتھ کافی مال و اسباب آتا رہتا تھا۔ عقیدت اور لالچ کے تحت وہ بے جگری سے لڑتے تھے۔ سست اعتقاد لوگ اس کو بس سحر اور جادو کا اثر سمجھنے لگے تھے۔

سکھوں کا فرار

بہرحال یہ محاصرہ جب طویل ہو گیا تو محصوروں پر حالات بہت تنگ ہو گئے۔ یہ نوبت آ گئی کہ وہ بادشاہی لشکر کے بقالوں سے غلہ خریدنے پر مجبور ہو گئے فصیل پر سے وہ اشارے کر کے انھیں بلاتے تھے اور دو روپیہ تین روپیہ سیر کے حساب سے غلہ خریدتے تھے، چادر قلعہ پر سے نیچے گرا دیتے تھے۔ غلہ بندھوا کر رسیوں سے اوپر کھینچ لیتے تھے اور آپس میں مٹھی دو مٹھی تقسیم کر لیتے تھے۔ تقریباً تین چار ہزار آدمی تو فاقہ سے مر گئے۔ سواری اور باربرداری کے جتنے جانور تھے سب ذبح کر کے کھا گئے۔ جب حالات بہت تنگ ہو گئے تو سکھوں نے ایک چال چلی۔ کھتری قوم کا ایک آدمی گلابو نامی تھا۔ اس کا پیشہ تمباکو فروشی تھا۔

اس کو خلعت فاخرہ پہنا کر گرو کی جگہ بٹھا دیا اور خود گرد اپنے لشکر کو لے کر قلعہ سے باہر نکلا اور بادشاہی مورچوں کے ایک طرف حملہ کرکے راجہ برنی کے کوہستان کی طرف نکل گیا۔ جب بادشاہی فوج اس گڑہی میں داخل ہوئی تو گلابو کو اس زیب و زینت سے آراستہ گدی پر بیٹھا ہوا پایا۔ خوشی خوشی اُسے گرفتار کرکے خان خاناں کے پاس لے آئے۔ ہرطرف سے مبارک باد دی جانے لگی۔ فتح کے شادیانے بجائے گئے۔ اور مخبروں نے فتح کی خوش خبری بادشاہ کو پہنچائی اور انعامات سے سرفراز ہوئے۔ خان خاناں اور اس کے ہمراہیوں کی بڑی تعریف ہوئی۔ لیکن جب اس نقلی گرو کو خان خاناں کے سامنے پیش کیا گیا۔ تحقیقات اور تفتیش عمل میں آئی تو معلوم ہوا کہ عقاب تو اُڑ گیا اور اس کی جگہ لوگ چغد پکڑ لائے ہیں۔ جس نے عمداً خود کو اس قربانی کے لئے پیش کردیا تھا۔ خان خاناں کو بڑا افسوس اور سخت ندامت ہوئی اپنے ماتحت سرداروں کو اُس نے بہت سرزنش کی اور حکم دیا کہ سب پیادہ ہوکر راجہ برنی کے کوہستان میں داخل ہوجائیں؛ اور اس ملعون کو زندہ گرفتار کرلائیں یا پھر اس کے عوض راجہ برنی کو پکڑ لائیں۔ چنانچہ سکھوں کے سرگروہ کے بجائے راجہ برنی ہی گرفتار ہوکر آیا اور پیش کیا گیا۔ بادشاہ نے گرو کی گرفتاری کی خبر ملتے ہی حکم دیدیا تھا کہ لوہار ایک میخ دار آہنی پنجرہ ہاتھوں ہاتھ تیار کردیں۔ یہ پنجرہ راجہ برنی اور اُس کے عقیدت مند چیلے کے نصیب میں تھا، جس نے خود کو اپنے گرو پر قربان کردیا تھا۔ دونوں کو اس پنجرہ میں قید کرکے دارالخلافہ دہلی بھیج دیا گیا۔

سکھوں میں سر کے اور داڑھی کے بال کٹوانے کو گناہ عظیم سمجھا جاتا ہے۔ چونکہ ان کے پوشیدہ معتقدوں کی ایک اچھی خاصی تعداد جو کھتری یا جاٹ ذات کے تھے بادشاہی لشکر میں وکالت کرتے تھے اور دربار کی ملازمتوں میں شامل تھے بادشاہ نے شناخت کے لئے سب کی داڑھیاں منڈوانے کا حکم دیدیا۔ چند دن تک حجاموں کی خوب چاندی رہی کیونکہ بکثرت آدمیوں کی داڑھیاں مونڈی گئیں۔ بعض معتبر و ضعفا لوگوں کو بھی اپنی داڑھیوں سے محروم ہونا پڑا۔

چین قلیچ خاں بہادر اودھ کا صوبہ دار تھا۔ اسے بہادر شاہ بادشاہ کے بعض اطوار اور طور طریق سے اختلاف تھا۔ محض اس عہد و قرار کی وجہ سے جو ابتداءً میں کرنا پڑا تھا۔ اس نے اودھ کی صوبہ داری قبول کرلی تھی۔ انہی دنوں زمانہ کی سفلہ نوازی اور بادشاہ کی ناقدردانی سے تنگ آکر اس نے منصب اور خدمت سے استعفا دیدیا اور گوشہ نشین ہوگیا۔ نقد و جنس کا بہت بڑا حصہ اس نے فقرا و مساکین میں تقسیم کرادیا۔ چنانچہ ایک دن میں پانچ لاکھ روپیہ حاجت مندوں کو پہنچایا تھا۔

خان خاناں کی وفات

سکھوں کے گرو کے فرار ہونے کا ملال اور شرمندگی خان خاناں کو ایسی تھی کہ اس کا مزاج بھی خلل پذیر ہوگیا۔ رنج و غصہ سے وہ بیمار پڑ گیا اور مختلف بدنی عارضوں میں مبتلا ہوگیا۔ جن کے علاج سے یونانی اور فرنگی حکیم بھی عاجز آگئے آخر وہ اپنی بیماریوں میں فوت ہوگیا۔

خان خاناں صوفی مزاج فقیر دوست آدمی تھا کسی شخص کو اس کے دور حکومت میں کسی قسم کا ضرر نہیں پہنچا اور اس نے کوئی ایسا نیا قانون نہیں نافذ کیا جس سے کسی مسلمان کو کوئی نقصان پہنچتا۔ لیکن انسان خطا و نسیان کا پتلہ ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ جو کچھ وہ کرے درست ہی ثابت ہو اصل میں وہی رونما ہوکر رہتا ہے جو اللہ کی مرضی اور منشا میں ہوتا ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ آدمی بعض کام نیک نامی اور ثواب کی نیت سے کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ عذاب الٰہی سے محفوظ رہنے کے لئے کسی خیر جاریہ کا آغاز کرے اس کے لئے وہ روپیہ بھی خرچ کرتا ہے۔ - - - - - - - - - - - - - - -

- مگر یہی کار ثواب اس غریب کی بدنامی کا سبب بن جاتا ہے۔ ایسا ہی معاملہ خان خاناں کے ساتھ بھی ہوا اس کے دل میں آئی کہ ہر شہر میں اس کے نام سے ایک ایک سرائے مسجد اور خانقاہ تعمیر ہو جائے۔ چنانچہ اس نے ہر جگہ صوبہ داروں اور دیوانی کے حکام کو لکھا کہ سرائے مسجد اور مدرسہ و خانقاہ کے لئے زمین خرید لی جائے' اور کافی رقموں کی ہنڈیاں بھی بڑی تاکید کے ساتھ روانہ کردیں جہاں وہ منصب وزارت پر فائز تھا۔ ماتحت اس کے حکم کو وحی الٰہی سے کیا کم سمجھتے

ہوں گے۔ جہاں بھی اس کے احکام پہنچے سرکاری آدمی ان عمارتوں کی تعمیر کے لئے دوڑ دھوپ کرنے لگے۔ بعض جگہ تو ایسی اراضی مل گئی جسے لوگوں نے رضا مندی سے فروخت کر دیا اور وہ اتنی وسیع تھی کہ اس پر سرائے بنائی جا سکتی تھی۔ مگر بعض جگہ ایسا بھی اتفاق ہوا کہ حکام نے بڑی کوشش کی کہ سرائے کے لائق زمین مالکوں کی رضامندی سے خرید لی جائے مگر وہ راضی نہیں ہوتے۔ حکام نے اپنی کارفرمائی کے
زعم میں اور خان خاناں کو خوش کرنے کے لئے زبردستی اور جبر کرنا شروع کیا اور ۷
لوگوں کو ان کے موروثی مکانات سے جن کو ان کے بزرگوں نے برسہا برس پہلے تعمیر کرایا تھا بے دخل کر دیا۔ اور مسلمانوں، سیدوں اور ہندوؤں کے اکثر گھرانے بددعائیں دیتے ہوئے اپنے گھروں سے نکلنے پر مجبور ہو گئے۔ یہ صورت حال شہر برہان پور اور بندرگاہ سورت میں زیادہ پیش آئی تھی۔ زمین خریدنے کے بعد سرائے کی نبیاد ڈال دی گئی اور بازار والوں کے لئے دکانیں تعمیر ہونے لگیں۔ اس میں کافی رقم خرچ ہو گئی۔ مگر ابھی یہ عمارتیں مکمل نہیں ہوئی تھیں کہ خان خاناں کا انتقال ہو گیا اور متعلقہ حکام نے جنھوں نے ایک شخص کی رضا مندی حاصل کرنے کے لئے خالق حقیقی کے غضب سے بے پروا ہو کر خلق خدا کی دل آزاری کی تھی۔ خان خاناں کی وفات کی خبر سن کر عمارتوں کی تکمیل سے ہاتھ اٹھا لیا۔ برہان پور میں یہ عمارتیں عیدگاہ کے راستہ پر تعمیر ہو رہی تھیں۔ اب وہ اس طرح ویران پڑی ہیں جیسے نیم سوختہ مکانوں کے ڈھانچے اب اس جگہ محلہ والوں اور راہ روؤں کا کوڑا کرکٹ پڑتا رہتا ہے۔ اس بے چارے مرحوم کے ثواب کا معاملہ بہرحال اللہ کے فضل پر منحصر ہے۔ اس عبرت ناک واقعہ پر میں نے غور کیا تو یہی بات سمجھ میں آئی کہ ظالموں کا کام بہرحال سرانجام نہیں پاتا اور ظالم کی آل اولاد پھل پھول نہیں سکتی اور محروم رہتی ہے جو بھی شخص مردم آزاری کا بانی ہوتا ہے۔ وہ خود بھی دنیا میں ذلیل و رسوا ہوتا ہے اور اپنے کئے کا نتیجہ اس کے سامنے آ کر رہتا ہے۔ بلکہ اس کا خاندان بھی گدائی اور رسوائی سے نہیں محفوظ رہ سکتا۔ اب اور کیا لکھا جائے خود اپنے حال پر ماتم کرنے کی نوبت ہے۔ تاہم اللہ کا شکر ادا

کرتا ہوں کہ باوجود اس کے کہ میں ابتدا ئے عمر سے ہی سراپا معصیت رہا ہوں اور پڑگتانہ خدمتوں میں اپنی زندگی ضائع کی ہے اور خود کو میں مغضوبان الٰہی میں سب سے بدتر سمجھتا ہوں مگر کبھی میں مردم آزاری پر راضی نہیں ہوا کہ لوگ مجھے ظلم وستم سے منسوب کرنے لگیں۔ خدا کو جھوٹ پر شاہد بنانا تمام مذاہب میں بڑا کفر ہے۔ میں خدا تعالیٰ کو اس کی ساری عظمت وجبروت کے ساتھ یاد کرتے ہوئے اقرار کرتا ہوں کہ عالمگیر بادشاہ کے جلوس کے بتیسویں سال تک میں اپنے نفس کی اطاعت کرتا رہا ہوں اور حضرت خلد مکاں (عالمگیر) کا روپیہ، جو دکن میں خوان لیغما کی طرح پھیلا ہوا تھا۔ خوب کھایا ہے، مگر اس عالم میں بھی اس بات کی بڑی احتیاط رکھی کہ معاملہ اس حد تک نہ پہنچنے پائے کہ لوگ اسے ظلم کہنے لگیں بعد میں بعض ایسے واقعات پیش آئے کہ (ان کی تفصیل لکھنے کا مطلب اپنی مزید روسیاہی کرانا ہے) میں نے اپنے خدا سے عہد کر لیا اور تا مقدور دل وجان سے میں کوشاں بھی رہا کہ مسلمانوں کا مال کھانے اور ان کو نقصان پہنچانے سے بچتا رہوں اور اپنے نفس کی پیروی سے دور رہوں۔ میں نے اس بات کی بھی بڑی کوشش کی کہ اس عمالی (سرکاری خدمت) سے بھی نجات پا جاؤں، جس سے تو سگ بانی اور خوک چرائی ہزار درجہ بہتر ہے اور دیانت دارانہ زندگی گذاروں اور بدنامی سے خود کو محفوظ رکھوں مگر یہ ممکن نہ ہو سکا کیونکہ یہ بات اللہ کے فضل پر ہی منحصر ہے اور اسی کے فیض سے میسر آسکتی ہے۔

وزارت کے مسئلہ پر اختلاف

بہرحال خان خاناں کی وفات کے بعد وزارت کے اور دربار کے دوسرے عہدوں کے متعلق سخت اختلاف رائے پیدا ہو گیا، جس میں دکن کی صوبہ داری کا معاملہ بھی شامل تھا۔ شاہزادہ عظیم الشان امور سلطنت میں بڑی حد تک صاحب اختیار تھا اور سعد اللہ خاں ولد عنایت اللہ خاں محکمہ تن (فوجی بھرتی) اور خالصہ کا مستقل دیوان تھا۔ ان دونوں کی رائے یہ تھی کہ وزارت ذوالفقار خاں بہادر کو دیدی جاتے، اور بخشی الممالک اور دکن کی صوبہ داری پر خان خاناں کے دونوں بیٹوں کو مقرر کیا جاتے۔ اس تجویز کے خلاف ذوالفقار خاں وزارت

کی امید پر دکن کی صوبہ داری اور بخشی الممالک کے عہدوں سے دست کش ہونا نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے جواب میں عرض کیا "چونکہ بادشاہ سلامت خان خاناں سے وزارت کے عہدہ کا وعدہ کر چکے تھے۔ اس لئے ہم کوئی عذر پیش نہ کر سکے اور اس پر راضی ہو گئے۔ مگر اب ان حالات میں جب تک میرے باپ کو حسب سابق وزارت کا عہدہ تفویض نہیں کیا جاتا۔ میں اس کو قبول کرنے میں کوئی فخر محسوس نہیں کرتا ہوں" یہ گفتگو بڑی طویل ہو گئی۔ شاہزادہ عظیم الشان کا کہنا تھا کہ "ذوالفقار خاں تو یہ چاہتا ہے کہ وزارت تو اس کے باپ کو مل جاتے اور دوسرے عہدے اس کے نام پر محفوظ رہیں" اس اختلاف رائے میں بادشاہ بڑے مخمصے میں پھنس گیا تھا۔ وہ کسی کی بات کو رد نہیں کر سکتا تھا اور اس معاملہ میں سخت پریشان اور فکر مند تھا۔ ان دنوں میں رفائی خاں (شاہ ایران کے نواسہ مرزا محمد ہاشم کا مہمان دار بن کر آیا ہوا تھا؛ جیسا کہ میں لکھ آیا ہوں غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ نے مجھے اپنی طرف سے مرزا موصوف کا مہمان دار مقرر کیا تھا۔ ادھر بادشاہ کی طرف سے شاہزادہ مرزا محمد ہاشم کے استقبال کے لئے ایک اور مہمان دار مقرر ہوا تھا، جس کا خطاب کوکہ خاں تھا۔ اس کوکہ خاں کی والدہ محل میں کھانا کھلانے کی خدمت پر مقرر تھی۔ دیوانی سے تعلق رکھنے کی بنا پر مجھے بادشاہی لشکر گاہ میں جانا پڑا۔ اتفاق سے مجھے کوکہ خاں کی والدہ سے بات کرنے کا موقع ملا۔ اس نے مجھے بتایا کہ "بادشاہ بارہا خلوت میں یہ کہتے رہے ہیں کہ میں تو اس وزارت کے جھگڑے سے اس قدر تنگ آچکا ہوں کہ اب چاہتا ہوں شاہزادہ ایران (مرزا محمد ہاشم) کو وزیر مقرر کر کے محکمہ تن وخالصہ کے کسی دیوانی کے افسر کو اس کا مستقل نائب مقرر کر دوں اور اسی نائب سے وزارت کا کام لیتا رہوں"۔ مگر شاہزادہ ایران کی باریابی سے پہلے اس کے متعلق چند قابل اعتراض باتیں بادشاہ کے علم میں لائی گئیں۔ جب شاہزادہ حضور میں پہنچا تو مقربان بارگاہ کے ساتھ وہ ایسے تکبر و تبختر سے پیش آیا (اس کی تفصیل ہم آگے بیان کریں گے) کہ دربار میں وہ اور اس کے ہمراہی کچھ زیادہ کامیابی اور سرخ روئی حاصل نہ کر سکے۔ آخر بادشاہ نے وزارت کے معاملہ میں یہ طے کیا کہ مستقل وزیر کے تقرر تک عنایت اللہ

خاں کا بیٹا سعد اللہ خاں جو تن و خالصہ کا دیوان مقرر ہو چکا تھا۔ شاہزادہ محمد عظیم کی نیابت میں امور سلطنت کو سنبھال لے اور تمام کارروائیاں شاہزادہ کے علم و اطلاع سے سرانجام دیتا رہے۔

ماہ جمادی الاول کے آخر میں لاہور کے نواح میں بادشاہی خیمہ گاہ نصب ہوئی۔ رستم دل خاں کو بھیر اور بار برداری کو دریا عبور کرانے کے لئے پیچھے چھوڑ دیا گیا تھا وہ حاضر بارگاہ ہوا۔ اس کے متعلق شکایات ملی تھیں کہ اس نے بھیر اور لشکر کے آدمیوں پر گھاٹ سے عبور کراتے وقت سختی اور زیادتی سے کام لیا تھا اور روپیہ وصول کرنے کے لئے لوگوں کی بے عزتی کی تھی اور ظلم و تعدی سے پیش آیا تھا۔ بادشاہ نے اس پر عتاب کیا۔ منصب کم کر دیا اور مجرا تسلیمات سے روک دیا۔

ایرانی شہزادہ کی باریابی

شاہ ایران کا نواسہ مرزا محمد ہاشم تازہ وارد تھا۔ جب باریاب ہوا تو اس نے پندرہ عربی اور عراقی گھوڑے اور زربفت کے دو تھان پیش کش میں دیئے۔ بادشاہ نے صرف دو گھوڑے قبول کئے اور باقی اس کو بخش دیئے اور اسے خلعت، تلوار، جمدھر، میناکاری کی مرصع ڈھال اور جیغہ مرحمت کیا۔ وہ بادشاہی خلعت زیب تن کر کے دوبارہ سلام کے لئے آیا تو سخت پریشان تھا۔ کیونکہ خلعت بھاری تھی اور تیر کے مہینہ کی گرمی۔ پسینہ پسینہ ہوگیا اور کمزوری و نقاہت اس کے چہرے سے معلوم ہونے لگی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ مہمان کو خس خانہ میں لے جا کر بٹھائیں اور برف کا پانی پلائیں اور پنکھا جھلیں۔ دریا دل بادشاہ کا ارادہ تھا کہ اس کو عمدہ منصب اور اچھی خدمت پر مامور کر کے مالا مال کر دیں مگر شاہزادہ مذکور نے مقربان دربار سے اچھا سلوک نہیں رکھا، وہ ہر ایک سے سلام کا خواہشمند رہتا تھا اور جو بھی اسے سلام کرتا تو وہ جواب میں صرف سینہ پر ہاتھ رکھ لیتا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے کسی شاہزادہ سے بھی ربط ضبط پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی اور کسی کے گھر نہیں گیا۔ اس کے اس رویہ کی سب سے زیادہ شکایت مرزا شاہ نواز خاں بخشی کو تھی کیونکہ وہ بھی چار پانچ واسطوں میں شاہ ایران کا پوتا ہوتا تھا۔ اس کے

نازنخروں کو وہ برداشت نہ کر سکا اور اس سے حسد کرنے لگا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ بادشاہ اس پر زیادہ مہربان ہوں، چنانچہ اس نے کوکہ خاں مہمان دار کو اسے نیچا دکھانے کے لئے ہموار کرلیا، اور اس کے اشارہ پر کوکہ خاں نے بادشاہ کے پاس عرضی لکھی، جس میں شاہزادہ ایران کی طرف سے دریافت کیا گیا تھا کہ اگر شاہزادے مجھے راستہ میں مل جائیں یا دربار میں ان سے دوبدو ہونے کا اتفاق ہو تو میں کس طرح آداب بجالاؤں اور امرائے حضور سے ملاقات کی صورت میں سلام پر سبقت کرنے اور جواب دینے کے بارے میں کیا حکم ہوتا ہے اور اگر حضور والا کے برآمد ہونے سے پہلے میں دربار میں پہنچ جاؤں تو بادشاہ کے برآمد ہونے تک میں کس جگہ بیٹھوں اس عرضی پر بادشاہ نے دستخط فرمائے اور تحریر کرایا کہ اگر شاہزادے راستہ میں ملیں تو گھوڑے سے اتر کر آداب بجالاؤ اگر دربار میں ملاقات ہو مقررہ طریقہ پر مجرا بجا لاؤ۔ تین ہزاری امیروں تک اگر کوئی سلام میں سبقت کرے تو اس کے جواب میں ہاتھ سر تک لے جاؤ۔ یہ لکھوانے کے بعد جب اس سوال پر پہنچے کہ حضرت کے برآمد ہونے سے پہلے کہاں بیٹھا جائے؛ تو بادشاہ نے مرزا شاہ نواز خاں کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا کیا لکھا جائے؛ مرزا نے عرض کیا "حضرت کے برآمد ہونے تک خانہ زاد کے (میرے) پیش خانہ میں بیٹھے"۔ دوسرے ہی دن یہ ہوا کہ شاہزادہ ایران بادشاہ کے برآمد ہونے کی اطلاع سے پہلے ہی روانہ ہوگیا۔ مرزا صدرالدین خاں کا مقرر کردہ منزاول راستہ میں پہنچا اور حکم کے مطابق منزاولی کے فرائض انجام دینے لگا۔ اور شاہزادہ کو مرزا شاہ نواز خاں کے پیش خانہ میں لے جاکر بٹھادیا۔ پھر صاحب خانہ نے صرف واجبی تعظیم کی۔ دوسری رسمیات عطر، پان وغیرہ کا کوئی اہتمام نہیں کیا۔ یہ بات شاہزادہ کو سخت ناگوار ہوئی اور سارے لشکر میں اس کو خفیف کرنے کی اس سازش کا چرچا ہونے لگا۔ یہاں تک کہ دوسرے دن مرزا شاہنواز خاں خود شاہزادہ سے ملنے گیا اور اخلاص و تپاک کا اظہار کرکے اُس سے معذرت کرلی۔ مختصر یہ کہ شاہزادہ کو پانچ ہزاری تین ہزار سوار کا منصب ملا اور خلیفہ سلطان کا خطاب ملا جس کے

لیے خود شاہزادہ نے درخواست کی تھی۔ بادشاہ نے جاگیر دینے کے احکام بھی جاری کردیئے۔

فیروز جنگ کا انتقال اسی زمانہ میں احمد آباد و گجرات کے صوبہ دار غازی الدین خان بہادر فیروز جنگ کے انتقال کی خبر ملی، یہ بھی معلوم ہوا کہ فیروز جنگ نے مرنے سے پہلے حکم دیدیا تھا کہ فوج اور شاگرد پیشہ کو اُن کے واجبات اداکر کے فارغ کردیں مگر فیروز جنگ کے انتقال کی خبر سُن کر بندرگاہ سورت کا متصدی امانت خاں یلغار کرتے ہوتے احمد آباد پہنچا اور اس نے خزانہ اور دوسرے تمام شعبہ جات کو سرکاری ضبطی میں لے لیا۔

غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ بڑا منتظم اور فتح نصیب امیر تھا۔ غنیم پر وہ ہمیشہ غلبہ و تسلط پا لیتا تھا۔ توران والوں میں ایسا صاحب جاہ وجلال خوش اخلاق شیریں کلام امیر کم ہی دیکھنے میں آیا۔ کہتے ہیں سرکاری متصدیوں نے غبن کی ایک واردات کی تھی۔ خزانہ سے نو لاکھ روپیہ نکال لیا اور اس کی جگہ تانبہ کے پیسوں سے تھیلیاں بھرکر رکھ دیں۔ جب اس تغلب کی اطلاع فیروز جنگ کو ہوئی تو اُس نے بڑے تحمل سے کام لیا اور ایسی تدبیر کی، تحقیق و تفتیش کی نوبت ہی نہیں آئی اور مجرموں نے اپنی عزت و آبرو کا خیال کر کے اس میں سے کافی رقم دوبارہ خزانہ میں لاکر رکھدی۔

لاہور کے علماء کی حق گوئی اور کامیابی بادشاہ نے خطبہ میں لفظ "وصی" داخل کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس پر لاہور کے علماء نے خطبہ بند کرادیا تھا۔ بادشاہ نے علماء کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔ حاجی یار محمد اور محمد مراد تین چار مشہور عالموں کے ساتھ باریاب ہوئے۔ بادشاہ نے ان کو تسبیح خانہ میں بلالیا اور بیٹھنے کا حکم دیا۔ علماء سے عبدالقادر خاں نے جو قاضی میر کا بھتیجہ ہوتا تھا۔ دربار کے دو تین علماء کے ساتھ گفتگو کی اور خود بادشاہ نے بھی حدیث کی معتبر کتابوں، حضرت امام اعظم کے اقوال اور دوسرے ائمہ دین کے اقوال و روایات

کا حوالہ دے کر لفظ وصی پڑھنے کو ثابت کیا۔ لاہور کے علماء سے زوردار مباحثہ ہوا حاجی یار محمد نے بادشاہ کے قول کو گستاخانہ اور بےباکانہ رد کر دیا۔ بادشاہ نے غضب ناک ہو کر کہا "تم بادشاہوں کے غضب سے نہیں ڈرتے ہو کہ اس طرح شاہانہ مجلس کے آداب کے خلاف گفتگو کر رہے ہو" حاجی یار محمد نے جواب دیا۔ "مجھے بخشندۂ حقیقی رب العزت سے چار چیزوں کی آرزو تھی۔ اول تحصیل علم۔ دوم حفظ کلام اللہ۔ سوم حج۔ چہارم شہادت، الحمد للہ کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تین نعمتیں تو عطا فرما دیں، اب صرف شہادت کی آرزو باقی رہ گئی ہے۔ امیدوار ہوں کہ بادشاہ کی توجہ و عنایت سے اس میں بھی کامیاب ہو جاؤں۔ غرض اس مسئلہ کی تحقیق و تنقیح میں چند دن لگ گئے۔ اس معاملہ میں شہر کے عوام اور دشمن دار افغانوں کی ایک جماعت جو سب کے سب ایک لاکھ کی تعداد میں جمع ہو گئے تھے۔ حاجی یار محمد کے حامی تھے اور خفیہ طور پر اس کے رفیق بن گئے تھے۔ شاہزادہ عظیم الشان بھی خفیہ طور پر اس جماعت کا حامی تھا۔ (آخر مولینا یار محمد کو کامیابی ہوئی) شوال کے آخر میں صدر نے خطبہ پڑھنے کی عرضی حضور میں پیش کی۔ بادشاہ نے دستخط فرمائیے کہ۔ "حضرت خلد مکاں کے عہد کے مطابق خطبہ پڑھا جائے۔ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے مناقب میں بہت سے الفاظ آتے ہیں۔ گو لفظ وصی نہ ہو، مگر چونکہ عام لوگ اور بدنام اوباش پیشہ اشخاص بے بنیاد قیاس آرائی کرتے پھر رہے ہیں اور شورش پر آمادہ ہیں۔ اس لئے بہتر ہے کہ پورا اہتمام و احتیاط برتی جائے، کہ خطبہ پڑھتے وقت بے سروپا واقعہ طلب اشخاص مسجد میں داخل نہ ہوں" چونکہ بادشاہ کے اس حکم اور دستخط کی اطلاع بہت کم لوگوں کو ہوئی تھی، یہاں تک کہ مقربان خاص بھی اس سے مطلع نہ ہو سکے تھے۔ ہزارہا آدمیوں کا ہجوم جس میں ہر قوم کے آدمی شامل تھے۔ اپنے اپنے دعوے اور رائے کا اظہار کرتے ہوئے مسجد کے اطراف جمع ہو گئے تھے، اور بعض فاسد خیالات کو روبہ عمل لانے کے لئے موقع کی تاک میں تھے، اور کسی نہ کسی ہنگامہ اور فساد کا انتظار کر رہے تھے۔ مگر جب خطبہ قدیم دستور کے

مطابق پڑھا گیا تو یہ قضیہ ختم ہو گیا مگر یہ بھی سننے میں آیا کہ بادشاہ نے آخر مولینا یار محمد کو دوا ور علماء کے ساتھ گرفتار کرا کے کسی قلعہ میں بند کرا دیا تھا۔

شاہ عالم بہادر شاہ کی وفات

(شاہ عالم بہادر شاہ غازی کے جلوس کا پانچواں سال مطابق سن گیارہ سو بائیس ہجری ۱۱۲۲ھ)

پانچویں سال کا جشن تخت نشینی ۱۸ ذی الحجہ کو منعقد ہوا۔ امیر امراء عالم فاضل، غریب غرباء اور اہل طرب سب کے سب شاہانہ عنایات سے نوازے گئے ترقی اضافہ خلعت جواہر ہاتھی گھوڑے عطا کئے گئے۔ خاص طور سے صوبہ دار دکن داؤد خاں اور احمد آباد کے صوبہ دار امانت خاں اور دوسرے صوبہ داروں کے نام فرامین جاری ہوئے اور خلعتوں کی منظوری کی اطلاع دی گئی۔

محرم ۱۱۲۳ھ کے آخری عشرہ میں جب کہ بہادر شاہ کی عمر قمری حساب سے ستر سال سے زائد ہو گئی تھی، وہ بیمار ہو گیا، اور بس سات آٹھ پہر میں ہی سفرِ آخرت کے آثار نمایاں ہو گئے۔ شاہزادہ عظیم الشان باپ کی عیادت کے لئے آیا ہوا تھا۔ اسی وقت باپ کی خبر سُن کر تینوں شاہزادے اچانک وہاں پہنچ گئے تھے۔ شاہزادہ عظیم الشان ایسا گھبرایا کہ باپ کا حال جانے بغیر وہاں سے نکل گیا، بلکہ جوتا پہننے تک کا اُسے ہوش نہیں رہا تھا۔ بہر حال بہادر شاہ بادشاہ آٹھویں کی شب کو اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گیا۔ تجہیز و تکفین کے بعد حضرت قطب الدین کے روضہ کے قریب دار الخلافہ سے چار پانچ کوس کے فاصلہ پر دفن کیا گیا۔ بہادر شاہ نے

چار سال دو مہینے حکومت کی۔ بادشاہی خزانہ میں بہ اختلاف روایات تیرہ کروڑ روپیہ رہ گیا تھا۔ بہادر شاہ کے جلوس کے چوتھے سال کے ختم تک وہ سب بخشش وعطیات میں صرف ہوگیا تھا۔ بہادر شاہ کے زمانہ میں خرچ اتنا زیادہ تھا کہ آمدنی کفایت نہیں کرتی تھی۔ اور یہ نوبت آگئی تھی کہ تمام دربار کے شعبوں، خاص طور سے محلات میں خرچ کی تنگی رہتی تھی، اور ہر روز شاہزادہ عظیم الشان کے خزانہ سے ہاتھ بدل کے طور پر کچھ نہ کچھ رقم آتی رہتی تھی ۔

فکر صد سال می کند بندہ
مرگ بر دوش می زند خندہ

جہاں دار شاہ ابنِ بہادر شاہ

امیر تیمور صاحبقراں کا تیرہواں جانشین

وہ صرف گیارہ مہینے حکمراں رہا، مگر اسنے سلطنت مغلیہ کی تین سو سالہ عزّت و آبرو ایک طوائف لعل کنور کے قدموں پر نچھاور کردی اور میدان جنگ سے بھاگ گیا۔

بہادر شاہ کے جانشین

* جہاں دار شاہ
* عظیمُ الشّان
* جہاں شاہ
* رفیع الشّان
* فرّخ سِیَر

تخت کے وارثوں میں ملک کی تقسیم پر نزاع

بہادر شاہ کے جانشینوں کا اختلاف

شاہ عالم بادشاہ کی وفات کے بعد چاروں بھائیوں کے درمیان ایک ہفتہ تک صلح کی شرائط اور ملک و مال کی تقسیم کے سلسلہ میں مراسلت ہوتی رہی۔ اس گفت و شنید میں ذوالفقار خاں بہادر چاروں بھائیوں کے درمیان دوڑ دھوپ میں مصروف تھا مگر وہ فی الحقیقت جہاں دار شاہ کا حامی تھا۔ چنانچہ دوسرے بھائی جہاں شاہ کے ساتھیوں نے اُسے یہ مشورہ دیا اور اصرار کیا کہ ذوالفقار خاں کو گرفتار کر کے قید کر دیا جائے۔ تاکہ جہاں دار شاہ کی حمایت کمزور پڑ جائے، مگر جہاں شاہ کو جرأت نہیں ہوئی۔ اس درمیان میں جہاں شاہ کے توپ خانہ اور بارود کے ذخیرہ میں آگ لگا دی گئی اور سارى بارود اور بان جل گئے۔ صورت حال بہت نازک تھی۔ چاروں شاہزادوں کی فوجیں طلایہ گردی کر رہی تھیں۔ ایک اور واقعہ یہ ہوا کہ شاہزادہ عظیم الشان کے لشکر کے دو تین اونٹ جن پر مال و اسباب اور کپڑے لدے ہوئے تھے اور شاید اشرفیوں کی چند تھیلیاں بھی اس سامان میں رکھی ہوئی تھیں۔ تبدیل مقام کے وقت جہاں شاہ کے آدمیوں کے ہاتھ آ گئے تھے، یہ واقعہ بھی نزاع کا سبب بن گیا۔

تقسیم ملک کی تجویزیں

حصہ داری اور تقسیم کے معاملہ میں یہ طے پایا تھا کہ دکن تو جہاں شاہ کو دیدیا جاتے ۔ ملتان، ٹھٹھہ اور کشمیر رفیع الشان کے حصہ میں رہے اور ہندوستان کے بقیہ صوبوں کو عظیم الشان اور جہاں دار شاہ باہم تقسیم کرلیں ۔ مگر یہ تجویز روبہ عمل نہ آسکی ۔آخر معاملہ نزاع اور مخالفت تک جا پہنچا ۔ یہ بڑے پُرآشوب دن تھے ۔انہی دنوں مرزا صدرالدین محمد خاں صفوی بخشی عظیم الشان سے ملاقات کرکے واپس ہورہا تھا ۔جب وہ جہاں شاہ کی فوج کے سامنے سے گذرا تو جہاں شاہ کے آدمیوں نے محض بدگمانی میں اس پر اچانک حملہ کردیا اور پے درپے حملہ کرکے اسے ختم کردیا۔ حکیم الملک ولد حکیم محسن خاں رفیع الشان کا رفیق اور ہمدم تھا مگر رفیع الشان نے کسی تصور پر اس کو گرفتار کرلیا اور شکنجہ پر چڑھاکر بڑی بے حرمتی کی اس کی نقدی جواہرات وغیرہ ضبط کرلئے ۔عظیم الشان نے اپنی لشکر گاہ کو دریا کی طرف موضع لوداتہ کی طرف ہٹا لیا جو شہر سے تین چار کوس پر واقع ہے ۔اب اس کے پیچھے دریائے راوی تھا اس نے لشکرگاہ کے دونوں طرف خندق کھودنے کا حکم دیدیا۔

شہزادہ عظیم الشان کی گمشدگی

عظیم الشان کی نقل و حرکت کے بعد اس کے مقابلہ پر تینوں بھائی متفق ہو گئے اور سوار ہوکر نصف کوس تک پہنچے اور چار پانچ دن تک عظیم الشان کے لشکر پر گولہ باری اور بان اندازی کرتے رہے ۔عظیم الشان کے توپ خانہ سے بھی جوابًا تینوں کی فوج پر آگ برس رہی تھی ۔ اس آتش باری میں کافی آدمی اور گھوڑے تلف ہوگئے ۔ ماہ صفر کے دوسرے عشرہ کے آخر تک تو صورت حال خطرناک ہوگئی اور سب طرف لوگ مقابلہ پر کھل کر آگئے اور ہر طرف سے فوجیں آگے بڑھنے لگیں ۔عظیم الشان بھی صف آرائی کرکے مقابلہ پر نکل آیا اور بڑی سخت لڑائی چھڑ گئی ۔جس میں بڑے بڑے نامی گرامی سرداروں کے سر خاک وخون میں تیرنے لگے ۔ جنگ پوری شدت سے ہورہی تھی کہ عظیم الشان جو ہاتھی پر سوار تھا ۔نظروں سے اوجھل ہوگیا ۔ وہ ایسا غائب ہوا

کہ اس کا پھر پتہ نہ چل سکا بعض کے خیال میں توپ کے گولہ سے اس کے پرخچے اڑ گئے اور ایک روایت کے مطابق جب اُس نے اپنے آپ کو دشمنوں میں گھرا ہوا پایا تو مایوس ہو کر دریا میں کود گیا۔ عظیم الشان کی فوج کے شکست پاتے ہی لوٹ مار کرنے والوں کی بن آئی، چار شہزادوں کے آدمی اس کے خزانہ اور مال و اسباب پر ٹوٹ پڑے اور عظیم الشان نے جو کثیر دولت بنگالہ میں ظلم و ستم کر کے جمع کی تھی، وہ ہاتھوں ہاتھ تباہ و تاراج ہو گئی اور تینوں شاہزادے فتح کے شادیانے بجاتے اپنی اپنی جگہ لوٹ آئے۔

جہاں شاہ کی ہلاکت

تخت کے چار وارثوں میں سے ایک کا خاتمہ ہو گیا، اب تینوں شہزادے تقسیم کے مسئلہ پر دست و گریبان ہونے لگے۔ دوسرے دن جہاں دار شاہ اور جہاں شاہ کے درمیان مصالحت کی بات چیت شروع ہوئی ادھر سے ادھر پیغام جاتے رہے مگر کوئی نتیجہ نہیں نکل سکا اور معاملہ خوں ریزی تک جا پہنچا۔ اور دونوں طرف سے معرکۂ کارزار گرم ہو گیا۔ سہ پہر تک خوب جم کر لڑائی ہوتی رہی۔ جہاں شاہ کا بیٹا فرخندہ اختر چند مشہور امیروں کے ساتھ مارا گیا۔ جہاں دار شاہ کے بھی بکثرت آدمی چند مشہور امیروں کے ساتھ کام آ گئے تھے۔ آخر جہاں شاہ نے جرأت سے کام لے کر اپنا ہاتھی آگے بڑھایا اور ایک بھرپور حملہ کر کے جہاں دار شاہ کی فوج کے قدم اکھاڑ دیئے۔ اب جہاں دار شاہ سخت خطرہ میں گھر گیا تھا۔ چنانچہ وہ جان بچا کر اینٹوں کے بھٹہ میں گھس گیا۔ اس پریشانی میں اُس کی معشوقہ لال کنور بھی اس سے چھوٹ گئی اور جہاں شاہ کی فوج فتح کا شادیانہ بجانے لگی۔ راجپوت صرافوں کی چٹھیوں کے ذریعہ جہاں شاہ کی فتح کی خبر اکثر شہروں میں پہنچ گئی اور بعض جگہ جہاں شاہ کے نام کا خطبہ بھی پڑھا گیا۔ مگر عجب سانحہ پیش آیا کہ جہاں شاہ کی فوج تقریباً فتح پا چکی تھی۔ جہاں دار شاہ میدان سے بھاگ گیا تھا اور دونوں فوجوں کے آدمی اس کو تلاش کرتے پھر رہے تھے کہ اچانک توپ کا ایک گولہ جہاں شاہ کو آ کر لگا اور اس کے گرتے ہی اس کی فوج میدان سے بھاگنے لگی، جیسے ہی ذوالفقار خاں کو یہ خبر ملی اس کے آدمیوں نے جہاں شاہ کے ہاتھی پر حملہ

کرکے گرفتار کرلیا ہاتھی پر۔جہاں شاہ اور فرخندہ اختر کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں یہ ہاتھی اسی طرح جہان دارشاہ کے پاس پہنچا دیا گیا۔ نجستہ اختر زندہ رہ گیا تھا اسے اور اس کے بھائی کو قید کرلیا گیا اور جہان دارشاہ کی فتح کا شادیانہ بجنے لگا۔

شہزادہ رفیع الشان کا قتل

چار بھائیوں میں سے دو کا خاتمہ ہوگیا اب تخت و تاج کے دو وارث رہ گئے۔جہاں دارشاہ اور رفیع الشان دونوں کے درمیان قول و قرار کی بات مسلسل جاری تھی مگر جہاں دارشاہ نے آخر رات میں اچانک اس پر حملہ کر دیا۔ رفیع الشان نے بڑی بہادری سے مدافعت کی اور اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ ہاتھی سے کود کر دست بدست دشمنوں سے لڑتا رہا آخر چند ہمراہیوں سمیت مارا گیا اس کے تین بیٹے زخمی ہو گئے تھے۔ان کو زندہ گرفتار کرلیا گیا۔ان کے نام ہیں محمد ابراہیم، رفیع الدولہ اور رفیع الدرجات۔

جہاں دار کی تخت نشینی

دشمنوں سے وحشیانہ انتقام

جہاں دار شاہ نے بھائیوں کے تصفیہ سے فارغ ہو کر ہندوستان کے تخت پر جلوس کیا۔ رفیع الشان کے بیٹوں جہاں شاہ کے دونوں بیٹوں اور محمد کریم اور شاہزادہ ہمایوں بخت کو جس کی عمر تو دس سال سے زائد نہیں تھی، دہلی کے قلعہ میں بھجوا دیا۔ اور رستم دل خاں، اللہ وردی خاں اور مخلص کے لیے حکم ہوا کہ اُن کو سخت ترین سزائیں دیں اور عضو عضو جدا کر کے ہلاک کر دیں۔ ان میں سے اللہ وردی خاں تو بڑا ظالم آدمی تھا، اس کے ہاتھوں ایک دنیا تنگ تھی۔ البتہ مخلص خاں کا قصور معلوم نہ ہو سکا کہ اسے کس پاداش میں سزا دی گئی۔ ان کے علاوہ بیس سے زائد امیروں کے لئے بھی قید و زنجیر کے احکام صادر کئے گئے ان میں مہابت خاں، خان زماں خاں، حکیم الملک، ہدایت اللہ خاں، فدوی خاں، عبد اللہ خاں لطف اللہ خان پانی پتی، امیر خاں کا بیٹا عقیدت خاں شامل تھے۔ یہ لوگ زخمی بھی ہو چکے تھے۔ ان کے ساتھ ہدایت کیش اور جہاں شاہ کا بخشی محمد علی خاں بھی گرفتار کر لئے گئے ان اسرار کو شکنجہ میں کس دیا گیا اور طرح طرح کی سزائیں دی گئیں۔ ان کے گھر بھی ضبط کر لئے گئے۔ مہابت خاں اور خان زماں خاں کو دو تین امیروں کے ساتھ طوق و زنجیر میں جکڑ کر دہلی کے قلعہ میں بھجوا دیا۔

جب عظیم الشان میدان جنگ سے غائب ہو گیا تھا تو شاہزادہ محمد کریم نے

بھاگ کر ایک گھر میں پناہ لے لی تھی مگر وہ اپنی انگشتری کی وجہ سے گرفتار ہو گیا۔ جسے اُس نے ہاتھ سے اُتار کر فروخت کرنے کے لئے بازار بھیجا تھا۔ اُسے جب جہاں دارشاہ کے پاس لایا گیا تو جہاں دار شاہ اس کو قتل کرانا نہیں چاہتا تھا مگر ذوالفقار خاں اور شاہ قدرت اللہ فقیر (اس پر لعنت ہو) کے بہکانے سے اسے قتل کرا دیا۔

طاؤس و رباب آخر

جہاں دار شاہ کا زمانہ ظلم و ستم فسق و فجور کا زمانہ تھا گانے بجانے کی محفلیں جمنے لگیں قوال کلاونت دھاڑی گھروں سے نکل آئے قریب تھا کہ قاضی صراحی اٹھائے اور مفتی پیالہ تھام لے۔ بادشاہ کی محبوبہ لعل کنور کے کیا کہنے، بادشاہت تو اسی کی تھی۔ اس کے بھائیوں اور دور و نزدیک کے رشتہ داروں کو چار ہزاری پانچ ہزاری منصب ملے ہاتھی نقارہ قیمتی جواہر اور اعزاز عطا ہوئے اور وہ اپنی قوم میں اتراتے پھرنے لگے کہ ہم بھی بادشاہ کے رشتہ دار ہیں۔ مراثیوں کی ڈوم دھاڑیوں کی اس ریل پیل میں قدیم خانہ زاد امیروں کو باکمال اشخاص کو اور علماء کو کوئی پوچھتا ان کا اعتبار سرکار دربار میں باقی نہیں رہا۔ اس سلسلہ میں خوش طبع ظریفوں نے بڑی نقلیں اور افسانے بنائے تھے۔ اسی قسم کا قصہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ بادشاہ نے لعل کنور کے بھائی خوش حال خاں کے نام اکبرآباد کی صوبہ داری لکھ دی اور پانچ ہزاری تین ہزار سوار کا منصب عطا کیا مگر بخشی الممالک ذوالفقار خاں نے فرمان اور اسناد تیار کرانے میں عمدًا تاخیر کر دی۔ لعل کنور نے بخشی الممالک کی شکایت بادشاہ سے کر دی۔ جہاں دار شاہ نے ذوالفقار خاں سے دریافت کیا کہ لعل کنور کے بھائی کے لئے فرمان اور اسناد تیار کرانے میں آخر یہ تاخیر کیوں ہو رہی ہے؟ ذوالفقار خاں جہاں دار شاہ کے سامنے کھری کھری کہہ دیا کرتا تھا اس نے بڑے ادب سے عرض کیا "ہم خانہ زادوں کو اصل میں رشوت لینے کی لت پڑ گئی ہے بغیر رشوت لئے کسی کا کام نہیں نکال پاتے"۔ جہاں دار شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "لعل کنور سے کیا رشوت لینا چاہتے ہو؟" ذوالفقار خاں نے دست بستہ عرض کیا "حضور ایک ہزار عمدہ قسم کے نقیش طنبوروں کی خواہش ہے" بادشاہ نے حیرت سے کہا "ہزار طنبورے ان کا کیا کرو گے" ذوالفقار خاں نے کہا "جب ہم خانہ زادوں کے کام حضور اس

قوم (مراثی) کے سپرد کردیں گے تو پھر ہمارے لئے بجز اس کے کیا رہ جاتا ہے کہ ہم اس معزز قوم کا پیشہ اختیار کرلیں"۔ جہاں دار شاہ اس بات پر ہنس دیا اور صوبہ داری کی تجویز واپس لے لی۔

مدہوش بادشاہ اصطبل میں

ایک اور قصہ جس کی صحت و تصدیق ہوچکی ہے اور جو شہر شہر زبان زد ہوگیا تھا یہ ہے کہ "جہاں دار شاہ اکثر رات کو اپنی معشوقہ کو رتھ پر ساتھ بٹھا کر چند مقربوں مصاحبوں کے ہمراہ بازاروں کی سیر کے لئے نکل جاتا تھا اور شراب خانوں میں جاکر بیٹھ جاتا تھا۔ ایک رات اسی طرح وہ لعل کنور کو رتھ پر سوار کرا کے ایک شراب خانہ میں پہنچ گیا اور وہاں دونوں نے جی بھر کر شراب پی جب لوٹنے لگے تو بالکل مست اور مدہوش تھے۔ محل واپس آتے تو رتھ سے اترتے وقت لعل کنور کو اتنا ہوش نہیں تھا کہ بادشاہ کو اتار لیتی گرتے پڑتے وہ اپنے بستر پر جاکر پڑ گئی اور نشہ ہی میں اس کی آنکھ لگ گئی۔ ادھر بادشاہ سلامت دنیا جہاں سے بے خبر رتھ میں مدہوش پڑے رہے۔ رتھ بان بھی ترنگ میں ہوگا) اس نے رتھ اصطبل میں لے جاکر ٹکا دی۔ کچھ دیر بعد جب محل کی عورتوں نے لعل کنور کے ساتھ بادشاہ کو نہیں پایا تو دھوم مچا دی لعل کنور کو بھی اٹھایا۔ بڑی مشکل سے وہ کچھ ہوش میں آئی تو بادشاہ کو اپنے پاس نہیں پایا۔ بے قرار ہوکر اٹھی اور روتی ہوئی ادھر ادھر سراسیمہ وار دوڑنے لگی۔ اب ہر طرف بادشاہ کی تلاش ہونے لگی۔ آخر لوگوں نے اصطبل میں رتھ کے اندر بادشاہ سلامت کو محو استراحت پایا۔ اس واقعہ پر ہر جگہ یہ افواہ اڑ گئی کہ لعل کنور کے بھائی نے بادشاہ کو مستی کے عالم میں قتل کر دیا"۔

ظالم عہدہ دار

جہاں دار شاہ کی اور بھی چند حرکتیں لوگوں میں بہت مشہور تھیں جن کو سلاطین تو کجا عام آدمیوں سے بھی منسوب کرنا بہت شرمناک ہے ہم ان کو لکھنا نہیں چاہتے ایسی باتوں کو بادشاہوں کے حق میں محض افترا ہی سمجھنا چاہئیے۔ صوبہ دکن میں ذوالفقار خاں کا نائب داؤد خاں تھا اس نے لوگوں پر ایسے ظلم توڑے کہ ان کا ذکر ایک داستان سے کم نہیں۔ ذوالفقار خاں کی سرکار کا کرتا دھرتا اس کا دیوان

سبھا چند شخص اس قدر بیہودہ گو تھا کہ گالی گفتار کے سوا بات نہیں کرتا تھا اس کی فحش کلامی سے لوگ تنگ آ گئے تھے اور خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتے تھے زمانہ کے اس انقلاب پر صبر سے دن گذار رہے تھے۔

الہ آباد اور مالوے کے صوبیدار

جہاں دار شاہ دہلی میں

جہاں دار شاہ کی سلطنت کو دو تین ماہ نہیں گذرے تھے کہ خبریں ملیں کہ فرخ سیر پٹنے میں جنگ کی تیاریاں کر رہا ہے اور سادات بارہہ اس کے ساتھ مل گئے ہیں۔ جہاں دار شاہ ان خبروں سے پریشان ہو کر اوائل ربیع الثانی میں لاہور سے دارالخلافہ (دہلی) کی طرف روانہ ہو گیا اور جمادی الاول کے وسط میں قلعہ شاہجہاں آباد میں داخل ہوا۔ غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ کا بیٹا قلیج خاں بہادر تجربہ کار بہادر صاحب رائے اور کارگذار امیر تھا اس کی قابلیت اور ہنر و کمال کی بڑی شہرت تھی مگر جیسا کہ ذکر آ چکا۔ بہادر شاہ کے عہد میں ہی وہ بادشاہ کی بے خبری اور نا قدردانی کے سبب منصب اور عہدہ ترک کر کے گھر بیٹھ گیا تھا۔ اب جو بُرا وقت آ کر پڑا تو جہاں دار شاہ کے درباری اس کے پاس پہنچے اور اُسے راضی کر کے دربار میں لے آئے۔ پانچ ہزاری منصب مقرر ہوا اور بادشاہ کے مقربوں میں شامل کر لیا گیا۔

الہ آباد کی صوبیداری کا تنازعہ

راجی محمد خاں خانان (بہادر شاہی) کے تربیت یافتہ امراء میں سے تھا بادشاہ نے اسے سید عبداللہ خاں

کی جگہ الہ آباد پر صوبہ دار مقرر کر دیا۔ اس کی نیابت میں الہ آباد کے بندوبست کے لئے سید غفار نامی کو جو مشہور جنگجو اور بہادر تھا روانہ کر دیا گیا۔ سید عبدالغفار نے ایک دو صاحب فوج زمینداروں کو اپنا رفیق بنا لیا اور چھ سات ہزار جرار سوار فراہم کر کے وہ الہ آباد روانہ ہو گیا۔ جب وہ کڑہ مانک پور کے قریب پہنچا تو ادھر سے سید عبداللہ خاں کا بخشی ابوالحسن خاں تین ہزار سواروں کو لے کر سید عبدالغفار کے مقابلہ پر آ گیا دونوں فوجیں کڑہ مانک پور سے تین کوس پر آ کر ٹھیر گئیں۔ جمادی الثانی کے آخر میں سید عبدالغفار اپنی فوج کو ترتیب دے کر فوج اور توپ خانہ کے گھمنڈ میں قدم قدم آگے بڑھنے لگا۔ اسی دن سید عبداللہ خاں کے بھائی سیف الدین علی خاں، سراج الدین علی خاں، نجم الدین علی خاں اور رتن چند دیوان تین سو چار سو سواروں کو لے کر اپنی فوج کی مدد کے لئے پہنچے جب دونوں فوجیں تیر اور بندوق کی ضرب پر پہنچیں سید عبدالغفار اپنے توپ خانہ کو گولہ باری کا حکم دے کر ایک لمحہ ضائع کئے بغیر گھوڑے دوڑاتے ہوئے غنیم پر جا پڑا اس کے حملوں سے سادات بارہہ کو باوجود بہادری کے مقاومت کی تاب نہ رہی اور بکثرت آدمیوں کے قتل و زخمی ہونے کے بعد سید عبداللہ خاں کے لشکر کی ایک بڑی جماعت میدان سے بھاگ نکلی مگر سید عبداللہ خاں کے تینوں بھائی اور ابوالحسن خاں اور رتن چند اپنے تین چار سو جان نثار سواروں کے ساتھ اپنی جگہ جمے رہے۔ عبدالغفار کی فوج نے ان کو چاروں طرف سے محاصرہ میں لے لیا اور اس کی فوج کا ایک بڑا حصہ سید عبداللہ خاں کی فوج کو لوٹنے میں مشغول ہو گیا۔ سید عبدالغفار نے سادات بارہہ کو بری طرح گھیر لیا تھا۔ یہاں تک کہ سید عبداللہ خاں کا بھائی سراج الدین ایک جمعیت کے ساتھ مارا گیا۔ مگر عین اسی وقت بڑی تیز آندھی اٹھی اور ایسا اندھیرا چھایا کہ دوست دشمن کو پہچاننا مشکل ہو گیا۔ اسی حالت میں سید عبدالغفار کے مارے جانے کی افواہ دونوں لشکروں میں پھیل گئی اور اس کی فوج بدحواس ہو کر بھاگ گئی اس نے بہت آوازیں دیں اور چلا چلا کر کہا کہ "میں زندہ ہوں" مگر کسی نے سن کر جواب نہیں دیا اور سادات کی فتح کا شادیانہ بج گیا۔ جب عبدالغفار کی شکست کی خبر جہاں دار شاہ کو ملی تو اس نے اپنے درباریوں کے مشورہ پر الہ آباد کی صوبہ داری کا فرمان

ہزاری منصب کے اضافہ کے ساتھ مع خلعت کے سید عبداللہ خاں کے پاس روانہ کر دیا۔

اسی اثناء میں جاسوسوں نے اطلاع دی کہ بنگالہ کے خزانہ اور اطراف کے غلاموں سے فرخ سیر اور سید عبداللہ خاں کو ۷۵ لاکھ روپیہ مل گیا ہے یہ بھی خبر آئی کہ کڑہ کے فوج دار سربلند خاں نے بھی دس بارہ لاکھ روپیہ حاصل کر لیا ہے مگر وہ فرخ سیر اور عبداللہ خاں کی طرف نہیں گیا اور خزانہ لے کر ادھر ہی آرہا ہے۔ چنانچہ جب وہ حاضر ہوا تو جہاں دار شاہ نے بڑی تعریف کی اور امانت خاں کو تبدیل کر کے اس کی جگہ سربلند خاں کو احمد آباد کا صوبہ دار بنا دیا اور رخصت کر دیا۔

مالوے کی صوبہ داری کا قضیہ

احمد آباد سے ہٹا کر امانت خاں کو مالوے کی صوبہ داری پر بھیج دیا گیا۔ اس وقت اجین کا علاقہ راجہ اسلام خاں عرف رتن سنگھ کے قبضہ میں چلا گیا تھا اور امانت خاں کے اور راجہ کے درمیان روز بروز جھگڑا اور عداوت بڑھتی جا رہی تھی۔ ذوالفقار خاں کی تحریر بھی راجہ کے پاس پہنچی تھی کہ امانت خاں کو جائزہ نہ دیا جائے۔ یا تو یہ حکم ذوالفقار خاں کا تھا یا راجہ نے جعلی حکم نامہ تیار کرا لیا تھا۔ بہر حال اس وقت راجپوت بڑے خود سر ہو رہے تھے۔ راجہ بھی الٹے سیدھے سوال جواب کر کے امانت خاں کو پریشان کر رہا تھا۔ آخر یہ نزاع فوج کشی تک جا پہنچی۔ سارنگ پور پر امانت خاں کا تھانہ دار رحیم بیگ گیا ہوا تھا دلیر خاں نامی افغان راجہ کے ساتھ چار پانچ ہزار سوار لے کر آیا اور اس تھانہ کو برخاست کر دیا اور بکثرت آدمی اس تھانہ پر مارے گئے اور بعض قید ہو گئے۔ امانت خاں کو اطلاع ملی تو وہ غیرت و شجاعت کے مارے اسی وقت سوار ہو گیا۔ حالانکہ امانت خاں کی فوج کی مجموعی تعداد تین ہزار بھی نہیں تھی، پھر ان میں سے چار پانچ سو سوار اس تھانہ میں ہلاک ہو گئے تھے۔ دوسری طرف (نو مسلم) راجہ کی (نو مسلم) فوج جو باوجود اسلام قبول کر لینے کی شہرت کے کفر کے طور طریق پر رہی تھی اور مسلمانوں کو مالی اور جانی نقصان پہنچانے کے لئے حالت کفر سے زیادہ تعصب کرتی تھی۔ بیس ہزار سے زائد ہی تھی۔ اس

کے لشکر میں کافی تعداد نامی گرامی پٹھان سرداروں کی بھی تھی جیسے دوست محمد روہیلہ جس کے ساتھ ہمیشہ چار پانچ ہزار کی فوج رہتی تھی اور دلیر خاں جو صاحب فوج سردار تھا ان کے علاوہ جاہل راجپوتوں کی بڑی تعداد تھی۔

سارنگ پور کا معرکہ جب امانت خاں سارنگ پور کے نالہ کے قریب پہنچا جو اُجین سے چار پانچ منزل کی مسافت پہ تھا کہ اچانک اسلام خاں (راجہ) کا لشکر نمودار ہوا، جہاں تک نظر جاتی تھی سوار اور پیادے ہی نظر آتے تھے۔ دلیر خاں پانچ چھ ہزار سواروں کے ساتھ امانت خاں کے بائیں جانب بڑھا اور مسلسل حملے کرنے لگا۔ اس وقت امانت خاں بڑے خطرہ میں تھا۔ اسلام خاں نے تین سرداروں کی کمان میں دس بارہ ہزار سوار مقرر کر دیئے تھے کہ چاروں طرف سے امانت خاں کا محاصرہ کرکے اسے زندہ گرفتار کرنے کی کوشش کریں۔ امانت خاں چاروں طرف سے گھر گیا تھا۔ دشمن کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا کہ اس کے لشکر کے کسی آدمی کو جان سلامت لے جانے کی امید نہیں رہی تھی مگر وہ شیر مرد پورے استقلال سے میدان میں جما ہوا تھا۔ اسے اپنی قلت اور دشمن کی کثرت کا کوئی اندیشہ نہیں تھا۔ اللہ پر بھروسہ کرکے وہ بہادری کے ساتھ مقابلہ کرتا رہا اس نے ایسی جد و جہد کی اور کارفرمائی سے کام لیا کہ سب عش عش کرنے لگے جب چاروں طرف سے دشمن نے نرغہ کر لیا تو امانت خاں کے ہم زلف دلاور خاں کے ساتھ بڑی سخت لڑائی ہوئی۔ امانت خاں کے بائیں بازو خان جہاں تھا جس کا لقب پہلے نور خاں تھا بعد میں وہ نورالدین خاں بہادر ہو گیا تھا جس زمانہ میں امانت خاں بندرگاہ سورت کا متصدی تھا۔ سورت کے تعلقہ کی چند خدمات پر دربار سے نورالدین خاں بہادر کو مقرر کیا گیا تھا۔ اس وقت سے دونوں کے درمیان مخلصانہ اور دوستانہ روابط تھے۔ دلیر خاں نے اس خیال سے کہ امانت خاں کے بعد صاحب فوج اور باتدبیر سردار انوارالدین خاں بہادر ہی ہے۔ پانچ چھ ہزار پٹھان سواروں کو توپ خانہ دے کر اس کے مقابلہ پر لے آیا اور حملہ کر دیا۔ انوارالدین خاں کے ساتھ مختصر سی جمعیت تھی اس نے مٹھی بھر

فوج کے ساتھ اس بدمست پٹھان کا جم کر مقابلہ کیا۔ بڑی سخت لڑائی ہوئی تیراندازی اور برق اندازی سے صحرا گونج اٹھا۔ تین گھڑی تک برابر دستی ہتھیاروں سے مقابلہ ہوتا رہا۔ امانت خاں اس وقت اپنے بہادر ساتھی کی کمک پر نہیں جا سکتا تھا۔ دلیر خاں اپنی کثرت پر مغرور تھا۔ سواری کا ہاتھی بڑھا کر انورالدین خاں بہادر کے ہاتھی کے مقابل لے آیا۔ انورالدین خاں نیزہ کا زخم لگنے سے زخمی ہوگیا تھا مگر اس نے بڑے استقلال سے تیراندازی شروع کردی اور مسلسل دشمن پر تیر چھوڑتا رہا آخر اس نے اپنی خاص بندوق سے جو ہاتھی پر رکھی ہوئی تھی۔ اس پر فائر کردیا، اور دلیر خاں افغان گولی کھا کر گر پڑا اور اس کی فوج کو شکست ہوگئی۔ اسی دوران میں انورالدین خاں بہادر کا بھائی جو بڑا بہادر اور کارگزار آدمی تھا کام آگیا۔

امانت خاں کی فتح

یہ لڑائی جس طرح ہوئی اور اس میں انورالدین خاں بہادر نے جس بہادری اور پامردی کا ثبوت دیا اور طرفین سے جو آدمی مجروح و مقتول ہوئے ان سب تفصیلات کے لئے بڑی ضخامت چاہیئے مختصراً ضروری باتیں لکھی جاتی ہیں۔ راجہ اسلام خاں کی طرف سے جمع دار دلاور خاں زخمی ہوگیا اور چند دوسرے مشہور جمعدار بھی مارے گئے اور ایک پہر دن نکل گیا۔ سہ پہر تک تو یہ عالم تھا، جدھر نظر جاتی خون کے ندی نالے ہی نظر آتے تھے۔ اسی دوران میں راجہ نے قلب لشکر کو لے کر پیش قدمی کی اور اپنا گھوڑا آگے بڑھایا۔ راجہ کے ہمراہیوں نے جو راجہ کی گالی گفتار اور اس کے ناپسندیدہ اطوار سے نالاں اور اس موقع کے منتظر تھے۔ اس کا ساتھ نہیں دیا۔ اور راجہ جب مقابلہ پر بڑھا تو اس کے ساتھ بس گنتی کے چند آدمی رہ گئے تھے اور وہ اس طرح مارا گیا کہ ایک گھنٹہ تک دونوں لشکروں کو پتہ نہ چل سکا اور وہ لڑائی میں مصروف رہے، کسی کو راجہ کے زندہ مردہ ہونے کی خبر نہ ہو سکی۔

امانت خاں نے دلاور خاں جمعدار کے فرار کے بعد فتح کا شادیانہ بجوا دیا۔ اس وقت راجہ کی فوج جو امانت خاں کی سمت مقرر تھی منتشر ہوگئی اور فتح کے آثار پیدا ہوگئے

اسی موقع پر لوگ راجہ کا سر کاٹ کر لے آئے اور قبیلہ دار پٹھان سرداروں نے اپنے خیموں کو آگ لگا دی اور مال واسباب چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ بے شمار ہاتھی گھوڑے پُر تکلف خیمے کافی زر ومال امانت خاں کی سرکار میں ضبط کر لیا گیا۔ اس لوٹ سے سارا لشکر مالا مال ہوگیا۔ جب اس فتح کی اطلاع جہاں دار شاہ کو پہنچی تو امانت خاں کے نام فرمان اور دو خلعتیں روانہ کیں۔ اس کامیابی کے بعد امانت خاں اسلام خاں کے وطن رام پورہ پر فوج کشی کرنا چاہتا تھا۔ جب رانیوں کو اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے نقد رقم اور دو ہاتھی بھیجے اور عرض کیا۔ راجہ اپنی پاداش کو پہنچ گیا۔ ہم بیوہ عورتوں کے خلاف فوج کشی بزرگوں کے مسلک کے خلاف ہے۔ جہاں دار شاہ نے بدستور سابق احمد آباد کی صوبہ داری پر مقرر کر دیا۔ مگر اس کے احمد آباد پہنچنے کے بعد جلد ہی اس کا تبادلہ کر دیا۔ اس تبادلہ کی وجہ معلوم نہ ہو سکی۔ اس سلسلہ میں ایسی دور از کار افواہیں سننے میں آئیں جو لائق تحریر نہیں۔

فرخ سیر جہاں دار شاہ کے مقابلہ پر

شاہی دربار میں اختلاف

فرخ سیر کی سادات بارہہ کے ساتھ کوچ کی مسلسل خبریں آرہی تھیں جہاں دار شاہ نے اپنے بیٹے اعزالدین نامی کو پچاس ہزار سوار کی فوج دے کر محمد فرخ سیر کے مقابلہ پر روانہ کردیا۔ کوکلتاش خاں کے پوتے خواجہ حسن خاں کو پانچ ہزاری سے سات ہزاری کے منصب پر ترقی دی گئی اور خان دوراں کا خطاب عطا ہوا۔ شاہزادہ کے معاملات اور فوج کے سارے امور اور اختیارات اس کے سپرد کردیئے گئے اور ایک بھاری توپ خانہ کے ساتھ اس لشکر کو رخصت کردیا۔ یہ انتظام ذوالفقار خاں کی نظر میں مناسب نہیں تھا کیونکہ وہ شاہزادہ کی ناتجربہ کاری کم ہمتی اور بدمزاجی سے خوب واقف تھا اور خواجہ حسن کے متعلق بھی جانتا تھا کہ اس کا حسب نسب کیا ہے اور کس قدر بدخلق آدمی ہے اور جو بس زمانہ کی سفلہ نوازی میں اس بلند مرتبہ تک پہنچ گیا ہے اس کو شاہزادہ کے ساتھ بھیجنا اور سارے اختیارات اس کے سپرد کردینا نہایت غلط تھا۔ چنانچہ ذوالفقار خاں نے یہ بات بادشاہ سے کہہ دی تھی مگر کوکلتاش خاں اور ذوالفقار خاں کے درمیان دشمنی اور ہم چشمی اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ ذوالفقار خاں جو رائے اور مشورہ بھی دیتا تھا اسے باہمی مخالفت پر محمول کیا جاتا تھا اور بادشاہ نے تو کوکلتاش خاں کوکہ اور لعل کنور کی خاطرداری کو اپنا دین وایمان بنا رکھا تھا اور وہ چشم پوشی اور اغماض سے کام لیتا تھا۔ چین قلیچ خاں بہادر جو شاہزادہ کی ہمراہی

پر مامور کیا گیا تھا ۔ساتھ نہیں جا سکا تھا حسب الحکم وہ بعد میں روانہ ہوگیا۔

شاہزادہ اعزالدین کا کوچ

جب شاہزادہ اعزالدین نے دریائے جمنا کو عبور کرکے چھاؤنی لگائی تو لشکر میں سرداروں کی باہمی مخالفت سے پھوٹ پڑگئی ۔شاہزادہ چونکہ بے اختیار اور بے بس تھا اس لئے یہ نفاق کافی بڑھ گیا۔ قلیچ خاں بہادر اکبرآباد پہنچا تو اسے یہ اطلاعات ملیں اور معلوم ہوا کہ عدم اتفاق کے سبب شاہزادہ کے لشکر کے سارے معاملات درہم برہم ہیں۔اس نے یہی مناسب جانا کہ چند دن اکبرآباد میں ٹھیر کر انتظار کر لیا جائے کہ قسمت کیا کھیل کھیلتی ہے؟

فرخ سیر سید عبداللہ خاں، حسین علی خاں اور دوسرے جنگ آزما بہادروں کے ساتھ برابر بڑھا چلا آرہا تھا۔اس درمیان میں چند فوج دار شاہزادہ کے لشکر میں آکر شامل ہوگئے ان میں کوڑہ اور کڑہ کا فوج دار چھبیلہ رام تھا۔اس کے ساتھ اٹاوہ کا فوج دار علی اصغر خاں بھی تھا۔ یہ بہادر شاہ کے امیر کار طلب خاں کا بیٹا تھا ۔ مگر ان لوگوں نے بادشاہی لشکر میں پہنچ کر خان دوراں کے طور طریق دیکھے اور شاہزادہ کو بالکل بے دست و پا پایا اور دیکھا کہ لشکر میں کسی طرح کا نظم و نسق باقی نہیں ہے۔ تو یہ لوگ لشکرگاہ سے نکل گئے اور جو خزانہ یہ اپنے پرگنوں سے لاتے تھے اُسے لے کر محمد فرخ سیر کے پاس چلے گئے ۔

کھجوہ کی مورچہ بندی

شاہزادہ اعزالدین قصبہ کھجوہ کے قریب پہنچا تو فرخ سیر کے نزدیک آنے کی خبریں اڑنے لگیں تاہم تیرہ چودہ کوس کا فاصلہ رہ گیا ہوگا ۔ اعزالدین ان خبروں سے ہی ایسا بدحواس ہوا کہ شوال کے آخر میں کھجوہ کی منزل کے قریب ہی چھاؤنی لگادی اور اپنے خیمہ کے اور لشکرگاہ کے اطراف خندق کھودنے اور مورچے باندھنے کا حکم دیدیا۔جب محمد فرخ سیر کے محافظ دستوں نے دو کوس کے فاصلہ پر جھنڈے نصب کردیئے تو شاہزادہ کے لشکر میں بڑی افراتفری مچ گئی ۔سید عبداللہ خاں محمد فرخ سیر کا ہراول تھا اس نے آتے ہی ویران گاؤں کی دیواروں کی مورچہ بندی کرلی اور دن کے سہ پہر سے اعزالدین کی فوج پر گولہ باری شروع کردی

گولہ باری کا سلسلہ رات کے سہ پہر تک برابر جاری رہا۔

اعزالدین کا فرار

شاہزادہ اعزالدین پہلے ہی سے بددل اور افسردہ خاطر تھا۔ لعل کنور کا رویہ اس کے ساتھ اچھا نہیں رہتا تھا اس کی شکایتوں کی وجہ سے وہ ہمیشہ جہاں دار شاہ کے عتاب میں رہتا تھا۔ پھر اس مہم میں بھی اس کے اختیارات بالکل محدود تھے سب کچھ خان دوراں کے ہاتھ میں تھا۔ اس بے بسی کی وجہ سے وہ اور بھی بیزار اور بددل ہو گیا تھا۔ جب دشمن سر پر آ پہنچا تو اس نے خان دوراں کو مشورہ کے لئے بلایا۔ خان دوراں کے چہرہ سے بھی خوف وہراس نمایاں تھے آخر دونوں نے فرار ہونے کا مشورہ کیا دونوں ایسے بدحواس تھے کہ جواہرات خزانہ اور اشرفی سنبھال کر رکھ لئے۔ باقی نقد خزانہ خیمہ توشک خانہ اور دوسرا سارا سازوسامان لوٹ مار کرنے والوں کے لئے چھوڑ دیا اور آخر رات میں یہ دونوں باوقار سردار وفادار سواروں کو لے کر نکل بھاگے۔ ان کے فرار کی خبر جو پھیلی تو سارے لشکر میں ہلچل مچ گئی۔ جس کا جدھر منہ اٹھا اُدھر بھاگ کھڑا ہوا۔ ایسے پریشان اور حواس باختہ تھے کہ گھوڑوں پر زین کسنے تک کا ہوش نہیں تھا سامان وغیرہ کون اٹھاتا، ہر شخص جان بچا کر سب سے پہلے بھاگ جانا چاہتا تھا۔

جب ہرکاروں نے شاہزادہ اعزالدین کی ہزیمت کی خبر محمد فرخ سیر کے لشکر میں پہنچائی تو لشکرگاہ مبارک باد کے شور سے گونج اٹھی اور ہر خیمہ میں لوگ ساز اور تال بجا کر خوشیاں منانے لگے۔ لُچے لفنگے لوٹ مار کے لئے ٹوٹ پڑے اور جس کے جو ہاتھ لگا لے اڑا۔ شاہزادہ اعزالدین بھاگ کر اکبر آباد پہنچا تو چین قلیچ خاں بہادر نے آگے جانے کا مشورہ نہیں دیا اور اس جگہ روک لیا۔

جہاں دار شاہ کا دہلی سے کوچ

جہاں دار شاہ ۷/ ربیع الاول کو دارالخلافہ دہلی میں داخل ہوا تھا اور اعزالدین کی فتح کی خبر کا انتظار کر رہا تھا۔ اب جو فتح کے بجائے شکست کی اطلاع آئی تو ہوش وحواس بجا نہ رہے پہلے ہی عشق کی مار سے اس کی عقل ٹھکانے نہیں رہی تھی تاہم اس نے جنگ کی تیاریاں کیں اور بیط

ذی قعدہ سن گیارہ سو تیئیس (۱۱۲۳ھ) مطابق ۲۵ ماہ آذر دارالخلافہ دہلی سے نکلا۔ جو فوج ذوالفقار خاں بہادر نصرت جنگ کے ہمراہ تھی شمار کیا گیا تو ۲۵ ہزار سوار نکلے غرض مجموعی طور پر تراسی ہزار سوار اور تقریباً ایک لاکھ پیادے شمار میں آتے۔ جہاں دار شاہ اس بھاری لشکر کے ساتھ کوچ پر کوچ کرتے ہوئے۔ اکبرآباد کے قریب سموگڈھ پہنچ گیا۔ فرخ سیر کے پاس جہاں دار شاہ کے لشکر کا تیسرا حصہ فوج بھی نہیں تھی اور وہ بڑی عسرت و تنگ دستی کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔

بادشاہی لشکر میں بددلی اور پھوٹ

جب جہاں دار شاہ (مستقر الخلافت) اکبرآباد پہنچ گیا تو بظاہر فوج کی کثرت اور ساز و سامان کو دیکھکر یہ گمان ہوتا تھا کہ جہاں دار شاہ کی فوج کو فتح ہوگی مگر اندرونی حال بہت خراب تھا کیونکہ ایک بازاری عورت کے اثر و رسوخ اور کم اصل بدنام لوگوں کے اقتدار پر لے آنے کی سبب سے تمام ایرانی اور تورانی امیر ناراض تھے اور جہاں دار شاہ کے لچھن دیکھ دیکھ کر کڑھتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ اس کی شکست اور فرخ سیر کی فتح کی آرزو ظاہر کرتے رہتے تھے۔ صرف امیر امراء ہی نہیں لشکر کے چھوٹے بڑے لشکری بازاری، سب کی آرزو یہی تھی۔ چنانچہ قلیج خاں بہادر اور محمد امین خاں نے کہ یہ دونوں اہل توران کے سرگروہ تھے۔ محمد فرخ سیر سے ساز باز کر رکھی تھی اور اس کو لڑائی کی ترغیب دیتے رہتے تھے۔

ایک دوسری پیچیدگی یہ تھی کہ ذوالفقار خاں اور کوکلتاش خاں بہادر خود کو جہاں دار شاہ کا عقیدت مند اور جاں نثار جتلاتے تھے مگر جو کام بھی وہ کرتے تھے اور جو رائے بھی دیتے تھے وہ بس ایک دوسرے کی ضد اور مخالفت میں۔ مثلاً کوکلتاش خاں نے رائے دی کہ محمد فرخ سیر پر جمنا کے گھاٹ کو بند کر دیا جائے مگر دوسری طرف سے یہ تجویز آئی کہ دریا عبور کر کے مقابلہ کیا جائے۔ اب دونوں اپنی اپنی رائے پر اصرار کر رہے ہیں اور لڑ رہے ہیں۔

فوج کا یہ حال تھا کہ جس دن فرخ سیر دور دراز کا سفر طے کر کے بڑی عسرت و تنگ دستی کے عالم میں اکبرآباد کے مقابل دریا کے کنارے پہنچا تو باوجود اس کے کہ

چند جمعدار معمولی جمعیت کو لے کر آئے تھے اور اس کی فوج ابھی پیچھے رہ گئی تھی ...
جہاں دار شاہ کے لشکر میں خوف و ہراس کا یہ عالم تھا۔ سوار رات بھر گھوڑوں کی لگام
تھامے جاگتے رہے کہ نہ معلوم دشمن کب شب خون کے ارادہ سے حملہ کردے۔

سموگڈھ کا میدانِ جنگ

عبداللہ خاں کا حملہ

بہرحال دونوں طرف کے سردار لڑائی کی تیاری میں مشغول تھے
جس کی تفصیلات ہم فرخ سیر کی سلطنت کے بیان میں کریں گے۔
۱۳ ماہ ذی الحج ۱۱۲۴ھ موافق ۱۹ ماہ دے (سن الہٰی) دونوں لشکر مقابلہ پر نکلے،
اور سید عبداللہ خاں نے اپنی آراستہ اور منظم فوج سے جہاں دار شاہ پر حملہ کردیا۔ توران
کے امیر جہاں دار شاہ کے طور طریق پر بہت ناراض اور بددل تھے۔ اس لئے انھوں
نے جیسا کہ چاہیے تھا عبداللہ خاں کا مقابلہ نہیں کیا۔ سید عبداللہ خاں بھی تورانی امراء
کے مقابلہ سے پہلو بچا کر ذوالفقار خاں کے مقابل آگیا اور بڑی بہادری سے لڑائی
چھیڑ دی اور توپ خانہ سے آگے بڑھ کر قلب فوج تک پہنچ گیا۔ دوسری طرف سے
حسن علی خاں، صف شکن خاں عرف حسین بیگ اور توپ خانہ کا داروغہ فتح علی خاں
میر اشرف اور زین الدین خاں بارہہ کے بہادروں کو لے کر ذوالفقار خاں کے مقابلہ پر
آگئے۔ ذوالفقار خاں کی فوج نے بھی بڑی پامردی سے مقابلہ کیا اور تیروں کی بوچھاڑ
سے حملہ آور فوج کو پریشان کردیا اور بارہہ کی ایک بڑی جمعیت اس معرکہ میں کام

آگئی۔

حسین علی خاں کا قتل

فرخ سیر کی فوج میں سے علی اصغر خاں اور چھبیلہ رام ناگر چند بہادر سرداروں کے ساتھ کوکلتاش خاں کے مقابلہ پر آئے۔ دونوں طرف سے بڑی سخت لڑائی ہوئی کہ ہر طرف خون کی ندیاں بہنے لگیں۔ ان جان لیوا حملوں میں جو مشہور سردار کام آگئے ان میں صف شکن خاں تھا۔ جو حسین علی خاں کی عماری میں اس کا ردیف تھا فتح علی خاں اور بہادر خاں روہیلہ کا بیٹا زین الدین خاں میر مشرف کا بھائی میر اشرف بھی تھا جو مشہور جنگجو اور بہادر شخص تھا۔ یہ لوگ ایک بڑی جمعیت کے ساتھ لڑتے ہوئے مارے گئے۔ جہاں دار شاہ کے لشکر سے جانی خاں جہاں شاہی اور مختار خاں مارے گئے۔ حسین علی خاں تو اس طرح خطرہ میں گھر گیا کہ ہندوستان کے بہادروں کے طریقہ پر وہ ہاتھی سے اُتر گیا اور پیدل ہو کر بارہہ کے چند بہادروں کے ساتھ دست بدست لڑنے لگا اور کافی زخموں کے لگنے سے بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ سید عبداللہ خاں کی فوج میں بھی جہاں دار شاہ کے لشکر کے حملہ سے تفرقہ پڑ گیا تھا۔ یہاں تک کہ عبداللہ خاں کے ساتھ سو دو سو سے زیادہ سوار نہ رہے جب حسین علی خاں کی ہلاکت کی وحشت ناک خبر اسے ملی تو وہ پریشان ہو گیا کہ نہ معلوم کیا انجام دیکھنا پڑے۔ چنانچہ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح ہٹ کر جہاں دار شاہ کے بہیر کی طرف نکل جائے۔

سادات بارہہ کی تیراندازی

بارہہ کی شکست پر جہاں دار شاہ کے لشکر نے فتح کا شادیانہ بجا دیا۔ مگر اسی دوران میں سید عبداللہ خاں خوش قسمتی سے ایک ایسے پشتہ پر پہنچ گیا۔ جہاں سے جہاں دار شاہ کی خاص فوج تیراندازی کی زد میں تھی۔ اب ہر طرف سے بارہہ کے لشکری عبداللہ خاں کے پاس جمع ہونے لگ گئے۔ عبداللہ خاں کو کچھ اطمینان ہوا اور اس نے باوجود قلت تعداد کے جرأت سے اور پامردی نے کام لیا اور اس پشتہ پر سے تیراندازی شروع کر دی اور بان پھینکنے لگا اور تمام سادات بارہہ نے کمان سنبھال لی تھی اور مل کر تیروں کی

بلو چپاڑ کر رہے تھے۔ جہاں دار شاہ کے لشکر میں زنانہ سواری کے ہاتھیوں میں بڑی بھگدڑ مچ گئی۔ جب تک کہ جہاں دار شاہ اس اطلاع کی تحقیق کی طرف متوجہ ہوا۔ لعل کنور اور دوسری گانے بجانے والیوں کے ہاتھی تیراندازی سے بوکھلا کر ناچنے لگے جہاں دار شاہ کے اکثر ہمراہی بھی بدحواس ہوکر بھاگنے کی فکر کرنے لگے۔ اسی حالت میں جہاں دار شاہ کا ہاتھی بھی بھڑک کر ایسا نکلا کہ فیل بان کے قابو میں نہیں رہا اور بارہہ کے غلبہ سے جہاں دار شاہ کے لشکر میں بڑا خلل پڑ گیا۔

جہاں دار شاہ کا فرار

ابھی جہاں دار شاہ میدان جنگ کی صورت حال کا صحیح طور پر اندازہ نہیں لگا سکا تھا کہ کوکلتاش خاں اور توپ خانہ کے داروغہ رضا قلی خاں کے مارے جانے کی خبر ملی اور کوکلتاش خاں کا بھائی اعظم خاں کاری زخم اٹھاکر جہاں دار شاہ کے پاس آگیا۔ اب تو جہاں دار شاہ کے ہوش وحواس جاتے رہے اور وہ چپکے سے لعل کنور کے ہاتھی پر سوار ہوگیا اور شام کے وقت اکبرآباد کی طرف فرار ہوگیا۔ ذوالفقار خاں کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو باوجود اس کے کہ وہ بھی سخت خطرہ سے دوچار تھا۔ ایک پہر رات تک وہ جہاں دار شاہ اور اعزالدین کی تلاش کراتا رہا اور محمد فرخ سیر کی فوج کے مقابلہ پر اسی طرح جما رہا۔ وہ شاہزادہ اعزالدین کی جستجو میں تھا کہ اگر وہ مل جائے تو اسے جلدی سے لے آئیں، تاکہ میں اس کو پشت پر رکھ کر دشمن کے قدم میدانِ جنگ سے اُکھاڑ دوں، مگر اس برگشتہ نصیب کا کوئی سراغ نہیں لگا۔ ذوالفقار خاں کو آگے بڑھنے کی جرأت نہیں تھی، ورنہ یہ ممکن تھا کہ وہ ذرا سی کوشش کرکے محمد فرخ سیر کو گرفتار کر سکتا تھا جو مختصر سی جمعیت کے ساتھ اس کے مقابل کھڑا ہوا تھا۔

جہاں دار شاہ قید میں

بہرحال جہاں دار شاہ بقول مشہور "داڑھی منڈا کر لعل کنور کی سواری میں ردیف بن کر بیٹھ گیا اور دہلی کی طرف فرار ہوگیا۔ ذوالفقار خان بھی مایوس ہوکر اپنے باپ (اسد خاں) کے پاس چلا گیا۔ ذوالفقار خاں اور جہاں دار شاہ ایک پہر رات کے فرق سے دارالخلافہ میں داخل ہوئے

جہاں دار شاہ سیدھے آصف الدولہ اسد خاں کے پاس مشورہ لینے گیا اور اس کی مدد چاہی ذوالفقار خاں نے بھی اس معاملہ میں باپ سے کہا کہ جہاں دار شاہ کو دکن یا کابل لے جاکر دوبارہ لشکر فراہم کرلیا جائے اور اس شکست کی تلافی کے لئے کوشش کی جائے، مگر آصف الدولہ خوب سمجھ رہا تھا کہ اب معاملہ ہاتھ سے نکل گیا ہے اور جہاں دار شاہ بادشاہت کے لائق نہیں ہے۔ پھر خزانہ بھی ایک ماہ کے خرچ کی تکمیل کے لئے کافی نہیں تھا، اُس نے یہی مناسب جانا کہ جہاں دار شاہ کو قلعہ میں بھجوادے اور ایک نظر بند کی طرح اس کو نگرانی میں رکھے۔

مکافات عمل سفلہ پروری اوامر الٰہی کے ترک اور گناہوں پر اصرار کا نتیجہ یہی نکلنا تھا۔ جہاں دار شاہ کی حکمرانی پر گیارہ مہینے بھی نہیں ہوئے تھے کہ محمد فرخ سیر کے ہاتھ اس کو ذبح ہونا پڑا۔ بے شک انسان بڑا غافل ہے۔ عیش اور مستی میں بھول جاتا ہے اور ندامت اٹھاتا ہے۔ نہیں جانتا کہ بے اعتبار فانی دنیا مکافات کا گھر ہے افسوس کہ انسان اس عقل و شعور کے باوجود اس چار روزہ دنیا پر فریفتہ ہوجاتا ہے مگر ان دنیا پرستوں کا انجام حسرت ناک ہی ہوتا ہے یا تو باوجود دولت و اقتدار کے اسی دنیا میں لوگ اسے اپنے غم و غصہ اور انتقام کا نشانہ بنا لیتے ہیں اور وہ اپنے کئے کی سزا پاکر رہتا ہے یا پھر اسے دوسرے جہاں میں اپنے افعال کی سزا بھگتنی پڑتی ہے۔ اس دنیا کا دولت کا یہاں کے عیش و کامرانی کا انجام ہے تو اتنا تلخ مگر لوگ اس قدر غافل اور مست ہوجاتے ہیں کہ غضب الٰہی کی پروا کئے بغیر نفس پرستی اور معصیت میں غرق رہتے ہیں۔ خاص طور سے جو لوگ سلطنت و اقتدار کی مسند پر فائز ہوتے ہیں ان کی آنکھوں پر تو غفلت کا ایسا پردہ پڑجاتا ہے کہ چار روزہ حکمرانی کی خاطر باپ بیٹے کو بیٹا باپ کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنے سے دریغ نہیں کرتا، مگر ان کو دونوں جہانوں میں اس کا خمیازہ اٹھانا پڑتا ہے اور رسوائی ان کی دامن گیر رہتی ہے۔

قیدیوں کی رہائی دہلی کے قلعہ میں مہابت خاں، خانہ زاد خاں، میر خاں اور دوسرے قیدی اس وقت سے قید و بند کی مصیبت اٹھا رہے تھے۔ جب سے

کہ جہاں دار شاہ تخت نشین ہوا تھا۔ اب دن ایسے پھرے کہ خود جہاں دار شاہ ان کے ساتھ قلعہ میں قید اور نظر بند تھا۔ ان قیدیوں کو جب فرخ سیر کی فتح کی خوش خبری ملی تو ان لوگوں نے بڑی خوشی منائی اور محافظوں کو سمجھا بجھا کر راضی کر لیا۔ چنانچہ ابھی فرخ سیر دار الخلافہ میں داخل بھی نہیں ہوا تھا کہ یہ لوگ قلعہ سے رہا ہو کر نکل آئے اور اپنے ساتھ ان تمام قیدیوں کو چھڑا لائے جو جہاں دار شاہ کے معتوب تھے۔ صرف شاہزادوں کو قلعہ میں قید رہنے دیا گیا۔ باقی سب قیدی رہا ہو گئے۔

فرخ سیر کی فتح کی خبر پھیلی تو تمام ستم رسیدہ مظلوم لوگوں نے خوشی کے چراغ جلائے اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ مگر اس خبر سے ارباب طرب کے گھروں میں ماتم برپا ہو گیا۔ گویے نالہ وزاری کرنے لگے۔ رقاص پیر توڑ کر بیٹھ گئے۔ طوائف نے ماتمی لباس پہن لیا۔ ستار کے تار ٹوٹے اور نے لبوں سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑی جسے اٹھانے والا کوئی نہ تھا ؎

ز حادثات جہانم ہمیں پسند آمد
کہ سخت و سست جہاں جملہ درگذشتیم

جہاں دار شاہ سلطنت مغلیہ کے زوال کی پہلی علامت تھا

عالمگیر کا تیسرا جانشین

محمد فرخ سیر بادشاہ

مغل سلطنت کے دورِ زوال کا تیسرا تخت نشین جس نے
سادات بارھہ کی دست درازیوں سے سلطنت مغلیہ کے
تخت و تاج کو بچانے کی کوشش کی اور اسی جدّ و جہد میں
وہ درباری سازشوں کا شکار ہو گیا

فرخ سیر اور جہاں دار شاہ کا مقابلہ

محمد فرخ سیر بہادر شاہ کا پوتا اور عظیم الشان کا بیٹا تھا۔ بہادر شاہ کی وفات کے بعد عظیم الشان کو اپنے بھائی جہاں دار شاہ کے مقابلہ میں شکست ہوئی تھی اور وہ میدان جنگ سے اچانک غائب ہو گیا تھا، یا تو گولہ باری میں اس کے پرخچے اڑ گئے یا وہ دریا میں غرق ہو گیا۔ باپ کے مرنے کے بعد فرخ سیر نے سادات بارہہ کی مدد سے اپنے چچا جہاں دار شاہ کو شکست دیدی تھی۔

فرخ سیر بنگالہ میں

خلد مکاں عالمگیر بادشاہ نے اپنے آخری عہد میں، بہادر شاہ شاہ عالم کے بیٹے عظیم الشان کو بنگالہ کے صوبہ سے دکن طلب کر لیا تھا، اُس نے بنگالہ سے رخصت ہوتے وقت وہاں اپنے منجھلے بیٹے محمد فرخ سیر کو اپنا نائب مقرر کر دیا تھا۔ عظیم الشان ابھی راستہ میں ہی تھا کہ اُسے دادا (عالمگیر) کے وفات پا جانے کی اطلاع ملی جس کا ذکر ہم نے خلد منزل بہادر شاہ کے حالات میں کیا ہے۔ عالمگیر بادشاہ کی وفات کے بعد بہادر شاہ صوبہ کابل سے اکبر آباد پہنچا اور وہاں اپنے بیٹے عظیم الشان کی مدد سے اس نے اپنے بھائی محمد اعظم شاہ کو شکست دی اور ہندوستان کے تخت پر جلوس کیا۔ تخت نشینی کے بعد وہ دوسرے بھائی محمد کام بخش سے مقابلہ کرنے دکن چلا گیا اور وہاں کام بخش کو شکست دے کر دکن سے لاہور واپس آیا، ان تمام واقعات کے دوران عظیم الشان کا بیٹا محمد فرخ سیر بنگالہ پر صوبہ دار رہا۔ سن گیارہ سو بیس ہجری ۱۱۲۰ھ میں جلوس کے

پانچویں سال جب کہ خلد منزل بہادر شاہ لاہور میں مقیم تھا۔ محمد فرخ سیر کو بنگالہ کی صوبہ داری سے ہٹا دیا گیا اور اس کی جگہ اعزالدولہ خان خاناں بہادر کو صوبہ دار مقرر کیا گیا۔ بہادر شاہ نے فرخ سیر کو دربار میں طلب کر لیا تھا اور وہ حسب حکم بنگالہ سے کوچ کرکے عظیم آباد عرف پٹنہ پہنچ گیا۔

پٹنہ میں قیام کا فیصلہ

پٹنہ پہنچنے کے بعد فرخ سیر وہیں ٹھیر گیا کیونکہ وہ محسوس کر رہا تھا کہ دربار شاہی میں اس کے بڑے بھائی محمد کریم اور چھوٹے بھائی محمد ہمایوں بخت کے مقابلہ میں اس کی زیادہ قدر ومنزلت نہیں ہوگی کیونکہ اس کے باپ (عظیم الشان) اور دادا (بہادر شاہ) کی نظر میں ان دونوں کی زیادہ عزت اور قدر تھی۔ اس وجہ سے وہ دربار میں جانا نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے خرچ نہ ہونے کا اور برسات کی آمد آمد کا بہانہ کرکے پٹنہ کے نواح میں اپنی چھاونی لگادی اور دربار میں عذر معذرت لکھ بھیجی۔ جس زمانہ میں فرخ سیر پٹنہ کے قریب مقیم تھا۔ اس کی ملاقات چند درویشوں سے ہوئی جو علم ریاضی کے ماہر تھے اُن کے ساتھ ایک اور شخص محمد رفیع نامی بھی شاہزادہ کا ہم نشیں بنا جو حکیم تھا اور علم نجوم میں بڑی مہارت رکھتا تھا۔ ان لوگوں نے فرخ سیر کو بشارت سنائی کہ اسے اسی سرزمین پر تخت شاہی نصیب ہوگا۔ اسی لئے وہ اسی جگہ مقیم رہے اس طرح یہ لوگ فرخ سیر کے پاس اثر ورسوخ بڑھاتے رہے۔ فرخ سیر کو ان کی باتوں پر یقین آگیا اور اُس نے عظیم آباد پٹنہ کے قریب ہی ٹھیرے رہنے کا فیصلہ کر لیا۔

رہتاس کا باغی قلعدار

انہی دنوں ایک اور واقعہ پیش آیا۔ دکن میں ایک شخص محمد رضا نامی تھا جس کو رعایت خاں کا خطاب ملا ہوا تھا۔ کسی قصور پر وہ بہادر شاہ کے عتاب میں آگیا اور وہاں سے جان بچا کر فرار ہوگیا اور بھٹکتا بھٹکتا وہ مشرقی صوبوں میں نکل آیا۔ یہاں اُس نے قلعۂ رہتاس گڈھ کی قلعداری کا جعلی فرمان تیار کیا۔ یہ قلعہ صوبہ بہار کے قریب نہایت بلند مستحکم اور مشہور قلعہ تھا۔ اس جعلی فرمان کے ذریعہ وہ قلعہ میں داخل ہوگیا اور اپنی حفاظت وعمل داری کے سارے انتظامات

کرکے قلعہ اور اطراف کے محالات کا بندوبست سنبھال لیا اور محصول وغیرہ وصول کرنے لگا اور قلعہ میں کافی ذخیرے جمع کرلئے۔ اس کے اس فریب اور سرکشی کی خبریں متواتر بہادر شاہ کو پہنچ رہی تھیں۔ محمد رضا رعایت خاں نے خود بھی دربار میں عرض داشت روانہ کی کہ بادشاہی کارندوں کی بدنظمی سے فائدہ اٹھاکر میں نے اس طرح قلعہ پر قبضہ کرلیا ہے۔ اب کس کی ہمت ہے کہ قلعہ کو میرے قبضہ سے نکال لے۔ اس کی اس بے ادبی اور گستاخی پر بہادر شاہ اور عظیم الشان دونوں کی طرف سے محمد فرخ سیر کے نام فرمان اور حکم نامہ آیا کہ وہ اس غدار اور بے ادب کو گوشمالی کرکے قلعہ پر قبضہ کرلے اس فرمان کے آنے پر محمد فرخ سیر نے اپنے صاحب رائے مشیروں سے مشورہ کیا۔ کیونکہ اس قلعہ کا محاصرہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ اس کے لئے کافی سازوسامان اور عمدہ منصوبہ کی ضرورت تھی۔

لاچین بیگ قلماق

لاچین بیگ نامی قلماق ایک بہادر اور کارگذار آدمی تھا۔ مگر ان دنوں اسے محمد فرخ سیر نے کسی قصور پر برطرف کردیا تھا اور اس کا شمار معتوب اشخاص میں ہوتا تھا۔ لاچین برابر فکر میں تھا کہ کوئی کارگذاری دکھانے کا موقع ملے تو اپنی خدمات پیش کرکے دوبارہ ملازمت اور آبرومندی حاصل کرلے۔ قلعہ رہتاس کی مہم کا قصہ چھڑا تو اس نے ایک مقرب بارگاہ کے ذریعہ خلوت میں فرخ سیر کو پیغام بھیجا اور ایک تجویز پیش کی کہ شاہزادہ بہادر یہ شہرت دیں کہ وہ محمد رضا کے جرائم کے سلسلہ میں معافی نامہ بھیج رہے ہیں اور اس کی جرأت و بہادری کی قدر و تحسین کرتے ہوئے اس کو قلعہ داری تفویض کرنا چاہتے ہیں۔ اس شہرت کے ساتھ ایک فرمان اور خلعت اس کے نام میرے ذریعہ بھجوادیں۔ میں وہاں پہنچنے کے بعد فرمان سپرد کرتے وقت اس کا کام تمام کردوں گا بادشاہ اور شاہزادہ کے اقبال سے اگر میں کامیاب ہوگیا تو سرفرازی کا امیدوار ہوں اور اگر میں اس خدمت میں قربان ہوگیا تو اپنے بچوں کی سربلندی کی توقع رکھتا ہوں" قلماق کی یہ تجویز تمام مشیروں درباریوں کو پسند آگئی اور اس کے مطابق ایک فرمان تیار کیا گیا جس میں محمد رضا کے قصور معاف کئے گئے تھے اور قلعہ رہتاس اس کے تفویض کرنے کا حکم تھا یہ فرمان

اور خلعت لاچین بیگ کے سپرد کر دیا گیا اور اسے اس مہم پر رخصت کر دیا۔

قلماق کی کامیاب سازش

بہادر قلماق چند دلیر آدمیوں کی جمعیت لے کر قلعہ پر پہنچا اور قلعہ دار سے گفت و شنید اور کافی پیغامات کے تبادلے کے بعد یہ اجازت لے لی کہ وہ قلعہ کے دروازہ پر آکر خلعت اور فرمان سپرد کر دے۔ حسب قرارداد جب لاچین بیگ اور محمد رضا ملاقات کے لئے ایک دوسرے سے قریب آئے اور قلعہ دار فرمان کی تعظیم میں تسلیم و آداب بجا لانے کے لئے جھکا، بہادر اور دلیر قلماق نے ایک اُزبکی خنجر سے اس پر حملہ کر دیا، اور ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ قلعہ کے عملہ کے اکثر آدمی قلعہ دار کے دشمن تھے اور ایسے ہی کسی واقعہ کے منتظر تھے پھر بھی محمد رضا کے چند ہوا خواہوں نے اور خود محمد رضا نے مرتے مرتے لاچین بیگ پر حملہ کر دیا اور اس کو اس کے ہمراہیوں کو زخمی کر دیا مگر ؎

اگر تیغ عالم بجنبد زجائ
نبرد رگی تا نخواہد خدای

جس کو اللہ رکھے اسے کون چکھے لاچین بیگ کی موت کا وقت نہیں آیا تھا باوجود کاری زخم لگنے کے اس کی جان بچ گئی اس کے ہمراہیوں اور دوسرے بادشاہی آدمیوں نے ہجوم کر کے اس کی مدد کی اور اسے زندہ سلامت اٹھا کر لے گئے اور اس کے زخموں کا علاج معالجہ کیا۔ جب وہ کچھ صحت یاب ہو گیا تو اسے مقتول قلعہ دار کے سر کے ساتھ محمد فرخ سیر کے پاس روانہ کر دیا گیا۔ شہزادہ نے اس پر عنایات و خوشنودی کا اظہار کیا اور بادشاہی منصب پر مقرر کر کے اس کو بہادر دل خاں کا خطاب عطا کیا اور دربار میں ساری روداد بھجوا دی۔ اس کامیاب منصوبہ پر محمد فرخ سیر کی اس کے باپ نے اور دادا نے بہت تعریف اور عزت افزائی کی۔

عظیم الشان کا خطبہ و سکہ

ابھی اس کے واقعہ کے چند دن بعد ہی بہادر شاہ کی رحلت کی خبر پہنچی محمد فرخ سیر نے اس خبر کے ملتے ہی اس تحقیق کے بغیر ہی کہ بھائیوں کے درمیان جانشینی کا قضیہ کس کے حق میں طے پایا

اپنے باپ عظیم الشان کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کرا دیا اور خود مدد کے لئے جانے کی صلاح مشورہ کرنے لگا۔ مگر انہی دنیا طلب درویشوں اور محمد رفیع نجومی نے اختلاف کیا اور اس سے کہا کہ "اس جگہ سے سکہ اور خطبہ اپنے نام جاری کئے بغیر حرکت کرنا تمہارے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔" اسی درمیان میں حسین علی خاں بارہہ جو عظیم الشان کی نیابت میں پٹنہ کا صوبہ دار تھا اور بعض سرکشوں کی تادیب کے لئے پرگنوں پر گیا ہوا تھا۔ یہ خبر سن کر لوٹا کہ عظیم الشان کے نام کا سکہ وخطبہ جاری کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ بات تحقیق نہیں ہو سکی کہ بھائیوں کے درمیان کیا معاملہ پیش آیا۔ محمد فرخ سیر کی اس عجلت پر اُسے افسوس ہوا اور وہ فرخ سیر کی طرف سے بدگمان بھی ہوگیا۔ اسی طرح فرخ سیر کے دل میں بھی اس کی طرف سے کھٹکا لگا ہوا تھا کیونکہ سادات بارہہ کی بہادری کا بڑا شہرہ تھا اور اس صوبہ میں حسین علی خاں کا بڑا اثر و تسلط تھا۔ اسی اندیشہ کی وجہ سے اُس نے پیغام بھیج کر حسین علی خاں کو اپنا موافق بنایا اور اپنے پاس اسے طلب کر لیا۔ محمد فرخ سیر کی والدہ نے بھی حسین علی خاں سے بیٹے کی مدد کرنے کے لئے درخواست کی اور محمد فرخ سیر کی زبان سے اس کو سلطنت کا مدار المہام بنانے کا اقرار بھی کرا دیا۔ غرض اُس کی کوششوں سے دونوں کے دل ایک دوسرے سے صاف ہو گئے اور وسوسے اور اندیشے ختم ہو گئے۔

فرخ سیر کا اعلانِ بادشاہت

اسی اثناء میں عظیم الشان کے اور دوسرے بھائیوں کے مارے جانے اور بیس ماہ صفر کو جہاں دار شاہ کے غالب آنے کی خبر آگئی۔ اب محمد فرخ سیر نے اوائل ربیع الاول سن گیارہ سو تیئیس ہجری (۱۱۲۳ھ) مطابق عشرہ ثانی ماہ فروری اپنے نام کا خطبہ وسکہ جاری کر دیا۔ روز بروز اس کے اثر و رسوخ میں اضافہ ہوتا رہا اور عہد و قرار کے مطابق حسین علی خاں کا مرتبہ و اختیار بھی زیادہ ہو گیا تھا۔

سید عبداللہ خاں صوبہ دار

سید عبداللہ خاں عرف حسن علی خاں الہ آباد کا مستقل صوبہ دار تھا۔ سلطنت کی دست بدست تبدیلی کے

ان ہنگاموں میں بنگالہ کا خزانہ بھی اُس کے ہاتھ آگیا تھا۔ عبداللہ خاں کا شمار صاحب راتے اور بہادر امیروں میں ہوتا تھا۔ محمد فرخ سیر اس کی عدم اطاعت اور جہاں دار شاہ کی ہواخواہی کی بنا پر اس کی طرف سے بہت اندلیشہ ناک تھا۔ اس کو اپنا ہوا خواہ بنانے کے لئے فرخ سیر نے اس کے نام تسلی آمیز فرمان لکھا جس میں اس کے بھائی (سید حسین علی خاں بارہہ) کے ساتھ عہد و پیمان کا حوالہ تھا اور بنگال کے خزانہ پر تصرف کی اجازت بھی دیدی تھی اور اس خزانہ سے فوج تیار کرنے کی فرمائش کی تھی۔ حسین علی خاں نے بھی اس سلسلہ میں سید عبداللہ خاں کو لکھ کر محمد فرخ سیر کا حامی بنا لیا۔ یہ دونوں بھائی سادات بارہہ میں صاحب راتے بہادر اور بااختیار امیر تھے۔ ان دونوں نے دل و جان سے ازسرِنو فرخ سیر سے عہد و قرار لیا اور اس مہم کے لئے پوری آمادگی کے ساتھ تیاری کرنے لگے۔ شعر

آری باتفاق جہاں می‌تواں گرفت

سید عبدالغفار کا معرکہ

جو لوگ محمد فرخ سیر کی رفاقت کر رہے تھے اور پٹنہ سے نکلنے اور دارالخلافہ کی طرف کوچ کرنے کے محرک تھے۔ ان میں احمد بیگ بھی تھا جو کارطلب نوجوان تھا اور جہاں دار شاہ کا کوکہ (دودھ شریک) کہلاتا تھا۔ ایک اور شخص خواجہ عاصم تھا جو جاں نثار رفیق بنا ہوا تھا۔ جب فرخ سیر کی تیاریوں کی خبر جہاں دار شاہ کے لشکر میں پھیلی تو وہ شراب و معشوق کی نازبرداریوں میں مست اور غافل تھا۔ آخر کار وہ اوائل ربیع الثانی کو لاہور سے دارالخلافہ کی طرف متوجہ ہوا۔ جہاں دار شاہ کو دونوں سید بھائیوں کے عہد وقرار کی اطلاع مل چکی تھی۔ اُس نے الہ آباد کی صوبیداری پر سید عبداللہ خاں کی جگہ راجی محمد خاں کا تقرر کردیا جو خان خاناں بہادر شاہی کا تربیت یافتہ تھا اور راجی محمد خاں کی نیابت سید عبدالغفار نامی کے سپرد کی جو بڑا مشہور جنگجو بہادر اور صدر جہاں کا پوتا تھا۔ سید عبدالغفار کے ساتھ اس ضلع کا ایک صاحب فوج زمیندار بھی ہو گیا تھا وہ سات آٹھ ہزار سوار اور تین چار ہزار بندقندازوں کو لے کر الہ آباد روانہ ہو گیا۔ جب وہ کڑہ مانک پور پہنچ گیا تو سید عبداللہ خاں

نے تقریباً تین ہزار سوار اور تین چار ہزار پیادہ فوج کو ابوالحسن کی کمان میں عبدالغفار کے مقابلہ پر روانہ کیا ابوالحسن عبداللہ خاں بخشی اور نجف اشرف کے سادات میں سے تھا، اور بیجاپور کے باوقار بہادروں میں سمجھا جاتا تھا۔ سرائے عالم کے قریب دو تین کوس کے فاصلہ پر دونوں لشکر ٹھیر گئے۔ چار پانچ دن نامہ و پیام اور ایک دوسرے کو معقول کرنے میں گذر گئے۔ آخر جمادی الاولیٰ کو سید عبدالغفار بڑے سج دھج اور اطمینان کے ساتھ توپ خانہ کو آگے رکھ کر قدم بہ قدم بڑھ رہا تھا۔ اسی دن سید عبداللہ خاں کے بھائی سیف الدین علی خاں، نجم الدین علی خاں، سراج الدین اور رتن چند دیوان تقریباً تین سو سواروں کے ساتھ اپنی فوج کی مدد کے لئے آگئے۔

سادات بارہہ کی کامیابی

سادات بارہہ میں سے بعض نے تیز روی دکھائی اور غنیم کے سامنے جرأت مندی کا اظہار کرنے لگے مگر سید عبدالغفار کے آدمیوں نے کوئی جوابی کارروائی نہیں کی۔ بس خاموشی سے پیش قدمی کرتے رہے جب وہ بارہہ کی فوج سے تیر پرتاب اور بندوق کی گولی کے فاصلہ پر پہنچ گئے تو سید عبدالغفار نے یکبارگی توپ خانہ کو سر کرنے کا حکم دیا اور گھوڑوں کو ایڑھ لگا کر ایسا سخت حملہ کیا کہ سادات بارہہ کی بہادری دھری کی دھری رہ گئی اور اس کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکے بس چند ایک سواروں کے گرتے ہی سید عبداللہ خاں کا لشکر بھاگ نکلا، صرف ابوالحسن خاں سید عبداللہ خاں کے بھائیوں اور رتن چند دیوان کے ساتھ دو سو تین سو جاں نثار سواروں کو لے کر میدان میں ڈٹا رہا اور دشمن کے حملوں کی مدافعت کرتا رہا۔ اس وقت عبدالغفار کی فوج کا بڑا حصہ غنیمت لوٹنے میں مصروف تھا اور عبدالغفار نے سادات بارہہ کو چاروں طرف سے نرغہ میں لے کر ان کو اس طرح مجبور کر دیا کہ اب لڑائی دستی ہتھیاروں سے ہونے لگی اور ایک ایک شخص کی جرأت و بہادری کی آزمائش کا وقت آگیا۔ اسی ہنگامہ میں سید عبداللہ خاں کا بھائی سراج الدین علی مارا گیا۔ سید عبدالغفار مردانہ وار سادات بارہہ پر چڑھا آرہا تھا، اور وہ اس کے مقابل سینہ سپر ہو گئے تھے اور ان کے بچنے کی کوئی امید نہیں رہی تھی کہ اچانک ایسی سیاہ آندھی اٹھی کہ ایک دوسرے کو پہچاننا محال ہو گیا۔ اسی اثناء میں سید عبدالغفار

کے مارے جانے کی آواز دونوں فوجوں کے کان میں پڑی ۔ اس کے آدمیوں کی ہمت تو یہ سنتے ہی ٹوٹ گئی ۔ پھر سرداران بارہہ نے اسی وقت فتح کا شادیانہ بجوا دیا، اور یک بارگی دشمن پر ٹوٹ پڑے بس جنگ کا نقشہ پلٹ گیا اور عبدالغفار کی فوج بدحواس ہو کر بھاگ کھڑی ہوئی جو لوگ غنیمت لوٹنے میں مشغول تھے انھوں نے جب اپنے سردار کے مارے جانے اور فوج کے فرار کی خبر سنی تو اپنی جان کی خیر منائی غنیمت کو وہیں چھوڑ کر نکل بھاگے ۔ سید عبدالغفار بہت چیختا رہا کہ " میں زندہ ہوں کہاں بھاگے جا رہے ہو ۔ مگر اس ہجوم اور ہلڑ بازی میں کون سنتا ، کسی نے اس کی طرف پلٹ کر بھی نہیں دیکھا ۔ آخر وہ بھی چارو ناچار فرار ہو گیا اور شاہ زادپور تک نہیں رکا جو ایک منزل کے فاصلہ پر تھا ۔ جب سید عبدالغفار کی ہزیمت کی خبر جہاں دار شاہ کو ملی تو اراکین سلطنت نے یہی مناسب جانا کہ ازسرنو سید عبداللہ خاں کو اپنی طرف مائل کر کے اس کے چار ہزاری منصب میں دو ہزاری کا اضافہ کر دیا اور صوبہ الہ آباد کو امتناً اس کے نام بحال کر دیا اور عنایت آمیز فرمان اس کے نام صادر کیا اور خلعت روانہ کی ۔

فرخ سیر کا پٹنہ سے کوچ

محمد فرخ سیر نے دونوں سپہ سالاروں کی تائید اور مدد پر پٹنہ سے کوچ کر دیا ۔ اس کے ساتھ صف شکن خاں عرف حسن بیگ تھا جو اوڑیسہ کا نائب صوبیدار تھا اور احمد بیگ ، خواجہ عاصم اور دوسرے جاں نثار رفیق تھے ۔ لشکر کی مجموعی تعداد ۲۵ ہزار کے لگ بھگ تھی مگر روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ سخت پریشان تھا اور بڑی عسرت و تنگی سے دہلی کی طرف کوچ کر رہا تھا ۔ عظیم الشان کی جاگیر اور بادشاہی خزانوں سے جو رقم اس سال بنگال کے صوبوں میں جمع ہوئی تھی ۔ اسے دربار میں بھیجا گیا تھا مگر یہ رقم عبداللہ خاں اور فرخ سیر کے ہاتھ لگ گئی تھی اس میں سے اٹھائیس لاکھ روپیہ تو سید عبداللہ خاں نے روک لیا تھا اور پچھتر لاکھ روپیہ محمد فرخ سیر کے ہاتھ آگیا تھا ۔ اس کے پاس بس یہی کچھ رقم تھی ، اس نے پٹنہ کے تاجروں سے دو تین لاکھ روپیہ کی جنس قرض لے لی تھی ۔

کڑہ کا خزانہ

جو خزانہ سربلند خاں کڑہ کے فوج دار کے قبضہ میں تھا اس میں سے چند لاکھ تو اس نے خود رکھ لئے اور باقی خزانہ لے کر یلغار کرتے ہوئے جہاں دار شاہ کے پاس چلا گیا اور وہاں سے احمد آباد گجرات کی صوبہ داری پر مامور ہو کر رخصت ہو گیا۔

اعزالدین کا تقرر

جہاں دار شاہ کو جب محمد فرخ سیر کی نقل و حرکت کی اطلاعات ملیں تو اس نے اپنے بڑے بیٹے اعزالدین کو پچاس ہزار سوار فوج دے کر اس کے مقابلہ پر بھیج دیا اور شاہزادہ کے معاملات اور فوج کے انتظامات پر کوکلتاش خاں کے بہنوئی خواجہ احسن خاں کو مختار کل مقرر کر دیا۔

قلیج خاں کی دور اندیشی

غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ کا بیٹا قلیج خاں بہادر کارگذار امراء میں سے تھا، مگر زمانہ کی نا قدری کے سبب بہادر شاہ کے عہد ہی میں اس نے ملازمت سے استعفیٰ دیدیا تھا۔ جہاں دارشاہ نے اس کی دلدہی کی اور اسے شاہزادہ کی مدد کے لئے مقرر کر کے عقب میں روانہ کیا مگر قلیج خاں نے اکبر آباد پہنچنے کے بعد یہ سنا کہ شاہزادہ دریائے جمنا کو عبور کر چکا ہے۔ اور لشکر کے سرداروں میں شدید اختلافات پیدا ہو گئے ہیں۔ شاہزادہ بالکل بے بس اور بے اختیار ہے اور لشکر میں بدنظمی اور اختلال پیدا ہو گیا ہے تو اس نے دور اندیشی سے کام لیا اور اکبر آباد میں ہی ٹھہر کر حالات کا جائزہ لیتا رہا۔

فرخ سیر کی پیش قدمی

محمد فرخ سیر برابر بڑھا چلا آرہا تھا اس کے ہراول اور دائیں بائیں بازو پر سید عبداللہ خاں، حسین علی خاں اور دوسرے جاں نثار بہادر تھے۔ کڑے کا فوج دار چھبیلہ رام اور کار طلب خاں بہادر شاہی کا بیٹا علی اصغر خاں جو اٹاوہ کا فوج دار تھا شاہ زادہ اعزالدین کے لشکر میں چلے گئے تھے مگر چند دن بعد وہ علی اصغر خاں کی فوج داری کا خزانہ لے کر محمد فرخ سیر کے پاس چلے گئے۔

کھجوہ کا معرکہ

اعزالدین قصبہ کھجوہ کے قریب پہنچ گیا تھا۔ ابھی فرخ سیر کا لشکر تیرہ چودہ کوس پر تھا مگر اس کی آمد کی دہشت ناک خبریں اس طرح اڑ رہی تھیں کہ شاہزادہ نے بدحواس ہوکر اواخر شوال کو کھجوہ کے قریب ہی کیمپ لگا دیا۔ پیش قدمی روک دی۔ لشکرگاہ کے اطراف خندق اور مورچہ بندی کا حکم دیدیا۔ اس کے ان بزدلانہ حفاظتی انتظامات کو دیکھ کر دشمن اور دلیر ہوگیا آخر سید عبداللہ خاں اور حسین علی خاں کے پیش رو دستے۔ ایک دو کوس پر پہنچ گئے اور ان کے جھنڈے نظر آنے لگے۔ فوجوں میں ابھی تک کوئی مقابلہ نہیں ہوا تھا سید عبداللہ خاں نے بھی دیہات کے اطراف کی دیوار سے مورچہ بندی کرلی اور دن کے سہ پہر سے رات کے سہ پہر تک اعزالدین کی فوج پر گولہ باری کرتا رہا۔

اعزالدین کا فرار

شاہزادہ اعزالدین پہلے ہی باپ سے شاکی تھا۔ کیونکہ لعل کنور ہمیشہ اس کے خلاف باپ کو بھڑکاتی رہتی تھی اور وہ شاہزادہ کے ساتھ سختی و تندی سے پیش آتا تھا۔ پھر اس مہم پر اس کو مامور بھی کیا گیا تو بالکل بے دست و پا سارے اختیارات خان دوراں کے ہاتھ میں تھے۔ یہ بات بھی اس کے لئے سخت ناگوار تھی۔ ماہ مذکور کی ۲۹ تاریخ کو اس نے خان دوراں سے مشورہ کیا وہ بھی سخت بدحواس اور گھبرایا ہوا تھا اس کی بزدلی اس کے چہرہ سے عیاں تھی دونوں نے بہر حال فرار ہو جانے کا فیصلہ کرلیا۔ اور پھر اس بدحواسی سے بھاگے صرف جواہرات اور اشرفیوں کا خزانہ ساتھ لے گئے باقی تمام خزانہ سازوسامان خیمہ اور توشک خانہ دشمنوں کے لئے بطور تحفہ چھوڑ گئے۔ دونوں رات کے آخر میں فرار ہوئے تھے ان کے فرار کی خبر پھیلتے ہی سارا لشکر بھاگ کھڑا ہوا۔

ہرکاروں نے جب دشمن کے فرار کی خبر فرخ سیر کے لشکر میں پہنچائی تو لشکری بھوکے باز کی طرح تعاقب میں پہنچے جن کے پاس ایک دن کی غذا کا اہتمام بھی نہیں تھا۔ اس قدر مال غنیمت ملا کہ سب مالا مال ہوگئے ہاتھی گھوڑے خزانہ خیمہ اور سارا سازوسامان فرخ سیر کے ہاتھ آگیا۔ کہتے ہیں۔ لوٹ مار کے بعد جو سامان ضبط کیا گیا تھا اس میں خان دوراں

کے توشک خانہ سے صرف زنانے کپڑے بڑی کثیر تعداد میں برآمد ہوئے تھے کہ ان کا شمار مشکل ہوگیا تھا دوسرے قیمتی کپڑوں کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

جب اعزالدین بہ حال تباہ اکبر آباد پہنچا تو قلیچ خاں بہادر نے یہی مناسب جانا کہ جہاں دار شاہ کا حکم آنے تک اسے دارالخلافہ اکبرآباد ہی میں روک لیا جائے۔

جہاں دار شاہ کا کوچ

جہاں دار شاہ ۱۷ر جمادی الاول کو دارالخلافہ دہلی میں داخل ہوا تھا اور اعزالدین کی فتح کی خبر کا انتظار کر رہا تھا۔ بیٹے کی شکست کی خبر سن کر وہ سخت پریشان ہوگیا اور وسط ذی قعدہ سن گیارہ سو تیئس ہجری (۱۱۲۳ھ) مطابق ۲۵ رماہ آذر کو دارالخلافہ سے نکلا۔ ہراول پر ذوالفقار خان بہادر نصرت جنگ تھا اور کوکلتاش خاں بہادر، اعظم خاں، جانی خاں، سپہ دار خان اور ایران و توران کے دوسرے بہادر سردار ساتھ تھے۔ ایک بھاری توپ خانہ بھی ہمراہ تھا اس کے لشکر کی کل تعداد ستر اسی ہزار کے قریب تھی۔ جہاں دار شاہ شاہانہ دبدبہ اور وقار کے ساتھ کوچ کرتے ہوئے اکبرآباد کے قریب سموگڈھ کے میدان میں پہنچ گیا۔ مقابل سے فرخ سیر بھی سید عبداللہ خاں، حسین علی خاں اور دوسرے تجربہ کار امراء کے ساتھ بڑی عسرت اور تنگ دستی کے عالم میں اکبرآباد کے قریب آگیا۔ اس کی فوج جہاں دار شاہ کے لشکر کا تیسرا حصہ بھی نہیں تھی۔ جہاں دار شاہ کی فوج کی کثرت توپ خانہ اور ساز و سامان کو دیکھ کر اس کی شکست کا بظاہر کوئی امکان تھا ہی نہیں مگر اندرونی طور پر لوگ جہاں دار شاہ کی اوچھی حرکتوں سے بہت نالاں تھے یہ شکایت بھی عام تھی کہ اس نے اونچے اونچے مناصب پر ادنیٰ اور ذلیل آدمیوں کو مامور کر دیا تھا اور قدیم و جدید امراء اور سرداران فوج اسی بات سے بہت بددل تھے۔ اور ہمیشہ مایوسی بیزاری کی باتیں کرتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک مشہور قول کے مطابق اس کے لشکر کے امراء و سردار خفیہ طور پر فرخ سیر سے ساز باز کر چکے تھے اور نامہ و پیغام بھیجتے رہتے تھے۔

امرائے دربار کا نفاق

ذوالفقار خاں بہادر اور کوکلتاش خاں اپنے بھائی کے ساتھ جہاں دار شاہ کے وفادار اور جاں نثار تھے، مگر دونوں باہمی حسد و نفاق کی وجہ سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے اور اچھی سے اچھی تجویز کو بھی ایک دوسرے کی مخالفت میں بے اثر بنادیتے تھے خاص طور سے کوکلتاش خاں محض ذاتی حسد و بغض کی وجہ سے نہایت احمقانہ حرکتیں کرتا رہتا تھا چنانچہ جمنا کے گھاٹ کو عبور کرنے پر دونوں میں سخت اختلاف ہوگیا۔ ایک کہتا تھا کہ دشمن کو دریا عبور کرنے کا موقع نہیں دینا چاہیئے، اور خود دریا عبور کرکے اس کے مقابل پہنچ جانا چاہیئے دوسرے کا مشورہ تھا کہ محمد فرخ سیر کو دریا کے اس طرف آنے دو کیونکہ ہم اگر دریا کے اس طرف جاکر مقابلہ کریں تو دشمن شکست کھانے کے بعد بآسانی فرار ہوجائے گا اور دوبارہ فتنہ انگیزی پر کمر باندھ لے گا اور یہ مہم طویل ہو جائے گی۔ چونکہ دریا میں پانی بہت تھا اور کہیں سے بھی دریا پایاب نہیں تھا۔ اس لئے فرخ سیر کا اتنی جلدی دریا کو عبور کرلینا ممکن بھی نہیں تھا۔

جس دن محمد فرخ سیر بڑی عسرت و تباہ حالی میں دور دراز مسافت طے کرکے اکبرآباد کے مقابل دریا کے کنارے پہنچا تو اس کی فوج کا بڑا حصہ ابھی پیچھے ہی رہ گیا تھا اور اس کے ساتھ بہت تھوڑی سی جمعیت تھی مگر بادشاہی لشکر میں ایسا خوف وہراس پھیلا کر شب خون کے خوف سے تمام سوار سردی میں ٹھٹھرتے ہوئے اپنے گھوڑوں کی لگام پکڑے رات بھر جاگتے رہے۔

اکبرآباد کا میدان جنگ

فرخ سیر کے آدمیوں نے دریا کو عبور کرنے کے لئے ایک مقام تلاش کرلیا جہاں سینہ سینہ تک پانی تھا ۱۱ ذی الحجہ کو رات کے آخری حصہ میں سید عبداللہ خاں چڑھائی کی طرف روانہ ہوا اور جہاں دار شاہ کے لشکر کے مقابل سے بڑھتے ہوتے وہ اس مقام پر پہنچ گیا۔ یہ گھاٹ روز بہانی کی سرائے کے قریب شاہجہاں آباد کی سمت اکبرآباد سے چار کوس پر تھا۔ دریا پار کرنے کے بعد اس نے دہلی کی طرف پشت رکھی اور دشمن کے لشکر کے عقب میں پہنچ گیا۔ محمد فرخ سیر بھی اپنے خاص خاص آدمیوں اور بہادر جاں بازوں کو لے کر

تین چار گھڑی بعد دریا کو عبور کر گیا۔ حسین علی خاں اور چھبیلہ رام ناگر جہاں دار شاہ کی فوج کو روکنے کے لئے چنداول کے طور پر دریا کے اسی طرف ٹھیرے رہے اور جب ہر طرح اطمینان ہوگیا تو ایک دن اور ایک رات بعد انھوں نے دریا کو عبور کیا۔ جہاں دار شاہ کے سپہ سالاروں کو اس وقت خبر ہوئی جب کہ فرخ سیر کی فوج بلائے ناگہاں کی طرح عقب سے نمودار ہوئی۔ پہلے ہی سے لشکر میں فوج بندی قائم نہیں تھی۔ بدحواس ہوکر دشمن کی طرف متوجہ ہوئے اور جلدی جلدی فوج کی ترتیب قائم کی اور توپ خانہ کو آگے بڑھایا۔ دائیں بازو پر کوکلتاش خاں بہادر اس کا بھائی اور اعظم خاں، جانی خاں وغیرہ تھے اور بائیں بازو پر ذوالفقار خاں، عبدالصمد خاں جنگجو امیروں کے ساتھ متعین تھے۔ جہاں دار شاہ کا دایاں بازو جس میں کوکلتاش خاں اعتما والدولہ محمد امین خاں بہادر، قلیچ خاں، بہادر جاں، نثار خاں اور توران کے بہادر تھے اپنی جگہ متعین تھا۔ حاجی محمد خاں، اسلام خاں، مرتضیٰ خاں، حفیظ اللہ خاں، اور توپ خانہ کا داروغہ رضا قلی خاں توپ رہکلہ شتر نال، ہتھنال اور بے شمار زنبورک کے ساتھ میمنہ، میسرہ اور یلتمش پر مقرر ہوئے ان کے ساتھ تند خو پٹھانوں کی جمعیت بھی تھی اگر ہم ہر ایک کا نام لیں تو بڑی لمبی نہرس بن جائے گی۔

فوجوں کا دلیرانہ مقابلہ

جمعہ کے دن ۱۳ ماہ ذی الحج سن گیارہ سو تیئیس ہجری ۱۱۲۳ھ کو دن کے سہ پہر تک فوجوں کے مقابلہ کے کوئی آثار نظر نہیں آرہے تھے۔ جب گھڑی بھر دن رہ گیا تو پہلے سید عبداللہ خاں ہراول ... بارہہ کی فوج کے ساتھ دشمن کے مقابلہ پر آہستہ آہستہ بڑھنے لگا اور حملہ کر دیا۔ توران کے سردار اور امیر جہاں دار شاہ سے بہت ناراض تھے اور دل لگا کر دشمن سے مقابلہ نہیں کرنا چاہتے تھے تاہم انھوں نے عبداللہ خاں کو بڑھتا دیکھ کر چند تیر اس کی طرف چلا دیئے۔ سید عبداللہ خاں بھی توران کے بہادروں سے مقابلہ سے کترا کر دوسری صرف بڑھ گیا۔ دوسری طرف ۔ حسین علی خاں اور صف شکن خاں عرف حسن بیگ جو دلیر ترک تھے اور محمد فرخ سیر کے توپ خانہ کا داروغہ فتح علی خاں میر اشرف

زین الدین خاں ذوالفقار خاں کے مقابلہ پر بڑھے۔ خان زماں عرف علی اصغر اور چھبیلہ رام ناگر کوکلتاش خاں کے مقابل تھے۔

حسین علی خاں کی شکست

صف آرائی اور اقدام کے بعد بڑی سخت لڑائی چھڑی جہاں تک نظر کام کرتی تھی تلواروں کی چکا چک اور خون کی گل افشانی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔

بہادری زشمشیر کیں برگرفت   نئے نیزہ سرسبزی از سرگرفت
چناں آتش تیغ کیں شد بلند   کہ جستی زجا جوہرش چوں سپند

اس لڑائی میں صف شکن خاں جو حسین علی خاں کی عماری میں اس کا ردیف تھا اور فرخ سیر کے توپ خانہ کا داروغہ فتح علی خاں بہادر خاں روہیلہ کا بیٹا زین الدین خاں میر مشرف کا بھائی میر اشرف کہ یہ دونوں حسین علی خاں کے بہترین جمع دار تھے۔ مارے گئے۔ خان زماں اور چھبیلہ رام ناگر نے یہی مصلحت دیکھی کہ دریا کے کنارے ہٹ گئے اور موقع کا انتظار کرنے لگے جہاں دار شاہ کی طرف سے جانی خاں جہاں شاہی اور ممتاز خاں کام آگئے۔ حسین علی خاں نے جب اپنی فوج کو خطرہ میں دیکھا تو ہندوستان کے بہادروں کے طریقہ پر ہاتھی سے نیچے کود گیا اور بارہہ کی جمعیت کے ساتھ بہادری سے لڑتا رہا۔ اسے تیر اور گولی کے اتنے زخم لگے کہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

سید عبداللہ خاں کی ہزیمت

سید عبداللہ خاں کی فوج کو بھی شکست ہوئی دشمن کی تیرباری سے اس کے آدمی منتشر ہو گئے۔ اس کے نشان کے ہاتھی بھی اکثر جمعداروں کے ساتھ جُدا ہو گئے۔ کہتے ہیں اس کے ساتھ سو دو سو سواروں سے زیادہ نہیں رہے تھے عین اس وقت سید عبدالغفار نے عبداللہ خاں کے ہاتھی کے سامنے آکر کہا "میں ہوں سید عبدالغفار" یہ کہہ کر اس نے کمان میں تیر جوڑ کر عبداللہ خاں کی طرف چھوڑ دیا۔ عبداللہ خاں کے ہمراہیوں نے اس پر حملہ کر دیا۔ عبداللہ خاں نے اس کے تیر کو روک کے اس پر تیر چلایا

اور زخمی کر دیا۔ سید عبدالغفار زخم اٹھا کر جان بچا لے گیا۔ عبد اللہ خاں سخت پریشان تھا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب وہ کس طرف جائے اور نہ معلوم کس انجام سے دوچار ہونا پڑے آسے اپنے بھائی کے متعلق بھی کچھ نہیں معلوم تھا، مگر اسی وقت اس کے ہمراہیوں کی ایک جمعیت اس کے قریب آگئی۔ اس سے بڑی تقویت ہوئی اور اس نے چاہا جہاندار شاہ کی فوج کے عقب سے بڑھ کر دشمن کے بہیر پر پہنچ جائے مگر چاروں طرف مخالف فوجیں اس طرح حملہ آور تھیں کہ کہہ نہیں سکتے تھے وہ کدھر سے نکل کر کہاں پہنچے گا۔

سادات بارہہ کی تیراندازی

اس کی قسمت اچھی تھی کہ وہ ریلتا پیلتا ایک ایسے ٹیلہ پر جا پہنچا جو جہاں دار شاہ کی سواری اور قلب سے بس تیر پرتاپ کے فاصلہ پر تھا۔ اتنے میں فتح کا شادیانہ بج چکا تھا مگر بادشاہ کو خبر نہیں تھی کہ دشمن کی فوج عقب میں اس کے سر پر آ پہنچی ہے۔ سید عبد اللہ خاں نے اپنی مٹھی بھر فوج کو لے کر تیراندازی شروع کر دی اور سادات بارہہ جلو ریز تیر چھوڑتے ہوئے بڑھنے لگے۔ بادشاہی لشکر میں زنانہ سواری کے ہاتھیوں میں بڑی افراتفری مچ گئی۔ ابھی جہاں دار شاہ دشمن کے مقابل نہیں ہوا تھا کہ لعل کنور اور دوسرے گانے بجانے والیوں اور خواجہ سراؤں کے ہاتھی تیروں کی بوچھاڑ سے گھبرا کر منتشر ہو گئے۔ اور جہاں دار شاہ کے اکثر ساتھی بدحواس ہو گئے۔ اب جو جہاں دار شاہ دشمن کی طرف چلا تو اس کی سواری کا ہاتھی بھی دوسرے ہاتھیوں کی طرح بھڑک گیا اور فیل بان کے قابو میں نہیں رہا۔

جہاں دار شاہ کا فرار

اس اثنا میں سید عبد اللہ خاں کی متفرق فوج ہر طرف سے سمٹ سمٹ کر اسی جگہ جمع ہو گئی اور سادات بارہہ نے جرأت کے ساتھ پیش قدمی کر دی۔ اب تو جہاں دار شاہ کے لشکر میں بڑا انتشار اور خلل پیدا ہو گیا اور ان کی فوج ہزیمت کھا کر پسپا ہونے لگی۔ کوکلتاش خاں نے جب یہ صورت حال دیکھی تو جہاں دار شاہ کی مدد کے لئے وہ آگے بڑھا، مگر علی اصغر خاں اور چھبیلہ رام ایسے ہی وقت کے لئے گھات میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے بڑھ کر

اس کا راستہ روک دیا۔ ایک روایت کے مطابق ان دونوں نے اس سے قبل ہی اس پر حملہ کر دیا تھا۔ مسلسل گولیاں چلا کر اور تیر باری کر کے انھوں نے کوکلتاش خاں کو گرا دیا۔ اس حملہ میں داروغہ توپ خانہ رضا قلی خاں بھی کام آگیا۔ ایک روایت کے مطابق زخمی ہو کر اکبر آباد بھاگ گیا اور بعد میں زہر کھا کر مر گیا۔ اعظم خاں کوکلتاش خاں کا بھائی بھی زخمی ہو کر جہاں دار شاہ کے پاس پہنچ گیا۔ اب جہاں دار شاہ پر عرصۂ کارزار اس قدر تنگ ہوا کہ وہ لعل کنور کی سواری کے ہاتھی پر سوار ہو کر شام کے وقت اکبر آباد کی طرف نکل گیا۔

محمد فرخ سیر کی فتح

ذوالفقار خاں کو اس صورت حال کی اطلاع مل چکی تھی، اس پر بھی بڑا سخت وقت تھا تاہم وہ ایک گھڑی رات تک فرخ سیر کے مقابلہ پر جما رہا۔ جہاں دار شاہ اور شہزادہ اعزالدین کی تلاش میں اس نے لوگوں کو بڑی بڑی رقمیں دے کر دوڑایا کہ جہاں دار شاہ کا کوئی بیٹا بھی آجائے تو اس کو لے کر میں دشمن کو پسپا کردوں، مگر ان بدنصیبوں کا کوئی سراغ نہیں ملا اور ذوالفقار خاں بھی مایوس ہو کر دہلی کی طرف نکل گیا۔ بادشاہوں کی سفلہ پروری اور امراء کے حسد و نفاق کا یہی نتیجہ نکلنا تھا۔

جب محمد فرخ سیر کی فتح و نصرت کا شادیانہ بلند ہوا تو سید عبداللہ خاں کے آدمی لاشوں کے انبار میں حسین علی خاں کو تلاش کرنے لگے۔ لفنگوں اور غنڈوں نے اس کی پوشاک نوچ کھسوٹ لی تھی اور وہ برہنہ اور بے ہوش پڑا ہوا تھا مگر جیسے ہی فرخ سیر کی فتح کا مژدہ اس کے کان میں پڑا، اس کے بدن میں نئی جان سی پڑ گئی اسے اٹھا کر اس کے بھائی سید عبداللہ خاں کے پاس لے آئے۔

جہاں دار شاہ کی نظر بندی

جہاں دار شاہ نے رات اکبر آباد میں بسر کی اور مشہور قول کے مطابق داڑھی منڈوالی اور بھیس بدل کر آخر رات میں لعل کنور کے ہمراہ چند آدمیوں کو لے کر شاہ جہاں آباد روانہ ہو گیا۔ ذوالفقار خاں اور جہاں دار شاہ ایک کے پیچھے ایک پہر بھر رات کے فرق سے دارالخلافہ

پہنچے۔ جہاں دار شاہ سیدھے آصف الدولہ کے پاس گیا اور اس سے مشورہ و مدد طلب کی۔ ذوالفقار خاں نے بھی اس سلسلہ میں باپ (آصف الدولہ) سے سفارش کی کہ جہاں دار شاہ کو کابل یا دکن لے جاکر دوبارہ لشکر فراہم کیا جائے اور اس کی تلافی کے لئے کوشش کی جائے۔ آصف الدولہ بڑا تجربہ کار جہاں دیدہ آدمی تھا وہ صاف دیکھ رہا تھا کہ معزالدین (جہاں دار شاہ) فرماں روائی کا اہل نہیں ہے اور اب سارا معاملہ ہاتھ سے نکل چکا ہے۔ مزید جنگی تیاریوں سے بجز خلق خدا کی تباہی کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ پھر اتنا خزانہ بھی نہیں رہ گیا تھا کہ اس سے فوج کو بھرتی کیا جاتا۔ اس لئے اس نے یہی مناسب جانا کہ معزالدین جہاں دار شاہ کو قلعہ میں بھیج کر نظر بند کر دیا جائے۔ چنانچہ اس نے ذوالفقار خاں کی تجویز کی مخالفت کی اور کہا۔ تیموری خاندان میں سے جو بھی فرماں روا ہو اس کی اطاعت ہم پر لازم ہے۔ اب اگر ہم جہاں دار شاہ کو دوسری جگہ لے کر جائیں تو ایک نیا فتنہ برپا ہوگا، جس کا انجام معلوم نہیں کیا نکلے۔ دانشمند بخوبی جانتے ہیں کہ آصف الدولہ کا بیٹے کو اس طرح نصیحت کرنا اور روکنا بالکل برموقع اور برمحل تھا۔ مگر بہ تدبیر بندہ تقدیر خندہ کے مطابق اسے معلوم نہیں تھا کہ وہ کس مصیبت میں گرفتار ہونے والا ہے اور لوگوں کی ملامت کا نشانہ بننے والا ہے اور اپنی اور اپنے بیٹے کی جان موروثی دولت و آبرو بس فنا کی زد میں آچکی ہے ؎

مباش غرہ کہ دارم عصائی عقل بدست
کہ دست فتنہ دراز ست و چوب دوسر است

یہ بھی کہا گیا ہے ؎

بہ عذر توبہ تواں استن از عذاب خدائی
ولیک می نتواں از زبان مردم است

جہاں دار شاہ کی سلطنت دس ماہ چند دن رہی ؎

زمانہ دیر شد کیں پیشہ دارد،
کزیں بستاند و آں را سپارد

میں نے اس تاریخ کے آغاز ہی میں یہ لکھا تھا کہ مورخ کو امین اور دیانت دار ہونا چاہئے۔ یعنی وہ کسی لالچ اور خوف کے سبب دوست و بیگانہ کی طرف داری اور عداوت کے جذبہ سے قلم نہ اٹھائے جیسا کہ اس عہد کے مولفوں کا وطیرہ ہے، بلکہ راستی اور صداقت کو پیش نظر رکھے۔ اب میں دوبارہ اس بات کو دہراتا ہوں کہ فرخ سیر بادشاہ کی سلطنت میں زمانہ نے بڑے بڑے انقلابات پیدا کئے، ایک نیا ہی رنگ ڈھنگ پیدا ہوگیا اس عہد میں لوگوں نے بڑی جانب داری سے کام لیا ہے۔ نفع و نقصان کو سامنے رکھ کر کسی کو عیب لگایا تو کسی کے عیبوں سے یک سر چشم پوشی کی اور اعتدال کا سررشتہ ہاتھ سے چھوڑ دیا۔ مگر محرر اوراق یعنی میں نے محض اپنے شوق کے تحت قلم اٹھایا ہے اور اس تالیف میں اپنا کافی وقت ضائع کیا ہے میں نے کبھی کسی امیر وزیر کی خوشنودی کو پیش نظر رکھ کر یگانہ و بیگانہ کا فرق نہیں کیا اور کسی کی جانب داری سے کام نہیں لیا بلکہ جو کچھ میں نے مشاہدہ کیا اور جو کچھ میں نے محمّد فرخ سیر کے مصاحبوں اور سادات کے ہم نشینوں سے سُنا ہے جو ان کے بزم و رزم کے شریک تھے وہی لکھا ہے اور جہاں اقوال میں اختلاف تھا وہاں پوری طرح تحقیق کرکے وہی بات تحریر کی جو قرین صدق تھی اس کے باوجود بعض واقعات اور روداد یں اس عاجز کو نہیں مل سکیں علاوہ ازیں اس تالیف کے دوران میں اور زمانہ کی ناموافقت کے سبب بڑی پریشانیوں میں بھی مبتلا رہا۔ یہاں تک کہ مسودہ کا کاغذ تک مجھے میسر نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے اگر واقعات اور روایات میں کوئی فرق نظر آئے اور کہیں جانب داری کا شبہ ہو اور دوسری معتبر کتابوں سے میرے بیانات مطابق نہ ہوں تو مجھے معذور سمجھا جائے اور ملامت کا سزاوار نہ گردانیں بلکہ عفو و درگذر سے کام لیں۔

تیمور کا چودھواں جانشین

فرخ سیر کی تخت نشینی

جب محمد فرخ سیر بادشاہ کا سفینہ خطرات سے نکل کر فتح و کامیابی سے ہم کنار ہوا تو سب سے پہلے قلیچ خاں بہادر اور دوسرے تورانی سردار سید عبداللہ خاں کی وساطت سے حاضر بارگاہ ہوئے اور نئے بادشاہ کو سلطنت کی مبارک باد دی' بادشاہ نے ان پر عنایات کا اظہار کیا۔ فرخ سیر نے سید عبداللہ خاں کو لطف اللہ خاں صادق اور دوسرے امراء کے ساتھ دارالخلافہ دہلی کے بندوبست کے لئے روانہ کیا اور خود ایک ہفتہ بعد شاہجہاں آباد کی طرف کوچ کیا۔

فرخ سیر نے ۱۴ محرم سن گیارہ سو چوبیس (۱۱۲۴ھ) کو دہلی کے قریب بارہ پلہ پر قیام کیا۔ سید عبداللہ خاں کو خطیب الملک یار وفادار ظفر جنگ کا خطاب ہفت ہزاری ہفت ہزار سوار دواسپہ سہ اسپہ کا منصب اور وزارت کا عہدہ مرحمت کیا۔ حسین علی خاں کو امیر الامراء بہادر فیروز جنگ کا خطاب، ہفت ہزاری ہفت ہزار سوار کا منصب اور میر بخشی کا عہدہ ملا۔ محمد امین خاں کو اعتماد الدولہ کا خطاب اور ہزاری ہزار سوار کا اضافہ دیا گیا اور بخشی دوم کے عہدہ پر مقرر کیا۔ قلیچ خاں کا منصب پانچ ہزاری تھا۔ اضافہ دے کر اسے بھی ہفت ہزاری ہفت ہزار سوار کر دیا اور نظام الملک بہادر فتح جنگ کا خطاب عنایت کر کے دکن کا صوبہ دار مقرر کر دیا۔ داؤد خاں ذوالفقار خاں کی نیابت پر اورنگ آباد (خجستہ بنیاد) پر متعین تھا اور اصالتاً برہان پور کی صوبیداری بھی اس کے پاس تھی اسے بادشاہ نے احمد آباد و گجرات پر

کا صوبہ دار مقرر کردیا۔ محمد عاصم کو صمصام الدولہ خان دوراں بہادر کا خطاب اور سات ہزاری چھ ہزار سوار کا منصب دیا گیا۔ احمد بیگ کو جو معز الدین کا کوکہ (دودھ شریک) تھا۔ غازی الدین خاں غالب جنگ کا خطاب اور چھ ہزاری پانچ ہزار سوار کا منصب ملا اور بخشی سوم کے عہدہ پر مقرر کیا گیا۔ قاضی عبداللہ تورانی جہانگیر نگر کا قاضی تھا اس کو دارالخلافہ کی طرف کوچ کرنے سے پہلے بعض خفیہ معاملات کو سرانجام دینے کے لئے پہلے ہی شاہجہاں آباد روانہ کردیا گیا تھا۔ اس کو خان خاناں میر جملہ کا خطاب سات ہزاری سات ہزار سوار کا منصب عطا ہوا۔ بظاہر وہ دیوان خاص اور ڈاک کی داروغگی پر متعین تھا مگر اسے ہمدم و محرم خاص بنا کر دستخط خاص کے اختیارات بھی سپرد کر دیئے تھے۔ محمد جعفر منشی گیری اور ضمناً بعض دوسری خدمات پر مامور تھا اسے تقرب خاں کا خطاب اور خانساماں اور دارالانشاء کی خدمات سپرد کیں۔ ان کے علاوہ قطب الملک کے بھائیوں سیف الدین علی خاں اور نجم الدین علی خاں اور خان جہاں اور دوسرے بہت سے آدمیوں کو جو اس معرکہ میں رفیق تھے۔ سادات بارہہ اور بعض والا شاہی امراء کو جن کا حق خدمت ثابت ہوگیا تھا۔ حسب مراتب و مدارج منصب اضافہ خطاب اور عہدوں سے نوازے گئے ان کے ناموں کی تفصیل باعث طوالت ہوگی۔

سادات بارہہ سے اختلاف

قطب الملک سید عبداللہ خاں ملک کا نظم و نسق سنبھالنے شاہجہاں آباد پہنچا تو بادشاہ اور وزیر کے درمیان جو پہلی بات نزاع کا باعث بنی وہ یہ تھی کہ قطب الملک کے جاتے ہی بادشاہ محمد فرخ سیر نے "تن" اور خالصہ" کی دیوانی پر چھبیلہ رام ناگر کو مقرر کیا اور اپنے استاد افضل خاں کو صدر الصدور بنا دیا۔ ادھر قطب الملک نے دارالخلافہ پہنچنے کے بعد خالصہ کا دیوان لطف اللہ خاں صادق کو بنایا اور صدارت کا عہدہ سید امجد خاں کے نام کردیا جو اس سے پہلے بہادر شاہ کے عہد میں اسی خدمت پر مامور تھا۔ جب فرخ سیر بادشاہ نے دہلی پہنچ کر امور سلطنت سنبھالے تو صدارت اور دیوانی پر تقرر و تعیناتی کے مسئلہ پر بادشاہ اور وزیر کے درمیان اختلاف پیدا ہوگیا۔ قطب الملک کا کہنا تھا کہ وزارت کے آغاز ہی میں گر

میرے مقرر کردہ لوگ بحال نہ کئے جائیں تو میری وزارت کا کوئی اعتبار نہیں رہے گا۔
میر جملہ اور دوسرے مخالفوں نے بادشاہ کے ذہن نشین کرایا کہ اس میں شک نہیں بادشاہ اپنے ملازموں کو اختیارات تفویض کر دیتے ہیں مگر ملازمان شاہی کو بھی چاہیے کہ وہ اپنی حد میں رہیں۔ ایک ملازم کو کیا مجال کہ بادشاہ کے حکم کے بغیر وہ صدارت اور نیابت وزارت جیسے اہم عہدوں پر لوگوں کا تقرر کر دے۔

فرخ سیر کی سیرت و کردار

محمد فرخ سیر کشادہ مزاج قدرداں بادشاہ تھا، ہر ایک کی خدمت و کوشش کے صلہ میں تا حد امکان رعایت اور عنایت کرنا چاہتا تھا تاکہ کارکرد آدمیوں کو ہم چشموں میں امتیاز و مقام حاصل ہو جائے، مگر وہ ناتجربہ کار نوجوان تھا اختیارات کو استعمال کرنے کا سلیقہ نہیں تھا امور سلطنت میں تدبر حاصل نہیں تھا، کیونکہ اس کا بچپن باپ اور دادا سے دور صوبہ بنگالہ میں گذرا تھا۔ وہیں اُس نے نشو و نما پائی تھی۔ قائم مزاجی اور رائے صائب تو قطعًا نہیں تھی۔ دوسروں کی رائے پر چلنے والا آدمی تھا۔ پس تقدیر کا کھیل تھا کہ تخت سلطنت نصیب ہو گیا۔ تیموری خاندان کا اصل جوہر شجاعت بھی نصیب نہیں ہوئی، ذاتی طور پر بزدلی کا شکار تھا۔ صاحب غرض اشخاص کی باتوں پر غور و تدبر سے کام نہیں لیتا تھا اور تہہ تک پہنچنے کی کوشش نہیں کرتا تھا۔ ابتدائے سلطنت ہی میں اس نے فتنہ و فساد کا دروازہ کھول دیا اور پھر جو کچھ پیش آیا اسے بھگتنا پڑا۔ یہ تفصیل ہم انشاء اللہ تعالیٰ آگے بیان کریں گے۔

فرخ سیر کی پہلی غلطی

تخت نشینی کے بعد سب سے پہلی غلطی جو فرخ سیر سے ہوئی وہ وزارت پر تقرر کا معاملہ تھا۔ وزارت کا عہدہ نہایت اہم عہدہ ہے شاہانِ سلف نے اس عہدہ پر ہمیشہ باوقار دانشمند صاحب حوصلہ بردبار اور تجربہ کار حلیم الطبع اور سلیم الرائے اشخاص کو مقرر کیا ہے، اور وہ بھی تجربہ کر لینے اور آزما لینے کے بعد۔ وزارت سے مراد شہروں کی یا شاہی خاندان کے افراد کی دیوانی کا منصب ہے اور یہ منصب ہمیشہ سے سادات بارہہ کے شایان شان

سمجھا گیا ۔ چنانچہ حضرت صاحب قران ثانی (شاہجہاں) نے اپنی اکتیس سالہ سلطنت میں اور خلد مکاں نے جو سلطنت کے دستور العمل کے بانی ہیں اپنی پچاس سالہ فرماں روائی میں جب بھی کسی صوبہ کی دیوانی یا کسی شاہزادہ کی متصدی گری پر تقرر کیا تو سادات بارہہ کا ہی تقرر کیا، بلکہ سادات بارہہ جو شجاعت اور بہادری میں ضرب المثل رہے ہیں ۔ اکبر بادشاہ کے عہد میں درجۂ امارت پر فائز ہو چکے ہیں ۔ یہ لوگ شجاعت و بہادری کے ساتھ حلم و بردباری کے اوصاف کے بھی مالک تھے مگر انھوں نے کبھی بھی اقتدار و ریاست کی اس حد تک طمع اور خواہش نہیں کی تھی کہ حکومت کی بھاری ذمہ داریوں کو اپنے سر لے کر سلطنت کے مدار علیہ بن جائیں اور معاملات کو اس حد تک پہنچا دیں کہ دنیا کی رسوائی و بدنامی ان کے سر آئے اور سارا زمانہ ان پر آقا کشی کا الزام دھرے اور دنیا بھر کی بادشاہتوں میں ان کی بدنامی ہونے لگے اور وہ برعظیم ہند میں ایک بہت بڑے فتنہ و فساد کا باعث بن جائیں جس کے خمیازہ میں خود خاندان بارہہ کا قلع قمع ہو جائے ۔ جس کا ذکر ہم آگے کریں گے ۔ بزرگوں کا قول ہے کہ ہر ایک کو اپنی عقل بڑی اور اولاد پیاری معلوم ہوتی ہے، تاہم یہ حقیقت ہے کہ اللہ نے دنیا میں ہر کسی کو کسی ایک کام کے لئے پیدا کیا ہے ہر کام ہر شخص کو زیب نہیں دیتا ۔ بہر حال صدارت اور " خالصہ تن " کی دیوانی کا یہ تنازعہ اس طرح طے پایا کہ صدارت کے عہدہ پر بادشاہ کی مرضی کے مطابق افضل خاں کا تقرر ہوا اور خالصہ کی دیوانی پر لطف اللہ خاں صادق کو متقرر کر دیا اور چھبیلہ رام اکبر آباد کی صوبہ داری پر متعین ہوا ۔ یہ مسئلہ تو طے پا گیا مگر دور اندازوں نے دلوں میں عداوت کا جو تخم ڈال دیا تھا وہ نکل نہ سکا، آخر برگ و بار لا کر رہا ۔

فرخ سیر کا مصاحب میر جملہ

میر جملہ نے بادشاہ کے پاس بڑا اثر و رسوخ بڑھا لیا تھا ۔ اس میں شک نہیں وہ اپنے آشناؤں اور محتاجوں کے ساتھ بڑے حسن سلوک سے پیش آتا تھا خلق خدا کی کاربراری فیض رسانی اور دیانت داری میں مشہور و ممتاز تھا، مگر سادات بارہہ سے اُسے

بڑا حسد اور بغض تھا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ ہندوستان کی فرماں روائی کی زمام
سادات بارہہ کے ہاتھ میں چلی جائے جب وہ سلطنت کے اختیارات کو دونوں
سادات بھائیوں کے ہاتھ میں دیکھتا تھا تو اس سے یہ برداشت نہیں ہو سکتا تھا
اور وہ ان کے خلاف تازہ وارد مقربوں اور ہمدموں کو خیر خواہی جتلا کے اپنے ساتھ
ملئے رکھتا تھا، اور ان کے ذریعہ بادشاہ اور سادات بارہہ کے درمیان عناد ودشمنی
کو ہوا دیتا رہتا تھا۔ ایک مشہور قول کے مطابق موروثی امیروں کے شجر حیات کو قطع کرنے
کرنے اور آصف الدولہ کے خاندان کو برباد کرنے والا یہی شخص تھا۔ میر جملہ دونوں سادات
بھائیوں کے معاملات میں روز افزوں مداخلت کرکے ان کو مشتعل کرتا رہتا تھا۔ اس لئے ان کی
اطاعت و وفاداری بھی روز بروز کمزور ہوتی چلی گئی، اور وہ سرکشی و انحراف کی طرف مائل
ہوتے چلے گئے۔

قتلُ و خُونْ کی گرم بازاریْ

عام طور سے لوگوں کی زبان پر یہی ہے کہ ذوالفقار خاں کے استیصال اور قتل کے واقعہ میں سادات کا بھی ہاتھ تھا مگر ثقہ راویوں کے ذریعہ جو کچھ میں نے تحقیق کیا ہے وہ درج کر رہا ہوں۔

آصف الدولہ کی اطاعت

جہاں دار شاہ کی شکست کے بعد آصف الدولہ اور ذوالفقار خاں دونوں باپ بیٹے بڑے خوف و ہراس کے عالم میں بارہ پلہ آکر ٹھیر گئے اور بادشاہ کی خدمت میں حاضری کا ارادہ کیا۔ چونکہ امیر الامرا حسین علی خاں واقف ہو چکا تھا کہ بادشاہ اور میر جملہ کے درمیان ان لوگوں کے متعلق کیا مشورہ ہوا ہے اور کیا ارادہ پیش نظر ہے۔ اُس نے آصف الدولہ کو پیغام بھیجا کہ اگر تم میرے توسط سے حاضری دوگے تو تمہارا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔ جب دربار سرکار کے دوسرے ذمہ دار آدمیوں کو اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے اس بات کو مصلحت اور صواب دید کے خلاف جانا اور تقرب خاں کو جو ایران والوں کے گروہ میں شامل تھا۔ ذوالفقار خاں کے پاس بھجوایا۔ اس کو تسلی دلاسا دیا اور کلام پاک کی قسم بھی کھائی اور اُس کے ذہن نشین کرادیا کہ امیر الامرا کی معرفت حاضر ہونے کی صورت میں ندامت اور جانی و مالی نقصان کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اکثر برسر اقتدار امرا و حکام

نے اپنے دور اقتدار میں غریبوں ضعیفوں اور سادات پر ظلم وستم ڈھاتے تھے، خواہ اپنے اختیار سے یا بلا اختیار، مگر اب ان سب کو سادات بارہہ سے واسطہ پڑا تھا اور وہ ان کی خوشنودی کے طالب تھے، جیسے دکن کا نائب داؤد خاں اُس نے مرہٹوں سے مل کر کیا کچھ مظالم نہیں کئے تھے۔ اور سبھا چند کو صاحب اختیار بنانے کے لئے اس نے خوب رشوت لی تھی اور سادات کی بڑی توہین کی تھی مگر منتقم حقیقی نے اس کا کیا اس کے سامنے کردیا۔ اس کو بھی سادات بارہہ کی طرف رجوع کرنا پڑا اور اس کی موت اس کو دامن کشاں دار مکافات تک لے آئی۔

ذوالفقار خاں کا قتل

بہرحال میر جملہ آصف الدولہ اور ذوالفقار خاں کو دربار میں لے گیا اور اُن کے ہاتھ بندھوا کر باریاب کرایا۔ آصف الدولہ نے اپنے اور اپنے بیٹے کے قصوروں کی معافی کے لئے چند کلمے عرض کئے۔ بادشاہ نے بظاہر مہربانی کا سلوک کیا اور ہاتھ کھول دینے کا حکم دیا۔ خلعت اور جواہرات بھی عطا کئے۔ آصف الدولہ سے کہا "تم تو گھر جاؤ، ذوالفقار خاں سے ضروری بات کرنی ہے۔ اس لئے وہ خیمہ کے باہر انتظار کرے" آصف الدولہ بھانپ گیا کہ بس اُس کے بیٹے کی موت آگئی، اور وہ بڑے رنج وغم کے عالم میں اپنے خیمہ کو واپس آیا۔ ذوالفقار خاں بھی زندگی سے مایوس ہوگیا تھا اپنے قتل کے لئے تیار ہوگیا اور مقررہ مقام پر جا کر بیٹھ گیا۔ اس کو چاروں طرف سے امرائے دربار نے اور بادشاہی چیلوں نے گھیر لیا۔ پہلے تو بڑی سختی کے ساتھ عظیم الشان اور محمد کریم کے خون کا دعویٰ کیا گیا اور ذوالفقار خاں بھی اس شعر کے مطابق ؎

ہر کہ دست از جان بشوید
ہرچہ در دل آید بگوید

۱ سخت اور درشت جواب دیتا رہا۔ اسی اثنار میں لاچین بیگ جس کا لقب بہادر دل خاں تھا اور ایک روایت کے مطابق کسی ایک چیلہ نے پیچھے سے آکر
۲ ذوالفقار خاں کی گردن میں تسمہ ڈال کر اُسے کھینچا اور اطراف سے تمام چیلے ٹوٹ

پڑے اور اسے لکڑی سے لاتوں اور گھونسوں سے مارنے لگے اور چھری خنجر سے کچھوکے دینے لگے یہاں تک کہ اس کا کام ختم کردیا۔

جہاں دار شاہ کا قتل اسی دن بادشاہ کے حکم پر بعض لوگ قلعہ کے اندر گئے۔ قلعہ میں ترپولیہ کے مقام پر جہاں دار شاہ ایک تنگ و تاریک جگہ قید تھا۔ اس کو بھی تسمہ سے گلا گھونٹ کر ملک عدم روانہ کردیا گیا۔

محمد فرخ سیر سترہ محرم کو شہر اور قلعہ میں داخل ہوا۔ بادشاہ نے حکم دیا تھا کہ جہاں دار شاہ کا سر نیزہ پر چڑھا کر ہاتھی پر بلند کیا جائے اس کی لاش ہاتھی کی عماری میں بٹھا دی جائے اور ذوالفقار خاں کی لاش کو ہاتھی کی دم پر اوندھا باندھ دیا جائے اور ہماری سواری کے عقب میں گشت کرا کے ان کی لاشوں کو قلعہ کے دروازہ پر ڈال دیں ؎

آئے برادسادہرار غور و نخوت مرنج
چوں ترا خون برادر ہم چو شیر مادرست

لاچین بیگ کی تسمہ کشی آصف الدولہ کے لئے حکم ہوا کہ اس کی پالکی کو زنانہ سواریوں کے ساتھ لاکر اسی لباس میں جو اس کے اور اس کے متعلقین کے بدن پر تھا۔ خان جہاں بہادر کی حویلی میں نظر بند اور قید کردیا جائے۔ دونوں باپ بیٹوں کا مال و جائداد کوکلتاش خاں، راجہ سبھا چند اور دوسرے جہاں دار شاہی امرار کے مال و اسباب کے ساتھ، کہ یہ لوگ درحقیقت اللہ کی بارگاہ کے بھی مغضوب و معتوب تھے ضبط کرلیا گیا۔ راجہ سبھا چند لوگوں سے زباں درازی کرتا رہتا تھا، اس کی زبان کاٹ دینے کا حکم ہوا۔ زبان کاٹنے کے باوجود اس کو بات کرنے میں دقت نہیں ہوتی تھی، ہاں اب وہ گالی بکنے سے رک گیا تھا۔ ان کے علاوہ جن لوگوں کو بادشاہ کے حکم سے لاچین بیگ کی تسمہ کشی نے سفر آخرت پر مجبور کردیا ان میں سیدی قاسم تھا جو مدتوں کوتوالی کا افسر اعلیٰ رہا تھا۔ اس کے معتوب ہونے کا ثبوت نہیں مل سکا۔ دوسرا ہدایت کیش خاں تھا جو خلد مکان عالمگیر بادشاہ

کا تربیت دادہ اور واقعہ نگار کل تھا اور سعد اللہ خاں عرف ہدایت اللہ خاں پسر عنایت اللہ خاں بھی تھا جو ایک مدت تک محکمہ تن و خالصہ کا دیوان رہا تھا ۔ ان سزاؤں کی وجہ سے لاچین بیگ کا خطاب بجائے بہادر دل خاں کے لوگوں میں "تسمہ کش" مشہور ہو گیا تھا ۔ یہ سزائیں چونکہ قصور اور جرم کی تحقیق اور ثبوت کے بغیر دی گئی تھیں ۔ اس لئے عالمگیری اور بہادر شاہی امیروں کے دل میں تسمہ کشی کا ایسا ہول بیٹھ گیا تھا کہ جب وہ مجرا تسلیمات پر جانے کے لئے گھر سے نکلتے تھے تو اہل و عیال سے رخصت اور وداع ہو لیتے تھے ۔ تسمہ کشی کی اس سزا کا ایسا رواج ہوا کہ بازاری غنڈوں اور لفنگوں نے اس کو اپنے رزق کا وسیلہ بنا لیا ۔

ہدایت کیش کا قتل

ہدایت کیش خاں پر یہ الزام لگا یا کہ وہ بادشاہ محمد فرخ سیر کے بھائی محمد کریم کے ہاتھی کو جہاں دار شاہ کے پاس لے جانے کا سبب بنا تھا ۔ ہدایت اللہ خاں کے قتل کا سبب کچھ نہیں معلوم ہو سکا ، مگر یہ کہتے ہیں کہ بادشاہ بیگم کی طرف سے ایک جعلی رقعہ ہدایت اللہ خاں کا قصہ پاک کرنے کے لئے کہ وہ بیگم کی خانساما نی کے عہدہ پر بھی فائز تھا ۔ محمد فرخ سیر کے نام پہنچا تھا ۔ مگر جب فرخ سیر کی بادشاہ بیگم سے ملاقات ہوئی تو بیگم نے ہدایت اللہ خاں کے بے جا قتل پر اسے بُرا بھلا کہا ۔ بادشاہ نے اس رقعہ کا ذکر کیا تو بیگم نے انکار کیا کہ میں نے تو ایسا کوئی رقعہ نہیں بھیجا تھا ۔ فرخ سیر کو جب یہ معلوم ہوا تو بڑا افسوس کرنے لگا اور پشیمانی ظاہر کی ۔

شاہ قدرت اللہ درویش کا قتل

عجیب تر واقعہ تو شاہ قدرت اللہ نامی درویش کے قتل کا تھا ، جسے منصب اور عہدہ سے کوئی واسطہ نہیں تھا ۔ البتہ یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ شاہزادہ عظیم الشان کبھی کبھی امور سلطنت میں اس سے مشورہ کرتا رہتا تھا اور اسی کے ایما ء پر عظیم الشان کا مقرب ملازم حکیم سلیم قتل ہوا تھا ۔ بس اس شہرت پر میر جملہ نے اسے رات اپنے گھر مہمان بلایا اور بڑے اعزاز سے اس کی آؤ بھگت کی مگر ادھر اس کے گھر پر چوب داروں کو

بھیج کر پہرہ لگا دیا اور صبح ہوتے ہوتے اس کی گردن اُڑا دی۔ ان واقعات کی وجہ سے میر جملہ عام طور پر بدنام ہو گیا تھا۔

شاہ ایران کی سفارت

ایران اور ہندوستان کے تعلقات پچاس سال سے منقطع تھے، جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں عالمگیر بادشاہ کی سلطنت کے آغاز میں تربیت خاں ایلچی کی نامناسب حرکات کے سبب سفارتی روابط ختم ہو گئے تھے اور ایلچیوں کی آمد و رفت مسدود ہو گئی تھی۔ مگر خلد مکاں عالمگیر بادشاہ کے انتقال اور خلد منزل بہادر شاہ کی تخت نشینی پر شاہ حسین نے میر مرتضیٰ خفاف نامی ایک ایلچی کو تعزیت اور مبارکباد کا خط دے کر بہادر شاہ کی خدمت میں روانہ کیا تھا۔ یہ ایلچی جو تحائف لے کر آ رہا تھا ان میں تین سو منتخب عربی اور عراقی نسل کے گھوڑے تھے۔ جن کے زین اور ساز مروارید، یاقوت اور فیروزہ سے مرصع تھے۔ قیمتی مروارید کے ہار اور زربفت عمدہ قسم کے قالین اور فرنگ روم اور خطا کے شہروں کے تحائف بھی تھے کہ اگر ان کی تفصیل میں ہم جائیں تو بڑی طوالت ہو گی۔ یہ تحفے جہاز کے ذریعہ آ رہے تھے مگر جہاز کے تباہی میں آ جانے اور دوسرے حادثوں کی وجہ سے بہت سے گھوڑے تلف ہو گئے اور میر مرتضیٰ دو تین سال بنگالہ کی بندرگاہوں میں ہی سرگرداں رہا تھا۔ اب وہ فرخ سیر کی تخت نشینی کے بعد حاضر دربار ہوا۔ معتبر آدمیوں کی زبانی میں نے سُنا ہے کہ اس کے ساتھ اتنے قیمتی تحفے تھے کہ ایران کے شاہان سلف میں سے کسی نے اس کا دسواں حصہ بھی کبھی نہ بھیجا ہوگا۔ ایلچی نے اپنی طرف سے بارہ تیرہ گھوڑے چند تحائف جو تقریباً پانچ ہزار تومان کے تھے جن کی قیمت بارہ ہزار روپیہ ہوتی تھی نذر گذرانے۔ بادشاہ نے اسے ایک لاکھ روپیہ اور ایک اشرفی جس کا وزن دو سو تولہ تھا اور دو روپیہ جو چار چار سو تولہ کے تھے۔ خلعت جیغہ مرصع سرپیچ خنجر اور تلوار مرصع ساز کے ساتھ دو گھوڑے اور طلائی اور مینا کاری کے ساز کے عطا کئے۔

فرخ سیر کی تاریخ جلوس

بادشاہ نے حکم دیا کہ جہاں دار شاہ کے عہد کو مخالف عہد لکھا جائے اور محمد فرخ سیر کے جلوس کی تاریخ یکم ربیع الاول سن گیارہ سو تیئیس ہجری (۱۱۲۳ھ) لکھی جائے۔

نظام الملک دکن میں

نظام الملک بہادر فتح جنگ نے دکن پہنچنے کے بعد اپنی موروثی شجاعت اور تدبر ورائے کی مدد سے ایسا انتظام کیا کہ مرہٹوں سے قتال و جدال کی نوبت نہیں آئی اور دکن کا نظم ونسق بحال ہو گیا اور حسب سابق ملک تاخت وتاراج سے محفوظ ہو گیا، اور قافلے امن وامان سے گذرنے لگے۔ تاہم مرہٹے نصرت جنگ اور داؤد خاں کے دستور العمل کے عادی تھے اس لئے اب بھی وہ جہاں قابو مل جاتا تھا، چوتھ وصول کرتے رہتے تھے۔ فتح جنگ کی صوبہ داری کے بقیہ حالات آگے بیان کئے جائیں گے۔

سادات بارہہ کا اقتدار

(محمد فرخ سیر کے جلوس کا دوسرا سال)

اجیت سنگھ کی سرکشی

اب ہم راجہ اجیت سنگھ کی مہم کا کچھ حال لکھتے ہیں۔ خلد مکاں عالمگیر بادشاہ کی رحلت کے بعد راجہ اجیت سنگھ دوبارہ شرانگیزی پر اُتر آیا تھا۔ چنانچہ اُس نے اپنے وطن جودھپور میں مسجدوں کو منہدم کرادیا اور بُت خانے قائم کر دیئے۔ بہادر شاہ جب محمد اعظم شاہ کی جنگ سے فارغ ہوا تو اس نے راجپوتانہ کا رُخ کیا تھا اور ایک بڑے علاقہ پر فوج کشی کرکے راجپوتوں کو اطاعت پر مجبور کردیا تھا مگر پوری طرح وہاں کا بندوبست نہیں ہو سکا تھا۔ کیونکہ بہادر شاہ اپنے چھوٹے بھائی محمد کام بخش سے مقابلہ کے لئے دکن کی طرف روانہ ہوگیا تھا۔ بہادر شاہ کی واپسی کے بعد اجیت سنگھ اور دوسرے راجپوت سرداروں کی طرف سے برابر فتنہ انگیزی ہوتی رہتی۔ جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔ دکن سے واپسی کے بعد بہادر شاہ نے دوبارہ راجپوتوں کے خلاف کارروائی کی، مگر پنجاب میں سکھوں کے گرو کی بغاوت کے سبب راجپوتوں کی مہم پھر ادھوری رہ گئی اور بہادر شاہ کا لشکر پنجاب کی طرف چلا گیا۔

راجپوتوں کی اطاعت

محمد فرخ سیر بادشاہ کی تخت نشینی کے بعد بھی اجیت سنگھ کی طرف سے کچھ اچھے رویہ کا اظہار نہیں

ہوا۔ چنانچہ فرخ سیر نے امیر الامراء حسین علی خاں کو اپنے ماموں شائستہ خاں کے ساتھ ایک عمدہ فوج دے کر اجیت سنگھ کے خلاف فوج کشی کے لئے روانہ کر دیا۔۔۔ اجیت سنگھ بادشاہی لشکر کی روانگی سے خوف زدہ ہو گیا اور اس نے اپنے اہل و عیال اور مال و اسباب کو دشوار گذار پہاڑوں پر بھجوا دیا اور سارا علاقہ خالی کر دیا اور معتبر وکیلوں کو تحائف دے کر امیر الامراء کے پاس بھجوا دیا اور قصوروں کی معافی کے لئے عرض داشت پیش کر دی۔ اسی درمیان میں حسین علی خاں کے پاس سید عبد اللہ خاں کے مسلسل خطوط آرہے تھے جن میں اراکین دربار کی مخالفتوں اور سازشوں کا ذکر تھا اور اس کو جلد آنے کے لئے کہا گیا تھا۔ چنانچہ امیر الامراء نے اجیت سنگھ کی پیش کش اس شرط پر قبول کر لی کہ وہ نذرانہ کے ساتھ محمد فرخ سیر کے لئے اپنی بیٹی کو بھیج دے گا اور اپنے بیٹے کو امیر الامراء کی ملازمت میں شریک کرا دے گا۔ مصالحت کے طے پانے پر امیر الامراء نے بادشاہ کے ماموں شائستہ خاں کو راجہ کی بیٹی کو لانے کے لئے مقرر کر دیا اور خود دربار کے لئے روانہ ہو گیا۔

بادشاہ گر سید

درباری سیاست کا رنگ یہ تھا کہ سید عبد اللہ خاں اور امیر الامراء سید حسین علی خاں دونوں بھائی یہ چاہتے تھے کہ کوئی کام ان کی مرضی کے خلاف نہ ہونے پائے، منصب، اضافہ اور عہدے انہی کے ایماء پر دیئے جائیں۔ دوسری طرف بادشاہ نے میر جملہ کو اپنی طرف سے دستخط کرنے کی اجازت دے رکھی تھی اور مکرر یہ کہا تھا کہ میر جملہ کی زبان اور میر جملہ کے دستخط ہماری زبان اور دستخط سمجھی جائے۔ قطب الملک نے اپنے دیوان رتن چند نامی بقال کو راجہ کا خطاب دے کر دو ہزاری کے منصب پر مامور کر دیا تھا۔ اور سلطنت و وزارت کے سارے اختیارات اس کے ہاتھ میں دے رکھے تھے اور اس کا حال یہ تھا کہ وہ سید عبد اللہ خاں (قطب الملک) کا کام نکالنے میں یا اپنے کام بنانے میں مشغول رہتا تھا دوسروں کے کام کی طرف قطعاً متوجہ نہیں ہوتا تھا۔ اس کے برعکس میر جملہ کا یہ رویہ تھا کہ جو غرض مند بھی اس کے پاس رجوع کرتا تھا، وہ بے غرضانہ طور کا

اس کا کام کر دیتا تھا۔ منصب اضافہ اور خدمات پر تقرر کے لئے بادشاہ کی نیابت میں دستخط کر دیتا تھا۔ یہ دو عملی اور اختیارات کی تقسیم سے بڑی بدنظمی پیدا ہو گئی تھی۔ وزارت کے دستور کے خلاف ان کارروائیوں سے سادات کا اثر و رسوخ متاثر ہو رہا تھا، اور دونوں بھائی سخت رنجیدہ اور ناراض تھے۔

میر جملہ کی مخالفت

میر جملہ سادات کی اس ناراضگی اور گلہ شکوہ کو بادشاہ کے سامنے رکھ کر اپنی خیر خواہی جتلاتا رہتا تھا اور اس نے بادشاہ کے ذہن نشین کر دیا کہ یہ ذمہ دارانہ خدمات اور ملک کے اختیارات سادات بارہہ کے حوصلہ سے زائد ہیں اور ان کے بس کے نہیں اور ان کی حرکتوں سے نمک حرامی کے آثار ظاہر ہیں، ان باتوں سے بادشاہ کے دل میں دونوں بھائیوں کی طرف سے بڑا وسوسہ اور اندیشہ پیدا ہو گیا۔ بادشاہ دونوں بھائیوں امیر الامراء اور سید عبداللہ خاں کو گرفتار کرنے کی تدبیروں پر سوچتا رہا اور بار بار اس نے اس سلسلہ میں مشورے کئے۔ اس سلسلہ میں وہ شکار اور سیر کے بہانے محسن خاں کے باغ میں چلا گیا اور وہاں دونوں بھائیوں کے خلاف مختلف تدبیروں پر عمل کرنا چاہا مگر اس کی کوئی تدبیر بھی کارگر نہیں ہوئی۔ ان سازشوں کا علم دونوں بھائیوں کو بھی ہو گیا۔ مشہور ہے کہ اس کی اطلاع خود بادشاہ کی والدہ نے سید عبداللہ خاں کو دیدی تھی۔ کیونکہ وہ اس قول و عہد کا لحاظ رکھنا ضروری سمجھتی تھی جو دونوں بھائیوں سے اُس نے کیا تھا۔

حیدر قلی خاں دیوان

حیدر قلی خاں شاہزادہ عظیم الشان مرحوم کی سرکار سے متعلق تھا میر جملہ نے اس کی سرپرستی کی ویسے وہ بڑی صلاحیتوں کا آدمی تھا۔ بہادری کار روائی کارگزاری میں نادر روزگار افسر تھا اس کو دکن کی صدر دیوانی کے عہدہ پر مامور کر کے روانہ کر دیا گیا۔ اس وقت تک وہ بعض بندرگاہوں، عمدہ سرکاروں اور صوبوں کی کوئی چودہ پندرہ ذیلی وجزوی دیوانیوں پر فائز رہ چکا تھا۔ محالات خالصہ کا صدر امین بھی رہا تھا۔ ہر طرح کی وارد گی اور الماس کے کانوں کی داروغگی بھی اس کے سپرد رہی تھی اس طرح صوبہ داری، اخبار نویسی اور عدالتی عہدوں کے محکمہ

مال کا کوئی عہدہ نہیں تھا جس پر وہ کام نہ کر چکا ہو۔

شاہزادوں کو اندھا کرنے کا الزام

ایک اور الزام میر جملہ سے منسوب کیا جاتا ہے کہ شاہزادوں کے اندھا کر دینے کا مشورہ اسی نے بادشاہ کو دیا تھا۔ اغلباً سادات بارہہ اس مشورہ اور تجویز میں شریک نہیں تھے۔ واضح رہے کہ جہاں دار شاہ کا فرزند اعزالدین باپ کے معرکۂ جنگ سے فرار کے بعد بھاگ کر اکبر آباد میں روپوش ہو گیا تھا۔ اسے وہاں سے گرفتار کر کے لایا گیا اور اسے فرخ سیر نے اندھا کرا دیا۔ دوسرے جن شاہزادوں کی آنکھوں میں سلائی پھیر دی گئی ان میں خود محمد فرخ سیر کا چھوٹا بھائی محمد ہمایوں بخت ہے جس کی عمر دس گیارہ سال سے زیادہ نہیں تھی۔ تیسرا شاہزادہ والا تبار تھا جو محمد اعظم شاہ کا بیٹا تھا۔ اس کا بدلہ بھی جلد سامنے آ گیا انہی دنوں محمد فرخ سیر کا دو سالہ بیٹا فوت ہو گیا۔

دکن کی صوبہ داری کا قضیہ

اسی درمیان میں دکن کی صوبہ داری کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا بادشاہ اور میر جملہ کی مصلحت یہ تھی کہ امیر الامراء کو دکن کی صوبہ داری پر بھیج دیا جائے۔ امیر الامراء نے درخواست دی کہ وہ دکن کی صوبہ داری کو قبول کرتا ہے، مگر ذوالفقار خاں کی نیابت کی طرح وہ داؤد خاں کو وہاں اپنا نائب بنا دے گا اور جو سالانہ محصول مقرر کر دیا جائے گا وہ خزانہ میں ہر سال داخل کرا دے گا۔

امیر الامراء بادشاہ اور میر جملہ کے رویہ کو دیکھ کر نہیں چاہتا تھا کہ قطب الملک سید عبداللہ خاں کو تنہا چھوڑ دے اور دکن چلا جائے۔ چنانچہ وہ دربار چھوڑ کر دکن جانے پر راضی نہیں ہوا اور اس مسئلہ پر بڑی سخت گفتگو ہو گئی۔ یہ اختلاف یہاں تک بڑھا کہ دونوں بھائیوں نے دربار میں جانا بند کر دیا۔ اور مجرا تسلیمات سے بھی گریز کرنے لگے۔ بلکہ انھوں نے فوج جمع کرنے اور اپنے گھر کے اطراف مورچہ بندی کے انتظامات بھی کر لیے۔ ادھر بادشاہ اپنے خیر خواہوں کو جمع کر کے جن میں میر جملہ، خان دوراں اور محمد امین خاں پیش پیش تھے، خلوت میں مشورے کر رہا تھا اور ان محفلوں میں بہت

منصوبے اور تجویزیں زیر غور رہتی تھیں۔

سادات بارہہ اور فرخ سیر کی مصالحت

جب اس اختلاف کی خبر پھیلی تو دور ونزدیک کے شہروں میں بڑا خلفشار برپا ہوگیا اور غلہ وغیرہ گراں ہوگیا۔ اس درمیان میں نامہ و پیام دونوں فریقوں میں جاری رہا۔ آخر بادشاہ کی والدہ خود قطب الملک کے گھر گئیں اور اسے تسلی اور اطمینان دلایا اور یہ طے پایا کہ پہلے قلعہ میں سادات اپنے آدمیوں کو مقرر کردیں۔ پھر دونوں بھائی بادشاہ کے مجرا کے لئے حاضر ہوجائیں۔ چنانچہ قلعہ کا بند و بست سادات نے سنبھال لیا اور ہر جگہ سید عبداللہ خاں اور امیر الامراء کے آدمی پہرہ چوکی پر مقرر کر دیئے گئے اور قطب الملک اور امیر الامراء نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے قصوروں کی معافی چاہی اور بادشاہ کی بدگمانی کا شکوہ کرکے انھوں نے کمر سے تلوار کھول کر بادشاہ کے سامنے رکھدی اور کہا۔ اگر حضور کے دل میں ہماری طرف سے کوئی اندیشہ اور وسوسہ ہو تو اسی وقت ہمارے قتل کا حکم دیدیں یا منصب سے معزول کرکے کعبۃ اللہ کو روانہ کر دیں، مگر صاحب غرض چغل خور اشخاص کی باتوں میں آکر جاں نثار بندوں کو جانی و مالی ضرر پہنچانا حق شناس بادشاہوں کے مسلک کے خلاف ہے۔ آخر فتنہ کو رفع کرنے کے لئے اس بنیاد پر مصالحت طے پائی کہ امیر الامراء کے دکن روانہ ہونے سے پہلے میر جملہ کو صوبہ عظیم آباد عرف پٹنہ روانہ کردیا جائے۔ اس ملاقات میں امیر الامراء نے یہ بھی واضح کردیا کہ اگر میرے غیاب میں میر جملہ کو بادشاہ اپنے پاس طلب کریں گے یا میرے بھائی قطب الملک کے ساتھ غلط رویہ اختیار کیا جائے گا تو پھر بادشاہ سمجھ لیں کہ میں بیس دن کے اندر دکن سے یہاں پہنچ جاؤں گا۔ اس کی دوسری شرط یہ تھی کہ جاگیرداروں کا تقرر، تنزل جزو کل ساری ملازمتیں اور قلعہ داروں کے تبادلے اس کے اختیار میں ہوں۔ بادشاہ نے یہ باتیں تقاضائے وقت کے تحت مصلحتاً قبول کریں، بلکہ مشہور یہ ہے کہ اپنی مہر خاص طوعاً وکرہاً اس کے ہاتھ میں دیدی کہ وہ قلعہ داروں وغیرہ کے نام فرامین جاری کرنے میں بادشاہ کی منظوری کا محتاج نہ رہے۔ اس تصفیہ میں چار پانچ ماہ نکل گئے اور امیر الامراء کو رخصت کرنے کے بعد بھی بادشاہ شہر اور بارہ میں مقیم رہا۔

سلطنت آصفیہ کا بانی نظام الملک

اب ہم نظام الملک بہادر فتح جنگ کی دکن میں صوبہ داری اور بند وبست کا کچھ تذکرہ کرتے ہیں۔

نظام الملک دکن میں جب وہ والا نسب بہادر امیر دکن کا صوبہ دار بن کر اورنگ آباد پہنچا تو اس نے سب سے پہلے مرہٹوں کی طرف توجہ کی اور جیسا کہ ہم لکھ آئے ہیں کہ راجہ ساہو اور تارا بائی کی فوجوں سے کسی مقابلہ کی نوبت نہیں آئی، بلکہ مرہٹے نظام الملک کی شمشیر آرائی کی شہرت سے ایسے مرعوب ہوتے کہ انھوں نے ازخود لوٹ مار اور قافلوں پر فوج کشی جو وہ ہر سال کرتے رہتے تھے بند کردی تاہم جہاں جہاں ان کا قابو چلتا تھا اُن کے گماشتے چوتھ یعنی ہر محال کی جمع بندی کا چوتھا حصہ پرگنوں سے وصول کرتے رہتے تھے۔ نظام الملک کی غیرت پر چوتھ کی یہ وصولی بھی گراں تھی، چنانچہ اس نے چاہا کہ چوتھ کا یہ سلسلہ خاص طور سے اورنگ آباد کے نواح سے ختم کردیا جائے۔ چنانچہ اس نے فوج داروں اور ضلع داروں کو تاکیداً احکام لکھے اور اکثر مقامات سے اور اورنگ آباد کے محالات سے راجہ ساہو کے کمائش داروں (گماشتوں) کو بے دخل کردیا۔

مرہٹوں پر فوج کشی چوتھ کی بندش کے بعد خود نظام الملک عید الفطر کے بعد جلوس کے دوسرے سال پانچ چھ ہزار سواروں کی فوج اور بھاری

توپ خانہ لے کر پرگنوں کے بند و بست اور مرہٹہ فوجوں کے استیصال کے لئے کوچ کر دیا۔ اور ایک تجربہ کار بہادر افسر غیاث خاں اور اپنے دیوان کہیم کرن کو دوسرے اور سرداروں کے ساتھ پرگنوں کے نظم و نسق اور اطراف کے باغیوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ مرہٹوں کی ان سرداروں سے مقابلہ کی جرأت نہیں ہوئی اور سب فرار ہو گئے۔ نظام الملک تمام علاقہ کا بند و بست اور نظم و نسق درست کرنے اور بعض سرکشوں کی گوشمالی کے بعد اوائل ذی الحجہ میں اورنگ آباد واپس آ گیا۔ نظام الملک کی واپسی کے کچھ عرصہ بعد فسادی مرہٹے دور دراز کے علاقوں میں پھر نکل آتے اور قافلوں پر چھاپے مارنے لگے۔ چنانچہ ایک قافلہ بندرگاہ سورت سے احمد آباد اور اورنگ آباد آ رہا تھا محمد ابراہیم تبریزی بکلانہ کا بخشی اور واقعہ نگار اسی قافلہ میں تھا مرہٹوں نے حملہ کر کے اس کو اور ایک جمعیت کو شہید کر دیا۔

مرہٹوں کی فتنہ پردازی

مرہٹے ماہ رجب ۱۱۲۵ھ جلوس کے تیسرے سال اورنگ آباد سے تینتیس کوس پر ایک گڑھی میں جمع ہوتے جو انھوں نے ہر صوبہ کی طرح یہاں بھی پناہ گاہ کے طور پر بنا رکھی تھی۔ اس مجمع میں ان کے درمیان بڑی تیز و تند باتیں ہو رہی تھیں۔ رغالبًا اختلافات ختم کر کے متحد ہونے کا مسئلہ زیر غور تھا)۔ گلشن آباد کے نواح میں ایک پرگنہ شیر نام کا تھا وہاں کا دیسمکھ ابنوجی نامی مرہٹہ سردار تھا، وہ کبھی تو مرہٹوں کے ساتھ مل جاتا تھا اور کبھی ان کا زور توڑنے کے لئے بادشاہی افسروں کے ساتھ ہو جاتا تھا وہ بھی اس مجمع میں مصالحت کرانے والوں میں شامل تھا۔ اسی دوران میں نظام الملک بہادر کا ایک ضلع دار انور خاں نامی جو اورنگ آباد سے آٹھ کوس پر پھول مری نامی قصبہ میں رہتا تھا۔ اپنے تعلقہ کی خبرگیری کے لئے گشت پر نکلا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ مرہٹوں کا ایک کمائش دار بھی تھا جو اس سے پہلے اس ضلع کی چوتھ وصول کرنے پر متقرر تھا۔ چوتھ کی بندش کے بعد وہ ملازمت کی امید میں انور خاں کی خدمت میں آ گیا تھا۔ مرہٹوں میں سے ایک سردار سے انور خاں کے تعلقات و روابط تھے، اس کی مدد کرنے اور اس کے مخالف مرہٹوں کی

سرکوبی کے لئے وہ مذکورہ کماآنش دار کی راہنمائی میں روانہ ہوا۔ مگر اُسے راستہ میں خبر ملی کہ مرہٹہ سرداروں میں صلح ہو گئی ہے۔ انور خاں نے محسوس کیا کہ وہ ان تمام سرداروں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اس نے بعض ہمراہیوں کے مشورہ پر چاہا اس کماآنش دار کو جو منافقت اور مجبوری کے تحت ساتھ ہو گیا تھا۔ گرفتار کر لیا جائے۔ چنانچہ اس نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کر دیا اور انھوں نے اچانک اس پر حملہ کرکے گرفتار کر لیا اور ہتھیار اُتار کر اسے قید کر دیا۔ جب اس کی قید کی اطلاع مفسد مرہٹوں کے مجمع میں پہنچی تو انھوں نے اس بات کو اپنے لئے بھی خطرناک جانا اور سب نے مل کر انور خاں پر حملہ کر دیا۔ انور خاں کو ان کے مقابلہ کی مہلت ہی نہیں ملی اور وہ ان کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔ مرہٹوں نے اپنے کماآنش دار کو چھڑا لیا اور انور خاں کو ہمراہ لے کر چلے گئے اور ایک نئی شورش اور فتنہ کھڑا کر دیا۔

موسم باراں میں حملہ

جب مرہٹوں کی اس فتنہ پردازی کی خبر نظام الملک بہادر فتح جنگ کو ملی تو داؤد خاں کے بھائی ابراہیم خاں پنی کو مرہٹوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کر دیا۔ ابراہیم خاں نے مرہٹوں پر فوج کشی کر دی، مگر دشمن کے مقابلہ میں اس کی فوج بہت تھوڑی تھی۔ پھر رات دن کی بارشوں میں تیر کمان اور بندوقیں بیکار ہو گئی تھیں۔ پندرہ سولہ ہزار جنگجو مرہٹوں نے جمع ہو کر ابراہیم خاں کو اطراف سے گھیر لیا پٹھانوں پر بڑا سخت وقت آ گیا تھا، مگر ابراہیم خاں نے بڑی ثابت قدمی سے دشمن کی مدافعت کی اور نظام الملک کو کمک کے لئے لکھا۔ نظام الملک نے مرہٹوں کے غلبہ کی خبر سن کر اپنے ساتھ کی تمام فوجوں کو جو اورنگ آباد پر متعین تھیں، اپنے بیٹے غازی الدین خاں کی سرداری میں جو ابھی آٹھ سال کا لڑکا تھا، روانہ کر دیا۔ اس کی اتالیقی اور ہراولی پر محمد غیاث خاں دیوان اور مرزا خاں بخشی کو مقرر کیا۔ جب یہ فوج وہاں پہنچی ہے تو صورت یہ تھی کہ دس گیارہ مرہٹہ سردار بے شمار فوج لئے پڑے ہوئے تھے اور ہر روز چاروں طرف سے مرہٹوں کے دل چلے آ رہے تھے۔ بارش کی کثرت سے سارا علاقہ دلدل بنا ہوا تھا۔

بادشاہی توپ خانہ کیچڑ پانی میں پھنس گیا تھا۔ گھوڑوں میں نقل وحرکت کی طاقت نہیں رہی تھی۔اس کے باوجود مرہٹوں پر مسلمانوں کے لشکر کی ایسی ہیبت طاری ہوتی کہ وہ مقابلہ پر ٹھیر نہ سکے۔

مرہٹوں کا فرار

آنبوجی ان کا ایک سردار تھا جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں کہ وہ بادشاہی افسروں کی اطاعت بھی کر لیتا تھا اور اپنی قوم کی رفاقت بھی، دونوں کے درمیان اسے بس خنثی سمجھنا چاہیے۔ وہ اپنے آپ کو بڑا مدبر اور تجربہ کار آدمی سمجھتا تھا اُس نے مرہٹوں کو فرار ہو جانے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ مرہٹوں نے اپنے نامی گرامی سرداروں کے ماتحت چند منتخب سواروں کو دے کر نظام الملک کے ہراول کے مقابلہ پر بھیجا اور جنگ گریز لڑتے ہوئے بھاگ نکلے۔ فتح جنگ کی فوج کے بہادروں نے ان بدبختوں کی گڑھی کو مسمار کر دیا اور بارش کی صعوبت اور ندی نالوں کی طغیانی کے باوجود مرہٹوں کا تعاقب نہیں چھوڑا۔ چنانچہ فتح جنگ کی پیش رو فوج کا مرہٹوں کے چنداول سے مقابلہ ہوتا رہا، اور ان لڑائیوں میں بے شمار کافر مارے گئے، اور کافی مال غنیمت ہاتھ آیا، ان کے گھوڑے گھوڑیاں چھتری اور نشان مسلمانوں کو برابر ملتے رہے۔ دونوں فوجیں جنگ کرتے ہوئے منزلوں پر منزلیں طے کر رہی تھیں یہ سفر دونوں فریقوں کے لئے بڑا دشوار تھا۔ مگر مرہٹوں کو پھر بھی ایک سہولت تھی۔ راستہ میں کئی ایک گڑھیاں تھیں، ان میں سے بعض ان مرہٹوں کی پناہ گاہ کا کام دیتی تھیں۔ اکثر دیہات کے مقدم پٹواری وغیرہ ایک دو پرگنوں کے درمیان مرہٹوں سے حفاظت کے بہانہ گڑھی بنا لیتے تھے اور اسے کافی مستحکم رکھتے تھے۔ اندر ہی اندر وہ مرہٹوں سے ملے ہوتے تھے، بادشاہی فوج کو ان گڑھیوں کے محاصرہ کی فرصت اور مہلت تو نہیں تھی اور مرہٹے اپنے اہل عیال کو کافی سازوسامان کے ساتھ ان گڑھیوں میں بھیج دیتے تھے تاکہ وہ بادشاہی فوج سے محفوظ رہیں، اور خود ہلکے پھلکے ہو کر تیز رفتاری سے نکل جائیں۔ بہر حال اسی طرح ستر اسی کوس تک فوج نے مرہٹوں کا تعاقب کیا۔ آخر مرہٹے بُری طرح

تنگ آگئے اور دو ہاتھی جو ان کے لشکر کے لئے باعث فخر تھے چھوڑ دیتے۔ اور اپنے بہیر اور رسد کو بھی چھوڑ دیا اور متفرق ہوکر دشوار گذار پہاڑوں اور غاروں میں چھپ گئے۔ فاتح فوج دو ہاتھی بے شمار گھوڑیاں اور چھتریاں لے کر لوٹ گئی۔ ان ہی دنوں فتح جنگ نے ایک سخت بیماری سے صحت پائی تھی کہ اس فتح کی خوش خبری ملی عرصہ دراز بعد مرہٹوں کو بُری طرح زک اٹھانی پڑی تھی۔ اس خوشی میں نظام الملک فتح جنگ نے ایک بڑا جشن نوزدن تک منعقد کیا۔ بادشاہی امراء کو اور فوج کے سرداروں کو خلعت و اضافہ عطا کیا اور ہاتھیوں کو فتح کی عرض داشت کے ساتھ مرزا بیگ خاں کے ہمراہ حضور میں روانہ کر دیا۔

نظام الملک کے اخلاق و اوصاف

اب جب کہ نظام الملک بہادر فتح جنگ کا ذکر چھڑ گیا ہے۔ ہم اس نیک سرشت امیر کی صفات حمیدہ جیسے سلامت روی رعیت پروری نیک نفسی، خدا ترسی اور زہد و تقویٰ کا ذکر کرنا چاہتے ہیں، یہ تذکرہ خوشامد یا ریاکاری کے طور پر نہیں ہے۔ صرف اظہار حقیقت ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ وہ والانژاد شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کی اولاد میں شیخ عالم قدس سرہ کے پوتوں میں سے ہے، ان بزرگوں کے حالات اولیاء کے تذکروں میں موجود ہیں۔ دوسرے یہ کہ نظام الملک نے علوم عقلی و نقلی میں کہ یہ علوم حاصل زندگانی دنیاوی کامیابی اور نجات اخروی کی کلید ہیں، پورے کمال کے ساتھ حاصل کئے۔ چنانچہ نظم و نثر اور ربط کلام میں اس کو بڑی دست گاہ ہے، اور شاکر تخلص کرتا ہے۔ اس کے دو تین طبع زاد شعر ہم درج کرتے ہیں ؎

چوں گل بوی وصل گریباں دریدنی است — آہی زسوز سینہ بریاں کشیدنی است
زنہار دل بہ نقش و نگار جہاں مبند — رنگی کہ دیدہ زرخ گل پریدنی است
شاکر برنگ برق دریں عرصۂ خیال — دامن زخویش برزدہ یک دو دویدنی است

نظام الملک کی دیانت داری

اللہ تعالیٰ نے نظام الملک کو بزرگوں کے خمیر سے اٹھایا تھا۔ اسی لئے وہ اوامر و نواہی کی

اطاعت میں بڑی پابندی سے عمل کرتا تھا۔ خلد مکاں کی خدمت میں اُس نے تجربہ و تربیت حاصل کی تھی۔ اس لئے دین و دنیا کے فہم امور ملکی کے تدبر میں مرحوم بادشاہ کی حسن سیرت، اخلاق وصفات کو اُس نے پوری طرح اخذ کر لیا تھا، مالی معاملات میں یہ احتیاط تھی کہ صرف اپنی جاگیر کے روپیہ پر اکتفا کرتا تھا۔ رشوت جرمانہ تاوان اور کفار حربی کے سوا کسی سے پیش کش نذرانہ وغیرہ قبول کرنے سے نفرت کرتا تھا۔ ناجائز آمدنی سے اس درجہ اجتناب تھا کہ اگر ہم اس کی تفصیل بیان کریں تو طوالت ہو گی۔

جن دنوں از راہ لطف وقدردانی نظام الملک نے مجھے دکن کی صوبہ داری میں اپنی سرکار کا دیوان مقرر کیا تھا۔ تقریبًا آٹھ لاکھ روپیہ ضلع داری کی بابت جمع ہوتا تھا ضلع داری کی یہ بدعت داؤد خاں صوبہ دار نے ایجاد کی تھی جو صوبہ خاندیس اور بالاگھاٹ کے پرگنوں کی رعیت اور زمینداروں سے وصول کی جاتی تھی۔ اس ناجائز محصول کی وصولیابی میں داؤد خاں نے مرہٹوں سے ساز باز کر رکھی تھی اور وہ باہم شیر و شکر ہو کر اس طرح رعیت کو لوٹتے تھے۔ فتح جنگ نظام الملک کے متصدیوں نے بھی اس رقم کو وصول کرنے کے لئے منظوری لینی چاہی، مگر نظام الملک نے اس مد میں چاول کا ایک دانہ تک وصول کرنے کی اجازت نہیں دی اور اس محصول کو معاف کر دیا، بلکہ اس نے دیوانی کے افسروں کو برابر یہ تاکید کر رکھی تھی کہ فوج داری، راہداری اور دوسرے ممنوعہ ابواب سے جن کو اکثر حکام وعمال شیر مادر کی طرح حلال بنائے ہوتے تھے، اور ظلم وستم ڈھا کر رعیت سے وصول کرتے تھے ایک پائی تک وصول نہ کی جائے۔ اگرچہ کہ حکام اس سے باز نہیں آتے تھے، مگر خود اس بزرگ نے کبھی بھی ان ناجائز محاصل کو پسند نہیں کیا۔

نظام الملک کا عفو و درگذر

رعایا پر وہ اس قدر مہربان تھا کہ کبھی اس نے چور کا ہاتھ کاٹنے اور قتل کرنے تک کی سزا نہیں دی۔ دوسرے معاملات کا کیا ذکر؟

نظام الملک کے جواہر خانہ میں کافی قیمتی جواہرات اور مرصع آلات تھے، جس زمانہ میں وہ منصب ترک کرکے گوشہ نشین ہو گیا تھا، بعض خائن ملازموں نے بلور اور پیگون کے نقلی جواہرات تیار کرائے جو اسی شکل اور رنگ کے تھے اور اصلی جواہرات نکال لئے۔ اور ان کی جگہ نقلی جواہرات رکھ دیئے ۔ بعد میں جب دوبارہ منصب قبول کرنے کا موقع آیا تو متصدیوں نے چاہا کہ جواہر خانہ کے مشرف اور عملہ کی تحقیقات کرائی جائے۔ اس کارروائی میں بھی اس حق پرست امیر نے یہ گوارا نہیں کیا کہ قصور ثابت ہوئے بغیر اُن کی خفت و بے آبروئی ہو۔

دین داری اور علم پروری

اس نیک نفس سرداری کی ایک پسندیدہ عادت یہ تھی کہ وہ ہمیشہ صلحا، علما اور فقراء کی صحبت میں رہتا تھا۔ بزرگوں سے ملنے خود جاتا تھا اور ان کی امداد و اعانت میں کوشاں رہتا تھا۔ جشن بادشاہی کے دن کے سوا زینت و آرائش، شان دار لباس اور مسند کا اہتمام نہیں کرتا تھا۔

خود چونکہ شعرگوئی اور سخن فہمی میں کمال رکھتا تھا اس لئے کبھی کبھی سخن سنج صاحب طبع لوگوں کی محفل بھی منعقد ہوتی تھی، مگر کوئی شاعر اس کی مدح میں قصیدہ یا شعر پڑھتا تھا تو یہ بات اس کو ناگوار گذرتی تھی۔

نظام الملک کے اوقات

اس نے اپنے اوقات اس طرح مقرر کر لئے تھے کہ صبح کی نماز ادا کرنے اور اوراد و وظائف پڑھنے کے بعد وہ دوپہر تک اپنی سرکار کی اور بادشاہی امور سے متعلق کارروائیوں میں معروف رہتا تھا۔ حتی المقدور جزوی اور کلی تمام معاملات میں بہ نفس نفیس توجہ کرتا تھا۔ سہ پہر کے بعد کا وقت، نماز ظہر اور عصر، دعاؤں اور تلاوت کلام پاک اور درس حدیث میں یا اہل کمال اور فقرا کی صحبت میں گذرتا تھا۔ اہل بیت اور ائمہ طاہرین سے اسے خاص عقیدت تھی۔ اس کی شجاعت و بردباری اور حوصلہ مندی کا حال تو خلد مکاں کے عہد کے تذکرہ میں ہم لکھ چکے ہیں، باقی آگے لکھیں گے۔

نظام الملک کی دکن سے واپسی

انہی دنوں دکن کی صوبہ داری پر امیرالامرا ر حسین علی خاں کے مقرر ہونے اور اس کے روانہ ہونے کی خبر پہنچی۔ صوبہ دار برہان پور نجابت خاں کے پاس امور ملکی کی نیابت کی سند اور دیوان دکن حیدر قلی خاں کے نام محکمہ مال کی سند حسین علی خاں کی طرف سے پہنچ گئی۔ نظام الملک بہادر فتح جنگ نے بھی اوائل ماہ صفر میں دربار کا ارادہ کرکے اورنگ آباد سے کوچ کر دیا۔ جب وہ برہان پور پہنچا تو معلوم ہوا کہ دو تین مرہٹہ سردار ایک بڑی فوج لے کر برہان پور کے اطراف شوخی و شرارت کر رہے ہیں۔ نظام الملک ان کی گوشمالی کے لئے اس وقت سوار ہو گیا۔ مرہٹہ ایک دشوار گزار جنگل میں چھپے ہوئے تھے۔ جنگل کو بھی انھوں نے آگ لگا دی تھی اور اندیشہ تھا کہ بارود اور بان بردار اونٹ آگ کی لپیٹ میں آجائیں، مگر اللہ تعالیٰ نے اس آفت سے محفوظ رکھا اور مرہٹوں کا زور بھی ٹوٹ گیا۔ نظام الملک نے چالیس کوس پر تک ان کا تعاقب کیا اور ان کی پوری طرح سرکوبی کرکے پرگنہ مہانیر کی سرحد سے لوٹ آیا۔ اور دربار کے لئے روانہ ہو گیا۔

امیر الامراء اور داؤد خاں کا مقابلہ

حسین علی خاں برہان پور میں آخر جمادی الاول میں حسین علی خاں نے دار الخلافہ کے بارہ پلہ سے کوچ کیا تھا۔ راستہ میں دونوں ایک دو کوس کے فاصلہ پر قریب پہنچ گئے۔ حسین علی خاں فتح جنگ سے ملنے کا بہت خواہشمند تھا مگر بادشاہ کے پاس خاطر سے وہ اغماض کرکے نکل گیا۔ جب امیر الامراء اکبر پور میں نربدا کے گھاٹ پر پہنچا تو اس کے سننے میں آیا کہ داؤد خاں پنی جو اس وقت احمد آباد کا صوبہ دار تھا بادشاہ کے حکم پر خاندیس کا صوبہ دار بن گیا ہے، اور برہان پور آگیا ہے۔ عام طور سے یہ شہرت تھی کہ خفیہ طور پر اس کے نام احکام گئے ہیں کہ وہ حسین علی خاں سے ملاقات نہ کرے، اور اس کی اطاعت نہ کرے بلکہ تا مقدور اس کے استیصال کی فکر میں رہے، اس کے عوض اسے پورے دکن کی صوبہ داری کا امیدوار بنا یا گیا تھا۔ چنانچہ داؤد خاں اپنی مستقل صوبہ داری کے زعم میں تھا اور ملاقات کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ امیر الامراء کو جب اس کی اطلاع ملی تو اس نے داؤد خاں کو پیغام بھیجا کہ چونکہ دکن کی کل صوبہ داری ہم سے متعلق ہے اس لئے تم کو چاہئے کہ راہ اطاعت سے قدم نہ ہٹاؤ اور ہمارے استقبال کے لئے آؤ، یا پھر تم بادشاہ کے پاس چلے جاؤ اور مسلمانوں کی خوں ریزی کا سبب نہ بنو۔ داؤد خاں نے دونوں باتیں قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اگرچہ اس نے شہر سے

نکل کر خیمہ لگا دیا تھا جیسے استقبال کے لئے نکلا ہو، مگر امیرالامراء کی اطاعت قبول کرنے کی حامی نہیں بھری۔ مرہٹہ سرداروں سے اس کا بڑا میل جول اور ربط ضبط تھا۔ نیبا سندھیا بادشاہ کے عمدہ ملازمین میں شمار ہوتا تھا۔ اس نے دو طرفہ شہرت دی کہ وہ حسین علی خاں کے استقبال پر اور داؤد خاں کی مدد کے لئے آیا ہے مگر اس کا منشاء یہی تھا کہ جو فریق غالب آجائے اس کا ساتھ دے۔ چنانچہ وہ چند مرہٹہ سرداروں کے ساتھ برہان پور کے قریب آکر ٹھیر گیا۔

صوبہ داروں کا مقابلہ

اب امیرالامراء اور داؤد خاں کے درمیان گفتگو طول پکڑتی گئی۔ آخرکار اوائل ماہ رمضان المبارک میں جلوس کے چوتھے سال جنگ کے لئے صفیں آراستہ ہوگئیں۔ امیرالامراء اپنے لشکر کے ساتھ کہ تقریباً پندرہ ہزار سوار موجود تھے۔ آگے بڑھا، دوسری طرف داؤد خاں کے ساتھ اس دن صرف تین چار ہزار پٹھانوں کی فوج تھی۔ اس نے ہیرامن بکسریہ کو، جو ہمیشہ اس کا میر شمشیر رہتا تھا، ہراول بناکر میدان میں روانہ کیا۔ برہان پور کے لعل باغ کے میدان میں یہ معرکہ گرم ہوا۔ امیرالامراء کی طرف جو مشہور سردار تھے ان کے نام یہ ہیں۔ سیف الدین علی خاں بہادر عالم علی خاں یہ دونوں امیرالامراء کے بھائی اور بھتیجے تھے۔ خان خاناں کا بیٹا خان زماں اسد علی خاں، علی مردان خاں، رستم بیگ، التفات خاں، فیروز علی خاں، بسالت خاں اعظم شاہی عرف سلطان نظر جو فوج کا بخشی اور واقعہ نگار تھا، محمد یوسف خاں داروغہ توپ خانہ ذوالفقار بیگ بخشی اور امیرالامراء کا دیوان، راجہ محکم سنگھ اور میر مشرف جو قدیم ملازم اور بڑا شجاع و بہادر تھا۔ ان کے علاوہ دوسرے بادشاہی امیر اور نامی گرامی ملازم جو برہان پور اور اورنگ آباد کے لئے متعین کئے گئے تھے، یہ سب امیر اور افسر دائیں بائیں اور ہراول پر مقرر تھے۔ غرض دونوں فوجوں میں بڑا سخت مقابلہ ہوا، تلواریں چمک رہی تھیں اور سر کٹ کٹ کر گر رہے تھے، داؤد خاں حسین علی خاں سے دو دو ہاتھ کرنا چاہتا تھا چنانچہ اس نے اپنے فیل بان کو تاکیداً

حکم دیا تھا کہ اس کے ہاتھی کو وہ امیرالامرار کے ہاتھی کے قریب پہنچا دے۔

خوں ریز معرکہ جب پہلا حملہ ہوا تو ہیرامن ہراول نے جو داؤد خاں کے لشکر کا خدنگ اولیں سمجھا جاتا تھا۔ ایک بڑی جمعیت کے ساتھ امیرالامرار کے توپ خانہ پر حملہ کردیا تھا، اور بڑے ہنگامہ کی لڑائی لڑتے ہوتے وہ سادات کی تلوار کا لقمہ بن چکا تھا۔ پھر داؤد خاں کے ہاتھی کے اطراف بڑے بڑے افغان یا تو مارے گئے تھے یا زخمی ہوگئے تھے۔ داؤد خاں کے ساتھ بہت کم آدمی رہ گئے تھے مگر وہ حسین علی خاں کو للکارتا ہوا بڑی بہادری سے حملوں پر حملے کر رہا تھا اور اپنے جاں نثار دو سو تین سو افغان نوجوانوں کو لے کر مسلسل تیراندازی کر رہا تھا، اور امیرالامرار کے قریب پہنچنے کے لئے برابر اپنا ہاتھی بڑھاتا جارہا تھا، اس کے رستمانہ حملوں سے امیرالامرار کے لشکر میں بڑی افراتفری پھیل گئی اور رستم بیگ توپ خانہ کا داروغہ محمد یوسف، بسالت خاں اور ایک بڑی جماعت اس معرکہ میں کام آگئی اور خان زماں خاں، عالم علی خاں اور چند عمدہ سردار زخمی ہوگئے۔

میر مشرف پر حملہ اس معرکہ میں میر مشرف نامور بہادر اور قوی ہیکل جوانوں میں سے تھا وہ سر سے پیر تک لوہے میں غرق ہاتھی پر کوہ البرز کی طرح جما بیٹھا تھا۔ اس نے داؤد خاں کے ہاتھی کے سامنے آکر تیر کمان پر چڑھایا۔ داؤد خاں جنگ میں کبھی زرہ بکتر نہیں پہنتا تھا۔ اس نے میر مشرف کو للکار کر کہا۔ یہ تو نے عورتوں کی طرح چہرہ کیا ڈھانپ رکھا ہے۔ جلبم (آہنی نقاب) اوپر اٹھا تاکہ تیری شکل تو دیکھوں، یہ کہا اور ایک تیر ایسا تاک کر مارا کہ گلے کے قریب بڑا کاری زخم لگا۔ میر مشرف نے وہ تیر بڑی دقت سے کھینچ کر نکالا اور عماری میں اُلٹا گر پڑا۔ ایک اور روایت ہے کہ جب دونوں کے ہاتھی ایک دوسرے سے پہلو رگڑنے لگے تھے۔ داؤد خاں کے فیل بان نے اپنے آنکس سے میر مشرف کے پشت اور پہلو پر دو تین ضرب لگائی تھیں، اس اثنا میں میر مشرف کے فیل بان نے اپنے ہاتھی کو داؤد خاں کے ہاتھی سے علیحدہ کرلیا۔ بہرحال میر مشرف

کو جو یہ صدمہ پہنچا تو امیرالامراء کی فوج کو گمان ہوا کہ اس زخم سے میر مشرف کا کام ختم ہو گیا۔ بس حسین علی خاں کی فوج کے دل پر بڑا ہراس اور خوف غالب آگیا۔

داؤد خاں کا قتل

لڑائی کی یہ صورت تھی اور قریب تھا کہ سادات کے لشکر کو ہزیمت ہو جاتے بلکہ اکثر لوگ میدان جنگ سے کنی کاٹ کر کنارہ ڈھونڈ رہے تھے۔ البتہ جان نثار سردار ابھی تک اپنی جگہ کھڑے ہوئے تھے تاہم ایک بڑی جماعت کے قدم اکھڑ چکے تھے مگر عین اس وقت بندوق کی ایک گولی داؤد خاں کو ایسی آکر لگی کہ وہ اس وقت ختم ہو گیا۔ فیل بان اور اس کے ہمراہیوں کو جب اس ہلاکت کا پتہ چلا تو انھوں نے اس کے ہاتھی کو میدان سے ہٹا لیا۔ امیرالامراء کو جب اطلاع ملی تو اس نے فتح کا شادیانہ بجوا دیا، داؤد خاں کا ہاتھی بھی گرفتار کر کے لایا گیا۔ امیرالامراء نے اُس کی لاش کو ہاتھی کی دم سے بندھوا کر شہر میں گشت کرایا۔

مرہٹوں کی لوٹ مار

نیما سندھیا اور دوسرے مرہٹہ سردار امیرالامراء کے رفیق بنے ہوتے تھے مگر دور ہی سے تماشہ دیکھ رہے تھے اور منتظر تھے کہ جو فوج شکست کھائے اُس کو لوٹ لیں، اگر جنگ کی لپیٹ میں ان کے قدم بھی اکھڑ گئے تھے اور وہ میدان سے بھاگ کھڑے ہوتے تھے۔ اب جو امیرالامراء کو فتح ہوئی تو مبارک باد دینے کے لیے پہنچ گئے اور اُن کی فوج داؤد خاں کے بھیر اور مال و اسباب کو لوٹنے میں مصروف ہو گئی، البتہ خزانہ، ہاتھی، گھوڑے وغیرہ امیرالامراء کی سرکار میں ضبط کر لئے گئے۔ انہی ہاتھیوں میں سے چند ہاتھی اُس نے دو سال بعد دربار میں بھجوا دیئے تھے۔

داؤد خاں کی بیوی

داؤد خاں کے متعلق یہ شہرت تھی کہ وہ نامرد ہے مگر بیان کرتے ہیں کہ احمد آباد کی صوبہ داری کے دنوں میں اس علاقہ کے کسی زمیندار کی لڑکی کو مسلمان کر کے اُس نے عقد کر لیا تھا، وہاں کا دستور بھی یہ تھا کہ وہ لوگ اپنی لڑکیوں کو حکام کے نذرانہ میں پیش کر دیتے تھے

اس سے لڑکی کو سات ماہ کا حمل بھی رہ گیا تھا۔ جب داؤد خاں جنگ کے ارادہ سے سوار ہوا ہے تو اس غیرت مند لڑکی نے اُس کی کمر سے جمدھر کھول کر رکھ لیا تھا جب اس نے سُنا کہ داؤد خاں مارا گیا تو اسی جمدھر سے اُس نے اپنے پیٹ کو چاک کرکے زندہ بچہ کو نکال دیا اور داؤد خاں کی رفیق سفر بن گئی۔ مگر اس واقعہ کا ثبوت نہیں مل سکا۔

فرخ سیر کو صدمہ جب اس لڑائی کی اور داؤد خاں کے مارے جانے کی اطلاع محمد فرخ سیر بادشاہ کو ملی تو اُسے بڑا ملال ہوا اور اُس کے چہرہ کا رنگ اُتر گیا اور قطب الملک سے کہا، ایسے باوقار نامور سردار کو بے جا قتل کر دیا۔ سید عبداللہ خاں نے جواب میں عرض کیا۔ اگر میرا بھائی اس پٹھان کے ہاتھ سے مارا جاتا تو شاید مرضی مبارک کی خوشنودی کا باعث ہوتا۔

ہندو مسلمان اور شیعہ سنّی فساد کی ابتدا

محمد فرخ سیر بادشاہ کے جلوس کا تیسرا سال

اب ہم ان حالات کا ذکر کرتے ہیں جو محمدؐ فرخ سیر کے جلوس کے تیسرے سال احمد آباد میں پیش آئے۔ اور ہندو مسلمانوں کے درمیان فساد پھوٹ پڑا۔ جس کے نتیجہ میں دارالخلافہ دہلی میں خواجہ محمدؐ جعفر درویش اور شیخ عبداللہ واعظ کے مابین تنازعہ پیدا ہوگیا۔ ہم مختصراً ان واقعات کو درج کرتے ہیں۔

ہولی کا فساد جلوس کے پہلے سال داؤد خاں پنی احمد آباد گجرات کا صوبہ دار مقرر ہوا تھا دوسرے سال ہولی کے تہوار کے موقع پر ناخوش گوار واقعہ پیش آیا۔ ایک ہندو کے گھر کے سامنے چند مسلمان رہتے تھے دونوں کے مکانوں کے درمیان صحن مشترک تھا جس رات ہندو ہولی جلاتے ہیں۔ ہندو نے اپنے گھر کے سامنے ہولی جلانے کا انتظام کیا۔ چونکہ صحن مشترک تھا، اس لئے مسلمانوں نے اس پر اعتراض کیا۔ داؤد خاں چونکہ کافروں کی پشت پناہی کرتا تھا اس لئے ہندو نے ہٹ دھرمی دکھائی کہ مجھے اختیار ہے کہ میں اپنے گھر میں جو چاہوں کروں اور حجت بازی کرکے اُس نے ہولی جلادی۔ دوسرے دن مسلمان نے جو اس کے مقابل رہتا تھا حضور اکرم سرور کائنات کی فاتحہ کا کھانا پکوایا اور اس ہندو کی مخالفت میں یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ یہ جگہ میرے گھر میں داخل ہے گائے لاکر

ذبح کردی۔ اس واقعہ پر محلہ کے تمام ہندؤں نے جمع ہوکر مسلمانوں پر حملہ کردیا۔ مسلمان قلیل تعداد میں تھے، گھروں میں محصور ہو گئے۔ ہندؤں نے بے باکی سے گاؤ قصاب کے چودہ پندرہ سالہ بیٹے کو اور ایک قول کے مطابق بوہرہ مسلمانوں میں سے ایک شخص کو جو اُن کے ہاتھ آگیا تھا پکڑکر نیچے گرایا اور ذبح کردیا۔ کافروں کے اس وحشیانہ ظلم کی خبر پھیلی تو مسلمانوں میں بڑا اشتعال پھیل گیا۔ ہر طرف سے ایک بڑا مجمع اکٹھا ہو گیا اور انھوں نے عام بلوے کا اعلان کرکے ہندؤں پر حملہ کردیا۔ یہاں تک کہ اسلام کی حمیت وغیرت میں احمد آباد کے پورہ جات سے خود داؤد خاں کے ہزاروں پٹھان ملازم بھی اپنے آقا کی اجازت لئے بغیر اس مجمع میں شامل ہو گئے اور شہر کے بوہروں کا بھی بہت بڑا ہجوم ہو گیا۔ یہ سب مل کر قاضی کے گھر پر پہنچے۔ قاضی نے فساد اور بلوہ کے اندیشہ سے اور صوبہ داری کی جانب داری کے خیال سے اپنا دروازہ بند کرادیا اور ان کی فریاد نہیں سنی۔ یہ بھی مشہور ہے، کہ داؤد خاں کی طرف داری اور رعایت کے خلاف خود قاضی کے اشارہ پر مسلمانوں نے قاضی کے گھر کے دروازہ کو آگ لگادی اور اس کے ساتھ ہی چوک میں بازاروں اور راستوں میں ہندؤں کی دکانوں اور گھروں کو بھی آگ لگادی گئی اس ہنگامہ میں بزازوں اور دوسرے تاجروں کی بہت سی دکانیں لوٹ لی گئیں اور تباہ ہو گئیں۔ اس کے بعد مشتعل ہجوم کپور چند جوہری کے گھر کو جلانے روانہ ہوا کپور چند بہت بدنام تھا۔ داؤد خاں کا مصاحب بنا ہوا تھا۔ نہایت متعصب شدید العداوت ہندو تھا" اور سارے فتنہ کی اصل جڑ وہی تھا۔ کپور چند کو معلوم ہوا تو اس نے اپنے محلہ کا دروازہ بند کراکے برقندازوں کی ایک جمعیت متعین کردی اور جنگ پر آمادہ ہو گیا۔ لڑائی میں ہندؤں اور مسلمانوں کی ایک جماعت کام آگئی۔ احمد آباد کے بازاروں میں یہ فساد اتنا شدید تھا کہ تین چار دن تک بازار بند رہے اور کاروبار معطل ہو گئے۔

شاہ عبدالعزیز کی گرفتاری

اس ہولناک ڈرامہ کا دوسرا منظر دارالخلافہ دہلی میں پیش آیا۔ فریقین کی بڑی بڑی جماعتیں وہاں

ہیں استغاثہ کرنے کے لئے روانہ ہوگئیں۔ داؤد خاں نے ایک محضر تیار کرکے کپور چند کو دیدیا جس پر اپنی اور دوسرے حکام کی مہریں لگادیں۔ اس محضر میں مسلمانوں پر ہی ظلم و تعدی کا الزام لگایا گیا تھا۔ کپور چند یہ محضر لے کر دار الخلافہ شاہجہاں آباد پہنچ گیا۔ مسلمانوں کی طرف سے شیخ عبدالعزیز شیخ عبدالواحد اور شیخ محمد علی واعظ بوہروں اور دوسرے مسلمانوں کا وفد لے کر دربار میں پہنچے۔ قطب الملک سید عبداللہ خاں کے دیوان راجہ رتن چند کو اپنی قوم کی جانب داری کرنی تھی۔ اُس نے اس محضر کو بہانہ بناکر جو ہندو اپنے ساتھ لاتے تھے۔ شیخ عبدالعزیز، شیخ عبدالواحد اور شیخ محمد علی واعظ کو اور مسلمانوں کے وفد کو گرفتار کرکے قید کردیا۔ ان لوگوں کو قید سے چھڑانے کے لئے خان دوراں بخشی کے بھائی خواجہ محمد جعفر نے جو مشہور گوشہ نشین درویش تھے۔ بڑی دوڑ دھوپ کی، جیسے ان کو اس واقعہ کی اور مسلمانوں کی گرفتاری کی اطلاع ملی' انھوں نے خانِ دوراں کے توسط سے ان کی رہائی کا انتظام کرایا۔ اس سلسلہ میں شیخ محمد علی واعظ اور خواجہ محمد جعفر کے درمیان دوستی اور محبت کے تعلقات پیدا ہو گئے۔ ان ہی تعلقات کے ضمن میں دہلی میں ایک اور قضیہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

خواجہ جعفر کی بدعتیں

خواجہ محمد جعفر کے ہاں معمول تھا کہ قوال حضرت خاتم النبیین کی نعت اور ائمہ طاہرین کی منقبت میں اشعار پڑھتے تھے خواجہ ائمہ کے مناقب بڑی رغبت اور شوق سے سنتے تھے۔ غالباً ان کے اثر کی وجہ سے ہی شیخ محمد علی بھی وعظ کے وقت حمد اور نعت کے بعد ائمہ اثنا عشرہ کی منقبت میں چند فقرے ضرور کہتے تھے۔ انہی دنوں شیخ عبداللہ نامی واعظ جو ملتان سے آئے ہوئے تھے اور جامع مسجد میں وعظ کہتے تھے۔ خواجہ محمد جعفر سے ملنے اُن کے گھر گئے۔ انھوں نے خواجہ کی مجلس میں دیکھا کہ اُن کے بعض مرید اور معتقد سلام کے بجائے زمین بوس ہوکر آداب کرتے ہیں۔ اور اکثر قوال بارہ اماموں کی منقبت میں قوالی گا رہے ہیں، تو شیخ عبداللہ نے نصیحت کے طور پر کہا "سجدہ بجز معبود برحق کے کسی کو سزاوار نہیں، اور گانا سننا ویسے بھی شریعت

کے خلاف ہے۔ پھر اس اہتمام سے کہ قوالی میں عمداً اہل بیت کی تو منقبت ہو اور صحابۂ کبار کا نام تک نہ لیا جائے۔ اسلام کے طریقہ کے خلاف ہے"۔ خواجہ نے جواب میں کہا "ہم فقراء ذات پاک حق کے سوا کسی کو موجود ہی نہیں جانتے۔ پھر کسی طرح ہم غیر حق کو سجدہ کرنے پر راضی ہو سکتے ہیں یہ لوگ فرط اخلاص سے ہر جگہ اپنے معبود کو حاضر جان کر زمین بوسی کرتے ہیں اور روکے نہیں رُکتے ہمارا اس میں کیا قصور ہے؟"

آں را کہ بکوچۂ حقیقت راہ است   از سر وجود ازلی آگاہ است

میداند اگر ذرہ بود یا خورشید   در دیدۂ عاشقاں جمال اللہ است

اب رہ گئے یہ قوال تو انھوں نے جو کچھ اپنے استاد سے سیکھا ہے وہی پڑھتے ہیں، اُن کو منع کرنا ہم نے کچھ ضروری نہیں جانا۔ اگر آپ کو اصحاب کرام کے مناقب میں اشعار یاد ہوں تو ان کو بتا دیجئے، ہم ان اشعار کے پڑھنے پر بھی اُن کو مامور کر دیں گے۔ شیخ عبداللہ نے یہ جواب سُن کر سمجھ لیا کہ خواجہ شیعہ مذہب کی طرف مائل ہے۔ چنانچہ وہ بہت آزردہ خاطر وہاں سے اُٹھ گئے۔

شیخ عبداللہ کا وعظ

اگلے جمعہ کو جامع مسجد میں شیخ عبداللہ نے وعظ میں خواجہ کے علی الرغم بعض متعصب متاخرین کے اقوال و اعتقاد بیان کئے۔ جیسے حضرت علیؓ امیرالمومنین آل عبا میں داخل نہیں ہیں اور علوی کو سید نہیں کہا جا سکتا اور پنج تن پاک کہنا اہل سنت کے عقیدہ کے خلاف ہے، اگر ان پنج تن کو پاک کہا جاتا ہے تو کیا دوسرے اصحاب کبار پاک نہیں تھے اسی طرح انھوں نے امامیہ مذہب کے خلاف اور چند باتیں کہیں۔ خواجہ محمد جعفر کو جب ان باتوں کی اطلاع ہوئی تو اُنھوں نے شیخ عبداللہ کو پیغام دیا کہ وعظ میں ان بحثوں کو چھیڑنا اہل سنت کے طریقہ کے خلاف ہے، بلکہ اس پر خارجیوں کے رویہ کا شبہ ہوتا ہے۔ اگر آپ غریب خانہ پر تشریف لے آئیں یا کوئی دوسری جگہ مقرر کریں تو دوسرے علماء کے ساتھ ان اقوال کے متعلق جو آپ بیان کرتے ہیں عقلی و نقلی دلائل سے مباحثہ کر لیا جائے اور آپ معتبر کتابوں سے ان کو خاطر نشیں کرا دیں۔ اُمید ہے یہ زحمت بے نتیجہ نہیں رہے گی۔

شیخ عبداللہ نے اس کا جواب سختی اور درشتی سے دیا۔

جامع مسجد دہلی میں حادثہ

اتفاق سے اسی کے قریب میں جمعہ کے دن وعظ کے دوران چند مغل زادے جن کی وضع قطع ازباشوں کی تھی ۔کربلا کی تسبیحیں گردن اور بازو پر لپیٹے مجلس میں آکر بیٹھ گئے اور تیز و تند نگاہوں سے شیخ عبداللہ کو گھورنے لگے ۔دوسری طرف دو تین ہزار سامعین نے یہ سمجھا کہ یہ جماعت خواجہ کی فرستادہ ہے اور یہ شیخ کو قتل کرنے آئے ہیں ۔انھوں نے رافضیوں کو تبرا بھلا کہنا شروع کر دیا ۔مغل زادے پیچ وتاب کھا کر مسجد سے نکل گئے ۔ جس وقت وہ جماعت مسجد سے اٹھی ایک شامت کا مارا ہندو جو سپاہیوں کی وضع میں تھا اور مسلمانوں کا وعظ سننے کی خواہش میں آیا ہوا تھا ۔ان کے پیچھے ہی اُٹھ کر جانے لگا۔ مسجد کے ایک خادم نے اس خیال سے کہ یہ ہندو بھی اسی جماعت کے ساتھ آیا تھا جو شیخ کے قتل کا ارادہ رکھتی تھی اس کو پکڑنے اور مارنے کے لئے دوڑا اور اس کے ساتھ چند اور لوگ بھی تھے اس ہندو نے گھوم کر جدھر سے مؤذن پر حملہ کر دیا اور وہ شہید ہو گیا ۔لوگوں نے اس ہندو کو بھی قتل کر دیا اور مسلمانوں نے اس تحقیق کے لئے وہ ہندو کس کا بھیجا ہوا تھا دو تین دن تک اس کی لاش اُٹھانے نہیں دی۔

شیخ اور خواجہ شہر بدر

ان واقعات کے پیش آنے پر شیخ عبداللہ کے چند ہوا خواہوں اور عالموں نے محمد فرخ سیر بادشاہ کے پاس استغاثہ کیا کہ خواجہ محمد جعفر اہل سنت کے دین میں خلل اندازی کر رہے ہیں ۔ اس سے پہلے خلد منزل بہادر شاہ کے عہد میں لفظ " وصی " پر بڑا ہنگامہ برپا ہوا تھا اور وہ بات چل نہ سکی تھی ۔اب اس سے بھی زیادہ بڑا فتنہ برپا ہو جائے گا۔اس کا سد باب یہی ہے کہ خواجہ محمد جعفر کو شہر بدر کر دیا جائے۔" ان دنوں دہلی کی فضا بالکل بدلی ہوئی تھی ۔ پہلے شاہجہاں آباد دہلی کے ہر معرکہ اور ہر بازار میں ائمہ اثنا عشری کی مدح و منقبت کا ذکر ہوتا رہتا تھا، مگر جامع مسجد کے ہنگامہ کے بعد دہلی کی گلیوں بازاروں میں رافضیوں کی مذمت کے سوا کچھ اور سننے میں نہیں آتا تھا ۔جب بادشاہ

کے پاس استغاثہ کیا گیا تو محمد فرخ سیر نے شریعت خاں قاضی دربار سے ان مسائل پر رائے طلب کی قاضی نے کہا "خواجہ محمد جعفر کی بداعتقادی شرعاً ثابت نہیں ہوتی اور جو کچھ شیخ عبداللہ کہتا ہے وہ اہل سنت کے عقائد کی معتبر کتابوں کے مطابق نہیں، تاہم رفع شر کے لئے خواجہ محمد جعفر سکونت تبدیل کر دے تو بہتر ہے" خان دوران نے بھی اس سلسلہ میں خواجہ سے بات چیت کی اور اُسے آمادہ کر لیا کہ چند دن کے لئے وہ حضرت خواجہ نظام الدین کی درگاہ پر جا کر ٹھیر جائیں تاکہ یہ فتنہ دب جائے۔

شیخ عبداللہ کی گرفتاری

خان دوراں نے شیخ عبداللہ کو بھی طلب کر کے معلوم کیا کہ وہ کس مطلب اور مدعا سے اس شہر میں آیا ہے پھر اس کی غرض اور مطلب کو پورا کر کے دو تین روز میں اسے بھی ملتان روانہ کر دیا گیا۔ ملتان جانے کے بعد بھی وہاں کے ناظم عقیدت خاں سے اس نے انہی روایات پر بحث مباحثہ کیا اور اس حد تک معاملہ بڑھ گیا کہ عقیدت خاں نے بادشاہ کے پاس محضر بھیج کر گرز بردار کو بلوایا اور اسے گرفتار کر کے دربار میں بھجوا دیا۔ شیخ عبداللہ کے معتقدوں اور پیروؤں نے اس کی رہائی کے لئے تعاقب کر کے گرز برداروں پر حملہ کر دیا اور دونوں طرف سے چند آدمی زخمی ہو گئے۔ مگر شیخ عبداللہ کو وہ چھڑا نہ سکے۔ دربار میں پہنچنے کے بعد اس کو قید کر دیا گیا اور وہ سادات کے عہد تک برابر نظربند رہا۔

سکھوں کی بغاوت کا خاتمہ

محمد فرخ سیر کے جلوس کا چوتھا سال

سکھوں کی بغاوت

محمد فرخ سیر کے جلوس کے چوتھے سال مطابق سن گیارہ سو اٹھائیس ۲۸ (چھبیس ۲۶) میں جو فتوحات عبدالصمد خاں دلیر جنگ اور دوسرے امراء کے ہاتھ پر ہوئیں ان میں اہم ترین واقعہ سکھوں کے گرو کی گرفتاری اور قتل کا واقعہ ہے۔ اس سے پہلے ہم اس کے خروج و سرکشی کے حالات لکھ چکے ہیں کہ خلد منزل بہادر شاہ نے اس کے خلاف فوج کشی کی تھی اور خان خاناں کو تیس ہزار سوار دے کر مقابلہ پر بھیجا تھا۔ پھر جب لوہ گڈھ کا محاصرہ کرلیا گیا تو وہ موقع پاکر نکل گیا تھا پھر اس کی سرکوبی کے لئے محمد امین خاں بہادر، آغر خاں، رستم دل خاں، انعام خاں اور دوسرے امراء کو مقرر کیا گیا، مگر باوجود طویل محاصرہ کے کوئی نتیجہ نہیں نکل سکا تھا، اس دوران میں سکھوں نے پرگنوں کو لوٹ مار کر کے تاراج کردیا اور ہندو مسلمانوں کے ہزاروں مردوں اور عورتوں کو وہ قتل کرتے رہے، مساجد اور بزرگوں کے مقبروں کو مسمار کردیا۔ چنانچہ شاہجہاں آباد اور پنجاب کے صوبوں میں اکثر قصبے اور محلات اسی کے ہاتھوں تباہ اور ویران ہوئے ہیں۔ اس نے اپنے آپ کو "سچا بادشاہ" کا لقب دے رکھا تھا اور تقریباً تیس چالیس ہزار جنگی سوار اور پیادے جمع کرلئے تھے۔ یہ سب کے سب دل و جان سے اس کے مرید اور اطاعت گذار تھے اور اپنے جان و مال کو قربان کردینا

بڑی سعادت سمجھتے تھے مسلمانوں کو مسجدوں مقبروں کو نقصان پہنچانا عبادت حسنہ سمجھتے تھے۔ یہ حالات ہم نے خلد منزل بہادر شاہ کے عہد میں تفصیل سے بیان کئے ہیں۔

سکھوں کی غارت گری

ان دنوں سکھوں نے صوبہ پنجاب میں شاہجہاں آباد سے دس بارہ روز کی مسافت پر ایک قلعہ گرودا س پور (گورداسپور) کے نام سے بنالیا تھا یہ ان کے سابقہ گرو کا عبادت خانہ تھا۔ اُس کے اطراف بڑا احاطہ بناکر یہ قلعہ بنالیا تھا۔ اس میں پچاس ساٹھ ہزار سوار اور پیادہ جمع ہو سکتے تھے۔ اس قلعہ کے برج اور فصیل کو مستحکم کرکے پناہ گاہ بنا رکھی تھی اور اطراف کے سیر حاصل پرگنوں کو اپنے قبضہ میں لے رکھا تھا اور آئے دن وہ لاہور اور سہرند عرف سرہند تک تاخت وتاراج کرتے رہتے تھے۔ بادشاہ نے عبدالصمدخاں دلیرجنگ کو دارالسلطنت لاہور کی صوبہ داری پر روانہ کردیا تھا اس کو اُس کے بیٹے زکریا خاں کے ساتھ اس بدبخت گرو کی سرکوبی پر مامور کردیا گیا۔ اس کی کمک اور مدد کے لئے اعتمادالدولہ کے بیٹے قمرالدین خاں، محمد امین خاں بہادر آغرخاں اور والاشاہی مغلوں اور احدیوں کی فوج کو توپ خانہ کے سرو سامان کے ساتھ روانہ کردیا۔

گورداسپور کا محاصرہ

عبدالصمد خاں دلیر جنگ توران کے نامی گرامی خاندان کا بہادر اور کارگذار امیر تھا۔ جب وہ اس کی گڑھی کے قریب پہنچا تو گرو کی فوج ٹڈی دل کی طرح نکل کر مقابلہ پر آگئی اور بادشاہی لشکر پر سخت حملے کرکے بڑی افراتفری پیدا کردی۔ وہ مسلسل بڑی بہادری سے حملے کرتے جا رہے تھے اور ایک بڑی تعداد دونوں طرف سے کام آگئی، مگر مغل سواروں نے بڑی ہمت اور مردانگی سے ان پر جوابی حملہ کیا اور چاروں طرف سے انھیں رگیدرگید کر احاطہ میں ان کو دھکیل دیا اور بری طرح ان کو ہزیمت دی۔ محاصرہ کے دوران وہ بار بار نکل کر چھاپے اور شب خون مارتے رہتے تھے۔ دلیرجنگ نے مجبور ہوکر اُن کے قلعہ کے مقابل اپنے لشکر کے اطراف خندق کھدوائی اور مورچہ بندی کرلی۔ محاصرہ کافی طویل ہوگیا۔ سکھ گڑھی سے نکل نکل کر مسلمانوں کے مورچوں پر دلیرانہ حملے کرتے

رہتے تھے۔ ان حملوں میں بہت سے مسلمان شہید ہو گئے۔ عبد الصمد خاں بھی ان کے مقابلہ پر تدبیر و کوشش میں لگا ہوا تھا۔ تفصیلات لکھی جائیں تو بڑی طوالت ہوگی۔

بھوک اور فاقہ کا شکار

بہرحال بادشاہی فوج نے رسد غلہ اور چارہ گھاس کی ناکہ بندی کردی قلعہ میں جو کچھ ذخیرہ تھا وہ ختم ہو گیا اور روز بروز ان کی ناکہ بندی سخت ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ وہ لشکر کے آدمیوں کو ملا کر دو روپیہ تین روپیہ آثار کے حساب سے تھوڑا بہت غلہ خرید لیتے تھے اور ان کے سردار چٹکی چٹکی دوا کی طرح زہر مار کر لیتے تھے۔ ملت کفر میں ان کی ذات ابھی تک غیر مشخص تھی اور اب ان کی جان کے لالے پڑ گئے تھے۔ اس لئے گائے بیل اور چوپائے جتنے بھی تھے ذبح کر کے کھا گئے، اور جلانے کی لکڑی نہ مل سکی تو کچا گوشت ہی چبا کر چٹ کر لیا۔ فاقہ اور بھوک سے روزانہ کئی آدمی ہلاک ہو رہے تھے۔ قلعہ سے نکل کر وہ مورچوں پر برابر حملے کرتے رہے اور لوگوں کو شہید اور زخمی کر کے بھاگ جاتے تھے۔ بادشاہی لشکر نے مورچے بڑھا کر اور بھی حلقہ تنگ کر دیا، اب تو وہ جانوروں کی ہڈیوں کا آٹا اور درختوں کی چھال کھا کر گذر کرنے لگے۔ اور تقریباً سات آٹھ ہزار آدمی بھوک اور فاقہ سے جہنم رسید ہو گئے اور ایک بڑی تعداد فرار ہوتے ہوئے مغلوں کی تلوار کا لقمہ بن گئی۔ بادشاہی لشکر اس قوم کی بہادری اور جاں نثاری کو دیکھ کر یہ اندیشہ کر رہا تھا کہ کہیں یہ لوگ ایک ساتھ باہر نکل کر اور سینہ سپر لڑتے ہوئے اپنے نابکار سردار کو نکال نہ لے جائیں۔ ان کے گرو کے متعلق یہ شہرت بھی تھی کہ وہ کتے بلی کی صورت میں نکل جاتا ہے۔ اس لئے قلعہ کی طرف کوئی کتا یا بلی نظر آجاتی تھی تو لشکری تیر اور پتھر مار کر اسے ہلاک کر دیتے تھے۔

سکھوں کے گرو کی اطاعت

جب ایک مدت تک یہ حال رہا اور ان کو نجات کی کوئی امید نہیں رہی تو انھوں نے جان بخشی کی درخواست کی دلیر جنگ پہلے تو ان کو امان اور جان بخشی کا قول دینے پر راضی نہیں تھا بعد میں مصلحتاً اس نے قبول کر لیا کہ بادشاہ کے پاس ان کے قصوروں کی معافی کے

لیے کوشش کی جائے گی۔ آخر اُن کا سرغنہ گرو اپنے سات آٹھ سالہ بیٹے اور اپنے دیوان اور تین چار ہزار نیم جان سپاہیوں کے ساتھ باہر نکل آیا۔ عبدالصمد خاں کے حکم سے دو تین ہزار آدمیوں کو اسی وقت تہ تیغ کرکے خون کی ندیاں بہادی گئیں ؎

دراں سرزمین دشت وغا کی کہ بود

گلی ارمنی شد زخون ۔ بہود

ان کی کھالوں میں گھاس بھر کر نیزوں پر لٹکا دیا گیا اور بقیۃ السیف کو طوق و زنجیر میں جکڑ کر بادشاہ کے پاس لے جانے کے لئے قید کر لیا گیا۔ مقتولوں کی ایک جماعت نے زندگی کی توقع میں اشرفیاں نگل لی تھیں، مگر جب وہ کیفر کردار کو پہنچ گئے تو لوگوں نے ان کے پیٹ چاک کرکے اشرفیاں نکال لیں بازار کے لفنگوں اور مغلوں کو غنیمت میں کافی رقم ہاتھ آگئی۔ دیکھو دنیا کے مال کی طمع بھی کیسی بُری چیز ہے۔

سکھ اسیر دہلی میں جب عبدالصمد خاں کے اس کارنامہ کی عرض داشت دربار میں پہنچی تو بادشاہ نے پسندیدگی کا اظہار کیا۔ اور حکم صادر ہوا کہ اس بدبخت کو مقتولوں کے سروں اور اسیروں کے ساتھ بھیج جائے۔ عبدالصمد خاں نے اپنے بیٹے زکریا خاں اور قمرالدین خاں کے ساتھ تقریباً دو ہزار مقتولوں کے سر جن میں گھاس بھری ہوتی تھی اور ایک ہزار اسیر جو زنجیروں سے بندھے ہوتے تھے روانہ کر دیتے اس سال ماہ محرم کے وسط میں یہ اسیر اور مقتولوں کے سر دارالخلافہ دہلی کے قریب پہنچے بادشاہ نے اعتمادالدولہ محمد امین خاں بخشی کو حکم دیا کہ وہ شہر سے باہر جاکر بدبخت گرو کو اور اس کے ہمراہیوں کو تختہ کلاہ اور روسیاہ کرکے گرو کو ہاتھی پر اور دوسروں کو اونٹوں پر سوار کرائیں اور سروں کو نیزوں پہ بلند کرکے شہر میں لائیں تاکہ مردم آزار آدمیوں کو دیکھکر عبرت ہو۔ جب وہ شہر میں لایا گیا اور بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش ہوا تو اس کو اس کے بیٹے اور دو تین معتبر ہمراہیوں کو قلعہ میں قید کرنے کا حکم دے دیا۔ دوسروں کے لیے حکم ہوا کہ روزانہ دو سو تین سو آدمیوں کو کوتوالی کے سامنے اور بازار کے راستہ میں قتل کردیں۔

گرو کا عبرت ناک انجام

کھتری قوم کے لوگ خفیہ طور پر اس کے معتقد اور مرید تھے۔ انھوں نے محمد امین خاں اور دوسرے متوسل امیروں کو اس کی جان بخشی کے لئے بھاری رقمیں پیش کیں، مگر ان کو کامیابی نہیں ہوئی جب سب کو قتل کردیا گیا تو بادشاہ نے حکم دیا کہ پہلے تو اُس کے بیٹے کو اُس کے سامنے بلکہ خود اس کے ہاتھ اس طرح قتل کراؤ، جس طرح بے رحمی سے اس ملعون نے دوسروں کے بیٹوں کو قتل اور ذبح کیا ہے۔ قتل کے بعد اس کے عضو عضو کو جُدا کردیں اور اسی طرح اُس کے رفیقوں کو بھی قتل کردیا جائے۔ سچ ہے ؎

از مکافات عمل غافل مشو
گندم از گندم بروید جو ز جو

سکھوں کی عقیدت وجاں نثاری

اس گمراہ فرقہ کی عقیدت کے بارے میں کئی ایک قصے مشہور ہیں، مگر میں نے جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اس کو میں تحریر کرتا ہوں۔ جس زمانہ میں ان کو موت کی سزائیں دی جا رہی تھیں۔ ان میں سے ایک نوخیز نوجوان کی ماں جو ابھی ابھی اُن کے ساتھ شامل ہوا تھا وسیلہ اور ذریعہ پیدا کرکے بادشاہ کے اور سید عبداللہ خاں کے پاس فریاد واستغاثہ لے کر آئی۔ اور بڑی رقت وعاجزی سے درخواست کی، کہ میرا بیٹا اس گمراہ گرو کے قیدیوں اور ستم زدگوں میں تھا، گو سکھوں نے ہمارا مال واسباب لوٹنے کے بعد اُسے اسیر بنالیا تھا، وہ بے گناہ ان مجرموں میں شامل کردیا گیا ہے۔ محمد فرخ سیر کو اس مکار عورت پر رحم آگیا اور اُس کے بیٹے کی رہائی کے لئے شاہی کارندے کو روانہ کردیا۔ وہ عورت رہائی کا پروانہ لے کر عین اس وقت مقتل میں پہنچی۔ جب کہ جلاد اُس کی گردن اُڑانے کے لئے تلوار کھینچ چکا تھا۔ اس کے لڑکے کو جب معلوم ہوا تو وہ چیخ کر کہنے لگا۔ میری ماں جھوٹ کہتی ہے میں تو دل وجان سے اپنے گرو کا معتقد اور مرید ہوں، مجھے بھی جلدی میرے رفیقوں کے پاس پہنچا دو۔

سکھوں کے گرو کا جواب

کہتے ہیں اعتمادالدولہ محمد امین خاں نے سکھوں کے گرو سے ملاقات کے وقت پوچھا تھا کہ تیرے چہرہ سے عقلمندی کے آثار ظاہر ہیں آخر کس بات نے تجھے اس پر آمادہ کیا کہ مکافات اعمال کا تجھے خوف نہیں ہوا اور تو نے چار روزہ زندگی کے لئے ہندوؤں اور مسلمانوں پر اتنے ستم اور مظالم ڈھائے، اس نے جواب دیا " تمام مذاہب میں یہ ہوتا رہا ہے کہ جب کبھی لوگ معصیت اور نافرمانی میں حد سے بہت آگے نکل جاتے ہیں تو منتقم حقیقی اُن کی بدکرداریوں کی سزا میں مجھ جیسے ظالم کو مسلط کر دیتا ہے تاکہ وہ گناہوں کا خمیازہ بھگت لیں " ؂

چو خواہد کہ ویراں کند عالمی
نہد ملک در پنجۂ ظالمی

اس کے بعد خدا اس ظالم کے کرتوتوں کی تلافی کے لئے تم جیسے صاحب اقتدار کو تسلط دے دیتا ہے کہ اس کے اعمال کی سزا اسی دنیا میں مل جائے بس یہی تماشہ ہے جو ہم اور تم دیکھ رہے ہیں ۔

مغلوں کی برطرفی اور شورش

(محمد فرخ سیر کے جلوس کا پانچواں سال)

مہندوں کی سرکشی

اس سال کے آغاز ہی میں صوبہ پنجاب کے ایک عمدہ زمیندار عیسٰی خاں مہند کی سرکوبی کا واقعہ پیش آیا جس کا حال ہم مختصر لکھتے ہیں۔ عیسٰی خاں زمیندار پیشہ راجپوتوں کے خاندان سے تھا، بادشاہی منصب داروں کے جرگہ میں وہ امتیاز رکھتا تھا مگر زمانہ کے بدلتے ہوئے رنگ کو دیکھ کر اس نے نافرمانی اور سرکشی کی راہ اختیار کی اور دور دراز کے جاگیر داروں کے محالات کے محصول پر زبردستی قبضہ کر لیا اور کبھی کبھی کابل و کشمیر کے راستوں پر راہزنی کرتا رہا اور قافلوں کو لوٹنے لگا اور صوبہ داروں اور حکام کے خلاف بغاوت پر کاربند رہا صوبہ داروں اور فوج داروں نے کئی بار اس کے خلاف فوجی کارروائی کی، مگر ان کو ہر بار شکست اٹھانی پڑی۔ اس زمانہ میں اُس نے رسل و رسائل ہدایا و تحائف بھیج کر خانِ دوراں سے ربط ضبط پیدا کر لیا تھا اور دونوں میں خطوط کی آمد و رفت ہوتی رہتی تھی۔ اس لئے اس کی سرکشی اور بھی بڑھ گئی تھی۔

عیسٰی خاں مہند کا انجام

عبدالصمد خاں بہادر گرو کی مہم سے فارغ ہو کر اس کی سرکوبی کے لئے چلا گیا اور اس پر کاری ضرب لگانے کے لئے موقع کی تلاش میں تھا۔ اسی دوران میں عبدالصمد خاں کے نائب نے

اس کا مقابلہ ہوگیا۔ ایک کثیر فوج لے کر بڑے طنطنہ کے ساتھ میدان جنگ میں آیا مگر باغیوں سرکشوں کا انجام ہمیشہ براہی ہوتا ہے۔ ایک سخت لڑائی کے بعد جس میں دونوں طرف سے بڑی تعداد میں لوگ مارے گئے وہ بھی موت کے گھاٹ اُتر گیا۔ اس کا سر کاٹ کر اُس کے چھوٹے بیٹے کو اور اس کے دیوان کو قید کرکے دربار میں بھیج دیا گیا۔

عظیم آباد کا باغی

اس سال ایک اور فتح کی خوش خبری ملی کہ باغی اور فتنہ پرداز دہیر قتل کر دیا گیا۔ اس واقعہ کی مختصراً تفصیل یہ ہے کہ دہیر صوبہ عظیم آباد کا مبینہ فسادی اور سرکش زمیندار تھا۔ بارہا اُس نے شاہزادوں اور اس ضلع کے صوبہ داروں کی فوجوں سے مقابلے کیے تھے اس کی سرکشی اور بغاوت حد سے زیادہ بڑھ گئی تھی آئے دن فوجوں اور قافلوں کو لوٹتا رہتا تھا۔ جب میر جملہ وہاں کا صوبہ دار مقرر ہوکر آیا تو اس وقت اس صوبہ کی سیر حاصل جاگیر کے محالات دہیر کی دست بُرد میں تھے اور وہ کسی صورت عمل دخل نہیں دیتا تھا۔ میر جملہ نے ضابطہ سے زیادہ فوج بھی متعین کی اور سرکاری خزانہ اور اپنے ذاتی خزانہ سے کافی رقم اس مہم پر خرچ کر دی مگر اس پر وہ قابو نہ پا سکا۔ پھر اس دوران میں مغل سپاہیوں نے پٹنہ کے شہریوں اور رعیت پر بہت زیادہ مظالم ڈھائے آخر میر جملہ اس صوبہ سے تنگ آگیا اور بادشاہ کے تقرب کی آرزو میں صوبہ داری چھوڑ کر دربار میں آگیا جس کا ذکر ہم آگے کریں گے۔

سربلند خاں کا تقرر

میر جملہ کے بعد صوبہ عظیم آباد پر سربلند خاں کو مقرر کیا گیا۔ سربلند خاں نے ملک کے نظم و نسق اور سرکشوں کی سرکوبی کے لئے پوری توجہ مبذول کر دی۔ اس دوران میں دہیر جس کی تاخت و تاراج سے تمام رعیت اور جاگیر دار تنگ آچکے تھے، دوبارہ اپنی جمعیت لے کر نکلا اور پٹنہ کے نواح میں لوٹ مار کرنے لگا، سربلند خاں ایک بھاری فوج لے کر اس کی سرکوبی کے لئے نکلا دونوں طرف سے سخت مقابلے ہوئے اور ایک بڑی جماعت ماری گئی اور شہید

ہو گئی اور وہ تیر میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ مشہور یہی ہے کہ وہ جنگلوں میں آوارہ گردی کرتے ہوتے اپنے کسی ساتھی کے یا سربلند خاں کے سپاہی کے ہاتھوں مارا گیا اور قدرت نے مظلوموں کا انتقام لے لیا۔

مغل فوج کی برطرفی محمد فرخ سیر بادشاہ نے لطف اللہ خاں صادق کی تجویز پر حکم دیدیا تھا کہ دو بیسی سے نوصدی تک کے بادشاہی منصب داروں اور سات آٹھ ہزار والا شاہی سواروں کو جاگیر پانے تک ماہانہ پچاس روپیہ خزانہ سے ادا کر دیا جائے بشرطیکہ وہ گھوڑوں کو داغ کرادیں۔ والا شاہی سواروں نے رفاقت وجاں بازی کا حق ثابت کر دیا تھا اور ان کے دس بارہ ماہ کے مطالبات سرکار کی طرف تھے۔ ان میں سے ایک جماعت جاگیر کی امید پر خدمت انجام دے رہے تھے۔ والا شاہی جمیعت میں بیشتر مغل سوار تھے۔ بادشاہ نے ان کی برطرفی کے احکام یک قلم صادر کر دیئے اور بخشیوں نے ان کو جواب دیدیا تو بڑی شورش پیدا ہو گئی۔

میر جملہ کی واپسی اسی زمانہ میں جب کہ مغلوں کی برطرفی کی شورش برپا تھی عظیم آباد میں میر جملہ سخت پریشان تھا۔ فوج کے مطالبات پر وہ بادشاہی خزانہ سے کافی رقم خرچ کر چکا تھا اس کے باوجود مغل رعیت کو برابر تنگ کرتے رہتے تھے اور ان کے مظالم کا سلسلہ ختم ہونے میں نہیں آتا تھا۔ ان حالات میں اس کا وہاں ٹھیرنا مشکل ہو گیا پھر وہ خود بھی بادشاہ کے قریب رہنے کا خواہشمند تھا۔ چنانچہ وہ عظیم آباد سے خفیہ طور پر جریدہ سوار ہو کر نکل گیا۔ فوج تو فوج اس کے بعض ملازموں تک کو اس کی روانگی کی اطلاع نہیں ہوئی، اس نے بڑی تیزی سے یلغار کی۔ ڈیڑھ ماہ کا راستہ چودہ پندرہ دن میں دریائے جمنا کے کنارے کنارے طے کر لیا۔ اکبرآباد سے دو تین منزل پر وہ کشتی میں سوار ہو گیا اور اچانک رات کے وقت دارالخلافہ شاہجہاں آباد کے قلعہ پر پہنچ گیا۔ انہی دنوں ہر ہفتہ اور ہر مہینہ کوئی نہ کوئی افواہ اڑتی رہتی تھی کہ بادشاہ قطب الملک سید عبداللہ خاں کے خلاف سازش اور منصوبہ بازی میں مشغول

ہے ۔ اب جو میر جملہ خفیہ طور پر اچانک آ گیا تو یہی افواہ اڑی کہ بادشاہ نے عبداللہ خاں کو گرفتار کرنے کے لئے اسے طلب کیا ہے ۔ میر جملہ نے حاضری دی تو بادشاہ نے اس سے ملاقات نہیں کی اور پٹنہ کی رعایا کی بدحالی پر اور بغیر حکم چلے آنے پر بہت سرزنش کی ۔ میر جملہ بھی شرمندہ ہوکر قطب الملک کے پاس آیا اور عاجزی و انکساری سے درخواست کی کہ قطب الملک قصوروں کی معافی کے لئے بادشاہ کے پاس اُس کی سفارش کردے، مگر ان سب باتوں کو لوگ یہی سمجھتے تھے کہ یہ وزیر کو قید کرنے کی حیلہ بازیاں ہیں ۔

معزول منصب داروں کی شورش

اسی زمانہ میں کسی درپردہ اشارہ پر یا اتفاقاً ہر طرف شدہ سات آٹھ ہزار منصب داروں نے محمد امین خاں بخشی، خان دوراں نائب امیرالامراء اور میر جملہ کے گھروں پر مسلح اور زرہ بکتر پہن کر اپنے مطالبات کی وصولیابی کے لئے ہجوم کر دیا اور ان سے مطالبہ کرنے لگے کہ وہ اپنی حویلی اور محل مطالبات کے عوض سپرد کردیں ۔ اس سلسلہ میں عام طور سے یہی مشہور ہوا کہ یہ سب ہنگامہ خود بخشیوں کے اشارہ پر ہو رہا ہے اور یہ لوگ موقع پاکر سب کو قطب الملک سید عبداللہ خاں کے گھر پر لے جانا چاہتے ہیں۔ اور مطالبات کے بہانہ حملہ اور یورش کر دینے کی فکر میں ہیں ۔ اس اندیشہ پر قطب الملک بھی اپنی متفرق فوجوں کو جمع کرنے لگا ۔ غیرت خاں اس کا رشتہ دار ان دنوں نارنول کی فوج داری پر مامور تھا وہ بھی بارہہ کی تازہ جمعیت لے کر دہلی پہنچ گیا تھا ۔ دہلی کے بازاروں اور راستوں پر چار پانچ دن تک بڑا ہنگامہ اور کشیدگی رہی ۔ ایک طرف مغل آمادۂ فساد تھے ۔ دوسری طرف قطب الملک کی جمعیت ہاتھی گھوڑوں پر سوار تھی۔ اس ہنگامہ میں میر جملہ بدحواس ہو گیا اور محمد امین خاں کے گھر پناہ گزیں ہو گیا ۔ لوگ ہر طرف سے اسے لعنت ملامت کر رہے تھے اور اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کرے ۔ آخر یہ طے پایا کہ بادشاہ رفع فساد کی خاطر اور قطب الملک کے اطمینان کے لئے میر جملہ کو معتوب اور کم منصب کرکے عظیم آباد کی صوبہ داری سے سرہند اور پنجاب

پیر روانہ کردیے۔ چنانچہ اس تجویز پر عمل کیا گیا اور بادشاہ نے مراد آباد کی فوج داری پر نظام الملک بہادر فتح جنگ کو مقرر کردیا نظام الملک نے یہ خدمت محض فتنہ انگیزی کے سد باب کی خاطر قبول کرلی۔

مصلحت وقت کے تحت یہ انتظامات کئے گئے تھے مگر عرصہ دراز تک لوگوں میں یہی چرچا رہا کہ بادشاہ نے سرہند اور صوبہ پنجاب پر میر جملہ کو کسی خاص غرض سے ہی بھیجا ہے اور وہ اسے دوبارہ طلب کرنے کی فکر میں ہے۔ جب کبھی بادشاہ شکار کے لئے تین چار ماہ کے لئے شہر سے باہر جاتا تھا تو لوگ یہی کہتے تھے کہ وہ سید عبداللہ خاں کو گرفتار کرنے کی خاطر ہی باہر گیا ہے۔ ان افواہوں سے قطب الملک بھی ہمیشہ اندیشہ ناک رہتا تھا اور ہمیشہ فوج تیار رکھتا تھا اور بجز سادات اور بارہہ کے ہم وطن لوگوں کے دوسروں کی طرف کم ہی متوجہ ہوتا تھا۔

اسد خاں کی وفات

اسی سال مطابق سن گیارہ سو انتیس ہجری (۱۱۲۹ھ) کو اسد خاں قرہ مالو نے چورانوے سال کی عمر میں وفات پائی۔ اس نے صاحب قران ثانی شاہجہاں اور خلد مکاں عالمگیر بادشاہ اور خلد منزل بہادر شاہ کے عہد میں وزارت اور دوسری عمدہ خدمات سرانجام دی تھیں۔ ذوالفقار خاں اور اس کے آباو اجداد ایران کے مقتدر امراء میں سے تھے۔ امرائے متاخرین میں ایسا مزاج گرفتہ خوبیوں کا امیر دیکھا نہیں گیا ابتدائے عمر سے اس کی زندگی دولت و کامرانی میں بسر ہوتی۔ جعفر خاں مغفور کے بعد اس جیسا امیر کم ہی گذرا ہے کہ اُس کے ہاتھوں کبھی کسی کو تکلیف نہیں پہنچی۔ زیر دستوں کے ساتھ اس نے ہمیشہ نرمی اور اخلاق سے سلوک کیا اور ہر ایک سے زبان میٹھی رکھی۔ اب جو لوگ نئے نئے سرکار دربار میں آئے تھے۔ اُن کے ساتھ اس کا رویہ ہمیشہ شان و وقار کا رہا کبھی اس نے وضع داری کے خلاف کوئی بات نہیں کی۔

کہتے ہیں جس زمانہ میں اس کی بیماری طویل اور شدید ہوگئی تھی۔ محمد فرخ سیر بادشاہ نے ایک محرم خاص کے ذریعہ خفیہ پیغام بھجوایا کہ "ہم نے تمھاری قدر نہیں جانی

اور تمھارے خاندان کے ساتھ جو کچھ نہیں ہونا چاہیے تھا ہوا۔ اب اس پر ندامت بے فائدہ ہے۔ اب تمھارے مشورہ کی ضرورت ہے کہ ہم سادات کے ساتھ کیا رویہ اختیار کریں"۔

اُس نے جواب دیا کہ "آبا و اجداد کے رویہ کے خلاف تم سے جو یہ غلطی سرزد ہوئی یہ بجز حکم خداوندی کے نہیں ہوئی ہیں تو یہ جانتا ہوں کہ جس طرح وزارت ہمارے خاندان سے نکل گئی۔ اس طرح سلطنت تیموری خاندان سے نکل جائے گی اب جب کہ اپنا اور اپنے ملک کا اختیار سادات بارہہ کے ہاتھ میں دیدیا ہے، خیرخواہانہ مشورہ یہی ہے کہ تامقدور ان کے ساتھ حسنِ سلوک رکھو اور معاملہ کو اس حد تک نہ بڑھاؤ کہ فساد برپا ہوجائے اور عداوت و دشمنی میں رہا سہا اختیار بھی ہاتھ سے جاتا رہے ؎

چو در طاس رخشندہ افتاد مور
رہانندہ را چارہ باید نہ زور

راجہ رتن چند اور چورامن جاٹ کی فتنہ انگیزی

(محمد فرخ سیر بادشاہ کے جلوس کا چھٹا سال)

درباری سازشیں اس سال دربار کے اور سادات بارہہ کے تعلقات اور کشیدہ ہو گئے۔ دکن میں امیرالامرا سید حسین علی خاں اس قدر خود مختار بن گیا تھا کہ دربار سے جو لوگ خدمتوں پر مامور ہو کر جاتے تھے وہ ان کو کوئی عمل دخل کرنے نہیں دیتا تھا۔ قلعہ داروں کا تقرر ہمیشہ بادشاہ کی طرف سے ہوتا تھا مگر امیرالامرا نے قلعداروں پر بھی خود ہی تقرر کرنے شروع کر دیئے اور اپنے آدمیوں کو متعین کر دیا۔ یہاں دربار میں یہ حال تھا کہ ہر معاملہ میں کرتا دھرتا سید عبداللہ خاں کا دیوان راجہ رتن چند تھا۔ وہ تمام دربار کے متصدیوں کے محکموں میں مداخلت کرتا رہتا تھا اور کسی کو بھی اختیارات سنبھالنے کا موقع نہیں دیتا تھا۔ خاص طور سے مالی امور میں اس کا بڑا عمل دخل تھا۔ دیوان تن اور خالصہ کے محکمے تو بالکل ہی معطل ہو کر رہ گئے تھے اور خالصہ کے پرگنوں کی اجارہ داری پر لاکھوں کے وارے نیارے ہو گئے تھے۔ یہ ساری باتیں بادشاہ کی برہمی اور رنجیدگی کا سبب تھیں۔ خان دوراں کی تجویز پر اعتصام خاں نامی کو دیوان خالصہ اور رائے رایاں جہاں شاہی کو دیوان تن مقرر کر دیا گیا تھا، مگر یہ لوگ بھی بادشاہ اور قطب الملک دونوں کو خوش رکھنے میں لگے رہتے تھے۔ ویسے اعتصام خاں کو بادشاہ کی طرف داری اور رائے رایاں کو سید عبداللہ خاں کی خاطر

داری زیادہ مطلوب تھی اسی لئے دونوں پر دونوں طرف سے لتاڑ پڑتی رہتی تھی اور ان کی جان دوگونہ عذاب میں تھی آخر دونوں دیوانی کے عہدوں سے استعفیٰ دینے پر مجبور ہو گئے۔

اُمرائے دربار کی کش مکش عنایت اللہ خاں جو جلوس کے پہلے سال اپنے بیٹے ہدایت اللہ خاں کے مارے جانے کے بعد بادشاہ سے رخصت لے کر کعبۃ اللہ چلا گیا تھا اس سال واپس آیا اور باریاب ہوا۔ ان دنوں فرخ سیر سلطنت کے نظم ونسق کی خرابی پر سخت پریشان تھا اور خلد مکاں کے امیروں کو برخواست کر دینے پر نادم بھی۔ عنایت اللہ خاں بھی خلد مکاں کا تربیت کردہ امیر تھا۔ اور کفایت اندیش مزاج داں متصدی سمجھا جاتا تھا۔ اب جو وہ لوٹ کر آیا تو بادشاہ کے خیر اندیش ہمراہیوں نے یہ مصلحت دیکھی کہ عنایت اللہ خاں کو منصب میں اضافہ دے کر دربار کے کسی عہدہ پر مامور کر دیں اور اسے اپنے حق میں سرگرم کار رکھیں۔ اسی دوران میں خالصہ کے دیوان اعتصام خاں نے خدمت سے استعفا دیدیا کیونکہ وہ عملاً بے اختیار تھا پھر عملہ کے آدمیوں اور ارباب طلب کی طرف سے اسے بڑی بے عزتی برداشت کرنی پڑی تھی۔ اس کے ہٹتے ہی محکمہ خالصہ اور محکمہ تن کی دیوانی پر مع کشمیر کی صوبہ داری کے عنایت اللہ خاں کے تقرر کی تجویز پیش ہو گئی۔ عنایت اللہ خاں قطب الملک کے اثر ورسوخ کی وجہ سے دیوان کی خدمت کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ سید عبداللہ خاں بھی اس کی دیوانی پر راضی نہیں تھا، کیونکہ وہ اس کی سخت گیری سے واقف تھا۔ خاص طور سے اُس نے خلد مکاں کے عہد میں جمدۃ الملک اسد خاں کے ساتھ جو سلوک کیا تھا، وہ ایک مثال تھا۔ دونوں کو راضی کرنے میں اخلاص خاں بہادر شاہی نے جو لاد سیدہ اشخاص میں اپنے آپ کو معلم ثالث سے کم نہیں سمجھتا تھا۔ اگرچہ وہ سادات سے بڑا اخلاص رکھتا تھا مگر اس پر آشوب فضا میں اُس نے ملازمت سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ اور ان دنوں محمد فرخ سیر بادشاہ کے عہد کی تاریخ لکھنے پر مامور تھا اور کبھی کبھی قطب الملک کی مجلس میں بھی چلا جاتا تھا اور فن میں معاملہ کو سلجھا دیا۔ اور

عنایت اللہ خاں کو اس بات پر راضی کرلیا کہ وہ دیوانی کے کسی مقدمہ کو سید عبد اللہ خاں کے صلاح مشورے اور اطلاع کے بغیر بادشاہ کی عرض میں نہیں لے جائے گا اور خدمتوں پر تقرر نہیں کرے گا۔ قطب الملک سے بھی اُس نے طے کیا کہ اس کا دیوان راجہ رتن چند بادشاہی خالصہ کے معاملات میں دخل نہیں دے گا۔

سید عبد اللہ خاں بادشاہ کی خفگی کے سبب اور کچھ اس وجہ سے بھی کہ وہ عیاشی اور خلوت نشینی کا بھی خوگر ہوگیا تھا۔ چار پانچ ماہ سے فرائض وزارت انجام دینے اور کاغذات پر دستخط کرنے کے لئے کچہری نہیں آرہا تھا، اور لوگوں کے کام معطل پڑے ہوئے تھے۔ عنایت اللہ خاں نے کہہ سُن کر آمادہ کرلیا کہ وہ ہفتہ میں ایک دو مرتبہ قلعہ میں آکر اجلاس کرے۔ اس طرح چند دن تک تو دونوں نے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر نظم و نسق سنبھالا مگر جیسا کہ ہم آگے لکھیں گے۔ یہ اتفاق و تعاون باقی نہیں رہا۔

جزیہ کے قانون کی تجدید

اس سال مطابق سن گیارہ سو اکتیس ہجری (۱۱۳۱ھ) عنایت اللہ خاں کی عرض پر بادشاہ نے ہندوؤں سے جزیہ کی وصولی کا حکم صادر کردیا۔ اگرچہ یہ رتن چند کی مرضی کے خلاف تھا۔ اس دور انتشار میں ہندوؤں، خواجہ سراؤں اور کشمیریوں نے ساز باز اور تغلب و زیادتی کرکے بڑے بڑے منصب حاصل کر لئے تھے اور بہر حاصل جاگیروں کو اپنے تصرف و قبضہ میں لے لیا تھا۔ اور دوسرے لوگوں کے لئے جاگیریں محدود ہوگئی تھیں۔ عنایت اللہ خاں نے اس صورت حال کو پیش کرکے ہندوؤں اور دوسرے خانوں کی جاگیروں میں تخفیف و ضبطی کا حکم حاصل کرنا چاہا۔ یہ بات رتن چند اور دفتر کے دوسرے صاحب مدار اشخاص پر شاق گذری اور انھوں نے قطب الملک سید عبد اللہ خاں سے رجوع کیا اور ایسے کسی حکم کو تسلیم کرنے پر راضی نہیں ہوئے۔ منصب میں کمی کی اس تجویز اور دوبارہ جزیہ کی اجرائی پر تمام ہندو عنایت اللہ خاں کے دشمن بن گئے اور طرفین میں دیوانی کے کلی و جزوی اختیارات کی تقسیم بموجب قاعدہ اور باقاعدہ حدود معین ہوگئی تھیں، اور اشتراک عمل پر قرار و پیمان ہوچکا تھا باقی نہیں رہا اور دوبارہ رنجش اور اختلاف پیدا ہوگیا۔ تاہم کچھ وارد مزید

کے روپیہ پر ایک دوسرے سے مجبوراً تعاون کرتے رہے۔

رتن چند کی فتنہ انگیزی

اسی اثناء میں ایک اور واقعہ پیش آیا۔ خالصہ کے ایک محال پر متعینہ افسر جو رتن چند کا تربیت یافتہ اور فرستادہ تھا۔ محکمہ حساب کے زیر تفتیش آگیا۔کیونکہ اس کے ذمہ سرکار کی بڑی رقم نکلتی تھی۔ عنایت اللہ خاں نے رقم کی وصولی کے لئے اسے قید کرادیا۔ رتن چند نے اُسے رہا کرانے کی بہت کوشش کی، مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ ایک دن وہ عامل (افسر مال) موقع پاکر قید سے بھاگ گیا اور رتن چند کی پناہ میں چلا گیا۔ رتن چند اس کا حامی اور پشت پناہ بن گیا۔ عنایت اللہ خاں نے بادشاہ کے پاس شکایت کرکے بادشاہی چیلوں کو رتن چند کے گھر پر متعین کرادیا کہ وہ عامل مذکور کو گرفتار کرکے لے آئیں۔ یہ کارروائی مزید فتنہ کا سبب بن گئی۔ بادشاہ نے رتن چند کے رویہ پر سخت اعتراض کیا اور قطب الملک پر زور دیا کہ اسے برطرف کردے، مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔

چورامن جاٹ کی شورش

محمد فرخ سیر بادشاہ اور سادات بارہہ کے درمیان اختلافات کے بڑھنے میں ایک اور واقعہ کا بھی بڑا دخل ہے۔

چورامن جاٹ مشہور فتنہ پرداز تھا، اس کے باپ دادا اور بھائی خلد مکاں کے عہد سے ہی اکبرآباد اور فتح پور کے اطراف لوٹ مار اور راہزنی کرتے آئے تھے اور بارہا بادشاہی فوجیں شاہزادہ محمد بیدار بخت خان جہاں بہادر اور دوسرے امراء کی سرکردگی میں جاٹوں کی سرکوبی اور قلعہ سنسنی کی فتح کے لئے متعین ہوتی رہی تھیں۔ جس زمانہ میں اعظم شاہ اور بہادر شاہ کا مقابلہ ہوا تھا اور محمد فرخ سیر بادشاہ اکبرآباد کے نزدیک پہنچا تھا۔ چورامن جاٹ نے بڑی بے ادبی اور گستاخی دکھائی تھی۔ بادشاہی لشکر پر چھاپے مار کر خزانہ جواہرات ولعل پر قبضہ کرلیا تھا۔ جیسا کہ ہم لکھ آئے ہیں، اُس کی سرکوبی کے لئے راجہ دھیراج جے سنگھ کو روانہ کیا گیا تھا اور قطب الملک کے ماموں سید خان جہاں بہادر کو ایک جداگانہ فوج کا سالار بناکر جے سنگھ کے پیچھے کمک کے لئے روانہ کیا گیا تھا۔

سید خان جہاں ضروری سامان کے فراہم نہ ہونے اور بعض دوسرے موانعات کی وجہ سے شہر کے باہر ہی پڑا رہا اور محاذ پر جا نہ سکا مگر جے سنگھ اپنی مفوضہ مہم پر پہنچ گیا اور چورامن کی گڑھی کا محاصرہ کرلیا اور مورچہ بندی کر دی ایک سال سے زیادہ فریقین میں لڑائی ہوتی رہی اور دونوں طرف سے بکثرت آدمی مارے گئے۔ سید خان جہاں کے پہنچنے کے بعد جنگ اور سخت ہوگئی اور مورچے قلعہ کے قریب پہنچ گئے۔ جب چورامن مجبور ہوگیا تو اس نے بالا بالا قطب الملک سید عبداللہ خاں سے رجوع کیا اور اس کے ذریعہ اس طرح صلح کی شرائط طے پاگئیں کہ جے سنگھ کو درمیان میں مداخلت کا موقع نہیں دیا گیا۔ چورامن نے پیش کش اور نذرانہ دینے اور قصور معاف ہوجانے پر بذات خود حضوری میں رہنے کا اقرار کرلیا۔ بادشاہ نے سید عبداللہ خاں کی درخواست کو طوعاً وکرہاً قبول کرلیا تھا۔ یہ مصالحت بہرحال بادشاہ کی مرضی کے خلاف تھی اور اس پر جے سنگھ بھی سخت برہم تھا۔ آخر وہ دل شکستہ دربار میں واپس آگیا۔ جب چورامن جاٹ حضور میں پہنچا تو سید عبداللہ خاں نے اسے اپنے محلہ کے قریب ہی ٹھیرایا۔ بادشاہ نے ایک مرتبہ تو خوشی ناخوشی چورامن کو باریابی کا موقع دیدیا مگر فرخ سیر اس صلح سے سخت ناراض تھا۔ اس لئے دوبارہ اسے مجرا سلام کی اجازت نہیں ملی۔

اسی اثنا ر میں دکن سے مسلسل ایسی خبریں آتی رہیں جن سے بادشاہ کی ناراضی اور خفگی بڑھتی چلی گئی۔ اور اختلافات وفتنہ وفساد میں اضافہ ہوگیا۔

مرہٹوں کی تاخت و تاراج

(محمد فرخ سیر بادشاہ کے جلوس کا ساتواں سال)

مرہٹوں کی لوٹ مار

دکن میں امیر الامراء سید حسین علی خاں داؤد خاں پر فتح پانے کے بعد اورنگ آباد پہنچ گیا اور دکن کا نظم و نسق بلا شرکت غیرے سنبھال لیا۔ اس وقت مرہٹوں کی سرکشی اور فتنہ پردازی کافی بڑھ چکی تھی۔ راجہ ساہو کا ایک بہترین سپہ سالار راجہ پہاڑیہ (دوپہاڑیہ) نامی تھا۔ دکن کے دونوں صوبوں میں جس طرح بادشاہی صوبہ دار مقرر تھے۔ مرہٹوں نے بھی چوتھ کی وصولی کے لئے اپنے صوبہ دار مقرر کر رکھے تھے۔ راجہ پہاڑیہ بھی ایسا ہی ایک صوبہ دار تھا۔ اور صوبہ خاندیس اس کے تصرف میں تھا۔ اس نے بندرگاہ سورت کی سڑک پر ایک مٹی کی گڑھی بنا رکھی تھی اور اپنے تھانے قائم کر دیئے تھے۔ جو قافلہ بھی گذرتا تھا وہ اس سے تاجروں اور غیر تاجروں سب کے مال و اسباب سمیت قافلہ کی کل مالیت کا چوتھائی حصہ چوتھ کے نام سے جب تک وصول نہیں کر لیتے تھے۔ صحیح سالم گذرنے نہیں دیتے تھے۔ اگر کوئی انکار کرتا تو اسے لوٹ لیتے تھے، اور آدمیوں کو اسیر بنا کر پھر ہر ایک کے بدلے بھاری بھاری رقمیں وصول کرتے تھے۔ اس کی تنبیہ کے لئے امیر الامراء نے اپنے بخشی ذوالفقار بیگ نامی کو تین چار ہزار سوار اور پانچ چھ ہزار پیادہ بندوقچیوں کو دے کر روانہ کیا۔

کھنڈو پہاڑیہ کی سرکشی

ذوالفقار بیگ جب اورنگ آباد اور خاندیس کی درمیانی گھاٹیوں سے گذر رہا تھا تو اسے اطلاع ملی کہ کھنڈو پہاڑیہ بگلانہ اور کالنہ کی سرحد پر جو اورنگ آباد سے ستر کوس پر ہے آٹھ نو ہزار جنگی سواروں کے ہمراہ ٹھہرا ہوا ہے۔ بخشی جنگ کے لئے مستعد ہو گیا اور اس پر حملہ کرنے کے لئے بڑھا۔ مگر کھنڈو پہاڑیہ پسپا ہوتے ہوتے فرار ہونے لگا اور اسی طرح ہٹتے ہٹتے وہ ذوالفقار بیگ کو خار دار جنگلوں میں گھسیٹ لے گیا۔ ہرکاروں اور مخبروں نے بہت زور دیا کہ اب دشمن سے مقابلہ کا موقع نہیں ہے مگر ذوالفقار بیگ نے غرور شجاعت میں ہرکاروں کی اطلاعات پر کان نہ دھرے اور بارہہ کے جاہلوں کی باتوں میں آکر بڑے طنطنہ کے ساتھ کہنڈو کے سر پر جا پہنچا اور پہلے ہی مقابلہ میں اس نے کافروں کی ایک جماعت کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا کہنڈو نے دکھنیوں کے طریقہ جنگ کے مطابق فرار ہونے کا مظاہرہ کیا۔ اور تین چار سو خوش اسپ سواروں کو علیحدہ کرکے بارہہ کے لشکر کو پراگندہ کر دیا پھر ایک بارگی اپنے پورے لشکر سے ذوالفقار بیگ پر حملہ کر دیا اور متفرق سواروں کی کمک کے راستے مسدود کرکے اس قدر سخت حملے کئے کہ ذوالفقار بیگ اپنے جاں باز ہمراہیوں کے ساتھ شہید ہو گیا۔ باقی فوج گھوڑوں سے اتر آئی اور ہتھیار ڈال دیئے مرہٹوں نے ان کو زندہ گرفتار کر لیا۔ جنھوں نے اماں طلب نہیں کی وہ ان کی تلواروں کا لقمہ بن گئے۔ عام طور سے مشہور ہے کہ اس فوج کا کوئی سوار پیادہ اونٹ گھوڑے اور بیل سلامت نہیں رہے۔

مرہٹوں پر فوج کشی

امیرالامراء نے دوبارہ ایک شائستہ اور منظم فوج اپنے متنقل دیوان محکم سنگھ کی سرکردگی میں روانہ کی۔ حسین علی خاں کا بھائی . . . . سیف الدین علی خاں برہان پور کا صوبہ دار تھا۔ وہ بندوبست کے لئے برہان پور سے سلطان پور اور ہندر بار کی طرف گیا ہوا تھا۔ امیرالامراء نے اس کو بھی حکم دیا کہ وہ محکم سنگھ کے ساتھ مرہٹوں کی سرکوبی کے لئے جائے دونوں سردار مرہٹوں کا تعاقب کرتے رہے اور کھنڈو کے تھانوں کو برخاست کرنے کے لئے بہت کوشش کی تاکہ صوبہ خاندیس اور پرگنوں کی رعایا ان کے مظالم سے نجات پا جائے

مگر کوئی کامیابی نہیں ہوسکی۔ کھنڈو بھی وقت گذارنے کے لئے راجہ ساہو کے پاس چلا گیا جو دشوار گذار پہاڑوں میں مقیم تھا مگر جگہ جگہ اس کے تھانے اسی طرح قائم تھے جب امیرالامراء کی مقرر کردہ فوج جاتی تو مرہٹے تھانے چھوڑ کر بھاگ جاتے اور اس کے پیٹھ پھیرتے ہی دوبارہ آکر قابض ہو جاتے۔ محکم سنگھ نے مرہٹوں کی دوسری فوجوں کو جو احمد نگر کے اطراف تاخت وتاراج کرتی پھر رہی تھیں مقابلہ کر کے قلعہ ستارہ تک بھگا دیا مگر وہ کھنڈو پہاڑیہ سے ذوالفقار بیگ کے خون اور اس کی فوج کی تباہی کا بدلہ نہیں لے سکا۔

قلعہ ملہیر کا قضیہ

اس درمیان میں بادشاہ اور سادات کے اختلافات کی خبریں پھیل گئی تھیں۔ بلکہ ایک مشہور قول کے مطابق دربار سے راجہ ساہو اور کرناٹک کے بڑے بڑے زمینداروں اور دیوانی کے حکام کے نام خفیہ پیغام اور احکام بھی گئے تھے کہ وہ امیرالامراء کی اطاعت نہ کریں۔ اسی شہ پر وہ بہت زیادہ سرکشی کر رہے تھے اور امیرالامراء صوبہ بیجاپور اور حیدرآباد کا قرار واقعی بندوبست نہیں کر سکا۔ اگرچہ حیدرآباد کا صوبہ دار مبارزخاں جو بڑی آن بان والا بہادر سردار تھا اورنگ آباد آکر امیرالامراء سے مل کر گیا تھا، مگر بیجاپور اور کرناٹک دونوں صوبوں کے صوبہ داروں اور زمینداروں نے رجوع نہیں کیا۔ دربار سے جو جو صوبہ دار اور حکام مامور ہوکر آتے تھے۔ ان کو عمل دخل نہیں ملتا تھا اور وہ معطل ہو جاتے تھے۔ چنانچہ صوبہ خاندیس کے سرحدی قلعوں میں سرکار بگلانہ کا قلعہ ملہیر ایک مشہور قلعہ ہے اور کوئی چونتیس سال سے وہاں کی قلعہ داری تین واسطوں سے نجابت خاں کے خاندان سے وراثتاً متعلق تھی۔ یہ خاندان تیموریوں کے بنی اعمام میں مرزا شاہ رخ کے سلسلہ سے تعلق رکھتا ہے۔ بادشاہ نے نجابت خاں کے بیٹے فتح یاب خاں کی جگہ علی مردان خاں کے سلسلہ سے اسد علی خاں نامی کو قلعہ دار بنا کر بھیجا۔

مگر فتح یاب خاں نے اسد علی خاں کو عمل دخل نہیں دیا اور یہ قضیہ بہت طویل ہوگیا۔

جن دنوں امیرالامرا دربار سے روانہ ہوا تھا۔ برہان پور کا صوبہ دار نجابت خاں تھا امیرالامرا کی مہر سے اورنگ آباد کی صوبہ داری کی نیابت کا پروانہ بھی اس کے نام آچکا تھا۔

جب امیرالامرا دکن پہنچ گیا تو نجابت خاں محکمہ حساب کے زیر تفتیش آگیا اور اس کے ذمہ ایک بڑی رقم واجب الادا نکالی گئی اور اسے نظر بند کر دیا گیا۔ اب جو فتح یاب خاں نے اسد علی خاں کو قلعہ سپرد نہیں کیا تو یہی گمان کیا گیا کہ وہ باپ کے اشارہ پر ایسا کر رہا ہے۔ چنانچہ نجابت خاں پر پہلے سے زیادہ عتاب اور سختی ہونے لگی۔ جب ان واقعات کی اطلاع محمد فرخ سیر کو ہوئی تو سادات سے اختلافات میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ اب دربار سے ملہیر کی قلعہ داری ایک اور شخص کو دی گئی اور اسے رخصت کی خلعت بھی عطا ہو گئی، مگر نئے قلعہ دار نے جب سُنا کہ امیرالامرا عمل دخل دینے پر تیار نہیں ہے اور نجابت خاں اور دکن کے صاحب اختیار حاکم کے درمیان نزاع برپا ہے تو اس نے وہاں جانے کی جرأت نہیں کی۔ آخر بڑی قیل و قال کے بعد امیرالامرا کی سند سے وکالت خاں نامی کو قلعہ داری پر مقرر کیا گیا اور فتح یاب نے مجبوراً قلعہ اس کے سپرد کر دیا۔

مرہٹوں سے شراکت کا شرمناک معاہدہ

(محمد فرخ سیر بادشاہ کے جلوس کا آٹھواں سال)

مرہٹوں کی فتنہ انگیزی

اس سال کے یادگار واقعات میں دکن کے غنیم یعنے مرہٹوں سے صلح کا واقعہ ہے جو صفحات زمانہ پر ہمیشہ کے لئے ثبت رہے گا۔ یہ مصالحت امیرالامراء کی صوبہ داری میں ہوئی تھی۔ ہم مختصراً اس کا ذکر کرتے ہیں۔ خلدمکاں عالمگیر بادشاہ نے جب دکن کے باغیوں کی سرکوبی اور اُن کے قلعوں پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ تو اس مہم میں ایک طویل مدت صرف ہوئی تھی اور بادشاہی خزانے صرف ہوگئے تھے۔ بادشاہی لشکر نے قلعہ ستارہ، پرنالہ، راج گڑھ وغیرہ تقریباً تیس چالیس مشہور قلعوں پر قبضہ کرلیا تھا اور مرہٹوں کو بے خانماں کردیا تھا۔ ان کے خلاف یہ کارروائی اس لئے کرنی پڑی تھی کہ مرہٹوں نے دہلی کو دکن سے بہت دور جان کر سرکشی اختیار کرلی تھی۔ وہ اس خیال میں تھے کہ بادشاہ اتنی دور سے ان کے خلاف خود تو نہیں آئے گا اور ہم یہاں بادشاہی علاقہ میں جو چاہے کرتے پھریں گے۔ چنانچہ ان دنوں میں انھوں نے سارے دکن میں بڑا ہنگامہ مچا رکھا تھا اور بڑی بڑی فوجیں لے کر دکن کے صوبوں سے احمد آباد سے مالوے تک چوتھ وصول کرنے کے لئے تاخت وتاراج کرتے پھرتے تھے۔

چوتھ کی وصولی کا طریقہ

چوتھ کی وصولی کا طریقہ یہ تھا کہ شہروں اور بڑے قصبوں کے حاکم اور زمیندار کے پاس ہرکاروں کے ذریعہ خط بھیج کر چوتھ کا مطالبہ کرتے تھے۔ کبھی تو ان کی تاخت وتاراج سے محفوظ رہنے کے لئے دیہاتوں اور قصبوں کے مقدم اور زمیندار خود مرہٹوں کی فوج کا استقبال کرتے ہوئے پہنچ جاتے تھے اور چوتھ دینے کی شرط پر امان کا قول حاصل کر لیتے تھے اور مرہٹوں کے ہرکاروں کو لے جاکر زراعت مالیت وغیرہ کی تشخیص کرا دیتے تھے اور کوشش کر کے ہزار دو ہزار کو چار سو پانچ سو ظاہر کرتے تھے۔ بہرحال جو تشخیص بھی ہو جاتی اس کا چوتھا حصہ مقرر ہو جاتا تھا اور اس کی ادائیگی تک یرغمال میں اپنے آدمیوں کو مرہٹوں کے سپرد کر دیتے تھے۔ ہندی زبان میں یرغمال کو "اول" کہتے ہیں۔ اور اگر فوج دار اور زمیندار ان کی اطاعت پر آمادہ نہ ہوتے اور ان کو چوتھ دینے پر راضی نہ ہوتے جیسا کہ خلد مکاں کے عہد سلطنت میں ہم بیان کر آئے ہیں کہ مرہٹے حملہ کر دیتے اور غالب آنے کی صورت میں اس محال اور قصبہ کو لوٹ کر بالکل تباہ کر دیتے تھے۔ ورنہ چند دن محاصرہ کر کے شکست اٹھا کر جنگلوں میں بھاگ جاتے تھے۔ چنانچہ برہان پور برار اور دکن کے صوبوں میں قصبہ نذر بار سلطان پور اور رجاتور کا مرہٹوں کے اٹھائیس ہزار کے لشکر نے دو تین ہفتہ تک محاصرہ کر رکھا تھا اور ناکام لوٹ کر گئے تھے۔ قافلوں کے ساتھ بھی ان کا یہی رویہ تھا اور بے شمار قافلے ان کی لوٹ مار سے تباہ ہو چکے تھے۔

مرہٹوں کے جو سردار تھے وہ یہی چاہتے تھے کہ لوٹ مار نہ ہو اور چوتھ پر معاملہ طے پا جاتے کیونکہ اسی صورت میں چوتھ کی مقرر رقم سرداروں کو مل جاتی تھی اور ان کے لشکر کو فائدہ نہیں ہوتا تھا اس کے برعکس اگر تاخت وتاراج پر بات جاکر ٹھیرتی تھی تو جس کے ہاتھ جو مال آتا تھا وہ لے جاتا تھا فوج کے سرداروں کو زیادہ فائدہ نہیں ہوتا تھا۔

سردیسکھی کی تجویز

خلد مکاں کے آخر عہد میں رام راجہ کی بیوی تارا بائی کے وکیلوں نے دکن کے چھ صوبوں کی سردیسکھی عطا کرنے کی

درخواست کی تھی کہ ہر سیکڑہ پر وہ نو روپیہ بادشاہی خزانہ میں جمع کرا دے گی، مگر بادشاہ مرحوم کی غیرت نے اس کو قبول نہیں کیا تھا اس کے علاوہ بھی بعض وجوہ تھیں، جن کی بنا پر تارا بائی کی درخواست رد کردی گئی تھی۔ واضح رہے۔ تارا بائی اپنے شوہر کی وفات کے بعد دس بارہ سال تک بادشاہی امراء کی مخالفت پر کمربستہ رہی تھی۔ خلد منزل بہادر شاہ کے زمانہ میں بھی راجہ ساہو اور رانی مذکور نے سردیسکھی کا فرمان حاصل کر لیا تھا۔ مگر رانی اور راجہ ساہو کے باہمی نزاع کی وجہ سے اس بندوبست پر عمل نہیں ہو سکا جو بادشاہ کے پیش نظر تھا۔ سردیسکھی کا طریقہ نافذ نہ ہو سکا۔

داؤد خاں اور مرہٹے

داؤد خاں کی صوبہ داری میں جو ذوالفقار خاں کا نائب تھا مرہٹوں سے دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے تھے یہ مصالحت اس شرط پر تھی کہ مرہٹے بادشاہزادوں اور داؤد خاں کی جاگیروں میں مداخلت نہیں نہیں کریں گے۔ ان کے علاوہ امراء کے محالات سے مرہٹوں کو داؤد خاں کا نائب ہیرا من خود چوتھ دلوا دیتا تھا اور انھوں نے قافلوں کو ستانا بھی ترک کر دیا تھا۔ داؤد خاں اور مرہٹہ سردار شیر و شکر کی طرح متفق و متحد ہو گئے تھے اور صلح دار دمرہ کی پالیسی پر ایک دوسرے سے سلوک رکھتے تھے۔ مگر نظام الملک کی صوبہ داری میں حالات تبدیل ہو گئے پہلے تو مرہٹوں سے صلح رہی مگر آخر میں ان کے خلاف فوج کشی کرنی پڑی۔ صلح و جنگ کا یہ سارا قصہ ایک سال پانچ ماہ تک رہا۔ اور مرہٹوں کی اس عرصہ میں قرار واقعی سرکوبی ہو گئی۔

مرہٹوں سے شرمناک مصالحت

امیر الامراء سید حسین علی خاں کی صوبہ داری کے دو تین سال تو بادشاہ کے ساتھ مخالفتوں میں کٹ گئے۔ اس کے پاس اگرچہ کافی فوج تھی۔ مگر مرہٹوں کے خلاف کوئی موثر کارروائی نہ ہو سکی اور امیر الامراء جس طرح کا بندوبست چاہتا تھا۔ ممکن نہ ہوا۔ آخر امیر الامراء نے مصلحت وقت کے تحت فتنہ و فساد کو رفع کرنے کے لئے مصالحت قبول کر لینے کا فیصلہ کیا اور سن گیارہ سو تیس ہجری (۱۱۳۰ھ) میں امرائے لشکر خاص

طور سے الور خاں نے جو برہان پور کا رہنے والا تھا اور سادات بارہہ کے ذریعہ ترقی کی تھی۔ مصالحت کی تجویز رکھی۔ امیر الامراء اور مرہٹوں کے درمیان صلح کی بات چیت طے کرانے والوں میں سنکرا جی نامی برہمن بھی تھا جو سیوا اور سبنھا کا قدیم ملازم تھا مگر قلعہ چنجی کی فتح کے وقت وہ بادشاہی ملازموں میں شامل ہوگیا تھا اور دربار میں وہ اطاعت گذار اور سرکش مرہٹہ سرداروں کی وکالت کا فرض انجام دیتا تھا۔ سنکرا جی بڑا ہوشیار اور مدبر آدمی تھا اور اپنی اوصاف کی وجہ سے اس کا نصیبہ چمکا تھا۔ اس کے علاوہ بالاجی بشوناتھ اور جمنا جی نے بھی اس گفتگو میں واسطہ کا کام دیا تھا۔ یہ دونوں بھی برہمن تھے اور راجہ ساہو کے عمدہ اور سمجھدار فوج داروں میں شمار ہوتے تھے۔ صلح اس شرط پر طے پائی کہ بادشاہی خالصہ کے اور جاگیر داروں کے تمام محالات ۱۲:
کے جملہ محاصل پر جو امینوں کروڑیوں اور شق داروں کے ذریعہ وصول کئے جاتے ہیں چوتھائی راجہ ساہو کے آدمیوں کو ادا کیا جائے گا۔ یہ بھی طے پایا کہ مرہٹے جاگیرداروں کے محاصل میں چوتھائی کے حصہ دار ہونے کے علاوہ سردیسکھی کا معاوضہ دس روپیہ سیکڑہ کے حساب سے رعایا سے بھی وصول کریں گے۔ اس طرح وہ ۳۵ فی صد جملہ رقم جس میں فوج داری شق داری ضیافت اور دوسرے اخراجات کے محصول شامل ہیں۔ کچی تحریر دے کر وصول کرنے کے مجاز ہوں گے۔ اس طرح قریب قریب جمع بندی کی نصف رقم ابواب محصول کی فہرس کے مطابق ان کی طرف چلی جاتی تھی اور راجہ ساہو کے عمال محاصل کی آمدنی میں شریک غالب بن جاتے تھے۔

محاصل میں شراکت کا معاہدہ

یہ معاہدہ رعایا کے لئے اور حکام شاہی اور جاگیرداروں کے لئے ایک مصیبت بن گیا۔ اور ہر محال میں مرہٹوں کے دو دو تحصیل دار مقرر ہوگئے۔ ایک تو کمائش دار کہلاتا تھا جو چوتھائی وصول کرتا تھا دوسرا سردیسکھی کا گماشتہ ہوتا تھا، جو دس فی صد کی وصولی کرتا تھا۔ محاصل کی برآورد پر پہلے مرہٹوں کے سردیسکھی سررشتہ دار کے دستخط ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ دوسرے رسمی لوازمات وہ علیحدہ وصول کرتے

رہتے تھے۔ اس معاہدہ سے پہلے فوج داروں کی غفلت کی وجہ سے جہاں جہاں مرہٹوں کا غلبہ ہوگیا تھا۔ انھوں نے راہداری کا ٹیکس وصول کرنے کے لئے اپنے راہدار بٹھا دیتے تھے وہ راستوں سے گذرنے والے ہر بیل اور گاڑی پر نصف روپیہ اور ایک روپیہ بیوپاریوں سے وصول کرتے رہتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ جو کچھ چاہتے تھے لوگوں سے وصول کرتے رہتے تھے جو بادشاہی علاقہ کے ظالم فوج دار کی وصولیابی سے دوچند سہ چند ہوتی تھی۔ یہ زبردستی کے غیر قانونی ٹیکس شراکت کے معاہدہ کے بعد بھی جاری رہے۔ شراکت کے معاہدہ کے بعد محکمہ مال کی کچہریوں اور تھانوں پر اور راستے کے ناکوں پر راجہ ساہو کے تین تین مستقل عامل سوار اور پیادوں کی جمعیت کے ساتھ مامور رہتے تھے۔ محاصل میں شراکت کے اس معاہدہ میں مرہٹوں نے ایسے بہت سے دیہات کو شامل نہیں سمجھا جو ویران ہو چکے تھے۔ مگر ان کو مرہٹوں نے امن و اَمان کا قول دے کر دوبارہ آباد ہونے کی اجازت دیدی تھی جیسے نندربار کا پرگنہ ایسے اور پرگنے صوبۂ خاندیس کے علاوہ صوبہ برار میں بھی تھے۔ ان پرگنوں کو انھوں نے امیرالامراء کی قرار داد سے مستثنیٰ ہی رہنے دیا۔ حالانکہ ان کو تباہ و برباد کرنے والے خود یہ مرہٹے تھے۔ ان پرگنوں کی دوبارہ آبادکاری کے لئے انھوں نے جاگیرداروں کو بٹائی کا تیسرا حصہ دینے کا پابند کر لیا تھا۔ اور اس شرط پر امن و امان کا قول دے رکھا تھا۔ ان کے قول کے مطابق بٹائی کے تین حصے ہوتے تھے۔ ایک حصہ جاگیردار کو ملتا تھا۔ دوسرا پورا حصہ غاصب مرہٹے لے جاتے تھے اور تیسرا حصہ رعیت کے لئے چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اس طرح پورے دکن میں ملکی اور مالی مقدمات میں بادشاہی فوج داروں اور جاگیروں سے کہیں بڑھ کر مرہٹوں کا عمل دخل ہوگیا اور ہر جگہ اُن کا حکم چلنے لگا۔

امیرالامراء نے مصالحت کے وقت یہ بات بڑی تاکید سے طے کرادی تھی۔ کہ مرہٹے راہداری وصول نہیں کریں گے جس کے متعلق ہم لکھ آتے ہیں کہ وہ ظالم فوج داروں کے مقابلہ میں دگنی تگنی وصول کرتے تھے اور مسافروں بیوپاریوں کو تنگ کرتے رہتے تھے۔ مگر مرہٹوں نے اس پابندی کو بالکل نظرانداز کر دیا۔ اس معاہدہ سے یہ

فائدہ مزید ہوا کہ اکثر پرگنوں میں دیہاتوں اور قافلوں کی تاخت وتاراج بند ہوگئی۔ اور پہلے کی نسبت مسافر راہ داری ادا کردینے کے بعد آرام سے سفر کرنے لگے اور بعض دیہات جو مرہٹوں کی لوٹ مار اور ناعاقبت اندیش حکام کے ظلم وستم سے بالکل ہی ویران ہوگئے تھے آباد ہوگئے۔

امیرالامراء نے جب مذکورہ شرائط پر شراکت کا اور صلح کا یہ معاہدہ کرلیا تو اسے اپنی مہر لگا کر راجہ ساہو کے وکیلوں کے حوالہ کر دیا اور اپنی اس سند کی تصدیق کے لئے بادشاہ کا فرمان طلب کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی۔ جگہ جگہ راجہ ساہو کے مستقل گماشتوں کو عمل دخل دیدیا اور یہ بھی طے کر دیا کہ راجہ ساہو کے روکارندے بالاجی بشوناتھ اور جمناجی ایک فوجی جمعیت کے ساتھ اورنگ آباد میں نیابت ووکالت کا فریضہ انجام دینے کے لئے مامور رہیں گے۔ اور ملکی ومالی امور انہی کے ذریعہ انجام پائیں گے۔

سید حسین علی خاں امیرالامراء کی یہ عرض داشت جس میں مرہٹوں سے مصالحت کے معاہدہ پر فرمان کی درخواست کی گئی تھی۔ دربار میں پہنچی تو سلطنت کے خیرخواہوں نے اس پر سخت اعتراض کیا کہ سادات نے محاصل حکومت بلکہ اختیارات حکمرانی میں دشمن کو شریک غالب بنادیا ہے ان کی یہ حرکت کسی طرح بھی دانشمندانہ اور قرین مصلحت نہیں تھی۔ اس لئے فرخ سیر نے اس کو پسند نہیں کیا۔

جاں نثار خاں کا تقرر

انہی دنوں ایک اور واقعہ ہوا جاں نثار خاں قدیم مزاج والے امیروں میں سے تھا، اور خلد مکاں کی نگرانی میں تربیت پائی تھی۔ عبداللہ خاں مرحوم اُس کو بھائی کہتا تھا اور دونوں بھائی سید عبداللہ خاں اور سید حسین علی خاں اُس کے پہلو بہ پہلو بڑے ہوئے تھے۔ بادشاہ نے اس اُمید پر کہ امیرالامراء اس کے ساتھ حسن سلوک رکھے گا اور وہ طرفین کی خیرخواہی کے لئے جو کچھ کہے گا۔ امیرالامراء اس سے انکار نہیں کر سکے گا۔ جاں نثار خاں کو برہان پور کی نائب صوبیداری پر امیرالامراء کی طرف سے مقرر کردیا اور خلوت میں اُس کو تاکید کی کہ وہ حسین علی خاں کو نصیحت کرتا رہے۔ فرخ سیر نے اُسے خلعت، مزاد ماده دو ہاتھی، مرصع سرپیچ

عطا کرکے رخصت کر دیا۔

یہ جلوس کے چھٹے سال ذی قعدہ کا مہینہ تھا اور ہجری سن گیارہ سو تیس ۱۱۳۱ھ تھا۔ بادشاہ نے انہی دنوں اعتماد الدولہ کو بھی صوبہ مالوا کے بندوبست کے لئے رخصت کر دیا تھا۔ اور یہ طے کیا تھا کہ اس کے سرحد مالوا پر پہنچنے کے بعد راجہ جے سنگھ سوائی کے تبادلہ اور اعتماد الدولہ کی صوبہ داری کا فرمان پہنچ جائے گا۔ مگر مشہور تو یہی ہے کہ بادشاہ نے اسی دن خفیہ طور پر صوبہ داری کا فرمان مع دوسری عنایات کے عطا کر دیا تھا۔

جان نثار خاں نئے عہدہ پر مامور ہو کر نربدا کے کنارے تک پہنچ گیا تھا۔ مگر اس کا یہ حال تھا کہ مالی پریشانیوں اور تنگ دستی کے سبب نہ کوئی فوج تھی، نہ سازو سامان۔ ان حالات میں باوجود اس کے کہ وہ خود کو پختہ کار اور معلم ثالث سمجھتا تھا اسے یقین نہیں تھا کہ وہ اپنے عہدہ کا عمل دخل حاصل بھی کر سکے گا۔ بہرحال وہ سوار اور پیادہ کے بغیر ہی مسافت طے کرتے ہوئے دکن کی سرحدوں پر پہنچ گیا۔

اورنگ آباد میں افواہیں

اعتماد الدولہ امین خاں کے مالوہ میں تعلقہ سرونج پر اور جان نثار خاں کے اکبرپور کے گھاٹ پر پہنچنے کی خبریں اورنگ آباد میں نہایت ہی غلط رنگ میں مشہور ہوئیں۔ افواہ اڑانے والوں نے شہرت دی کہ اعتماد الدولہ تجربہ کار امراء کے ساتھ ساٹھ ہزار فوج لے کر سرونج آ پہنچے اور اسے امیر الامراء کے خلاف جنگ کرنے کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ اور جان نثار خاں سات آٹھ ہزار سوار طلب پر ہراول مقرر ہوا ہے۔ ان افواہوں سے حسین علی خاں بہت پریشان ہو گیا۔ اس درمیان میں جان نثار خاں کے خطوط اس کے پاس برابر آرہے تھے کہ وہ سخت عسرت و پریشانی میں مبتلا ہے۔ اور اس کے ساتھ کوئی جمعیت اور فوج نہیں ہے۔ اس نے یہ بھی لکھا تھا کہ سنتا نامی مرہٹہ نے بھی اس کا راستہ روک رکھا ہے۔ اور شرارت پر آمادہ ہے۔ واضح رہے۔ سنتا راجہ ساہو کے مقرر کردہ سرداروں میں سے نہیں تھا، بلکہ وہ تارا بائی کی طرف سے سرکشی اور بغاوت پر آمادہ ہو گیا تھا۔ اس نے حسین علی خاں کو بدرقہ روانہ کرنے کی تاکید کی تھی۔ حسین علی خاں کو اس کے خطوط پر

اعتماد نہیں ہوا اور اس نے اپنے بھروسہ کے ہرکارے اعتماد الدولہ کی جمعیت اور جاں نثار خاں کی آمد کے بارے میں تحقیق کرنے کے لئے متعین کر دیئے۔ جب اسے خبر ملی۔ کہ جاں نثار خاں کا لکھا غلط نہیں سچ ہے تو اس نے ایک جمعیت جان نثار خاں کو لانے کے لئے مقرر کر دی۔

امیرالامرا اور جاں نثار خاں

جاں نثار خاں نے برہان پور پہنچنے کے بعد جو باتیں سنیں وہ بہت پریشان کُن تھیں۔ اس وقت برہان پور پر اسد اللہ خاں نائب صوبہ دار تھا جو نواب اولیا رکے نام سے مشہور تھا۔ اور دونوں سادات بھائیوں کا منظور نظر تھا۔ برہان پور کے لوگ اس کے مظالم سے تنگ آ چکے تھے اور اس کے خلاف استغاثہ لے کر اورنگ آباد گئے تھے۔ امیرالامرا نے اس کو لکھ دیا تھا کہ جاں نثار خاں کے آنے کی پروا نہ کرو اور اپنے عہدہ پر جمے رہو۔ ادھر اس نے جاں نثار خاں کو اپنے پاس طلب کر لیا۔ جاں نثار خاں مجبوراً امیرالامرا کے پاس چلا گیا۔ اُس کے اورنگ آباد آنے کے بعد امیرالامرا نے بڑے احترام اور تعظیم سے اس کی آؤبھگت کی خاطر مدارات میں بڑا اہتمام کیا۔ روزانہ پر تکلف کھانے بھجوا تا رہا اور چچا جان چچا جان کہہ کر مخاطب کرتا رہا۔ مگر چونکہ برہان پور سرحدی صوبہ تھا اور دربار کے فرستادہ عہدہ داروں کے وہاں مامور ہونے سے امیرالامرا کو بڑے اندیشے لاحق تھے پھر جاں نثار خاں جیسے امیر کا وہاں صاحب اختیار ہو جانا، جو اپنے زمانہ کا تجربہ کار بہادر سردار اور منصوبہ باز مدبر تھا۔ امیرالامرا کے لئے بہت دشوار اور پُرخطر تھا۔ اس لئے امیرالامرا نے اسے اورنگ آباد میں روک رکھا تھا۔ یہاں تک کہ تین مہینے گذر گئے اور ربیع و خریف کی فصلیں کٹ گئیں۔ امیرالامرا جاں نثار خاں کو بس دم پر رکھے ہوئے تھا اور ٹال مٹول سے کام لے رہا تھا۔ کبھی اسے نا ندیر یا صوبہ بیدر پر بھیجنے کی تجویز رکھتا۔ کبھی حیدرآباد اور بیجاپور کی صوبہ داری قبول کر لینے کی فرمائش کرتا۔ حالانکہ ان دونوں صوبوں کا عمل و دخل حاصل کرنا بہت ہی دشوار اور ناممکن تھا۔ کبھی اس سے کہتا کہ میں آپ کی عقل و دانش تجربہ کاری اور خیر خواہی پر کامل اعتماد رکھتا ہوں، اس لئے میری خواہش ہے کہ

سرکاری امور میں مشورے دینے کے لئے آپ میرے ساتھ ہی رہیں ۔ میں چچا صاحب کے آرام و آسائش کا سارا بندو بست کر دوں گا۔

مرہٹوں سے امین خاں کی لڑائی

اسی زمانہ میں خان عالم کے بھائی امین خاں کو عجیب و غریب حادثہ سے دوچار ہونا پڑا جس کا حال ہم مختصراً لکھتے ہیں ۔ امین خاں صوبہ محمد آباد یعنی بیدر و ناندیر پر نائب صوبہ دار تھا ۔ دکن کے صوبوں میں بعض قصبوں اور دیہاتوں میں مقدموں اور زمینداروں نے گڑھی بنا رکھی تھی اور اچھی خاصی فوج بھی بھرتی کر لی تھی ۔ ان دیہاتوں سے مرہٹوں کو اس عرصہ میں چوتھ وصول نہیں ہو سکی تھی اور باوجود ایک ماہ بیس دن تک محاصرہ کرنے کے، وہ ناکام رہے تھے ۔ صلح کے وقت راجہ ساہو کے وکیلوں سے یہ بھی طے پایا تھا کہ جن محال سے زمینداروں، مقدموں یا حکام کی سرکشی کے سبب مرہٹے چوتھ وصول نہ کر سکیں گے ۔ امیر الامراء وہاں سے چوتھ کی وصولی میں ان کی مدد کرے گا ۔ امین خاں کے تعلقہ میں بھی نرمل وغیرہ ایسے محال تھے کہ اس سارے عرصہ میں مرہٹے وہاں سے چوتھ کی ایک پائی بھی وصول نہ کر سکے تھے ۔ اس ضلع میں چوتھ کا تحصیل دار اور ضلع دار راجہ ساہو کا منہ بولا بیٹا فتح سنگھ تھا ۔ اُس نے امیر الامراء کے پاس وہاں کے سرکش زمینداروں کی شکایت کی اور امین خاں سے مدد دلانے کی فرمائش کی ۔ حسین علی خاں نے اس سلسلہ میں امین خاں کو لکھ دیا، مگر وہ راضی نہیں ہوا اور اُس نے لکھا کہ اس ساری مدت میں جب مرہٹے ان دیہاتوں سے چوتھ وصول نہ کر سکے تو میں آخر کس طرح چوتھ ادا کرنے کے اس ننگ و عار کو قبول کر لوں ۔ اس نے احتجاجاً اپنا استعفیٰ بھی پیش کر دیا ۔ اس کی جگہ امیر الامراء نے مرزا علی نامی کو جو اس ضلع کا مشہور اور بہادر آدمی تھا ۔ مقرر کر دیا ۔ انہی دنوں میں جب کہ امین خاں کی علیحدگی کی خبر مشہور تھی، وہ صوبہ ناندیر میں ایک دور دراز مقام بالکنڈہ کی طرف شکار کے لئے چلا گیا تھا ۔ اس کے ساتھ بہت مختصر سی جمعیت تھی ۔ کیونکہ اس کے اکثر ہمراہی اس کی لڑکی کی شادی کے انتظامات کی خاطر وہیں گھر پر رہ گئے تھے اور فوج اُس کے ساتھ جا نہیں سکی تھی۔

جب ساہو کے منہ بولے بیٹے فتح سنگھ کو خبر ملی تو وہ ایک زمیندار کی مدد لے کر جسے
امین خاں سے دشمنی تھی۔ تیرہ چودہ ہزار سواروں کے ساتھ اس کے پیچھے روانہ ہوگیا
نرمل کا زمیندار جگجیت راؤ بھی تین چار ہزار برقنداز سواروں کے ساتھ اس کے ہمراہ
ہوگیا ۔ جب مرہٹے اس بڑے لشکر کے ساتھ حملہ آور ہوئے تو امین خاں جس کا گھرانہ
بہادری و دلیری میں سارے دکن میں مشہور تھا۔ قطعًا ہراساں نہیں ہوا اور دشمن سے
جم کر مقابلہ کرتا رہا اور داد مردانگی دیتا ہوا زخمی ہوگیا، اور بیہوش ہوکر گر پڑا ۔ مرہٹوں
نے اسے اسیر بنا لیا۔ اس کے ساتھ سے دو تین مشہور سردار شہید ہوگئے۔ دشمن نے
اس کا مال واسباب، ہاتھی گھوڑے جو بھی ساتھ تھے لوٹ لئے۔

جب بادشاہ کو یہ اطلاعات ملیں کہ جاں نثار خاں کو برہان پور کی صوبہ داری کے
اختیارات نہیں دیئے گئے۔ اور امین خاں اس حادثہ کا شکار ہوگیا تو سادات کی طرف
سے اس کی خفگی میں اور اضافہ ہوگیا ۔ سال کے آخر میں جب کہ ربیع کی فصل ختم
ہوگئی ۔ امیر الامراء نے جاں نثار خاں کو اس شرط پر صوبہ برہان پور کی خدمت سپرد کی
کہ وہ اپنے بڑے بیٹے داراب خاں کو اپنا نائب بنا کر وہاں بھیج دے اور خود اورنگ آباد
میں امیر الامراء کے پاس ٹھہرا رہے ۔

امیر الامراء کی خودسری

انہی دنوں بادشاہ نے دکن کی دیوانی پر سے امانت خاں
کے پوتے دیانت خاں کو ہٹا کر ضیاء الدین خاں نامی کو
مقرر کردیا تھا ۔ برہان پور کی دیوانی پر جلال الدین خاں مامور ہوا اور دکن کی بخشی گری
کے عہدے پر فضل اللہ خاں کا تقرر عمل میں آیا ۔ یہ تینوں جب اورنگ آباد پہنچے ، تو
امیر الامراء نے ضیاء الدین خاں کو قطب الملک سید عبداللہ خاں کی سفارش کی وجہ
سے کہ وہ اسے بارہا اپنا بھائی لکھ چکا تھا ۔ دیوانی کے اختیارات سپرد کر دیئے ، مگر وہ
بھی بس اتنے تھے کہ وہ تنخواہوں کے پروانوں پر اور اسناد پر دستخط کر دیتا تھا۔ دیوانی
کے مقدمات و معاملات میں مداخلت کا اختیار نہیں تھا ۔ فضل اللہ خاں بخشی کو تو امیر الامراء
کی طرف سے کورا جواب مل گیا اور سلام کے لئے بھی وہ باریاب نہ ہوسکا ۔ جلال الدین خاں

کو برہان پور کی دیوان کے عوض برار کا دیوان مقرر کر دیا۔ یہ من مانی کارروائیاں بھی بادشاہ کو مشتعل کرنے کا سبب بن گیئں۔

اعتقاد خاں کی باریابی

ایک اور تعصہ پیش آیا۔ محمد مراد نامی ایک کشمیری جو بیہودہ گوئی اور بدکرداری میں زبان زد خاص و عام تھا اور بہت بدنام شخص تھا، خلد منزل بہادر شاہ کے زمانہ میں جہاں دار شاہ، اس پر نہ معلوم کیوں بہت مہربان ہو گیا تھا۔ اس کی توجہ سے وہ ہزاری منصب پر مامور ہو گیا اور وکالت خاں کا خطاب بھی مل گیا اپنے ہم قوموں میں اس کو بڑی عزت حاصل ہو گئی۔ فرخ سیر بادشاہ کے عہد میں ہم وطنی کے رشتہ کی بنا پر بادشاہ کی والدہ، صاحبہ نسواں نے اسے بادشاہ کے حضور میں تقرب کے مواقع پیدا کر دیئے اور اسے بادشاہ کے ساتھ خلوت میں ہم کلامی کی اجازت حاصل ہو گئی۔ اس نے بادشاہ کو اپنی چکنی چپڑی باتوں سے بہت رجھا لیا۔ اور سبز باغ دکھائے کہ لڑائی کی نوبت تک نہیں آئے گی اور نیام سے تلوار نکلے بغیر ہی میں سادات بارہہ کے ہر چھوٹے بڑے کا قلع قمع کر دوں گا، ان باتوں سے بادشاہ کی توجہ اور عنایت اس قدر زیادہ ہوئی کہ دیکھتے ہی دیکھتے اسے بڑے نمایاں اضافے اور ترقیاں ملیں اور چند ہی دن میں وہ ایک ہزاری منصب سے سات ہزاری دس ہزار سوار کے منصب پر پہنچ گیا اور رکن الدولہ اعتقاد خاں، فرخ شاہی کا خطاب بھی مل گیا اور بادشاہ کا ہمدم و دمساز اور ہمراز بن کر بارہہ کا تختہ الٹنے کی سازشیں کرنے لگا۔ کوئی دن نہیں جاتا تھا کہ بادشاہ اسے قیمتی جواہرات مرصع آلات اور خاص پوشاک انعام میں نہ دیتے ہوں دوسری اور عنایات تو اس کے سوا تھیں۔

بارہہ کے خلاف شاہی محاذ

اب یہ طے پایا کہ پٹنہ سے سربلند خاں کو مراد آباد سے نظام الملک بہادر فتح جنگ کو جس نے مراد آباد میں بہترین نظم و نسق قائم کر دیا تھا، اور سرکشوں مفسدوں کی اچھی طرح سرکوبی کر دی تھی۔ اور سارے ضلع میں اس کی وجہ سے امن و امان ہو گیا تھا، دربار

میں بلا لیا جائے ۔ ان کے ساتھ راجہ اجیت سنگھ کو بھی احمد آباد سے طلب کر لیا جائے اور ان سب کو دربار کے عمدہ مناصب عطا کر کے بارہہ کے اقتدار کو ختم کرنے کی کوشش کی جائے ۔ مگر یہ بات اس سلسلہ میں حیرت انگیز ہے کہ جب نظام الملک دربار میں واپس آگیا تو اسے کسی دوسری خدمت پر مقرر نہیں کیا گیا، بلکہ سرکار مراد آباد کی فوج داری اور اس سرکار میں اس کی جاگیر کے جو محال تھے اس سے واپس لے لئے اور مراد آباد کا نام رکن آباد رکھ کر اسے ایک جداگانہ صوبہ قرار دیا اور اسے رکن الدولہ اعتقاد خاں کی جاگیر اور صوبہ داری میں شامل کر دیا۔

جب یہ تمام امیر دربار میں جمع ہو گئے تو ان میں سے راجہ اجیت سنگھ، جسے مہاراجہ کا خطاب ملا تھا اور دوسری عنایات سے نوازا گیا تھا سید عبداللہ خاں کا رفیق اور مددگار بن گیا۔ اب نظام الملک فتح جنگ اور سربلند خاں رہ گئے۔ ان دونوں سے ابتدا میں بادشاہ نے وزارت اور میر بخشی کا وعدہ کیا تھا۔ سادات بارہہ کے خلاف جب بادشاہ نے ان سے مشورہ کیا تو انھوں نے عرض کیا ۔ پہلے بادشاہ اپنے کسی بھی وفادار ملازم کو قلمدان وزارت عطا کر دیں جو اس ذمہ داری کو سنبھالنے کا اہل ہو۔ اس کے بعد جب عبداللہ خاں کے اختیارات گھٹ جائیں گے ۔ وہ کسی نافرمانی کا مرتکب ہوگا تو اسے اس کی سزا پر پہنچا دیا جائے گا۔ بادشاہ نے جواب میں فرمایا کہ میں وزارت کے لئے اعتقاد خاں سے بہتر اور کسی کو نہیں سمجھتا ۔ بادشاہ نے جب ایران و توران کے ان بہترین امراء سے مشورہ کرتے ہوئے اس بیہودہ گو کم اصل اور بدنام شخص کا نام وزارت جیسے اہم ترین عہدہ کے لئے لیا تو ان کی بڑی دل شکنی ہوئی اور وہ اعتقاد خاں کی اطاعت پر راضی نہیں ہوتے ۔

عید الفطر کا ہنگامہ

انہی ہنگامہ پرور دنوں میں عید الفطر آگئی ۔ جب بادشاہ کی سواری عید گاہ کی طرف چلی تو رکاب شاہی میں ستر ہزار سوار اور پیادے تھے ۔ سید عبداللہ خاں کی گرفتاری کے اندیشے سے خاص و عام تمام لوگوں میں بڑی ہلچل اور افراتفری مچ گئی ۔ اس دن سید عبداللہ خاں کے ساتھ

چار پانچ ہزار سوار سے زیادہ جمعیت نہیں تھی مگر یہ صرف افواہ اور بدگمانی تھی کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔ اور بے سبب لوگوں میں بدنامی کا شہرہ ہو گیا۔ اس افواہ کے بعد سید عبداللہ خاں نے فوج میں اضافہ کی فکر کی پہلے وہ صرف بارہہ کے آدمیوں کو جن پر اسے کامل اعتماد تھا۔ اپنی فوج میں ملازم رکھتا تھا مگر اس واقعہ کے بعد اس نے حکم دے دیا کہ ہر قوم سے بیس ہزار سوار بھرتی کئے جائیں۔

امیر الامراء کی سازش

عید کے اس واقعہ کی اطلاع جب دکن میں پہنچی تو امیر الامراء بہت پریشان ہوا اور دارالخلافہ جانے کا ارادہ کر لیا، مگر اس سے پہلے ہی اس نے ایک اور فتنہ اٹھانے کی تیاریاں کر لی تھیں۔ معین الدین نامی ایک مجہول النسب گم نام شخص راجہ ساہو کے پاس قید میں تھا۔ امیر الامراء نے اس کے متعلق مشہور کرایا کہ بادشاہی خاندان کا بڑا فرزند یہی ہے پھر ایک جمعیت بھیج کر بڑی شان و شوکت سے اس نے معین الدین کو اپنے پاس بلوایا، مگر یہ احتیاط رکھی کہ کوئی اس کی شکل نہ دیکھنے پائے اس کے آنے کے بعد دربار میں بھی ساری روداد لکھ بھیجی اور جواب طلب کیا۔ فرخ سیر کو یہ ایک طرح سے انتباہ تھا کہ اگر وہاں میرے بھائی کے خلاف کچھ ہوگا تو میں دکن میں ایک وارث تخت کو تخت نشیں کر دوں گا۔) اسی اثنا میں خبر مل گئی کہ بادشاہ اور سید عبداللہ خاں کے درمیان صلح ہو گئی ہے۔

فرخ سیر اور بارہہ میں مصالحت

راجہ اجیت سنگھ کو بادشاہ نے دربار میں طلب کیا تھا۔ سید عبداللہ خاں کی اعانت سے اسے راجہ کا موروثی خطاب اور دوسرے اعزازات عطا ہوتے تھے۔ اگرچہ اس کی بیٹی کی نسبت بادشاہ کے ساتھ ہو گئی تھی۔ مگر وہ سید عبداللہ خاں کا حامی اور ہمراز بنا ہوا تھا اور مرتے دم تک اس کی رفاقت کا عہد کر چکا تھا۔ تاہم بادشاہ اور عبداللہ خاں کے درمیان اسی نے صلح مصالحت کرا دی تھی۔ چنانچہ اس سال ماہ شوال کے آخر میں محمد فرخ سیر اعتماد خاں، خان دوراں اور دوسرے خیر اندیش امراء کے ساتھ قطب الملک کے گھر آیا اور دونوں نے مخالفت کے ختم کرنے کی قسم کھائی اور

باہم موافقت وتعاون کا عہد وپیمان کیا۔ ایک دوسرے سے گذشتہ بدسلوکیوں کی عذر معذرت کی۔ مصالحت کے طے پانے کے بعد بادشاہ قلعہ میں واپس آگیا۔ اخلاص خاں دونوں بھائیوں کا معتمد آدمی تھا۔ اس کو فوری دکن روانہ کیا گیا تاکہ وہ امیر الامراء کو صورت حال سے باخبر کرکے مطمئن کردے۔ جب صلح کی خبر دکن پہنچی تو امیرالامرا نے اس خبر کی تصدیق تک دربار جانے کا ارادہ ملتوی کردیا تھا۔ اسی درمیان میں یہ اطلاع بھی ملی کہ بادشاہ اور وزیر میں صلح باقی نہیں رہی۔ قطب الملک کا خط بھی آگیا۔ جس میں بھائی کو تاکیدًا طلب کیا گیا تھا۔ ان دنوں اورنگ آباد کے گھر گھر میں یہ چرچا تھا کہ سید عبداللہ خاں خطرہ میں گھر گیا ہے اسی طرح اور بھی وحشت ناک افواہیں اڑ رہی تھیں۔

سادات بارہہ کا دکن سے کوچ

(محمد فرخ سیر کے جلوس کا نواں سال)

محمد فرخ سیر کی بے تدبیری

محمد فرخ سیر بادشاہ اور قطب الملک کے اختلافات بڑھتے چلے گئے۔ اختلافات کو رفع کرنے کی جو تدبیر بھی کی گئی وہ کارگر نہیں ہوئی، بادشاہ کا حال یہ تھا وہ ایک بات پر قائم نہیں رہتا تھا کبھی تو صلح مدارات سے پیش آتا تو کبھی مخالفوں کا قلع قمع کر دینے کے ارادہ سے اٹھ کھڑا ہوتا۔ پھر بعض منافق امیر تھے جو سید عبداللہ خاں کے رازدار بنے ہوتے تھے اور معاملہ کو یکسو نہیں ہونے دیتے تھے۔ خیراندیش مقربوں کی ایک جماعت جیسے نظام الملک بہادر فتح جنگ اور راجہ دھیراج جے سنگھ سوائی مخالفت کو ختم کرنے اور مصالحت کو قائم رکھنے کے لئے جب کبھی مشورہ دیتے تھے تو بادشاہ بعض وسوسوں اور اندیشوں کی بنا پر جن کا یہاں ذکر کرنا ہی نامناسب ہے سنی ان سنی کر کے ٹال دیتا تھا۔ اس کے باوجود فتح جنگ اور سربلند خاں اور دوسرے وفادار آدمی اس فتنہ کو رفع کرنے کے لئے برابر کوشاں رہے، مگر درپردہ سازش کرنے والے اندر ہی اندر فتنہ انگیزی میں مشغول تھے اور ان کے متعلق یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ کون ہیں۔ اصل میں بادشاہ کی تقدیر میں ہی یہ لکھا تھا کہ وہ اس فتنہ میں مارا جائے۔ اسی لئے اس کی طرف سے برابر ایسی باتیں ہوتی رہیں جو مصلحت اور عقلمندی کے خلاف تھا۔ اس کی سب سے بڑی

غلطی یہی تھی کہ اُس نے رکن الدولہ اعتقاد خاں کے ساتھ غیر معمولی عنایات کیں اور اس کو وزیر بنانے کی تجویزیں سوچتا رہا۔ اس کے حسب و نسب اور اس کی ظاہری و باطنی صلاحیت و استعداد کے پیش نظر ایران و توران کے امیر اس کی اطاعت قبول کرتے ہوئے عار محسوس کرتے تھے۔

دوسری طرف یہ بدنظمی تھی کہ والاشاہی فوج اور توپ خانہ کے آدمی آٹھ نو ماہ کے نقد مطالبات کا تقاضہ کر رہے تھے۔ سید عبداللہ خاں دانستہ ان سے بے توجہی برت رہا تھا اور وہ پیسہ پیسہ کو ترس گئے تھے۔ ان کے ساتھ تو یہ معاملہ تھا اور سید عبداللہ خاں ایک فوج علیحدہ بھرتی کرنے میں مصروف تھا جس کی تعداد بیس ہزار سوار تک پہنچ گئی تھی۔ اس سے سارا نظم و نسق خراب ہو رہا تھا اور بادشاہ سخت پریشان تھا۔

امیر الامراء کی عرض داشت

امیر الامراء کے پاس سے دربار میں ایک نفاق آمیز عرض داشت پہنچی تھی۔ جس میں اُس نے دربار میں حاضری اور قدم بوسی کی اجازت چاہی تھی اور دکن کی خراب آب و ہوا کی شکایت کی تھی۔ بادشاہ نے کسی زمان کے ضمن میں جواب دیتے ہوئے لکھا تھا کہ " اگر وہ پسند کرے تو احمد آباد چلا جائے اور طبیعت ٹھیک ہونے تک وہیں رہے " ورنہ ہم کو بھی اپنا مشتاق سمجھو اور حضور میں چلے آؤ۔ امیر الامراء نے شاہزادہ اکبر کے نقلی بیٹے معین الدین کے متعلق بھی لکھا تھا کہ وہ ملک میں گڑ بڑ پھیلانا چاہتا تھا۔ راجہ ساہو کے آدمیوں نے اسے قید کر دیا اور میرے لکھنے پر اورنگ آباد بھجوا دیا ہے۔ بادشاہ نے اس کو دربار میں بھجوانے کی ہدایت کی۔ اس دوران میں بھائی کے خطوط بھی جلد آنے کے لئے پہنچے۔ لہٰذا پندرہ ماہ شوال سن سات جلوس کو امیر الامراء نے اپنے چھوٹے بھائی سیف الدین علی خاں کو چار یا پانچ ہزار سوار بطور ہراول دے کر توپ خانہ کا بندوبست کرنے کے لئے برہان پور بھیج دیا۔ چونکہ صوبہ خاندیس کے بندوبست کے لئے جاں نثار خاں کی طرف سے اس کو اطمینان نہیں تھا۔ اور برہان پور کی رعایا جاں نثار خاں کے بیٹے کے مظالم سے جو وہاں اس کا نائب تھا تنگ

آ چکی تھی اور اس کے خلاف امیر الامرا حسین علی خاں کے پاس استغاثہ کیا تھا ۔ امیرالامرا نے اسی بہانہ سیف الدین علی خاں کو خاندیس کی صوبہ داری سے تبدیل کر دیا تھا اور مزید خبروں اور اطلاعات کا انتظار کر رہا تھا۔

امیر الامرا کی دکن سے روانگی

سید عبداللہ خاں کے خطوط مسلسل پہنچ رہے تھے آخر امیر الامرا ذی الحجہ کے آخر میں اورنگ آباد سے نکلا اور ضروری انتظامات کے لئے ایک ہفتہ تک ٹھیرا رہا اور اوائل محرم سن گیارہ سو اکتیس ہجری (۱۱۳۱ھ) مطابق ماہ آذر ۱۷۱۸ء جلوس میں پورے لاؤ لشکر اور توپ خانہ کے ساتھ کوچ کر دیا ۔ امیروں اور مرہٹوں کو اس نے پوری طرح ہموار کر لیا تھا ۔ اس کے ساتھ اسد اللہ خاں عرف نواب اولیا، جان نثار خاں کے بیٹا صوبہ برار کا نائب عوض خاں، اسد علی خاں (علی مردان خانی) لطف اللہ خاں صادق کا بھائی دلیر خاں، خان زماں کا پوتے اختصاص خاں، حاجی سیف اللہ خاں دکن کا دیوان ضیاء الدین خاں فیروز علی خاں بخشی جو سادات بارہہ کا مشہور آدمی تھا ۔ امانت خاں خوانی کا پوتا دیانت خاں، راجہ جے سنگھ بندیلہ اور راجہ محکم سنگھ جو امیر الامرا کا بہترین ملازم تھا، ان کے علاوہ بادشاہی عملہ کے بائیس آدمی تھے جن میں سے اکثر امیر الامرا کا ساتھ مجبوراً دے رہے تھے اور بے اختیار تھے ۔ تقریباً آٹھ نو ہزار تو خانگی سوار تھے، اور گیارہ بارہ ہزار مرہٹہ سوار اور دوسرے اہل خدمت تھے ۔ اورنگ آباد برہان پور اور برار کی متعینہ فوجیں بھی ہمراہ تھیں ۔ اس سے پہلے کسی امیر یا شاہزادہ کے ساتھ ان فوجوں نے نربدا کو عبور نہیں کیا تھا ۔ کچہری دیوانی، بیوتات اور بخشی کے سارے عملے بھی تھے اس طرح لشکر کی مجموعی تعداد ۲۵ ہزار سوار ہوتی تھی ۔ بھاری توپ خانہ الگ تھا ۔ برقنداز پیادے دس گیارہ ہزار تھے ۔ یہ سارا لشکر دارالخلافہ شاہجہاں آباد کے ارادہ سے روانہ ہوا ۔ امیر الامرا نے سادات خاں کو جو دونوں آنکھوں سے معذور تھا اور قدیم صاحب نام و نشان امیروں میں اس کا شمار ہوتا تھا ۔ احمد نگر کا قلعدار بنا دیا اور اپنے عملہ کے ہزاری منصب داروں کو اس کے ہمراہ کر کے رخصت کر دیا ۔ قلعۂ ملہیر چالیس سال سے

نجابت خاں کے خاندان کے پاس تھا۔ امیرالامراء نے اس پر قبضہ کرنے کے لیے بڑی کوشش کی تھی۔ جس کا ہم ذکر کرچکے ہیں۔ وہاں کا قلعدار وکالت خاں کو مقرر کرکے اس پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ اسی طرح قلعہ سالیر اور دوسرے دو تین قلعوں پر بھی امیرالامراء نے اپنے آدمیوں کو مقرر کردیا تھا۔ دولت آباد کے قلعہ میں امیرالامراء اپنے بعض اہلِ خاندان کو اور ضروری سامان بھجوانا چاہتا تھا۔ مگر قلعہ دار اس پر راضی نہیں ہوا۔ امیرالامراء نے اس کی جاگیر تبدیل کردی اور منصب میں کمی کردی۔ اسی طرح برہان پور کے قریب آسیر کا قلعہ دار بھی عتاب میں آگیا تھا۔

بادشاہی ملازموں کی پریشانی

بادشاہ کی طرف سے جو عہدہ دار خدمتوں پر مامور تھے اور دربار کے فرستادہ تھے ان کو امیرالامراء نے ان کے مفوضہ تعلقوں پر بھجوادیا تھا۔ ان میں سے بعض سربندی کے اخراجات کی وجہ سے زیربار ہوچکے تھے اور ابھی انھوں نے پوری طرح بندوبست پر قابو نہیں پایا تھا ان میں سے ہرایک کو جھوٹے الزامات کے تحت معزول کرکے دوسروں کو ان کی جگہ مقرر کردیا اور معزول شدہ آدمیوں کو جو مفلس اور قلاش ہوچکے تھے۔ اپنے ساتھ لے لیا۔ ان لوگوں میں' میں (مصنف ہذا خافی خاں) بھی شامل تھا۔ میں تین سال کی مشقت اٹھانے کے بعد دکن سے دربار میں پہنچا تھا۔ بعد میں مصطفیٰ آباد کے محال کی فوجداری اور امانت کی خدمت پر بادشاہی خالصہ میں متعین ہوکر میں دکن آگیا تھا۔ وہاں ہزار منت واحسان کے بعد سندِ خدمت لے کر اپنے تعلقہ پر گیا تھا جسے امیرالامراء کے بیٹے صوبہ دار برہان پور کے حملہ نے ویران و برباد کر رکھا تھا۔ میں نے سربندی کے خرچ میں کافی رقم صرف کردی تھی۔ اور میں نے پرگنہ کو آباد کرنے اور رعیت کو جمع کرنے میں بڑی محنت و کوشش کی تھی۔ رعیت نے کھیتی باڑی شروع کی تھی اور ابھی خریف کی کشائی بھی نہیں ہوئی تھی کہ امیرالامراء نے توپ خانہ کے انتظام کے لئے بیس ہزار روپیہ کا مطالبہ کردیا۔ ظاہر ہے یہ توپ خانہ بادشاہ محمد فرخ سیر سے لڑنے کے لئے ہی تیار کیا جارہا تھا مگر فصل کے تیار نہ ہونے کے سبب روپیہ کے بھجوانے میں تاخیر ہوگئی۔ امیرالامراء

نے یہ رقم دوسروں سے لے لی اور مجھے معزول کردیا۔ معزولی کے بعد سوار اور پیادوں کے مطالبات تو تھے ہی۔ مرہٹے جو تمام حکام و عمال کے شریک غالب بنے ہوتے تھے حساب بے حساب الگ تقاضے کررہے تھے۔ جو تباہی ہوئی اور جس طرح پریشان ہونا پڑا اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

مرہٹہ سرداروں کی رفاقت

امیرالامراء کے لشکر میں تیرہ ہزار مرہٹے سوار بھی تھے، جو کھندو پہاڑیہ کی سرداری میں آئے تھے۔ کھندو خاندیس میں راجہ ساہو کا صوبہ دار اور مشہور فوجی سردار تھا۔ اس کے علاوہ سنتا اور دوسرے چند گم نام سردار ہم رکاب تھے۔ جتنے نامی گرامی سردار اور عمدہ جمعدار تھے۔ ان کو گھوڑا، ہاتھی خلعت اور مدد خرچ کی رقمیں دے کر اپنے زیر احسان کرلیا تھا اور آئندہ کے لئے بھی ان سے وعدے وعید کر رکھے تھے۔ مرہٹہ فوج کے لئے سرکار سے آٹھ آنہ نفری مقرر کردی تھی زمینداروں کی ایک جماعت کو بھی ہموار کرکے اپنے ہمراہ لے لیا تھا۔ برہان پور پہنچنے کے بعد ضروری انتظامات کے لئے تین چار مقام کرنے پڑے۔

لشکر کے ساتھ رنبھا نبال کر نامی مرہٹہ سردار بھی تھا جو بادشاہی عملہ کا آدمی کہلاتا تھا دوسری کمکی افواج کے ساتھ وہ بھی امیرالامراء کے پاس آیا تھا۔ راجہ ساہو کے صاحب مدار سردار سنکراجی ملہار اور بسوناتھ اس سے عداوت رکھتے تھے اور بارہا اس کے ہاتھوں خفت اٹھائی تھی، اور عرصہ سے تلافی کی فکر میں لگے ہوتے تھے۔ حسین علی خاں نے ان لوگوں کے کہنے سننے پر مشورہ کرنے کے بہانے اسے خلوت میں بلایا اور اسے غفلت میں قید کردیا۔ اور اس کے خوف زدہ لشکر اور بہیر کو تاراج کرادیا۔

امیرالامراء اپنے ساتھ دیوانیوں بخشیوں، اخبار نویسوں اور کچہری کے متصدیوں اور سارے عملہ کو یہ کہہ کرلے آیا تھا کہ ان کو فرداپور کی گھاٹی سے واپس کردے گا، مگر ان کو برہان پور سے واپس کردینے کا وعدہ کرکے برہان پور لے آیا تھا۔ یہاں سے بھی ان کو رخصت نہیں دی۔ ان کے ساتھ تمام معزول حکام و عمال کو بھی انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں ہمراہ لئے ہوئے۔ دوسری محرم کو برہان پور سے روانہ ہوگیا اور کوچ

یہ کوچ نربدا کے گھاٹ اکبر پور کو عبور کیا۔

امیر الامراء مانڈو میں
واضح رہے اواخر ماہ شوال میں بادشاہ کی عبداللہ خاں سے صلح ہوگئی تھی اور اسی کے تحت اخلاص خاں امیر الامرا کو لوٹانے اور تسلی دینے کے لئے دربار سے روانہ ہوگیا تھا وہ اوائل ماہ صفر میں قلعہ مانڈو کے قریب پہنچ گیا اور اسی جگہ امیر الامراء سے ملاقات کی اور خلوت میں اُس نے اس صلح کو ناپائدار قرار دیا اور اُسے بتایا کہ دارالخلافہ میں بادشاہی امیر جمع ہورہے ہیں اور بادشاہ اعتقاد خاں کی خاطرداری میں لگا ہوا ہے اور دوسرے امیر اس رویہ سے آزردہ اور ناراض ہیں۔ اخلاص خاں کی ان باتوں سے حسین علی خاں نے جلد از جلد دارالخلافہ پہنچنے کی کوشش کی۔

لشکر میں یہ چرچا عام تھا کہ اعتماد الدولہ محمد امین خاں چین بہادر جو مالوے کا صوبہ دار تھا اور اجین کے قریب قیام رکھتا تھا۔ فوج اور زمینداروں کو جمع کر لیا ہے اور امیر الامرا سے مقابلہ کرنا چاہتا ہے۔ حسین علی خاں نے ایک چرب زبان ہمراہی نصیر الدین خاں نامی ایرانی کو جو اصطبل کا داروغہ تھا۔ اعتماد الدولہ کے پاس تحقیق حال کے لئے بھجوایا، اور وعدہ وعید پر مشتمل پیغامات بھجوائے مگر اسی دوران میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ اعتماد الدولہ بادشاہ کے حکم کے بغیر مقابلہ سے اُٹھ کر چلا گیا ہے۔ جب امیر الامراء قلعہ مانڈو پر پہنچا تو قلعہ دار مرحمت خاں ولد امیر خاں جس نے قلعہ داری کے فرائض بڑی عمدگی سے انجام دیئے تھے اور کوہ نشیں مفسدوں کی بخوبی سرکوبی اور تادیب کی تھی۔ بیماری اور دوسرے موانعات کا عذر کرکے ملاقات کے لئے نہیں آیا۔ اس بات سے حسین علی خاں سخت برہم ہوگیا۔

بادشاہ اور قطب الملک کی صلح
۱۴ رصفر کو دارالفتح اُجین کے کنارے لشکر نے پڑاؤ ڈالا۔ اسی جگہ حسین علی خاں کو گوالیار کے فوج دار برقندار خاں کے خطوط اور دربار کے وکیل کے ذریعہ اطلاعات ملیں کہ جب امیر الامراء کے اورنگ آباد سے کوچ کی خبر بادشاہ کو ملی تو ۲۵ رمحرم کو بادشاہ خود بعض

موافق و منافق امیروں کے ساتھ سید عبداللہ خاں کے گھر گیا تھا اور باہمی نزاع کو ختم کرنے کے لیے دونوں نے کلام الٰہی کی قسمیں اٹھائیں اور طرفین میں مصالحت ہوگئی۔ بادشاہ نے اپنے سر سے دستار اتار کر عبداللہ خاں کے سر پر رکھ دی اور دوسرے دن قلعہ میں دولت خانہ شاہی پر سید عبداللہ خاں کو مہاراجہ اجیت سنگھ کے ساتھ طلب کر کے اخوت و موافقت کا عہد و پیمان کیا اور صلح کی تجدید کی۔ اعتقاد خاں اور دوسرے فتنہ پرداز امراء کو بادشاہ نے بڑی تاکید اور اصرار سے کہا کہ اس کے بعد کوئی بات نہ ہونی چاہیے جو شکایت و اختلاف کا سبب بنے بلکہ مصالحت و موافقت کے لئے کوشاں رہو۔

امیر الامراء کا تبصرہ

امیر الامراء نے جب یہ خطوط پڑھے تو بھرے اجلاس میں کہا۔ "اگر واقعی بادشاہ ہم سے کوئی جھگڑا اور نزاع نہیں رکھتے ہیں اور بغیر کسی نفاق کے وہ ہم سے حسن سلوک رکھتے ہیں تو ہم کو بھی بجز اطاعت و ملازمت کے کسی بات سے کوئی سروکار نہیں رہے گا۔ باریابی اور بعض امور میں خاطر جمعی کے بعد میں بھی جلد دکن واپس ہوجاؤں گا۔" یہ ایک خوشی کی خبر تھی۔ ہر پڑاؤ اور خیمہ میں لوگ مصالحت اور دکن جلد واپس ہونے کی بات سن کر خوشیاں منانے لگے۔ مگر دوسرے تیسرے دن خوشیوں پر اوس پڑ گئی۔ حسین علی خاں کے ایک رازدار اور معتبر آدمی کی زبانی معلوم ہوا کہ اس نے خلوت میں کہا کہ "بادشاہ یہ جوابلہ فریبی کا کھیل کھیل رہا ہے۔ سب بیکار ہے وہ نہیں جانتا کہ ؎

نہاں کی ماند آں رازی کزو سازند محفلہا

عقلمندوں کے نقطۂ نظر سے تو عاقبت اندیشانہ بات اگر کوئی ہے تو وہ یہی ہے کہ اگر ہم بادشاہ کے قابو میں آجائیں گے تو ہماری جان کی خیر نہیں اور اگر ہم بادشاہ پر غالب ہوجائیں تو اس کا چھٹکارا ممکن نہیں۔"

معتوب امراء سے ساز باز

دربار سے آنے والی اطلاعات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بادشاہ نے سربلند خاں کی جاگیر کو تبدیل کر دیا اور اس کے بعض زرخیز محال میر جملہ کو دیدیے۔ سربلند خاں سخت مالی پریشانیوں میں

گرفتار ہو گیا۔ فوج کے تقاضے اور ہجوم سے تنگ آکر اُس نے ہاتھی گھوڑے اور اپنا سارا اثاث البیت جمعداروں اور قرض خواہوں کو دیدیا اور ملازمت اور منصب سے استعفا دیدیا اور گوشہ نشینی اور درویشی اختیار کرلینی چاہی۔ سید عبداللہ خاں کو جب اطلاع ہوئی تو اس کے پاس جاکر تسلّی دلاسا دیا، اور اپنے پاس سے نقد رقم ہاتھی گھوڑا وغیرہ دے کر کابل کی صوبہ داری، اس کے نام کردی اور اسے اپنا ممنون احسان بنا لیا۔ اسی طرح نظام الملک بھی بہت برداشتہ خاطر ہو رہا تھا۔ کیونکہ اس کو بادشاہ نے وزارت وغیرہ کا وعدہ کرکے بے وقت مرادآباد کی صوبہ داری سے بلا لیا تھا، اور اس کی سابقہ جاگیر اور خدمت اعتقاد خاں کے سپرد کردی تھی۔ دربار میں آنے کے بعد وہ وعدے پورے نہیں ہوئے۔ چنانچہ وہ اس ناقدری کی وجہ سے بہت ناراض تھا۔ قطب الملک (سید عبداللہ خاں) نے اسے بھی اطمینان دلایا اور مالوے کی صوبہ داری کی توقع اور امید دلائی۔ اعتمادالدولہ مالوے سے بادشاہ کے حکم اور اجازت کے بغیر آگیا تھا۔ اور بادشاہ کے زیر عتاب تھا اور منصب سے معزول کردیا گیا تھا۔ سید عبداللہ خاں نے اس کی بھی خاطر جمعی کی اور خان دوراں کو بھی جو ابتداء سے میر جملہ کے ساتھ بادشاہ کے طرف داروں میں شامل تھا۔ دل جوئی اور مدد و اعانت کرکے اُس نے اپنا رفیق اور رازدار بنا لیا۔

فرخ سیر کی خفگی

ایک خبر یہ بھی آئی کہ بادشاہ ایک دن شکار کے لئے گیا تھا اور یہ طے کیا تھا کہ شکار سے واپس آنے کے بعد قطب الملک سے ملنے کے لئے اس کے گھر سواری جائے گی۔ راستہ میں مہاراجہ اجیت سنگھ کا گھر بھی پڑتا تھا۔ اجیت سنگھ باوجود اس کے کہ بادشاہ اس کا داماد تھا۔ سید عبداللہ خاں کا ہمدم اور ہم راز بنا ہوا تھا اور موقع کی تلاش میں تھا۔ منصوبہ یہ تھا کہ جب بادشاہ کی سواری اجیت سنگھ کے گھر پر پہنچے گی تو وہ لازماً نذرانہ اور مجرا تسلیمات کے لئے آئے گا بس اسی وقت اسے گرفتار کرلیا جائے۔ یا تو بادشاہ نے یہ منصوبہ بنا رکھا تھا، یا پھر یہ بات تھی کہ بادشاہ کا دل صاف تھا مگر "الخائن خائف" (خیانت کرنے والا ڈرتا ہے)

کے مطابق راجہ کو بھول ہونے لگا، بس وہ بادشاہ کی واپسی سے پہلے ہی سید عبداللہ خاں کے گھر جاکر پناہ گزیں ہوگیا۔ بادشاہ واپسی میں کشتی پر سوار ہوکر آیا اور پروگرام کے مطابق سید عبداللہ خاں کے گھر جانا چاہا۔ مگر اسی اثناء میں یہ اطلاع ملی کہ راجہ سید عبداللہ خاں کے گھر میں پناہ گزیں ہے تو اُسے بہت غصہ آیا اور جب کشتی سید عبداللہ کے گھر کے سامنے پہنچی تو ملاحوں کو حکم دیا کہ نواڑہ کو تیزی سے نکال لے جاؤ حالانکہ بادشاہی ساز و سامان سید عبداللہ خاں کے گھر پر آچکا تھا اور قطب الملک استقبال کے ارادہ سے باہر نکل کر دریا کے کنارے پہنچ گیا تھا مگر بادشاہ نے اُس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی اور سید صاقطعہ کے دولت خانہ میں چلا گیا۔

اجین سے کوچ

مختصر یہ کہ حسین علی خاں نے اجین سے کوچ کردیا متصدیوں کی وہ جماعت جسے آج کل کے وعدہ پر وہ اجین تک لے آیا تھا اور یہی مشہور تھا کہ امیر الامراء ان کو اجین سے واپس کردے گا۔ بہت مایوس ہوگئی اور ناچار اس کے ساتھ آگے چل پڑی، ان میں سے ہر ایک کو یہی امید تھی کہ فردا پور سے اور اس کے بعد برہان پور سے ان کو واپس کردیا جائے گا، ان کے ساتھ سامان سفر بھی نہیں تھا، بس دو تین جوڑے کپڑے لے کر وہ چلے تھے۔ منصب داروں اور اہل خدمت میں سے جو لوگ ساتھ نہیں دے سکتے تھے۔ ان کو امیر الامراء نے جاگیروں سے معزول کردیا تھا بقیہ لوگ بڑی بے سروسامانی کی حالت میں لشکر کے ساتھ گھسٹتے چلے جارہے تھے۔ جب لشکر رانا کی سرحد میں پہنچا تو رانا کے وکیل کی آمد سے پہلے بعض دیہات اور بکثرت نیشکر کے کھیت فوج کے ہاتھوں تاراج ہوگئے جب رانا کے فرستادہ زنار دار برہمن نے آکر ہدیے نقد نذرانے اور جنس و اسباب پیش کیا تو امیر الامراء نے زراعت کو نقصان نہ پہنچانے کے لئے سخت تاکید کی اور پابندی لگادی۔ تب جاکر تھوڑی بہت کھیتیاں محفوظ رہ گئیں۔ جب امیر الامراء راجہ دھیراج جے سنگھ سوائی کی سرحد میں پہنچا تو اُس کا ایک بڑا عہدہ دار خدمت میں حاضر ہوگیا تھا۔ مگر اس کی پیش کش قبول نہیں ہوئی اور بہت سے دیہات زراعت اور بکثرت مویشی لوٹ مار کرنے والوں کے ہاتھوں تباہ ہوگئے۔ یہاں تک کہ لوگوں نے لوٹ کے مال کے ساتھ

رعیت کے بیوی بچوں کو بھی اپنے لئے حلال سمجھ لیا تھا۔

امرائے دربار کی منافقت

جب دارالخلافہ سے تین چار منزل پر لشکر پہنچا تو دربار کے متصدی رکاب شاہی کے امیر ظفر خاں، راجہ رتن چند وغیرہ جوق در جوق استقبال کے لئے آگئے۔ ظفر خاں بادشاہ کی سواری خاص کی ملازمت میں پہنچنے کے بعد اترانے لگا تھا اسی لئے امیرالامراء نے اس کو بڑے اہتمام سے خفیف کیا۔ فتنہ پرداز آدمیوں کی بن آئی۔ انھوں نے خلوت میں امیرالامراء کے خوب کان بھرے کہ بادشاہ سلامت نے بار بار صلح کرنے کے باوجود دونوں بھائیوں کے مخالفوں کی خفیہ و آشکارا ہمت افزائی کی اور ان کو ترقیاں دیں اور اپنے آگے بڑھائے ہوئے بدنام آدمیوں کو مخالفت کے لئے اُکساتے رہے ہیں۔ اس طرح بادشاہ بداندیش مصاحبوں کے بہکاوے میں آکر اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مار رہے ہیں۔ ان منافقوں اور فتنہ پردازوں کا سرخیل راجہ رتن چند تھا۔ اس نے بڑی شکایتیں کیں اور حسین علی خاں کو خوب پٹی پڑھائی اور اسے اس راہ پر ڈال دیا، جو نمک حراموں اور حکومت کے بدخواہوں کی راہ ہے۔ اُس کے مشورے آخرکار خود اس کے اور خاندان بارہہ کے لئے وبال جان بن کر رہے۔ ان باتوں سے امیرالامراء اور بھی مشتعل اور برہم ہو گیا۔

سادات بارہہ کا لشکر دہلی میں

امیر الامراء کی دہلی میں آمد

ماہ ربیع الاول کے اواخر اور جلوس کے آٹھویں سال کے اوائل میں دارالخلافہ دہلی کے نواح میں فیروز شاہ کی لاٹھ کی طرف پڑاؤ ڈالا گیا۔ جب شہر سے دو تین کوس پر لشکر پہنچ گیا تو امیر الامراء نے بغاوت کے اعلان کے لئے نقارہ بجوانے کا حکم دے دیا۔ حالانکہ سلاطین کے پائے تخت پر پہنچنے کے بعد نقارہ بجوانے کا طریقہ نہیں ہے۔ مگر امیر الامراء نے نقارہ بجاتے ہوئے شاہانہ سج دھج سے موضع باولی کی سرائے کے قریب خیمہ گاہ قائم کر دی اور بارہا اپنی زبان سے یہ ڈینگ مارتا رہا کہ اب میں خود کو بادشاہ کا نوکر نہیں سمجھتا ہوں۔ اس لئے آقا کے ادب کی رعایت میرے لئے ضروری نہیں ہے۔ منصب سے معزولی اور عتاب سلطانی کا بھی مجھے کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ حیرت تو سادہ لوح بادشاہ پر ہے کہ شادیانہ اور نقارہ کی آوازوں سے سارا شہر گونج گیا۔ ہر کوچہ و بازار میں امیر الامراء کی بغاوت اور مخالفت کے چرچے ہونے لگے۔ مگر اُس نے اس اعلان بغاوت کو کوئی اہمیت نہیں دی کبھی تو وہ دونوں بھائیوں پر بھڑک اٹھتا تھا اور کبھی دونوں سے صلح و اختلاط کی باتیں کرنے لگتا اور درپردہ نفاق کے دام بچھاتا رہتا۔ حزم و احتیاط اور رائے صائب سے کام لینے کا حوصلہ ہی نہیں تھا۔ بس جوڑ توڑ سے ہی کام نکالنے کی فکر میں رہا۔ راجہ جے سنگھ نے مشورہ بھی دیا کہ سرکشوں کو قرار واقعی سزا دی جائے تاکہ یہ قضیہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے،

مگر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ عرب و عجم کے عقیدت مند امیر مقابلہ و مقاتلہ کی اپنے آپ میں طاقت نہیں پاتے تھے۔ خاص طور سے مغل امیر جو اس راز سربستہ سے واقف ہو چکے تھے (بادشاہ کے خلاف سازش) مگر کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ زبان پر یہ بات لاتے۔ پس وہ دونوں بھائیوں کی سرکشی اور غلبہ و تسلط اور بادشاہ کی چشم پوشی اور کم ہمتی کو دیکھ دیکھ کر خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتے تھے۔ اور جب بھی محمد فرخ سیر کے اشارہ پر وہ حسین علی خاں سے ملنے جاتے تھے تو وہاں مدعیان حکومت کے رنگ ڈھنگ کو دیکھ کر بہت دل گرفتہ شکایت کرتے ہوئے لوٹتے تھے۔

بادشاہی قلعہ کا بندوبست

جب امیر الامراء کو آئے ہوئے چار پانچ دن گذر گئے تو قطب الملک نے بھائی کی طرف سے عرض کیا کہ اگر بادشاہ جے سنگھ کو اس کے وطن رخصت کر دیں، اور توپ خانہ کی خدمات دیوان خاص کی داروغگی ہمارے آدمیوں کے تفویض کر دیں اور قلعہ میں ہمارا بندوبست اور انتظام قائم ہو جائے تو امیر الامراء بے اندیشہ و وسواس حاضر بارگاہ ہو جائے گا اور ہم دونوں بھائی مطمئن ہو جائیں گے، اور بے خوف آمد و رفت رکھ سکیں گے۔ بے عقل بادشاہ نے جو زمانہ کی شعبدہ بازی اور دغل بازی سے قطعًا غافل تھا دونوں بھائیوں کی بات مان لی اور ان خدمات کے متعلق طے کیا کہ فی الحال وہ اصالتًہ سید عبداللہ خاں، دوسرے سادات بارہہ اور دونوں بھائیوں کے ہمراہیوں کے نام لکھ دی جائیں۔ مگر نیابتًا اعتقاد خاں اور دربار کے معتمد آدمی ان فرائض کو سرانجام دیں گے۔ چند دن بعد کہ جشن نوروز قریب آ چکا تھا۔ نیابت کا پردہ بھی حائل نہیں رہا۔ دونوں بھائیوں نے قلعہ کا نظم و نسق سنبھال لیا، تیسری ماہ ربیع الآخر کو راجہ دھیراج بادشاہ کے حسب الحکم کہ اسے ایک دن کی مہلت تک نہیں دی گئی تھی شاہجہاں آباد سے نکل کر اپنے وطن زنبیر چلا گیا۔

اسی دن راجہ بھیم اور راجہ بدھ سنگھ کے درمیان کہ یہ دونوں چچازاد بھائی تھے اور اپنے وطن بوندی کی ریاست پر باہم نزاع اور موروثی عداوت رکھتے تھے۔ راستہ میں جنگ ہو گئی دونوں طرف سے چند راجپوت مارے گئے اور بدھ سنگھ کا دیوان بھی قتل ہو گیا اور راجہ

بھیم کے آدمی غالب آگئے اور بدسنگھ مغلوب و ہراساں ہوکر گنتی کے چند سواروں کے ساتھ فرار ہوگیا اور راجہ دھیراج کی پناہ میں چلا گیا جو اس کا حامی تھا۔

امیر الامراء دربار میں

پانچویں ماہ مذکور کو قطب الملک اور مہاراجہ اجیت سنگھ اپنے معتمد آدمیوں کے ساتھ قلعہ میں آئے اور بادشاہی آدمیوں کو ہٹا کر ہر جگہ اپنے آدمیوں کو مقرر کر دیا۔ اس طرح بادشاہ کے اطراف صرف اعتقاد خاں اور مشرف دیوان خاص امتیاز خاں رہ گئے، جن کا عدم وجود برابر تھا۔ ایک ظفر خاں تھا، جو زمانہ سازی میں کھچڑے کی دال بنا ہوا تھا۔ چند خواص اور ناکارہ خواجہ سرا بادشاہ کے محافظ تھے اب امیر الامراء شاہانہ ٹھاٹ باٹ کے ساتھ آراستہ لشکر کے جھرمٹ میں سوار ہوا اور بڑی شان کے ساتھ سہ پہر کے وقت قلعہ میں داخل ہوا۔ بارگاہ شاہی میں پہنچنے کے بعد اس نے چند شکایت آمیز باتیں نصیحت کے طور پر کہیں اور بادشاہ سے بھی جواب میں ایسی ہی باتیں سُنیں۔ فرخ سیر نے اسے خلعت ہاتھی گھوڑا جواہرات عطا کئے۔ جو اُس نے کچھ ناپسندیدگی کے ساتھ قبول کر لئے اور باقی عنایات ولوازمات کے قبول کرنے سے معذرت کر لی۔ ادب آداب بھی جیسا کہ چاہتے تھا، بجا نہیں لایا، اور اپنے گھر لوٹ آیا۔ اس کے اس رویہ کے باوجود فرخ سیر نے صحیح صورت حال کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔

قلعہ اور شہر میں داخلہ

دوبارہ آٹھویں تاریخ کو بروز منگل جب کہ سادات نے قلعہ کا بندوبست پوری طرح اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا قطب الملک اور مہاراجہ اپنے معتمد آدمیوں اور منتخب فوج کے ساتھ قلعہ میں داخل ہوئے۔ پہلے دن کی طرح آج بھی بادشاہی آدمیوں کو احاطہ سے باہر کر دیا گیا اور دروازوں پر اپنے معتبر اور معتمد آدمیوں کو مقرر کر دیا۔ دیوان خاص خواب گاہ اور عدالت کے دروازوں کی چابیاں بھی اپنے پاس طلب کر لیں۔ جب سب انتظام خاطر خواہ ہوگئے تو نمک حرام حسین علی خاں کو بلانے کے لئے پیغام بھیج دیا گیا۔ وہ شاہانہ دبدبہ اور شان سے روانہ ہوا اس کی فوجیں صبح سے برابر آرہی تھیں اور قلعہ کے اطراف حلقہ بندی کر رہی تھیں۔ امیر الامراء سوار ہوا تو معین الدین گم نام کو بھی جسے وہ خانزادہ شاہی کا بڑا بیٹا کہہ کر دکن سے ساتھ لایا تھا، ہاتھی پہ سوار کرا دیا اور یہ شہرت دی کہ اسے بادشاہ کے حوالہ کرنے کے لئے لے جارہا

ہے۔ امیر الامراء نے شہر میں داخل ہونے کے بعد قلعہ ارک کے قریب اپنے گھر میں جو شائستہ خاں کی بارہ دری کے نام سے مشہور تھا قیام کیا۔

قطب الملک کے بادشاہ پر الزامات

سید عبداللہ خاں قطب الملک نے محمد فرخ سیر بادشاہ کے پاس پہنچ کر جس کے ہوش و حواس پراگندہ تھے۔ اجیت سنگھ کے ساتھ اپنے بھائی کی طرف سے بڑی شکایتیں کیں کیں اور شاہی خدمات کی نیابت کو قبول کرنے سے معذوری ظاہر کی اور کہا کہ تمھارے باپ دادا کے لئے ہم نے ایسی ایسی جانفشانیاں کیں تمھاری رکاب میں بھی دل و جان سے ہم خدمت انجام دیتے رہے اور جان نثاری دکھانے میں کوئی کسر نہیں رکھی۔ مگر ان خدمات کے عوض ہم نے حق ناشناس بادشاہ سے بجز بدگمانی اور فکر فاسد کے کچھ نہ پایا۔ چنانچہ اس کا ثبوت ان فرامین میں ہے جو داؤد خاں افغان بے دین کے اور دکن کے دوسرے ذمہ دار اشخاص کے نام صادر ہوئے تھے اور جن میں ہمارے عمل دخل کو ختم کرنے اور مجھ بے قصور بندہ کو قتل کرنے کا اشارہ کیا گیا تھا۔ یہ فرمان ہمارے پاس موجود ہیں۔ صاحب قران کے خانوادہ میں ایسی بدعہدی کسی بادشاہ نے کسی شخص کے ساتھ نہیں کی جو اس زمانہ میں ہمارے ساتھ کی گئی۔ اب ہمارے اندیشے اور وسوسے اسی صورت میں دور ہو سکتے ہیں کہ دربار کی خدمات کے اختیارات نیابت کی قید کے بغیر براہ راست ہمارے تفویض کر دیئے جائیں۔ ان کے علاوہ عبداللہ خاں نے اور بھی شرطوں کا ذکر کیا۔

دربار میں ہنگامہ اور شورش

کم عقل بادشاہ ان وعدوں کے سلسلہ میں عذر معذرت کرتا رہا۔ آخر کار طرفین سے گفتگو بدمزگی اور درشت کلامی تک جا پہنچی۔ بادشاہ نے گستاخی کی تاب نہ لاکر پہلے اعتقاد خاں کو جو اس فساد کا سبب تھا اور بعد میں قطب الملک کو مخاطب کرکے عتاب آمیز دو تین باتیں کہیں، اعتقاد خاں اس نازک صورت حال کو دیکھ کر ابلہ فریب باتیں کرنے لگا، تاکہ معاملات زیادہ بگڑنے نہ پائیں، مگر دونوں بے قابو ہو چکے تھے۔ اسی حال میں سید عبداللہ خاں اعتقاد خاں کو گالیاں بکنے لگا اور اس کو بات کرنے کا موقع نہیں دیا اور اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ اس کو قلعہ سے باہر نکال دیں۔ اعتقاد خاں کے ہوش اُڑ گئے اور اس نے جان بچا کر نکل جانے

ہی میں خیر دیکھی مگر اپنی پالکی تک وہ پہنچ نہیں سکا۔ البتہ امتیاز خاں پالکی پر سوار ہو کر اپنے گھر جانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس دوران میں قلعہ میں ہر طرف ہنگامہ مچ گیا۔ بادشاہ نے جب یہ شورش دیکھی تو محل میں اٹھ کر چلا گیا۔

پُرخطر رات

اس قیل و قال ہنگامہ و شورش میں رات ہو گئی اور قلعہ میں لوگوں کی آمد و رفت بند کر دی گئی۔ اس رات شہر میں بڑا خوف اور اضطراب رہا دونوں بھائیوں کی فوج ہر کوچہ و بازار میں جگہ جگہ گھوڑوں پر مستعد کھڑی ہوئی تھی۔ کسی کو علم نہیں تھا کہ قلعہ میں کیا کچھ ہو گیا۔ سید عبداللہ خاں اور راجہ اجیت سنگھ اپنے سرداروں کے ہمراہ مشورے کرتے رہے اور اس اندیشے سے کہ نہ معلوم راتوں رات کوئی خطرناک صورت پیدا ہو جائے۔ احتیاطی تدبیروں اور انتظامات کی نگرانی میں مصروف رہے۔ مرہٹہ سردار جیسے کھنڈو دپاریہ اور بالاجی بشوناتھ اور سنتا وغیرہ دس گیارہ ہزار سواروں کے ساتھ ایک اور ہی فکر میں اختر شماری کر رہے تھے کہ جیسے ہی صبح ہو اور ہنگامہ دار و گیر بلند ہو وہ موقع کو ہاتھ سے نہ دے کر شہر کے بازاروں پر ٹوٹ پڑیں اور لوگوں کا مال و متاع لوٹ لیں۔

مرہٹوں کا دہلی سے فرار

خدا خدا کر کے صبح ہوئی اور سید عبداللہ خاں کے مارے جانے کے متعلق بھی جھوٹی افواہیں اڑنے لگیں اعتقاد خاں اور دوسرے چند ناعاقبت اندیش امیر سعداللہ خاں کے بازار کی طرف سوار ہو کر امیرالامراء سے مقابلہ کے لئے بڑھے۔ ادھر ان کے سوار ہونے کی خبر مشہور ہوئی ادھر اعتماد الدولہ محمد امین خاں اور چین قلیچ خاں بہادر کے جھنڈے بھی نمودار ہوئے۔ یہ لوگ زمانہ سازی اور پختہ کاری کی وجہ سے حسین علی خاں کی رفاقت کا ارادہ کر کے گھر سے نکلے تھے مگر جب مرہٹوں کے سامنے ان کی فوجیں آئیں تو خان دوراں کے چودہ پندرہ سواروں نے جو کمل پوش سواروں کے نام سے مشہور تھے۔ چند تیر مرہٹوں کی طرف چھوڑ دیئے۔ بس اتنے پر ہی مرہٹے ایسے خوف زدہ ہوئے کہ ان کے تمام سردار ہاتھی گھوڑوں اور پالکیوں پر بیٹھ کر ادھر ادھر پراگندہ ہو گئے اور دس گیارہ ہزار سوار کا لشکر فرار کے ارادہ سے بھاگ نکلا، بازار کے لچے لفنگوں، بے کار تماشائیوں اور بے روزگار مغلوں کو خبر ہوئی تو وہ سب تلواریں کھینچ کر مرہٹوں پر ٹوٹ پڑے۔ دستار سر سے گری اور سر جسم سے، نیزہ ہاتھ سے چھوٹا اور تلوار کمر سے، حالت یہ تھی کہ مرہٹے بوکھلائی ہوئی بکریوں کی طرح بھاگ رہے تھے اور حملہ آور

بھیڑیوں کی طرح پیچھے لگے ہوئے تھے۔ قصاب دھوبی، خاکروب اور دوسرے پیشہ ور تک کام چھوڑ چھوڑ کر ان کے پیچھے پڑ گئے اور جو ہاتھ لگا، ان سے چھین لیا۔ فرار کے آغاز ہی میں مرہٹوں نے اپنے بھالے اور چھتریاں جو ان کا نشانِ امتیاز تھیں، بڑی تعداد میں پھینک دی تھیں اور لوگ ان کو اٹھانے کے لئے ہجوم کر رہے تھے۔ بہت سے سراپا برہنہ ہو کر بازار کا خس و خاشاک اٹھا کر منہ میں لے لینے لگے اور بڑی عاجزی سے دکن کی پست قوموں کے طریقہ پر جان کی امان طلب کرنے لگے جو زخمی ہو کر گرے اور بھاگ نہ سکے۔ ان کو بازار کے اوباشوں نے گھیر لیا بعض دوسری قوموں کے سیاہ رُو آدمی اُن کی سیاہ روئی کی مشابہت کے سبب دھوکہ میں مارے گئے اور زخمی ہو گئے، سعد اللہ خاں کے چوک سے جو قلعہ کے دروازہ کے قریب ہی تھا مرہٹوں کی لشکر گاہ تک جو تین چار کوس سے زائد فاصلہ پر تھی ہر جگہ اس گمراہ قوم کے آدمی مقتول اور زخمی پڑے ہوتے تھے اور راستہ بھر اُن کے کشتوں کے پشتے لگے ہوئے تھے۔

مرہٹوں کی تباہی کا آنکھوں دیکھا منظر

میں (خافی خاں) مرہٹوں کے فرار کا منظر شروع سے ہی بڑی توجہ کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔ پندرہ بیس مرہٹہ سواروں کے ایک دستہ کے درمیان ایک چھتری ہوتی تھی۔ اس وقت تقریباً چار سو پانچ سو کے قریب چھتریاں مرہٹوں کی فوج میں نظر آ رہی تھیں۔ ہنگامہ شروع ہونے کے بعد ایک بھی چھتری وہاں نہیں دکھائی دے رہی تھی۔ مقتول مرہٹوں کے گھوڑے اور مادیاں بکثرت بے روزگار مغلوں اور بازار کے شہدوں کے ہاتھ آ گئی تھیں۔ ان سواریوں پر جو خوگیر کسے ہوئے تھے ان میں لوٹ کے زر و زیورات انھوں نے چھپا کر رکھے ہوئے تھے مقتولوں کی کمر سے سونے چاندی سے بھری ہوئی ہمیانیاں بھی برآمد ہوئیں یہ سب اس لوٹ میں ان کے ہاتھ آیا تھا جو انھوں نے راجہ دھیراج کے علاقہ میں کی تھی اور راستہ بھر مسافروں کو لوٹتے آئے تھے۔ اس فرار کے وقت مرہٹوں کی جتنی بڑی تعداد ماری گئی تھی۔ شاید ہی کسی معرکہ میں اتنی تعداد ہو۔ سنتا نامی فیل سوار سردار اور دوسرے دو تین غیر معروف سرداروں کے پندرہ سو سوار اور پیادے تہ تیغ کر دیئے گئے اور ایک کثیر تعداد زخمی ہو گئی۔ یہ حادثہ بھی بس اللہ کے فضل سے رونما ہو گیا، ورنہ ان بدبخت مرہٹوں کی اولاد برسوں تک یہ ڈینگ مارتی رہتی کہ ہم پائے تخت دہلی گئے تھے، مرہٹوں کے زور بازو سے ہی ہندوستان کا بادشاہ قید ہو گیا تھا اور ہم نے ہی دوسرے بادشاہ کو تخت نشین کیا تھا۔

سادات بارہہ کا محل شاہی پر حملہ

بادشاہی امیروں اور سادات کا مقابلہ

جب اس ہنگامہ میں دکنیوں کے فرار اور قلعہ میں عبداللہ خاں کے مارے جانے کی خبریں گرم تھیں اور ہر کوچہ و بازار میں لوگ اسی کا تذکرہ کر رہے تھے۔ غازی الدین خاں غالب جنگ اور بادشاہ کے خسر سادات خاں مع فرزند گھر سے نکلے اور مقابلہ کے لئے سوار ہو گئے اعتقاد خاں نے سعداللہ خاں کے بازار کی جانب مخالفوں پر حملہ کر دیا۔ اس کے ہمراہ توپ خانہ کا معزول داروغہ سید صلابت خاں اور میر مشرف تھا۔ جو حسین علی خاں کا خاص آدمی تھا مگر بعد میں بادشاہی منصب پہ مامور ہو گیا تھا۔ ان کے ساتھ منوہر بھی تھا جو ہزاری منصب دار تھا۔ ان کی فوج کی تعداد دو تین ہزار کے لگ بھگ تھی۔ مختلف فوجوں کے اس اقدام اور قلعہ کی تشویش ناک خبریں پھیلیں تو سادات بارہہ کے بڑے بڑے جمعداروں کے حوصلے پست ہو گئے۔ چار پانچ ہزار سوار بارہ دری کی طرف تھے اور وہ بھاگنے کی سوچ رہے تھے مگر جب اعتمادالدولہ حسین علی خاں سے آکر مل گیا تو ان کی ہمت بندھ گئی اور وہ مقابلہ پر ٹھہر گئے۔ نظام الملک فتح جنگ بہادر نے جب دیکھا کہ حالات قابو سے باہر ہو چکے ہیں تو اس نے پیش قدمی اور حرکت کو خلاف مصلحت جانا اور اپنے گھر جا کر بیٹھ گیا۔

بادشاہی امیروں کی شکست

امیرالامرا نے جب قلعہ کے باہر یہ ہنگامہ دیکھا تو اس نے سید عبداللہ خاں کو پیغام بھجوایا کہ تصفیہ

کو یک سر تماشا دو تی دوسری طرف اس نے مذکورہ بادشاہی امیروں کے مقابلہ پر فوجیں روانہ کر دیں۔ اس اثناء میں قلعہ کے اندر قطب الملک عبداللہ خاں کے زندہ رہنے اور غلبہ پا جانے کی خبر پھیل گئی۔ سادات بارہہ کی جو فوجیں بدحواس ہو کر بھاگنے کی فکر میں تھیں دوبارہ دلجمعی سے جم گئیں۔ غازی الدین خاں اور سادات خاں مع اپنے فرزند کے جلو ریز چاندنی چوک تک پہنچ گئے تھے۔ بارہہ کی فوج بھی ان کے سامنے نمودار ہوئی اور اُس نے بان اور بندوق چلانا شروع کر دیا۔ پہلے ہی حملہ میں ایک بان کے صدمہ سے غالب جنگ کے ہاتھی کا رخ پھر گیا۔ اتنے میں سادات بارہہ کی گھوڑ سوار فوج پہنچ گئی۔ غالب جنگ کے سوار اور پیادے خوف زدہ ہو کر بھاگ نکلے۔ سادات خاں کا بیٹا زخمی ہو کر بارہہ کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔ سادات خاں کو بھی کاری زخم لگا اور وہ اسی زخم سے فوت ہو گیا۔

اسی اثناء میں آغر خاں جو مشہور اور بہادر سردار تھا اور اس کی ایک بڑی برادری بھی تھی۔ مغلوں کی ایک جمعیت کے ساتھ سوار ہو کر لاہوری دروازہ کی طرف سے نمودار ہوا حسین علی خاں کے آدمیوں نے دروازے بند کر دیئے اور وہ مجبوراً لوٹ گیا۔ سعد اللہ خاں کے چوک پر اپنے گھر کے قریب اعتقاد خاں نے مع ہمراہیوں کے مورچہ بندی کر رکھی تھی۔ اس کی جدوجہد بیکار رہی تھی۔ آخر وہ بھی اپنے مخالفوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔ اس ہجوم میں سعد اللہ خاں کے بازار کی چند دکانیں لوٹ لی گئیں۔

محل شاہی پر باغیوں کا حملہ

ابھی یہ ہنگامہ اور شورش برپا تھی کہ شمس الدین ابو البرکات۔ رفیع الدرجات کے جلوس کا شادیانہ بجنے لگا۔ جس کی تفصیل ہم آگے لکھیں گے۔ جب مظلوم بادشاہ محمد فرخ سیر دربار سے اٹھ کر محل میں چلا گیا اور رات ہو گئی تو سید عبداللہ خاں اور سنگدل راجا جیت سنگھ افغانوں کی ایک جمعیت اور دوسرے معتمد سرداروں کے ساتھ قلعہ ہی میں رہ گئے۔ مگر رات بھر وہ بیم و رجا کی حالت میں تھے کہ نہ معلوم صبح ہونے تک کیا حادثہ رونما ہوتا ہے۔ جب صبح ہوئی تو قلعہ کے باہر ہنگامہ اور شورش کی اطلاع ملی قطب الملک وغیرہ نے پیغام بھیجے اور سبز باغ دکھائے کہ کسی طرح وہ محل سے باہر آ جائے مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ محل پر حبشی اور ترکی کنیزوں کی فوج جنگ کے لئے مستعد ہو گئی۔ آخر کار قطب الملک کے چھوٹے بھائی نجم الدین علی خاں اور صلابت خاں روہیلہ کا بیٹا اور چند دوسرے نمک حرام سردار

پٹھانوں اور چیلوں کو لے کر محل میں گھس گئے۔ فرخ سیر بادشاہ بڑی تلاش کے بعد محل کی چھت پر ایک کونے میں دبکا ہوا بیٹھا تھا اور محل کی عورتیں اس کے اطراف تھیں۔ حملہ آوروں نے عورتوں کو دھکے دے کر ہٹایا اور بادشاہ کو بڑی بے حرمتی کے ساتھ کھینچتے ہوئے لے آئے۔ بادشاہ کی والدہ بیوی لڑکی اور دوسری بیگمات مظلوم و مغموم بادشاہ کو گھیرے ہوئے تھیں۔ بیچاریاں پٹھانوں اور چیلوں کے پاؤں پر گر گئیں اور ان کی منت و خوشامد کرنے لگیں۔ اس وقت سارا محل چیخ پکار کر آہ و زاری اور فریادوں سے گونج رہا تھا۔ حملہ آوروں نے زیورات اور مال و اسباب بھی خوب لوٹا اور عزت و آبرو پر ہاتھ ڈالنے سے بھی نہیں چوکے۔ اس دردناک تفصیل کو لکھنے کا یارا نہیں ہے۔ مختصر یہ کہ اس وقت صاحب قران تیمور کے گھرانہ پر جیسی قیامت ٹوٹی، سلاطین سلف میں سے کسی بادشاہ کے ساتھ اس کی مثال نہیں ملتی کہ پردہ نشین بیگمات کی جان آبرو اور ناموس اسی طرح تلف ہوئی ہو۔

فرخ سیر بادشاہ قید میں

محمد فرخ سیر بادشاہ کو عورتوں کے ہجوم میں سے بڑی بے حرمتی کے ساتھ گھسیٹتے ہوئے لے گئے اور اُسے اندھا کر دیا۔ قلعہ میں ترپولیہ پر ایک قید خانہ تھا جسے قبر کی طرح زمین دوز بنایا گیا تھا۔ یہ نہایت تنگ و تاریک جگہ تھی۔ اس میں ان قیدیوں کو رکھا جاتا تھا، جن کو عذاب دے کر ہلاک کرنا مقصود ہوتا تھا۔ غرض بادشاہ کو اس قبر نما قید خانہ میں زندہ درگور کر دیا گیا اس کو صرف ایک طشت اور آفتابہ قضائے حاجت کے لئے اور پانی کی صراحی دے دی گئی تھی بس یہی چیزیں اس قید میں اس کی رفیق تھیں ؎

ہیچ دیدی کہ دریں بزم دمی خوش ننشست
کہ نہ در آخر صحبت بہ ندامت برخاست

فرخ سیر کا عہد حکومت

محمد فرخ سیر مرحوم شہید کی سلطنت کا پُر آشوب زمانہ کم و بیش چھ سال چار ماہ ہوتا ہے۔ فرخ سیر نے جہاں دار شاہ کی سلطنت کے گیارہ مہینے بھی اپنے عہد حکومت میں شامل کر کے دفاتر میں لکھوا دیئے تھے۔ یہ گیارہ ماہ مذکورہ مدت کے علاوہ ہیں۔ یہ واقعہ بڑا عبرت ناک تھا۔

ایک بادشاہ کو تخت سے اُتار کر قید میں ڈال دیا گیا اور دوسرے کو سات سال کی قید سے نکال کر تخت شاہی پر بٹھایا گیا۔ اس واقعہ کی تاریخ ہے " فاعتبروا یا اولی الابصار" (اصل نسخہ میں یہی تاریخ ہے مگر اس کے اعداد جمل کے حساب سے مذکورہ واقعہ کے سن سے مطابقت نہیں رکھتے) ؎

زانقلاب زمانہ عجب مدار کہ چرخ
ازیں فسانہ و افسوں ہزار دار و یاد

شمس الدین ابوالبرکات رفیع الدرجات

ایک بے بس اور مظلوم بادشاہ، جسے تخت سلطنت پر بٹھا دیا گیا مگر فرماں فرمائی کے اختیارات اس کے سپرد نہیں کئے گئے وہ سادات بارھہ کی سازشوں اور ستم رانیوں کے خلاف مجسم احتجاج تھا، آخر وہ اسی غم میں گھل گھل کر مر گیا۔

نئے بادشاہ کی تخت نشینی

مظلوم بادشاہ محمد فرخ سیر کو ٹھکانے لگا دینے کے بعد سادات بارہہ نے اسی ہنگامہ کارزار میں جب کہ قلعہ کے اندر اور باہر شہر میں سخت اضطراب وہیجان برپا تھا۔ نئے بادشاہ کو تخت نشین کر دیا۔ نیا بادشاہ شمس الدین ابوالبرکات رفیع الدرجات تھا جو رفیع الشان کا چھوٹا بیٹا تھا خلد منزل۔ بہادر شاہ کا پوتا اور خلد مکاں اورنگ زیب بادشاہ کے بیٹے محمد اکبر کا پڑپوتا ہوتا تھا۔ نئے بادشاہ کی عمر صرف بیس سال تھی۔ اس کی تاریخ ولادت "وارث تاج" سے نکالی گئی تھی جس وقت یہ انقلاب برپا ہوا شمس الدین قید میں تھا اور مرض دق میں مبتلا۔ دونوں سادات بھائیوں نے اسے قید سے نکالا اور اس جلدی میں کہ حمام کرنے اور لباس تبدیل کرنے تک کی مہلت نہیں دی اسی لباس میں جو وہ پہنے ہوئے تھا۔ لے جاکر تخت شاہی پر بٹھا دیا اور گلے میں مروارید کی مالا ڈال دی اور تخت نشینی کے اعلان کے لئے شادیانہ بجوا دیا تاکہ شہر میں ہنگامہ ختم ہو جائے شہر میں "الامان الامان" کی منادی بھی کرا دی۔

جزیہ کی معافی کا حکم قطب الملک سید عبداللہ خاں نے مبارک بادی اور آداب تسلیمات کی رسم انجام دی اور اپنے خاص خاص ساتھیوں کے ہمراہ قلعہ ہی میں ٹھیرا رہا اور قلعہ کے دروازہ پر اور دیوان خاص وعام کے اطراف ہر جگہ اپنے معتبر اور معتمد خواجہ سراؤں خواصوں اور دوسرے عملہ کے آدمیوں کو مقرر کر دیا۔ شمس الدین بادشاہ کے پہلے دربار ہی میں اپنے داماد کو قتل کرانے والے راجہ اجیت سنگھ اور عداوت پیشہ راجہ رتن نے جزیہ کی معافی کا حکم حاصل کر لیا اور امن وامان کے قیام کے لئے ہر طرف احکام جاری کرا دیئے۔

فرخ سیر کے حامیوں کی مصیبت

اعتقاد خاں کو بڑی ذلت و خواری کے ساتھ قید کرکے اس کی جاگیر اور گھربار کو ضبط کرلیا گیا۔ اس نے نقد روپیہ جواہرات سونا چاندی مرصع آلات وظروف مختلف جگہ بھجوا دیئے تھے ۔ اس کے باوجود اس کا گھرانہ کافی مالامال تھا۔ بادشاہ کی طرف سے اسے جو جواہرات اور مروارید عطا ہوئے تھے ۔ ان کی تفتیش و تحقیق میں بھی اس کو بہت ذلیل کیا گیا اور سختیاں کی گئیں ۔ اسی طرح سادات خاں اور شائستہ خاں کے بیٹوں کو جو مظلوم بادشاہ کے ماموں اور نسبتی بھائی ہوتے تھے اور توپ خانہ کے داروغہ سید صلابت خاں ، افضل خاں صدر اور دوسرے ہمدم اور خیر خواہوں کے گھر بار ضبط کرلئے گئے۔ فرخ سیر کی بیوی راجہ اجیت سنگھ کی بیٹی تھی اس کی جاگیر اور مراتب راجہ کی خاطرداری کے لئے بحال رکھے گئے۔

تقرر تبادلہ اور معزولی

والا شاہی منصب داروں میں سے بعض کو جاگیر ملنے تک ماہانہ پچاس روپیہ ملتا تھا، بعض کو کچھ زیادہ اکثر نقد جاگیر کی امید میں منصب داروں کے زمرہ میں خود کو شمار کرتے تھے ۔ ان سب منصب داروں اور امید واروں کو حکم دیا گیا کہ جو بھی ملازمت کا ارادہ رکھتا ہے وہ حسین علی خاں کی سرکار میں اپنے گھوڑوں کو داغ کرائے اور جس شرح سے دوسروں کو ماہانہ ملتا ہے پچاس روپیہ لیتا رہے۔ بخشی دوم کے عہدہ پر اعتمادالدولہ محمد امین خاں بہادر کو بحال رکھا گیا۔ بخشی سوم سیف اللہ خاں کی جگہ ظفر خاں مقرر ہوا۔ بخشی چہارم کا عہدہ برخاست کردیا گیا۔ نظام الملک بہادر فتح جنگ کو پہلے پٹنہ کی صوبہ داری دینے کی تجویز تھی بعد میں اسے مالوے کی صوبہ داری دی گئی ۔ حالانکہ وہ ان حالات کو دیکھتے ہوئے ، ان خدمات کو قبول نہیں کررہا تھا۔ اس کو آمادہ کرکے اس عہد و پیان کے ساتھ کہ صوبہ داری سے اُسے معزول نہیں کیا جائے گا، مالوے پر مقرر کردیا۔ سربلند خاں مبارزالملک اس انقلاب سے پہلے ہی کابل روانہ کردیا گیا تھا ۔ مگر وہ پندرہ کوس جاکر ٹھیر گیا تھا اور نتائج کا انتظار کررہا تھا، اسے دربار میں واپس بلالیا گیا۔ اور از سر نو خلعت وغیرہ دے کراسے مطمئن کرکے سابقہ تجویز کے مطابق کابل رخصت کردیا گیا۔ مرادآباد کی فوج داری پر امیرالامرا نے اپنے بھائی سیف الدین علی خاں کو مقرر کردیا ۔ محمد رضا نامی دربار کا قاضی اور

میر خاں خلد مکانی جو اکبر آباد کا صوبہ دار تھا۔ صدر الصدور مقرر ہوا۔ خالصہ کی دیوانی امانت خاں کے پوتے دیانت خاں کو ملی اور دیوانی تن پر راجہ بخت مل کا تقرر ہوا مگر عملاً تمام ملکی اور مالی شعبوں کے متصدی راجہ رتن چند کے نائب بنے رہتے تھے۔ ہمت خاں سید عبداللہ خاں کا مشیر اور ہمراز تھا، اس کو دیوان خاص و عام کا مشرف اور بادشاہ کا معلم و اتالیق مقرر کیا گیا۔ دور دراز کے صوبوں میں البتہ نظم ونسق کی خرابی کے اندیشہ سے اتنا زیادہ تغیر و تبدل نہیں کیا گیا۔ مانڈو پر امیر خاں کا بیٹا مرحمت خاں قلعدار تھا جو بڑے معزز گھرانہ کا فرد تھا اور اس نے یہ حقیقت ہے کہ کوہستانی باغیوں اور سرکشوں کی اچھی طرح سرکوبی کی تھی اور قلعہ کے اطراف اور پورے تعلقہ میں راہ زنی اور ڈکیتی کا نام و نشان نہیں رہا تھا۔ مگر حسین علی خاں اس سے ناراض تھا۔ کیونکہ جب وہ دکن سے آرہا تھا تو مرحمت خاں ملاقات کے لئے حاضر نہیں ہوا تھا اور بادشاہ کی ناراضگی کے اندیشہ سے اس نے امیر الامراء کی خدمات سرانجام نہیں دی تھیں۔ چنانچہ اس کی جگہ خواجم قلی خاں تورانی کو مقرر کردیا گیا۔ راجہ اجیت سنگھ کو حسب سابق احمد آباد کی صوبہ داری پر بحال رکھا گیا۔ وہ اجازت لے کر جلد احمد آباد جانا چاہتا تھا۔ تاکہ لوگوں کی لعنت ملامت سے بچ جائے جس کا ذکر ہم آگے کریں گے مگر اسے اجازت نہیں مل سکی۔

فرخ سیر کا عبرت ناک انجام

مظلوم بادشاہ کو قید میں دو ماہ گذر چکے تھے وہ بڑے سخت عذاب اور مصیبت میں یہ قید بھگت رہا تھا۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ اسے اندھا کر دیا گیا تھا مگر مشہور روایت ہے کہ اس کی بصارت بالکل ضائع نہیں ہوئی تھی۔ اب یہ اس کی سادہ لوحی تھی یا ہوس اقتدار کہ وہ برابر اپنے دشمنوں کے پاس عذر معذرت کے پیغام بھیجتا رہتا تھا اور دوبارہ تخت پر بٹھانے کی فرمائش کرتا رہتا تھا، اس وعدہ پر کہ وہ دونوں بھائیوں کو سلطنت کے پورے اختیارات سپرد کر دے گا۔ عبداللہ خاں افغانی کو بادشاہ کی نگرانی پر مقرر کیا گیا تھا۔ زندہ درگور بادشاہ اس کی خوشامد درآمد کرتا رہتا تھا۔ اس سے وعدہ کرتا تھا۔ اگر وہ اسے یہاں سے نکال کر راجہ دھیراج جے سنگھ سوائی کے پاس پہنچا دے جسے وہ اپنے لئے وسیلۂ نجات سمجھتا تھا تو اسے سات ہزاری کا منصب دار بنا دے گا۔ یہ لوگ بھی اس کو دم دلاسا دے کر اس کے خیالات معلوم کرتے رہتے تھے اور ذمہ داران حکومت کو مطلع کر دیتے تھے آخر کار دونوں بھائی اس

سادہ لوح قیدی کا قصہ پاک کر دینے کی فکر میں پڑ گئے۔ دوبارہ اسے زہر دیا مگر وہ کارگر نہیں ہوا۔ دوسری یا تیسری بار زہر کا اثر تو ہوا مگر وہ ایسا سخت جان تھا کہ کسی صورت روح نکلتی ہی نہیں تھی۔ دونوں بھائیوں نے کلام الٰہی پر قسم کھائی تھی کہ اس کی جان نہیں لیں گے مگر اب وہ اسے ہلاک کرنے کی تدبیر کر چکے تھے بدنصیب بادشاہ جان کنی کے عالم میں تڑپ رہا تھا اور دونوں بھائیوں بلکہ قرآن پاک کے متعلق بھی لغو اور درشت کلمات زبان سے نکال رہا تھا کہ آخراب تک ان نمک حراموں پر عذاب کیوں نازل نہیں ہوا۔ ایسی ہی ناقابل بیان بکواس وہ کرتا رہتا تھا۔ جب امیرالامراء کو اطلاع ہوئی تو اس نے حکم دیدیا کہ تسمہ سے گلا گھونٹ کر ختم کر دیں۔ جب حکم کی تعمیل کی گئی تو فرخ سیر نے دونوں ہاتھوں سے تسمہ پکڑ لیا اور لاحاصل ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ جلادوں نے لکڑیاں مار مار کر اس کے ہاتھوں کو شل کر دیا ہے

برخوان وہوست ارادت مکن دراز
کالودہ کردہ اندبہ زہر ایں نوالہ را

عوام کی عقیدت

عام شہرت تو یہ بھی ہے کہ اس وقت چھری اور خنجر سے بھی اس کے جسم پر زخم لگائے گئے۔ مگر جیسا کہ میں (خافی خاں) نے سنا ہے اس حد تک تو بات نہیں پہنچی تھی۔ بہر حال ہلاکت کے بارہ پہر بعد کفن و دفن کا انتظام ہوا اور اس کی لاش کو ہمایوں کے مقبرہ میں لے جانے کے لئے تابوت لایا گیا۔ جس وقت اس بدقسمت بادشاہ کا جنازہ نکلا ہے تو دو تین ہزار مرد اور عورتیں خاص طور سے شہر کے لچے اور فقیر کیونکہ ان کو مرحوم بادشاہ سے بڑا فیض پہنچتا رہتا تھا۔ تابوت کے آگے آگے روتے ہوئے گریبانوں کو چاک کئے اور لعنت ملامت کرتے ہوئے جا رہے تھے۔ اور تو اور دلاور خاں بخشی، حسین علی خاں اور سید علی خاں جو بخشی سید عبداللہ خاں کا بھائی تھا اور ان کو جنازہ کے ساتھ جانے کے لئے مقرر کیا گیا تھا، وہ بھی شہر والوں کے ساتھ روتے جا رہے تھے۔ شہر کے لوگ ان کی پالکیوں اور سواروں کے گھوڑوں پر پتھر مار رہے تھے۔ فقیروں کو پیسے اور روٹی دی جاتی تھی وہ اس دن نہیں لے رہے تھے تیسرے دن گداگروں کی ایک جماعت اس چبوترہ پر جمع ہو گئی جس پر مرحوم بادشاہ کو غسل دیا گیا تھا انھوں نے

وہاں کافی مقدار میں کھانا پکا کر فقرا کو کھلایا اور صبح تک مولود خوانی کرتے رہے۔

مکافات عمل

دونوں بھائیوں نے اپنی جان کے خوف سے اس سنگ دلی کا مظاہرہ کیا اپنے آقا کو قتل کیا اور پھر خود خاندانہ بارہہ کی تباہی کا سبب بنے۔ ان کو چاہیے کہ پہلے ہی دن جب کہ بادشاہ کو گرفتار کیا تھا اس دنیا سے اسے رخصت کر دیتے اور اس عذاب میں مبتلا نہ کرتے مگر عقلمندوں پر بات خوب روشن ہے کہ یہ دنیا دار مکافات ہے اور منتقم حقیقی کی عدالت میں دیر ہے اندھیر نہیں۔ ان بھائیوں کی اللہ نے رسی ڈھیلی چھوڑ دی تھی چنانچہ انھوں نے کتنے ہی مظلوم آدمیوں کے گلے میں تسمہ کھینچ دیا بادشاہ کے معصوم بھائیوں کو اندھا کر دیا۔ کتنے ہی بے گناہوں کو قید میں ڈال دیا اور قتل کرا دیا ان سب اعمال کا بدلہ ایک ایک کرکے ان سے لیا جانے والا تھا۔ چنانچہ فاعتبروا یا اولی الابصار کے مصداق لوگوں نے دیکھا کہ مرحوم اور شہید بادشاہ کے اس دردناک حادثہ پر زیادہ دن نہیں گذرے تھے کہ ان پر وہی کچھ آفت ٹوٹی جو وہ دوسروں پر ڈھاتے رہے تھے جو کچھ انھوں نے بویا تھا ان کو آخر کاٹنا پڑا۔ قصہ مختصر اس واقعہ کے بعد دونوں بھائیوں نے بادشاہی خزانہ جواہرات مرصع آلات اور ہاتھی گھوڑے بقول عوام اپنے تصرف میں لے لئے اور انتخاب کرکے آپس میں تقسیم کر لئے۔ سید عبداللہ خاں عیاش طبع آدمی تھا اس نے شاہی بیگمات میں سے دو تین حسین عورتوں کو پسند کرکے اپنے حرم میں داخل کر لیا تھا حرص وشہوت رانی کے تحت اس نے اپنے محل میں تقریباً ستر اسی عورتیں جمع کر رکھی تھیں اور ان کے ساتھ داد عشرت دیتا رہتا تھا مگر اس سانحہ کے بعد دونوں بھائیوں نے ایک دن اور ایک رات بھی خوش دلی اور اطمینان سے نہیں گذاری ان کو برابر اپنی جان کا دھڑکا لگا رہتا تھا۔

برادران سادات میں نفاق

پہلے تو خود دونوں کے درمیان ایک دوسرے کے تسلط اور غلبہ کے خوف سے بدگمانیاں پیدا ہو گئیں اور باہمی محبت کدورت میں بدل گئی۔ بڑا بھائی سید عبداللہ خاں وزیر تھا اس لئے بظاہر تمام امور مملکت اور اختیارات اسی کے ہاتھ میں تھے مگر چھوٹا بھائی امیر الامرا حسین علی خاں بہادری کارگذاری فیض رسانی اور معاملہ فہمی

میں بہت آگے تھا اور اپنے ان اوصاف پر اسے گھمنڈ بھی بہت زیادہ ہوگیا تھا۔ چنانچہ وہ اپنے غرور میں کسی کو کچھ سمجھتا ہی نہیں تھا۔ بڑے بھائی کی بھی اس کی نظروں میں کوئی اہمیت نہیں تھی اور کارگذار بہادر امراء کو اپنا رفیق اور دمساز بناکر وہ برابر ملک کے بند وبست اور اختیارات کو اپنے ہاتھ میں لیتا جارہا تھا۔ چنانچہ عام طور پر دونوں بھائیوں کی ناچاقی کی خبریں مشہور ہوگئی تھیں۔ دونوں کے دل میں کدورت اور غبار پیدا ہوگیا تھا مگر فتنہ وفساد کے اندیشہ سے بظاہر اخلاص اور اخوت کا ہی مظاہرہ کرتے رہتے تھے تاکہ رخنہ اندازوں کو ریشہ دوانیوں کا موقع نہ ملنے پائے۔ اپنے دور اقتدار میں ان دونوں بھائیوں کا صرف یہی مشغلہ تھا کہ مغضوب ومعتوب امرا کے مال واملاک ضبط کراتے رہیں دور ونزدیک سے جواہرات طلب کر کے اپنا خزانہ بھرتے رہیں اطراف کے علاقوں میں جہاں جہاں انقلاب حکومت کی خبریں سن کر لوگ سرکشی پر اتر آئے تھے ان کی تادیب کرتے رہیں اور دور دراز کے علاقوں سے خزانے منگانے کے لئے فوجوں کو روانہ کریں بس ان معاملات کے علاوہ ان کو کبھی فرصت ہی نہیں ہوتی تھی کہ ارباب حاجت کے معاملات کو سرانجام دیں۔

نمک حراموں کی سزا

راجہ اجیت سنگھ انہی دنوں نقد وجواہرات کی بڑی مقدار وصول کر لینے کے بعد احمدآباد جانے کی اجازت لے چکا تھا اور دہلی سے رخصت ہونے ہی والا تھا۔ دہلی میں اس کا رہنا دشوار ہوگیا تھا کیونکہ جب بھی وہ کسی راستہ اور بازار سے گذرتا تھا تو بازار کے اوباش اور بچے جمع ہو کر اس کو گالیاں دینے لگتے تھے اور صاف صاف اس پر فقرے چست کرتے رہتے تھے کہ " داماد کا خون بہانے کر اب یہ روسیاہ شہر سے رفو چکر ہونے والا ہے۔" ان باتوں سے تنگ آکر اس نے سواری کے وقت ایک دو آدمیوں کو قتل کر دینے کا حکم بھی دیدیا ایک دن چند کشمیریوں کو اسی جرم میں گرفتار کر کے سادات کے حکم پر گدھوں پر سوار کرادیا گیا اور شہر میں ان کی تشہیر کرائی گئی۔ اس موقع پر جب کہ ڈھول بجاتے ہوئے ان کو گشت کرایا جارہا تھا کشمیریوں کے لڑکوں کا ہجوم بھی ساتھ ہوگیا تھا وہ نعرے لگا رہے تھے " نمک حراموں (مراد سادات بارہہ وغیرہ) کی سزا یہی ہے " مرحوم بادشاہ کے خون ناحق پر ابھی دس پندرہ دن نہیں گذرے تھے کہ قلعہ اکبرآباد کے فتنہ وفساد

کی خبریں اڑنے لگیں جس کی تفصیل ہم آگے لکھیں گے۔ ان افواہوں پر راجہ اجیت سنگھ کی روانگی ملتوی ہوگئی۔

سورت کا متصدی حیدر قلی خاں

انہی دنوں حیدر قلی خاں دلی پہنچا، یہ بندرگاہ سورت پر متصدی اور احمدآباد کی صوبہ داری پر صمصام الدولہ کا نائب تھا۔ اس نے خان دوران کی مدد سے بندرگاہ اور محال خالصہ سے کافی زیادہ رقم محصول میں جمع کرانے کی ذمہ داری لے رکھی تھی اور بادشاہ کے پاس بڑا نیک نام بنا ہوا تھا مگر اس کے بعض اطوار اور ظلم و تعدی کی وجہ سے اور اس سبب سے بھی کہ وہ دربار کے کسی امیر سے دبتا نہیں تھا۔ لوگ اس کے مخالف تھے۔ جب وہ دکن کی دیوانی پر مامور تھا تو خان خاناں میر جملہ کی حمایت اور پشت پناہی کی وجہ سے وہ سید عبداللہ خاں کو راضی نہیں رکھ سکا تھا۔ بندرگاہ سورت اور احمدآباد میں دوسرے بادشاہی متصدی اور جاگیر دار بھی اس سے ناراض تھے۔ اس پر یہ بھی الزام تھا کہ اس نے بندرگاہ سورت کے پیش کار بلبھداس کو حساب بے حساب رقموں کی وصولیابی کے لئے بڑی ایذائیں دے کر قتل کرادیا تھا۔ دربار میں یہ شکایت بھی پہنچی تھی کہ اس نے نشہ کی بندش کے بہانہ ایک جماعت کو سزائیں دی تھیں اور نظم ونسق میں بے قاعدگیاں کی تھیں۔ جب بھی سید عبداللہ خاں کی مجلس میں اس کا ذکر آتا تھا تو حاشیہ بردار لوگ اس کی برائیاں بیان کرتے رہتے تھے جس سے قطب الملک کی خفگی میں روز بروز اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ آخر سید عبداللہ خاں نے اسے معزول کردیا تھا اور اس کا انتظار کررہا تھا کہ جب بھی وہ دارالخلافہ پہنچے اعتقاد خاں سے زیادہ اُسے ذلیل کرکے سزا دے۔ مگر ان دنوں اس کا ستارہ اچھا تھا۔ اس کی کارگذاری اور بہادری کا شہرہ تو تھا ہی انہی دنوں ایک واقعہ کی وجہ سے یہ شہرت اور بڑھ گئی احمدآباد کے راستہ میں اس کا صفدر خاں بابی سے مقابلہ ہوگیا۔ بابی کے ساتھ چار پانچ ہزار پٹھان سوار تھے اور چار پانچ ہزار جنگی مزدور، حیدر قلی خاں کے ساتھ اس کا تیسرا حصہ فوج بھی نہیں تھی اس کے باوجود وہ ان پر غالب آگیا۔ اس کے ان کارناموں سے امیرالامراء متاثر ہوگیا تھا۔ اس نے اکبرآباد پہنچنے کے بعد اکبرآباد

کے صوبہ دار غیرت خاں کے ساتھ جو دونوں بھائیوں کا بھانجہ تھا۔ بڑے اچھے سلوک کا مظاہرہ کیا اور اسے اپنا موافق بنالیا اور اس کے ذریعہ اور راجہ رتن چند کی وساطت سے اس نے دونوں بھائیوں کو اپنے حق میں ہموار کرلیا۔ اسی اثناء میں اکبرآباد میں شورش ہوگئی۔ لہٰذا امیرالامراء نے بڑے بھائی کے پاس سفارش کرکے اس کے قصور معاف کرادیے۔ حیدر قلی خاں نے حسین علی خاں کے سامنے مصلحت وقت کے تحت اپنی اطاعت اور عقیدت کا اظہار کیا اور خود کو اس درجہ مخلص اور خیرخواہ ثابت کیا کہ امیرالامراء اس پر اعتماد اور بھروسہ کرنے لگا اور عداوت محبت میں بدل گئی۔ آخر دونوں بھائیوں نے اُسے اپنا ہمراز اور مشیر بنالیا۔

اکبرآباد کی شورش

یکم رجب سن گیارہ سواکتیس ہجری (۱۱۳۱ھ) کو اکبرآباد کی اطلاعات سے معلوم ہوا قلعہ اکبرآباد کے ہزاری افسروں نے ۲۹ رجمادی الآخر کو خلد مکاں اورنگ زیب بادشاہ کے پوتے محمد اکبر کے فرزند کو جس کا نام نیکو سیر تھا اور قلعہ میں قید تھا تخت پر بٹھا دیا اور دارالامارت پر گولہ باری کرکے اکبرآباد کے صوبہ دار غیرت خاں کو باہر نکال دیا۔ نئے بادشاہ کے سکہ پر یہ شعر ضرب کرایا گیا ؎

بزر زد سکۂ صاحب قرانی
شہ نیکو سیر تیمور ثانی

اس واقعہ کی تفصیل ہم بیان کرتے ہیں۔ سن دس سو نوا سی ہجری ۱۰۸۹ھ میں عالمگیر بادشاہ کے بیٹے محمد اکبر نے بغاوت کردی تھی۔ خلد مکاں نے اس کے شیرخوار بیٹے نیکو سیر اور اس کی دو لڑکیوں کو اکبرآباد کے قلعہ میں قید کردیا تھا۔ یہ دونوں لڑکیاں بہادر شاہ کے بیٹوں شاہزادہ رفیع الشان اور شاہزادہ جہان شاہ سے منسوب ہوگئیں اور نیکو سیر نے اپنی زندگی کے چالیس سال اسی قید میں گذار دیئے۔ ناگر قوم کا ایک زنا ردار برہمن میتر سین نیکو سیر کے متوسلین میں سے تھا۔ قلعہ کے ہزاری افسروں سے اس کا اچھا خاصا ربط ضبط تھا اور لین دین۔ بعض امراض کے خاص طور سے زخموں کے علاج میں اسے بڑی اچھی مہارت تھی۔ جس زمانہ میں امیرالامراء دکن سے دارالخلافہ کی طرف روانہ ہوچکا تھا۔ یہ فتنہ پرداز شخص حسین علی خاں کے بعض مصاحبوں اور اپنے ہم قوم دیانت کے ذریعہ امیرالامراء کی خدمت میں آنے جانے لگا۔ چونکہ حسین علی خاں کے زخم ہرے

ہو جاتے تھے۔ اس لئے کبھی کبھی اسے علاج معالجے کی ضرورت پڑتی رہتی تھی۔ متر سین اسی علاج معالجہ کے سلسلہ میں امیر الامراء کی خلوت میں باریاب ہوتا رہا اور بعض ہمدم اور ہمراز لوگوں کی مدد سے اس نے امیر الامراء کے سارے بھید اور ارادے معلوم کر لئے۔ پھر اس نے حسین علی خاں امیر الامراء کے ہزاری منصب داروں کے توسط سے اکبر آباد کے ہزاری منصب داروں سے جن کے درمیان مراسلت و روابط تھے۔ تعلقات قائم کر لئے۔ اسی کی ریشہ دوانیوں کے نتیجہ میں ہزاروں منصب داروں نے شورش برپا کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ مگر ان کے سامنے کوئی مکمل منصوبہ نہیں تھا۔ نہ انھوں نے نتائج پر پوری طرح غور کیا تھا اور نہ یہ کوشش کی کہ دو تین نامی گرامی امیروں کو اپنا پشت پناہ بنالیں۔ اتنے بڑے کام کو بس بچوں کا کھیل سمجھ لیا تھا۔ ہزاریوں کو ہموار کرنے کے بعد متر سین خود اپنے طور پر شہزادہ نیکو سیر کا وکیل بن گیا۔ حالانکہ اس قیدی شہزادہ کو اس سارے قصہ کی کوئی خبر تک نہیں تھی۔ اب متر سین نے امیر الامراء کو پیغام دیا کہ اگر وہ نیکو سیر کو بادشاہ بنادے تو نیکو سیر کا ایک مطیع و فرماں بردار بادشاہ ثابت ہوگا۔ اس پیغام پر امیر الامراء بہت حیران ہوا اور غصہ میں بھی آیا کہ آخر اس کا یہ بھید کہ وہ فرخ سیر کو ہٹا کر کسی اور کو بادشاہ بنانے کی فکر میں ہے اس برہمن کو کیسے معلوم ہو گیا آخر اس نے متر سین کو مذنوب کرکے مجرا سلام سے روک دیا اور اُسے قید کر دینے کی فکر میں رہا۔ متر سین پُرا ناگھاگ تھا۔ اپنی گرفتاری کے اندیشہ پر وہ وہاں سے لودو گیارہ ہو گیا۔ اور اس سارے عرصہ میں کہ فرخ سیر کی معزولی نئے بادشاہ کی تخت نشینی کے جھگڑے ہوتے رہے۔ متر سین راجہ و جیراج جے سنگھ سوائی کے پاس روپوش رہا۔

متر سین کی سازش

ایک مشہور قول کے مطابق نیکو سیر کو سلطنت دلانے کے لئے متر سین نے راجہ دبیراج سے عہد و پیمان بھی کر لیے تھے اور راجہ کا ایک خط اپنے پرچہ کے ہمراہ الہ آباد کے صوبہ دار راجہ چھبیلا رام۔ بہادر ناگر کے پاس جو فرخ سیر کا آدمی تھا۔ اس منصوبہ میں مدد طلب کرنے کے لئے بھجوایا تھا۔ دوسری مشہور روایت یہ ہے کہ متر سین نے امداد و اعانت کی درخواست نظام الملک بہادر فتح جنگ سے کی تھی جو ان ہی دنوں اکبر آباد پہنچا تھا اور وہاں سے اپنی صوبہ داری پر جا رہا تھا۔ اس لئے عام طور سے یہ مشہور ہو گیا کہ فتح جنگ بھی اس منصوبہ بازی میں شریک تھا مگر سچی بات یہی ہے کہ نظام الملک بہادر جو تا بہ مقدور فتنہ کو دور کرنے اور سلامت روی پر قائم

رہنے کی کوشش کرتا تھا اس پر راضی نہیں ہوا تھا۔ اس سازش کا پتہ سادات کو بھی چل گیا اور انھوں نے سمندر خاں نامی کو خفیہ طور پر اکبرآباد کا قلعہ دار مقرر کرکے دوسرے مسائل کے بہانہ سے روانہ کر دیا۔ اس کے ساتھ داود خاں بھی بھیجا گیا جو قطب الملک کا میر تزک تھا اور اسے اکبرآباد کا خزانہ لانے کے لئے مامور کیا گیا تھا مگر عوام میں یہ شہرت ہو گئی تھی کہ اسے نیکو سیر کو اندھا کر دینے کے لئے بھیجا جا رہا ہے۔ مگر جب تک سادات کے یہ مقرر کردہ آدمی اکبرآباد پہنچتے۔ مترسین نے راجہ دھیراج، راجہ چھبیلا رام اور دوسرے راجپوتوں، زمینداروں اور پٹھانوں کی مدد کی امید پر جن سے اعانت وامداد کی گفتگو اور مراسلت ہوتی رہی تھی اپنے منصوبہ پر عمل درآمد شروع کر دیا۔ چنانچہ قلعہ کے نہاریوں کو ہم خیال بنا لیا۔ صفی خاں قلعہ دار کو بھی جو اسلام خاں کے نامی گرامی خاندان کا فرد تھا طوعاً وکرہاً باغیوں کا ساتھ دینا پڑا۔ اس سازش میں ایک ہزار سے زائد آدمی شریک تھے۔ انتیس جمادی الآخر (۱۱۳۱ھ) کو ان لوگوں نے نیکو سیر کو قید سے نکال کر قلعہ میں تخت نشین کر دیا۔

باغیوں کی غلطی اس وقت بہتر تدبیر یہی تھی کہ یہ لوگ دو تین متصدیوں کے ساتھ جو ان کے ہمراہ تھے۔ غیرت خاں صوبہ دار پر اچانک حملہ کر دیتے اور اسے قید کر دیتے۔ پھر جس طرح طے پاتا اس کو ٹھکانے لگا دیتے۔ یہ اس وقت ممکن بھی تھا۔ کیونکہ اس دن غیرت خاں کے ہمراہ ستر اسی سواروں سے زیادہ نہیں تھے۔ اس کی جمعیت اطراف واکناف میں انتظام وبندوبست کے لئے گئی ہوئی تھی۔ اس کے بعد وہ نیکو سیر کو قلعہ سے نکال کر سادات بھائیوں کو خبر پہنچنے تک راجہ دھیراج کے پاس آنبیر میں پہنچا دیتے جو وہاں سے سات آٹھ منزل پر ہی تھا۔ اس صورت میں زمینداروں پٹھانوں تمن داروں کی فوجیں بآسانی انبیر میں پہنچ جاتیں مگر تقدیر کا لکھا کون میٹ سکتا ہے۔ انھوں نے بس یہ تدبیر کی کہ نیکو سیر کو تخت پر بٹھانے کے بعد قلعہ پر سے صوبہ دار کے دارالامارت پر گولہ باری کر دی اور اس کو خبردار کر دیا۔ غیرت خاں نے فوراً شہر سے نکل کر باہر خیمہ گاہ لگا دی اور تیز رفتار قاصدوں کے ذریعہ دونوں بھائیوں کے پاس بغاوت کی اطلاع بھجوا دی اور اپنی فوج کو جمع کرنے میں مصروف ہو گیا۔ دارالخلافہ میں اس خبر کے پہنچتے ہی دونوں بھائی ہراساں ہو گئے۔ اور انھوں نے اسی دن راجہ بھیم، چورامن جاٹ کو لشکر دے کر

غیرت خاں کی مدد کے لئے بھیج دیا۔ صفی خاں کا بھائی اسلام خاں اور صفی خاں کے بیٹے جہاں آباد شاہجہان آباد میں تھے۔ اُنھیں بُلوا کر قید کر دیا اور جاگیریں چھین لیں۔

دہلی میں افواہیں

ساتویں ماہ رجب کو خود امیرالامرار باقاعدہ فوج لے کر شہر سے نکلا اور شہر کے قریب بارہ پلہ پر خیمہ لگوا دیا۔ جب غیرت خاں کے پاس دونوں بھائیوں کے روانہ کردہ چار پانچ ہزار سوار پہنچ گئے تو اس کو بڑی تقویت ہوگئی۔ اودھر راجہ دھیراج نے کوچ کی کوئی تیاری نہیں کی بلکہ وہ الہ آباد سے چھبیلا رام اور مالوا سے نظام الملک کی اور دوسرے زمینداروں کی روانگی کا انتظار کرتا رہا۔۔۔ چھبیلا رام اتفاق سے انہی دنوں اپنی صوبہ داری میں ایک اور جھگڑے میں پھنس گیا تھا۔ اس کی صوبہ داری میں ایک سرحدی تعلقہ کے زمیندار نے سرکشی اختیار کر رکھی تھی۔ یہاں تک کہ صوبہ دار کو فوج کشی کرنی پڑی۔ سادات کو خبر ملی تو انھوں نے اس زمیندار کو اشارہ کر دیا کہ وہ چھبیلا رام بہادر سے جھگڑا قائم رکھے۔ ان دنوں شہر میں یہ حال تھا کہ لوگ زمانہ کے اس بدلتے ہوئے رنگ کو دیکھ کر تخت بیزار تھے اور سادات کی آقاکشی پر ان کے دل خون خون ہو رہے تھے۔ اس لئے ہر جگہ وہ خوب جی بھر کر افواہیں اڑاتے تھے کہ نظام الملک بہادر فتح جنگ نیکو سیر کے ساتھ ہوگئے ہیں۔ راجہ دھیراج اور چھبیلا رام بھی فوجیں لے کر پہنچ رہے ہیں اور دوسرے بڑے بڑے زمیندار بھی مدد کے لئے نکل آتے ہیں"

رفیع الدرجات کا خاتمہ

بادشاہ رفیع الدرجات دق کے مرض میں مبتلا تھا۔ سادات نے اس کے علاج کے لئے طبیبوں کو مقرر کر دیا تھا۔ مگر مدقوق کے لئے تفریح طبع اور خوش گوار باتوں کے سننے کے علاوہ کوئی علاج نہیں۔ دق کے مریض کو تو ایسے مشغلوں میں رہنا چاہیے۔ جن میں ذہنی کوفت اور روحانی اذیت نہ ہو۔ مظلوم بادشاہ امور سلطنت میں کوئی اختیار نہیں رکھتا تھا، وہ بچارا تو بس ایک طلسمی تصویر کی طرح تھا جسے تخت پر رکھ دیا گیا ہو۔ اس کے اطراف قطب الملک کے آدمیوں کا نرغہ رہتا تھا۔ اس کوفت اور رنج میں اس کا مرض روز بروز بڑھتا جا رہا تھا۔ دوا اور علاج سے فائدہ نہیں ہو رہا تھا۔

اسی حال میں جب اکبرآباد کی پریشان کن خبروں کی اطلاع ملی تو اس کی فکروں میں اور اضافہ ہوگیا اور مرض نے شدت پکڑ لی، بادشاہ کا یہ حال دیکھ کر دونوں بھائی کسی دوسرے

شہزادہ کو قید سے نکال کر تخت پر بٹھانے کی فکر میں پڑ گئے۔ رفیع الدرجات نے خود فرمائش کی کہ میرے بڑے بھائی رفیع الدولہ کو تخت نشین کر کے میری زندگی میں اس کے نام کا خطبہ و سکہ جاری کر دیں۔ مجھے بڑی خوشی ہوگی اور میرے حال پر بڑا احسان ہوگا۔ سادات نے یہ تجویز قبول کر لی اور رفیع الدولہ کو تخت نشین کر دیا۔ تخت نشینی کے تیسرے دن ہی بیمار بادشاہ رفیع الدرجات اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گیا۔ اس نے کل تین ماہ دس دن سلطنت کی ہے

الاماں زیں سپہر تشنہ بخوں
داد ازیں روزگار بوقلموں
یک نم آب امید چشم مدار
زیں خم خالی دسبوئے نگوں

وہ بادشاہ نہیں، بادشاہت کی پرچھائیں تھا

رفیع الدولہ شاہ جہاں ثانی

(تیمور کا چودھواں وارث اور تختِ مغلیہ کا سترہواں جانشین)

نام کی نسبت تو صاحبقراں شاہ جہاں سے تھی مگر درحقیقت رفیع الدولہ ایک کٹھ پتلی بادشاہ تھا اصل بادشاہ تو سادات بارہہ تھے جن کو تاریخ میں بجا طور پر "بادشاہ گر سید" کہا گیا ۔

تخت نشینی

سادات بارہہ نے ہفتہ کے دن ۲۰ ماہ رجب سن گیارہ سو اکتیس ہجری (۱۱۳۱ھ/ ۱۷۱۹ء) (مطابق ۱۱ ارخور داد ماہ الٰہی رفیع الدولہ کو جو اپنے مرحوم بھائی سے ڈیڑھ سال بڑا تھا، شاہجہاں ثانی کا لقب دے کر تخت پر بٹھا دیا۔ میں نے (خافی خاں) اس کے سن جلوس کے لئے تاریخ نکالی تھی "شنبہ بیستم مہ رجب بود"۔ دونوں برادران سادات نے اس کے ساتھ بھی وہی وطیرہ رکھا تھا کہ سکہ اور خطبہ تو اس کے نام کا جاری کرا دیا۔ سلطنت کے اختیارات اپنے ہاتھ میں رکھے اس کو معاملات حکومت میں کسی قسم کا اختیار اور دخل نہیں تھا، اس کے اطراف ہمیشہ قطب الملک کے آدمی محفل جمائے رہتے تھے۔ بادشاہ کے باہر نکلنے، محل میں رہنے اجلاس کرنے یہاں تک کہ اس کے طعام و لباس غرض سارے معاملات ہمت خاں سے متعلق تھے۔ وہ اس قدر بے بس تھا کہ سادات اور اتالیق کی غیر موجودگی میں جمعہ کی نماز کے لئے جا سکتا تھا نہ شکار کے لئے باہر نکل سکتا تھا۔ امرائے شاہی سے بات کرنے تک کی مجال نہیں تھی۔

شائستہ خاں کی ناکامی

رفیع الدولہ کی سلطنت کے آغاز میں محمد فرخ سیر شہید مرحوم کا ماموں شائستہ خاں خفیہ طریقہ سے ایک فوج مرتب کر کے راجہ دھیراج کے پاس جانے کی فکر میں لگا ہوا تھا۔ اس کی تیاریوں کے متعلق لوگوں میں بڑے چرچے ہوتے رہتے تھے۔ سادات کو بھی اس کی خبر ہو گئی تھی ان کی طرف سے اسے تنبیہ بھی کر دی گئی تھی مگر وہ باز نہیں آتا تھا اور اپنے حوصلہ سے

زیادہ لاف زنی کرتا رہتا تھا۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ اپنے ارادوں کی تکمیل کے لئے موا تع نکال کر کسی مقام پر پہنچ جاتا طرفین میں فوج کشی کی نوبت آگئی مگر ابھی وہ دشمنوں کے خلاف کوئی کارروائی کر نہ پایا تھا کہ بڑی بے آبروئی کے ساتھ اسے گرفتار کر لیا گیا۔ سادات نے اس کا گھر بار ضبط کر لیا۔

امیر الامرا کی فوج کشی

امیر الامرا نے شائستہ خاں کے تصفیہ سے فارغ ہونے کے فوراً بعد ہی غیرت خاں کی مدد اور قلعۂ اکبر آباد کے محاصرہ کے لئے حیدر قلی خاں کو "بہادر" کا لقب دے کر بطور ہراول روانہ کر دیا۔ اور اس کے پیچھے ہی خود بھی اعتماد الدولہ، صمصام الدولہ ظفر خاں اور دوسرے امرار کے ساتھ جن کی فوجوں کی مجموعی تعداد پچیس ہزار سوار تھی اکبرآباد روانہ ہوگیا۔ اسی اثنار میں یہ خبریں آنے لگیں کہ نیکو سیر کی مدد کے لئے راجہ جے سنگھ اپنے علاقہ سے روانہ ہوگیا ہے۔ اس کی ہمراہی کے لئے روح اللہ خاں ثانی کا بیٹا روح اللہ خاں بھی جو احمدآباد کی فوج داری پر فائز تھا روانہ ہو چکا تھا۔ وہ جے سنگھ کے لشکر میں شامل ہوگیا ہے۔ شہور خاں تورانی بھی چپ چاپ شاہجہاں آباد سے نکل کر یلغار کرتے ہوئے راجہ کے پاس پہنچ گیا۔ راجہ چھبیلا رام کے کوچ کی خبر بھی لوگوں میں مشہور تھی مگر اس میں کوئی حقیقت نہیں تھی، کیونکہ وہ اپنے تعلقے کے ایک زمیندار سے الجھا ہوا تھا اور نیکو سیر کی مدد کے لئے وقت نہیں نکال سکا۔ نظام الملک بہادر نے بھی اس معاملہ میں کوئی پہل نہیں کی۔

دہلی میں افواہیں

بہت سے آدمی ایسے بھی تھے جو موقع کی تلاش میں رہتے تھے اور لشکر کے ساتھ ہوگئے تھے۔ ایک گروہ وہ تھا جو زمانہ کی ناقدری کے ہاتھوں نالاں تھا ویسے بھی عام طور پر لوگ دونوں بھائیوں کے غلبہ و تسلط اور بدکردار راجہ رتن کے بڑھتے ہوئے اختیارات سے سخت ناراض، اور غضب ناک تھے۔ ان دنوں لوگ مجذوبوں فقیروں اور گوشہ نشین درویشوں کی پیش گوئیاں سناتے رہتے تھے۔ کلام اللہ اور خواجہ حافظ کے کلام سے فال نکالتے تھے بزرگوں کے خواب بیان کرتے اور نجومیوں اور رمالوں کے احکام بتاتے تھے کہ سلطنت نیکو سیر کو ملنے والی ہے۔ عام طور پر لوگ نیکو سیر کی بادشاہت کے خواہش مند اور منتظر تھے۔ محفلوں اور مجلسوں میں

بڑی بڑی افواہیں اڑتی رہتی تھیں کہ نیکو سیر فقیروں کا بھیس بدل کر راجہ دھیراج کے پاس پہنچ گیا ہے اور تمام راجے مہاراجے زمیندار اور چھبیلا رام تیس ہزار سوار لے کر آ رہے ہیں۔ نظام الملک نے بھی بڑے ساز و سامان کے ساتھ کوچ کر دیا ہے۔ غرض جتنے منہ اتنی باتیں تھیں مگر ان میں صرف یہی ایک بات صحیح اور درست تھی کہ راجہ دھیراج جے سنگھ سوائی لوڈس ہزار سواروں کے ساتھ آنبیر سے نکل کر ایک منزل کے فاصلہ پر ٹھیرا ہوا تھا اور راجہ چھبیلا رام کے کوچ کا انتظار کر رہا تھا۔

قطب الملک کی روانگی

ان خبروں اور افواہوں کی بنا پر قطب الملک سید عبداللہ خاں بادشاہ کو اپنے ساتھ لے کر مہاراجہ اجیت سنگھ اور دوسرے امیروں کی ہمراہی میں آخر شعبان میں دارالخلافہ سے باہر نکلا۔ اس کے ساتھ تیس ہزار سوار سے زیادہ تھے اور اب وہ اکبر آباد کی طرف جے سنگھ کے مقابلہ کے لئے کوچ کرنا چاہتا تھا۔ انہی دنوں مہاراجہ اجیت سنگھ نے اپنی بیٹی "مہارانی" کو جو محمد فرخ سیر مرحوم کے عقد میں تھی اپنے پاس بلا لیا تھا وہ تمام جواہرات خزانہ طلائی آلات جن کی قیمت ایک کروڑ روپیہ ہوتی تھی۔ لے کر آ گئی۔ مشہور ہے کہ اس نے مسلمان عورتوں کا بھیس بدل لیا تھا اور بادشاہی متصدیوں اور ناظر کو رخصت دے کر وطن بھیج دیا تھا۔ مہارانی کا دوبارہ ہندو گھرانہ میں واپس چلے جانے پر لوگوں میں بڑا اشتعال پیدا ہو گیا وہ اس حرکت کو شریعت اور آداب سلطنت اور غیرت و حمیت کے خلاف سمجھتے تھے۔ سلاطین سلف کے عہد میں ہندو راجاؤں کا ایسا غلبہ و تسلط کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا کہ وہ اپنی بیٹی کو اسلام قبول کر لینے اور بادشاہوں کے عقد میں دیدینے کے بعد اس طرح واپس لے گئے ہوں۔

اکبر آباد کا محاصرہ

حیدر قلی خاں بہادر نے اکبر آباد پہنچتے ہی غیرت خاں کے ساتھ قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور مورچہ بندی اور دمدمہ بازی میں مصروف ہو گئے۔ جلد ہی حسین علی خاں امیر الامرا بھی قلعہ پر آ پہنچا۔ اب جو دونوں طرف سے مقابلے اور لڑائیاں ہوئیں ان کی تفصیلات کو نظر انداز کرتے ہیں مختصر یہ کہ طرفین کی گولہ باری سے قلعہ کے اندر اور باہر بہت سے مکان تباہ ہو گئے۔ مسجدوں کو اور شہر کی عمارتوں کو بہت زیادہ نقصان پہنچا۔ اور یہ محاصرہ تین ماہ تک

طویل ہو گیا۔

جسے اللہ رکھے اس محاصرہ کے دوران ایک حیرت انگیز واقعہ پیش آیا۔ غیرت خاں کے لشکر سے تین پٹھان قلعہ میں بھاگ گئے تھے۔ ایک دن وہ اتفاق سے پکڑ لئے گئے۔ غیرت خاں نے حکم دیا کہ تینوں کے ہاتھ پشت پر باندھ کر دو دو آدمی رسیوں کے سرے کو پکڑ لیں اور پھر ان کو توپ دم کر دیں۔ چنانچہ ان تینوں میں سے دو کو توپ کے گولہ کے ساتھ اڑا دیا گیا۔ جب تیسرے کو لا کر کھڑا کیا گیا تھا اور اب توپ کو سر کرنے ہی والے تھے کہ قلعہ کی توپ چلی اور اس توپ پر گولہ آ کر پڑا اس ضرب سے کچھ زیادہ نقصان تو نہیں ہوا۔ البتہ اس توپ کا دہانہ کچھ اونچا ہو گیا، اسی وقت اللہ کے حکم سے مجرم نے سر کو کچھ اس طرح نیچے جھکا لیا کہ اس کے ہاتھ جو پشت پر بندھے ہوئے تھے اس کے سر سے اوپر ہو گئے، بس عین اس وقت توپ چھوٹ گئی اور توپ کا گولہ دونوں ہاتھوں کے درمیان اسی کے بندھن کو جلاتا ہوا سیدھا نکل گیا۔ اس شخص کے ہاتھوں کو کچھ نقصان تو پہنچا مگر وہ بالکل آزاد ہو گیا اس وقت گولہ چھوٹنے کے دھماکہ اور دھوئیں کے مرغولوں میں صاف طور پر کچھ نظر نہیں آ رہا تھا کہ کیا کچھ ہو گیا ہے۔ لوگ تو یہی سمجھ رہے تھے کہ گولہ لگتے ہی اس کے پرخچے اڑ گئے ہوں گے۔ اس موقع سے پٹھان نے فوری فائدہ اٹھایا اور کمان سے چھوٹے تیر کی طرح تیزی سے نکل بھاگا اور قلعہ کی ایک بدرو میں گھس کر کسی نہ کسی طرح جان بچا لے گیا۔ بلا شبہ اللہ کی قدرت بڑی ہے اگر بارش کی جگہ آسمان سے تیر برسنے لگیں اور درختوں کی شاخیں شمشیر آبدار بن جائیں تو بھی اللہ جس کو بچانا چاہے اُس کا بال تک بیکا نہیں ہو سکتا۔ سچ ہے جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے؟

نسب تاراست وسنگستاں و من مست
قدح از دست من افتاد و نہ شکست
نگہدارندہ اش نیکو نگہداشت
وگرنہ صد قدح افتاد و بشکست

راجہ جے سنگھ کی اطاعت قطب الملک بادشاہی فوج کو لے کر بارش کے موسم کے خیال سے ٹھیرا ہوا تھا۔ جے سنگھ بھی وطن

سے نکل کر اکبرآباد سے چالیس کوس کے فاصلہ پر اپنی لشکرگاہ ڈالے ٹھیرا ہوا تھا اور چھبیلا رام اور دوسری کمک پر آنے والی فوجوں کا انتظار کر رہا تھا۔ قطب الملک نے آخر پیش قدمی کی اور متھرا کے قریب جے سنگھ سے دس کوس کے فاصلہ پر پہنچ گیا۔ جے سنگھ نے جو دیکھا کہ کسی طرف سے بھی نیکو سیر کی کمک کے لئے کوئی فوج نہیں آرہی ہے تو اس نے قطب الملک کے پاس اپنا وکیل بھیج کر قصوروں کی معافی چاہی اور ندامت کا اظہار کیا۔

ہزاریوں کی سازش

اکبرآباد سے جو خبریں آرہی تھیں ان سے ایک اور واقعہ کی اطلاع ملی کہ امیرالامراء کے لشکر کے ہزاریوں نے ایک سازش کی بھوکن مل کا بیٹا نتھ مل اسد خانی نیکو سیر کا منشی بن گیا تھا۔ ہزاریوں نے قلعہ میں یہ پیغام پہنچایا کہ ہم ہزاری امیرالامرا کا ساتھ چھوڑ کر قلعہ میں آنے پر تیار ہیں بشرطیکہ کوئی معتمد اور قابل اعتبار آدمی آکر ہم کو لے جائے۔ نتھ مل ان ہزاریوں کو نیکوسیر کے پاس لے جانے کے لئے قلعہ سے باہر مورچوں کے قریب آیا اور انہی ہزاریوں نے جنھوں نے اسے طلب کیا تھا۔ گرفتار کرکے اسے امیرالامراء کی خدمت میں پیش کر دیا۔ نتھ مل کے قلمدان سے ان امیروں کے خطوط بھی برآمد ہوئے جو امیرالامراء کے ساتھ تھے یہ خط نیکو سیر کے نام لکھے گئے تھے۔ امیرالامراء نے اس وقت تمام امیروں کی تحقیقات کو خلاف مصلحت جانا اور اس معاملہ کے اخفا کی کوشش کی البتہ ان میں سے ایک خط جو اسد علی خاں، علی مردان خانی کی مہر سے بھیجا گیا تھا۔ لوگوں کے سامنے آگیا۔ اسد علی خاں حسین علی خاں کا ہم دم و ہمراز بنا ہوا تھا۔ اس واقعہ کے سلسلہ میں بڑی مختلف روایات ہیں، مگر یہ حقیقت ہے کہ امیرالامراء نے آخر اسے مغضوب و معتوب کرکے اس کی جاگیر ضبط کرلی تھی۔

محمد عسکری کی گرفتاری

حیرت کی بات یہ ہے کہ ہزاریوں نے نتھ مل کے ساتھ جو چال چلی تھی اس کا علم سب کو ہوگیا تھا، مگر اس کے باوجود نیکو سیر کا بھتیجہ محمد عسکری بھی ایک سازش کا شکار ہوگیا۔ چورامن جاٹ دریا کی سمت کے مورچوں پر مامور تھا۔ اس نے محمد عسکری سے نامہ و پیام کے ذریعہ یہ یقین دلایا کہ وہ اسے چھبیلا رام کے پاس پہنچا دے گا۔ اس کے معاوضہ میں جاٹ نے

عسکری سے کچھ رقم بھی وصول کی اور بقیہ رقم کے لئے طے پایا کہ وہ الہ آباد پہنچنے کے بعد ادا کر دے گا۔ چنانچہ اس قرار داد پر محمد عسکری چار پانچ آدمیوں کے ساتھ قلعہ سے نکل آیا اور چورامن جاٹ نے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے اس رقم کے ساتھ جو وہ وصول کر چکا تھا اپنی کارگذاری جتانے کے لئے حسین علی خاں کے پاس بھجوا دیا۔

قلعہ اکبرآباد کی فتح

محمد عسکری کی گرفتاری کے بعد جب اکبرآباد کے ہزاریوں نے شناکر راجہ دھیراج جے سنگھ کا وکیل قطب الملک کے پاس معافی نامہ لے کر گیا ہے تو ان کے حوصلے پست ہو گئے۔ ادھر محاصرہ کے طویل ہو جانے کی وجہ سے قلعہ میں غذا کے ذخیرے بھی ختم ہو چکے تھے۔ آخر ہزاریوں نے مایوس ہو کر امیرالامرا کے ایک ہزاری منصب دار چورامن نامی کے ذریعہ صلح کا پیام بھجوا دیا اور جان و آبرو کی امان لے کر قلعہ کی چابی سپرد کر دی اور ستائیسویں رمضان سن گیارہ سو اکیتس ہجری کو قلعہ فتح ہو گیا اور نیکوسیر اپنے مقربوں سمیت گرفتار ہو گیا۔ ان سب کو جان کی امان اور تسلی دلاسا دے کر حسین علی خاں کے پاس پہنچا دیا گیا۔

متر سین برہمن کی خودکشی

متر سین برہمن کہ یہ سارا ہنگامہ اسی کا برپا کیا ہوا تھا، خوب جانتا تھا کہ کسی صورت بھی اس کی جان بخشی نہیں ہوگی اور بڑی ذلت و خواری سے مرنا پڑے گا اس لئے اس نے جمدھر مار کر خود کو ہلاک کر لیا۔ اس کا سر کاٹ کر لشکر میں گشت کرو دیا گیا اور دارالخلافہ شاہجہاں آباد بھیج دیا گیا کہ وہاں بھی اس کی تشہیر کرائی جائے اس فتح پر دونوں بھائیوں کے لشکر میں اور شاہجہاں آباد میں تین دن تک فتح کے شادیانے بجوائے گئے۔ ؎

کسی را بخت چوں بردارد از خاک
رہ سیلاب را بندد ز خاشاک
دمی کاد بار دامن گیر گردد۔
دم عیسیٰ دم شمشیر گردد

قدیم بادشاہی خزانے اور نوادرات

نیکوسیر کی گرفتاری کے بعد امیرالامرا نے قلعہ کے خزانوں کی ضبطی کا حکم دیا اس

وقت قلعہ میں تین چار سو سال سے جمع شدہ خزانے تھے جو سکندر لودی سے بابر بادشاہ تک جمع ہوتے رہے تھے۔ جن میں نور جہاں بیگم اور ممتاز محل کا مال و اسباب خاص اہمیت رکھتا تھا بعض خزانے سربستہ تھے جن میں طلائی اور نقروی ظروف کی بڑی تعداد تھی اور چند ہزار تانبہ کی اینٹیں بھی تھیں۔ غرض باختلاف قول یہ سارا نقد و جنس دو تین کروڑ کی مالیت کا تھا۔ ان خزانوں کی ضبطی کے لئے امیر الامراء وہاں پندرہ سولہ دن ٹھیرا رہا۔ کہتے ہیں برآمد ہونے والے بیش قیمت نوادرات میں مروارید کی ایک چادر تھی۔ جو صاحب قران ثانی نے ممتاز محل کی قبر پر چڑھانے کے لئے تیار کرائی تھی۔ یہ چادر عرس کے دن اور جمعہ کی شب کو اس مرحومہ کی قبر پہ ڈالی جاتی تھی۔ کہتے ہیں نور جہاں کی ایجاد کردہ چق (چلمن) کا ایک جوڑا بھی تھا جس کو سونے کے تاروں میں قیمتی مروارید پرو کر تیار کیا گیا تھا۔ اس کے لہردار حاشیہ پر قیمتی یاقوت اور زمرد ٹکے ہوئے تھے۔ بہر حال ان اموال میں سے بڑے بھائی سید عبداللہ خاں کو کوئی حصہ نہیں مل سکا، مگر چار ماہ بعد بڑی بے مزگی کے بعد جس کا ذکر ہم کریں گے۔ اکیس لاکھ روپیہ قطب الملک کے خزانہ میں داخل کیا گیا تھا۔ بہرحال امیر الامراء اکبرآباد کے خزانوں سے مالا مال شوال کے مہینے میں لوٹا اور فتح پور میں بادشاہی فوج اور قطب الملک سے جاکر مل گیا۔ قطب الملک حسین علی خاں سے چار پانچ دن پہلے فتح پور پہنچ چکا تھا۔

ہندو راجاؤں کا تسلط

راجہ دھیراج نے اپنی حرکتوں پر نادم ہوکر معافی طلب کر لی تھی اس کے وکیل معافی اور مصالحت کے لئے دوڑ دھوپ کر رہے تھے اور دونوں طرف سے شرائط طے کرا رہے تھے۔ یہ گفت وشنید ایک ماہ تک ہوتی رہی۔ ایک شرط یہ تھی کہ راجہ اجیت سنگھ جن بادشاہی محالات پر وطن کے قریب ہونے کی بنا پر اپنی جاگیر کے مطالبات کے سلسلہ میں قابض ہے وہ ان سے دست برداری اختیار کرے۔ جے سنگھ نے یہ درخواست بھی کی کہ جو امیر مثلاً روح اللہ خاں اور تہور خاں اس کی رفاقت میں ہیں ان کے قصور بھی معاف ہوں اور ان کو جاگیر دیدی جائے اور ان کو راجہ کے ہمراہ رہنے کی اجازت مل جائے۔ اس قضیہ کو نمٹانے میں راجہ اجیت سنگھ نے بھی بڑی کوشش کی۔ آخر طے کیا گیا کہ صوبہ احمد آباد میں سورت کی سرکار کی فوجداری راجہ دھیراج کے تفویض کردی جائے گی۔ اور

احمد آباد اور اجمیر کی صوبہ داری جودھ پور سمیت راجہ اجیت سنگھ کے نام بحال ہو گی۔ اس تسفیہ کے بعد دار الخلافہ سے تیس کوس کے فاصلہ پر سے جہاں راجہ جے سنگھ کا وطن تھا۔ سمندر کے کنارے یعنی سورت تک کا وسیع و عریض علاقہ دونوں راجاؤں تصرف وقبضہ میں آگیا۔

شاہ جہاں ثانی کی وفات

دونوں بھائیوں نے پوری طرح سلطنت پر قبضہ کرلیا تھا مگر تقدیر الٰہی میں یہی تھا کہ دونوں بھائی ناکام و نامراد اس دنیا سے جائیں۔ نیا تخت نشین بادشاہ شاہ جہاں ثانی اسہال کے عارضہ میں مبتلا ہو گیا۔ جسمانی تکلیف کے علاوہ بارہہ کے اقتدار سے اسے ذہنی صدمہ بھی بہت تھا۔ غرض وہ ان تکالیف میں زیادہ دن تک زندہ نہیں رہ سکا اور جلد ہی منزل آخرت کی طرف کوچ کر گیا۔ اس کی سلطنت بھی صرف تین ماہ چند دن رہی ؎

جہاں را نداند بے کد خدائی
یکے گر رود دیگر آید بجائی

چراغ سحری جو جھلملایا اور بجھ گیا

ابوالمظفر ناصر الدین محمد شاہ بادشاہ

رفیع الدولہ کے آخری دن

شاہ جہاں ثانی رفیع الدولہ کی تخت نشینی کو ایک ماہ بیس دن کا عرصہ ہوا تھا کہ وہ اسہال کے مرض میں مبتلا ہوگیا۔ طبیبوں حکیموں نے بہت کچھ علاج کیا مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا روز بروز مرض بڑھتا چلا گیا۔ سید عبداللہ خاں تیمار داری اور غم خواری میں برابر لگا ہوا تھا اور تمام احتیاطی تدبیریں اختیار کر رہا تھا مگران دونوں بھائیوں نے مرحوم فرخ سیر کے ساتھ جو سلوک کیا تھا اس کا پھل بھی انہی بھائیوں کو چکھنا تھا اس لئے دونوں جوان سال بادشاہ جن کے نام سے سادات اپنا اقتدار جمانا چاہتے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے جھٹ پٹ دنیا سے اُٹھ گئے۔ رفیع الدولہ کو جسمانی مرض کے علاوہ اس بات کا بھی شدید صدمہ تھا کہ سادات بادشاہت کے سارے اختیارات کو اپنے قبضہ وتصرف میں رکھے ہوئے تھے۔ اور اس کو برائے نام تخت پر بٹھا رکھا تھا۔ سادات کے مقدر میں یہی لکھا تھا کہ دونوں بادشاہ یکے بعد دیگرے دنیا سے رخصت ہوجائیں اور ان کے ساتھ بدسلوکی کی بدنامی سادات بارہہ کے نام پر ہمیشہ ایک داغ بن کر لگی رہی۔ چنانچہ ابھی اس کے بھائی کی وفات پر تین ماہ دس دن بھی نہیں گذرے تھے کہ رفیع الدولہ کے کوچ کے آثار ظاہر ہوگئے

سید عبداللہ خاں جب بادشاہ کی زندگی سے مایوس ہوگیا تو ماہ شوال کے آخر میں اس نے اپنے ماموں زاد بھائی غلام علی خاں ولد سید خان جہاں کو شہزادہ محمد روشن اختر کو لانے کے لئے فتح پور سے بھیج دیا۔ روشن اختر بہادر شاہ خلد منزل کے پوتے جہاں شاہ کا

فرزند تھا۔ اس وقت اس کی عمر اٹھارہ سال تھی وہ چودہ واسطوں سے امیر تیمور کا وارث تھا۔ جہاں دار شاہ کے عہد سے وہ اپنی والدہ کے ساتھ دہلی کے قلعہ میں ہی رہتا تھا۔ روشن اختر خوبصورت نوخیز جوان تھا ذکاوت طبع دلیری وبہادری کے اوصاف اس میں موجود تھے۔ روشن اختر کے شاہجہاں آباد کے قلعہ میں پہنچنے سے پہلے ہی رفیع الدولہ کا انتقال ہوگیا ؎

بہ شادی گذار ایں جہانِ خراب
کہ نے جم شناسد نہ افراسیاب

روشن اختر کے پہنچنے تک شاہجہاں ثانی کی وفات کو سادات نے ایک ہفتہ تک مخفی رکھا اور بعد میں اس کا کفن دفن ہوا۔

روشن اختر کی تخت نشینی

اردی قعدہ کو روشن اختر کی سواری فتح پور کے نواح میں پہنچی۔ اور پندرہ تاریخ بروز ہفتہ سن گیارہ سو اکتیس ہجری (۱۱۳۱ھ) مطابق آٹھ ماہ مہر (الٰہی) دن کے گیارہ بجے جبکہ ستارہ مشتری دسویں برج میں اور زحل بارھویں برج میں اور آفتاب پندرھویں برج میں تھا۔ اس کو تخت سلطنت پر بٹھادیا گیا۔ نیا سکہ اور خطبہ "ابوالمظفر ناصرالدین محمد شاہ بادشاہ غازی" کے نام سے جاری ہوا۔ محمد شاہ کی تخت نشینی کے بعد ہی غلہ کا نرخ جو چند سال سے بہت گراں ہوچکا تھا اور لوگ بڑی پریشانی میں مبتلا تھے ارزاں ہوگیا۔ لوگوں نے اسے نئے بادشاہ کی برکت سے تعبیر کیا۔

روشن اختر کی والدہ

روشن اختر کی والدہ صاحب زماں ملکہ دوراں ایک مدبر موقع شناس اور عقلمند خاتون تھی۔ جب نیا بادشاہ فتح پور کی طرف جانے لگا تھا تو اس نے عبداللہ خاں کے فرستادہ آدمیوں کو اور ان ملازمین کو جو رکاب شاہی میں تھے اور دور و نزدیک کے تمام عہدہ داروں کو عمدہ خلعتیں دے کر خوش کردیا۔ جب معلوم ہوا کہ یہ بخشش وعطا دونوں سید بھائیوں کے خلاف مرضی ہے تو اس نے بقیہ امید واروں کو دوسرے کسی موقع کے لئے موقوف کردیا۔ ایک ماہ بعد وہ شاہ جہاں آباد سے بیٹے کو دیکھنے کے لئے فتح پور آئی سادات کی دل جوئی کے لئے اس نے ہدایت کردی کہ جہاں شاہی دربار کے قدیم وابستہ افراد استقبال او ر

حاضری کے لئے نہ آئیں، غرض وہ ہر معاملہ میں دونوں بھائیوں کے پاس خاطر کو ملحوظ رکھتی تھی

محمد شاہ سادات کے نرغہ میں

طے پایا کہ محمد شاہ کی تاریخ جلوس کا آغاز مرحوم محمد فرخ سیر کی معزولی کی تاریخ سے درج کیا جائے بادشاہ کی والدہ نواب قدسیہ اور محل کی عورتوں کے لئے پندرہ ہزار روپیہ ماہانہ کی رقم مقرر کردی گئی۔ پہلے کی طرح گلال بار (بادشاہی قیام گاہ) کے اطراف کے بندوبست پر جو ملازم جیسے ناظر خواجہ سرا خواص فیل بان سواری کا عملہ خاص باورچی رکاب دار فراش وغیرہ مقرر کئے گئے وہ عبداللہ خاں کے اپنے آدمی تھے۔ بادشاہ نے ہمت خاں کو جو دربار کی چار پانچ خدمات پر مامور رہ چکا تھا اور بادشاہ کی معلمی کے فرائض بھی انجام دیتے تھے دیوان خاص اور دیوان عام کا نگران اعلیٰ مقرر کردیا تھا۔ اس کے ساتھ بادشاہ کا سلوک نہایت عمدہ تھا اور کسی معاملہ میں اس کے مشورہ کے بغیر وہ کوئی فیصلہ نہیں کرتا تھا۔ محمد شاہ بھی اپنے دو پیش روؤں کی طرح نماز جمعہ اور شکار پر جانے کے اختیارات نہیں رکھتا تھا جس دن بادشاہ کی سواری نکلتی تھی۔ سادات کے قابل اعتماد افسر سواری کو چاروں طرف سے گھیرے رہتے تھے۔ اور کبھی کبھی دو تین ماہ میں ایک بار سیر و تفریح اور شکار کے نام پر ایک دو کوس تک شہر سے باہر لے جاکر واپس لے آتے تھے۔

چھبیلا رام ناگر کی وفات

الہ آباد کے صوبہ دار چھبیلا رام ناگر کی طرف سے سادات بارہہ مطمئن نہیں تھے۔ اس کی بعض کارروائیوں سے دونوں بھائیوں کی خفگی بہت بڑھ چکی تھی۔ چنانچہ حسین علی خاں نے اس کی سرکوبی کا ارادہ کرلیا اور الہ آباد کی طرف پیش خانہ نکالنے کا حکم دیدیا۔ مگر انہی دنوں چھبیلا رام کے اچانک فوت ہوجانے کی اطلاع آگئی۔ حسین علی خاں اُس کی وفات کی خبر سُن کر خوش ہوگیا مگر بظاہر افسوس کرتے ہوئے کہنے لگا: "افسوس ہم اُس کے سر کو نیزوں پر بلند، شہر بہ شہر گشت کرتا ہوا نہیں دیکھ سکے۔" اسی دوران میں یہ خبر ملی کہ چھبیلا رام کے مرنے کے بعد اُس کا بھتیجا گردھر ولد دیا بہادر جو اس کا میر شمشیر کہلاتا تھا فوج جمع کرنے اور الہ آباد کے قلعہ کو مستحکم کرنے میں مصروف ہے۔ اس اطلاع پر دونوں بھائی محمد شاہ کو فتح پور سے مستقر الخلافت اکبر آباد کے نواح میں لے آئے اور قلعہ الہ آباد کی تسخیر کے ارادہ سے دریائے جمنا پر پل بندھوایا اور ہراول فوج کو مقرر کردیا اور پیش خانہ دریا کے پار بھجوادیا۔

رتن چند کا اقتدار

انہی دنوں صدارت کل کے عہدہ پر میر جملہ کو مقرر کیا گیا۔ مگر رتن چند تمام ملکی مالی بلکہ شرعی معاملات میں یہاں تک کہ شہروں پر قاضیوں اور عدالتی عہدہ داروں کے تقرر میں بھی اس درجہ دخیل اور کارفرما تھا کہ تمام چھوٹے بڑے بادشاہی متصدی معطل اور بیکار ہو کر رہ گئے تھے۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رتن چند ایک شخص کو عبداللہ خاں کے پاس لے کر آیا اور کسی شخص کا قاضی مقرر کرنے کے لئے تجویز و سفارش کی۔ سید عبداللہ خاںؒ ایک گستاخ مصاحب کی طرف متوجہ ہو کر ہنستے ہوئے کہا: "لو دیکھو ہمارا رتن چند اب قاضیوں کا بھی تقرر کرنے لگا" اس مصاحب نے دست بستہ عرض کیا" راجہ جو ملکی بند و بست سے تو فارغ ہو چکے ہیں اور اب دینی معاملات کو سرانجام دینا چاہتے ہیں"۔

جب گردھر کے خلاف افواج مقرر کردی گئیں تو اس نے اطاعت اور معافی کے لئے اپنے وکیل کو دربار میں بھیج دیا جو کبھی تو یہ تجویز رکھتا تھا کہ گردھر کو الٰہ آباد کا صوبہ دار بنا دیا جائے اور کبھی صوبہ اودھ پر مقرر کر دینے کی درخواست دیتا تھا آخر اس نے قلعہ خالی کردینے کے لئے چھبیلا رام کے آخری مراسم ادا کرنے تک کی مہلت چاہی اور اودھ کی صوبہ داری کا فرمان "بہادر" کے خطاب اور دوسری شاہانہ عنایات کے ساتھ گردھر کے نام صادر کر دیا گیا۔

بوندی کے راجاؤں کا تنازعہ

محمد فرخ سیر بادشاہ کے تذکرہ میں ہم لکھ چکے ہیں کہ راجہ بھیم اور راجہ بدسنگھ ہارہ اپنے وطن بوندی پر ایک دوسرے سے برسرپیکار رہتے، اور ان کا یہ تنازعہ برابر جاری تھا۔ دونوں بھائیوں نے راجہ بھیم کی مدد کے لئے سید دلاور علی خاں کو جو بڑا جنگجو بہادر اور حسین علی خاں کا بخشی تھا روانہ کر دیا۔ اس کے ساتھ چھ ہزار سوار کی جمعیت تھی جن میں اکثریت بارہہ کے آدمیوں اور جمع داروں کی تھی۔ خلوت میں سید دلاور علی خاں کو ہدایت کردی کہ بدسنگھ کی سرکوبی کے بعد راجہ جے سنگھ کو ساتھ لے کر صوبہ مالوا کی سرحد پر جا کر ٹھہر جاتے اور دوسرے حکم کا منتظر رہے۔ یہ ہدایت جس فاسد منصوبہ کے تحت دی گئی تھی۔ آخر اس کے تلخ نتائج سامنے آکر رہے جن کا ہم آگے ذکر کریں گے۔

الہ آباد پر فوج کشی

گرودھر بہادر سے صلح اور عہد وپیمان ہو چکا تھا مگر اس کی طرف سے پوری طرح خاطر جمعی نہیں تھی۔ اسی لئے حیدر قلی خاں بہادر کو ایک عمدہ فوج دے کر اس کے خلاف روانہ کردیا گیا۔ اس کے ساتھ شاہ علی خاں محمد خاں بنگش کڑہ کا فوج دار شیر افگن خاں وغیرہ بھی اسی مہم پر مامور کئے گئے۔ حیدر قلی خاں نے الہ آباد پہنچنے کے بعد بہتر کارگذاری کا ثبوت دیا۔ اس مہم کو سر کرلینا اس کے لئے چنداں دشوار بھی نہیں تھا۔ بشرطیکہ صلح و جنگ کے فیصلہ کا اختیار اس کے ہاتھ میں ہوتا مگر وہاں یہ صورت تھی کہ دوسرے سرداراں بارہہ بھی اپنی اپنی جگہ مختار بنے ہوتے تھے اور پھر سب کے پیچھے رتن چند کی مرضی اور پسند تھی کہ اس کے مشورہ اور رائے کے بغیر کسی کو کچھ کرنے کا اختیار ہی نہیں تھا۔ اسی لئے یہ فتنہ طول پکڑ گیا۔ گردھر کو سادات کے قول اور عہد پر کوئی اعتماد نہیں تھا۔ ہر ہفتہ اور ہر مہینہ قلعہ کو خالی کرنے کا شور اٹھتا رہتا تھا۔ مگر یہ وعدے صرف دکھاوے کے تھے۔ آخر معاملات گفت وشنید سے طے نہ پا سکے اور محاصرہ وجنگ کی نوبت آگئی۔

اکبر آباد سے روانگی

الہ آباد کا ارادہ کرکے حسین علی خاں نے دریائے جمنا کو اکبر آباد کے قریب سے عبور کرلیا۔ مگر یہ اندیشہ لگا ہوا تھا کہ الہ آباد کا محاصرہ طول پکڑ جائے گا۔ کیونکہ قلعہ الہ آباد کے تین طرف تو گنگا اور جمنا کا پانی تھا پھر گردھر نے برج اور فصیل کو خوب مستحکم کر رکھا تھا اور غلہ اور سامان جنگ کے ذخیرے بھی جمع کر لئے تھے۔ پھر اس کی سرکشی کی شہرت کی وجہ سے تمام خالصہ کے اور جاگیرداروں کے محالات کا نظم ونسق خلل پذیر ہو چکا تھا۔ اور سارے ملک میں ایک فتنہ برپا ہو جانے کا خطرہ لاحق تھا۔ دوسری طرف قلعہ کو آج کل خالی کر دینے کی خبریں بھی مسلسل پہنچ رہی تھیں کہ بادشاہ اور سید عبداللہ خاں کا پیش خانہ یکم ربیع الآخر (جلوس کا پہلا سال) کو دہلی کی طرف لگا دیا گیا۔ مگر پندرہ دن بعد جب کہ اکثر امیروں کے خاندان یہاں تک کہ محرران دفتر بھی شاہ جہاں آباد روانہ ہو گئے تھے، گردھر کی وعدہ خلافی کی اطلاع ملی اور پیش خانہ کو واپس بلا لیا گیا۔ یہ بات سلاطین کے آداب وطریقہ کے خلاف تھی۔

سید بھائیوں میں اختلاف

اسی دوران میں دونوں بھائیوں کے درمیان اکبر آباد کے خزانہ اور اموال کے متعلق دوبارہ ردو قدح ہونے

تھی جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے۔ نیکو سیر کی شکست کے بعد اکبر آباد کے کروڑوں روپیہ کے اموال و خزانے چھوٹے بھائی کے قبضہ میں آ گئے تھے۔ اور بڑی منت سماجت کے بعد اس نے بڑے بھائی کو صرف اکیس لاکھ روپیہ دیدیا تھا۔ اس اختلاف پر دونوں بھائی ہمیشہ پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے تھے اور رتن چند ان کے اخفاء میں بہت کوشاں رہتا تھا۔ اور اس فتنہ کو ختم کرنے کی فکر میں تھا۔ کیونکہ اس کی شامت اور وبال سے وہ بھی محفوظ نہیں رہ سکتا تھا۔ رقم اور اموال کی تقسیم کے مسئلہ پر دونوں بھائیوں کے درمیان رنجش آمیز پیغام جاری تھے کہ رتن چند کو الہ آباد جانا ضروری ہوگیا۔

الہ آباد کے قلعہ پر قبضہ گردہر مسلسل لکھ رہا تھا کہ اگر رتن چند یہاں آکر جان و آبرو کی بحالی کا عہد و پیمان کر کے مطمئن کر دے تو میں قلعہ کو خالی کر دوں گا۔ آخر دونوں بھائیوں نے رتن چند کو بھیجنے کا فیصلہ کرلیا اور وہ جلوس کے دوسرے سال اوائل ربیع الثانی میں باقاعدہ فوجوں کے ساتھ الہ آباد روانہ ہوگیا۔ گردہر اور رتن چند نے گرم جوشی سے ملاقات کی اور گنگا جل پر ایفائے عہد کی قسم کھائی، جو ہندوؤں کے ہاں بڑی سخت قسم سمجھی جاتی ہے۔ اس تصفیہ کے مطابق گردہر کو اودھ کی صوبہ داری اور فوج داری جو صوبہ داری کا ضمیمہ ہوتی ہے دی گئی۔ اس کے علاوہ گردہر بہادر کی خواہش اور درخواست پر دو تین دوسری عمدہ فوج داریاں بھی صوبۂ اودھ کے ضمن میں اس کو تفویض کردی گئیں۔ اور وہ جمادی الثانی کے اواخر میں قلعہ کو خالی کر کے اودھ کے صوبہ پر چلا گیا۔

جب یہ خبر لشکر میں پہنچی تو شادیانہ بجانے کا حکم ہوا اور سونا چاندی تقسیم کیا گیا۔ گرخندہ و گریہ توام ہیں؛ شادی و ماتم کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ابھی موقعہ طلب لوگ قلعہ الہ آباد کی تسخیر کے جھوٹ سچ کی تحقیق میں لگے ہوئے تھے کہ دراز دست زمانہ نے ایک اور بساط بچھادی اور پھر ایسی نرد بازی اور مہرہ بازی ہوئی کہ دنیا حیران رہ گئی اس واقعہ کی تفصیل کو ہم راست راست بے کم و کاست بیان کرتے ہیں۔

نظام الملک سادات بارہہ کے مقابلہ پر

نظام الملک کی اہمیت

اس سال کے حیرت انگیز واقعات میں مہاراؤ بھیم سنگھ ہارہ، راجہ کوٹا، گج سنگھ کچھواہہ، راجہ نرور، سید دلاور خاں اور سید عالم علی خاں کے قلع قمع کی مہم ہے واضح رہے یہ امیر اور راجے کثرت مال و متاع اور افواج کے سبب حسین علی خان کے پشت پناہ اور اس کے تکبر و غرور کا سرمایہ اصلی تھے۔ مگر یہ سب نظام الملک بہادر فتح جنگ کی جرأت و بہادری کی وجہ سے مارے گئے اور خاک میں مل گئے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ۔ عبداللہ خاں اپنے دل میں جو فاسد عزائم چھپائے ہوئے تھا۔ ان کو روبہ کار لانے میں نظام الملک کی ذات کو وہ سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتا تھا۔ یہ امیر کبیر تمام امرائے مغلیہ کا مرجع و مرکز تھا، وہ اسے بمنزلہ پیرومرشد سمجھتے تھے۔ اور دین و دنیا کی کامرانی اسی کی اطاعت میں دیکھتے تھے۔ عبداللہ خاں اپنے خفیہ منصوبوں کے مطابق نظام الملک کو ہمیشہ ایسے مقامات پر متعین کرتا رہتا تھا۔ جہاں آمدنی کم ہو اور اخراجات زیادہ اور وہاں کے لوگ سرکش ہوں تاکہ نظام الملک پریشانی اور بے سروسامانی میں الجھا رہے چنانچہ محمد فرخ سیر کے زمانہ میں اس کو عظیم آباد پٹنہ کی صوبہ داری پر مقرر کرادیا تھا جہاں کے لوگ بڑے شورہ پشت اور زورطلب تھے نظام الملک نے اس وقت کے حالات کی مجبوری کے سبب اس کو قبول کرلیا تھا اور وہاں کے سرکشوں اور باغیوں کی سرکوبی کی مہم کا آغاز کردیا مگر اسی اثناء میں فرخ سیر کا واقعہ پیش آگیا اور یہ مہم ادھوری رہ گئی۔

نظام الملک کی مالوہ کو روانگی

اب حسین علی خاں نے جو خود کو اپنے بھائی سے زیادہ مختار سمجھتا تھا یہ منصوبہ بنایا کہ دربار میں تو وہ خود اور اس کا بھائی قابض ہیں اور دکن میں اس کا متبنیٰ عالم علی خاں بھاری لشکر کے ساتھ موجود ہے۔ مالوے کی صوبہ داری پر نظام الملک کو مقرر کر دیا جائے۔ چنانچہ پختہ عہد و پیمان کر کے اور قسمیں کھا کر اس کو مالوہ پر مامور کر دیا۔ اس صاحب عزم امیر نے مالوہ پر تعیناتی کو غنیمت جانا کہ بس یہ اللہ کی تائید اور اشارۂ غیبی ہی کا نتیجہ ہے۔ رفیع الدرجات کی تخت نشینی کے تیسرے دن ہی نظام الملک کو نظامت اور رخصت کی خلعت مل گئی اور وہ اپنے اہل و عیال اور آدمیوں کو فی الفور ساتھ لے کر روانہ ہو گیا۔ اُس کے ساتھ ایک ہزار سے زیادہ نقدی اور جاگیری منصب دار تھے۔ مگر یہ لوگ نمک حراموں کی بے توجہی اور تاخیر پسندی کی وجہ سے پریشان اور محتاج ہو رہے تھے۔ نظام الملک اپنی فوج کو جمع کرنے اور توپ خانہ تیار کرنے میں مصروف تھا کہ محمد غیاث خاں نے تقریباً پانچ سو گھوڑے ان مغل بھائیوں کے لئے جو پیدل تھے بھجوائے اور اپنے گھر سے کافی ساز و سامان اور اسلحہ دے کر نظام الملک کو سوار کرا دیا۔ اُس نے شیخ محمد شاہ، ابوالخیر خاں، اسماعیل خاں، قزلباش خاں وغیرہ کو بڑی بڑی رقمیں قرض و رعایت کے عنوان سے دے کر اپنا ممنون احسان بنا لیا۔ تقدیر در پردہ اپنے مہرے جما رہی تھی۔ چنانچہ بہت جلد ایسے معاملات پیش آئے کہ حسین علی خاں نے نظام الملک کے ساتھ عہد شکنی کی اور نظام الملک مخالفت پر کمربستہ ہو گیا۔

مانڈو کی قلعداری کا قضیہ

ہم لکھ آئے ہیں کہ جس وقت حسین علی خاں فرخ سیر کو ختم کرنے کا ارادہ کر کے دکن سے دہلی جا رہا تھا تو نربدا عبور کرنے کے بعد مانڈو کے قلعہ پر پہنچا جو نربدا کے کنارے صوبۂ مالوا کا سرحدی قلعہ ہے اس وقت وہاں مرحمت خاں ولد امیر خاں قلعدار تھا وہ بادشاہ کی نمک حرامی سے بچنے کے خیال سے بیماری کا بہانہ کر کے امیر الامراء سے ملنے کے لئے نہیں آیا۔ یہ بات حسین علی خاں کے دل میں کھٹک رہی تھی۔ چنانچہ اس نے فرخ سیر کا کام ختم کرنے کے بعد خواجہ قلی خاں تورانی کو جس سے اس کا بڑا خلا ملا ہو گیا تھا۔ مرحمت خاں کی جگہ مانڈو بھیج دیا۔ نیت یہ تھی کہ وقت پڑنے پر وہ نظام الملک سے دو بدو ہو سکے گا۔ مرحمت خاں اپنے

وقار کو بچانے کے لئے قلعداری تفویض کرنے پر راضی نہیں ہوا۔ اس کی شکایت خواجم قلی خاں نے حسین علی خاں کو لکھ بھیجی تو اُس نے مرحمت خاں کے وکیل کو دھمکایا اور نظام الملک کے پاس تاکیدی احکام بھیجے کہ وہ معزول قلعہ دار کو قلعہ سے باہر کر دے۔ اور نئے قلعہ دار کو وہاں مقرر کر دے۔ مرحمت خاں ان حالات میں دربار کا رخ تو کر نہیں سکتا تھا، اور نظام الملک ایسے باغیرت اشخاص کو اپنا رفیق بنانے کا منتظر رہتا تھا، چنانچہ اس نے غیاث خاں کی تجویز و مشورہ پر کسی نہ کسی طرح مرحمت خاں کو اپنی طرف مائل کر لیا اور اپنے پاس اُسے بلا لیا۔ مرحمت خاں ایک تو اس خیال سے کہ اتنے بڑے امیر کے ذریعہ کسی وقت سعی سفارش کی صورت نکل آئے گی اور دوسرے اس خیال سے بھی کہ اس بزرگ ہستی کی رفاقت میں سعادت و برکت حاصل ہوگی قلعہ چھوڑ کر نکل آیا اور نظام الملک کے حلقۂ رفاقت میں شامل ہو گیا۔

ماندو کے دو زمیندار

خواجم قلی خاں نے ماندو کی قلعداری سنبھال لینے کے چند دن بعد ایک ناعاقبت اندیشانہ کارروائی کی۔ سرکار ماندو کے ایک پرگنہ امجہرہ نامی کا زمیندار جیروپ سنگھ تھا۔ اس کو منصب بھی حاصل تھا اور ماندو کے قلعہ پر اس کی تعیناتی تھی۔ امجہرہ کا پرگنہ عرصۂ دراز سے اس کی جاگیر میں تھا۔ اُس نے اچھی خاصی جمعیت جو عمدہ سازوسامان سے لیس تھی تیار کر رکھی تھی۔ اور وہ اس ضلع میں اس آن بان سے زندگی بسر کرتا تھا کہ مرہٹوں کو اس طرف پھٹکنے تک کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ اس کا بھائی جگروپ سنگھ زمینداری کے جھگڑے میں عرصہ سے اُس کا مخالف تھا اور اس سے دشمنی اور حسد رکھتا تھا۔ خواجم قلی خاں نے جگروپ سنگھ کی پشت پناہی کی اور اس نے مال حاصل کرنے کی طمع میں کسی بہانہ سے جے روپ سنگھ کو اپنے پاس بلا کر دھوکہ سے قید کر دیا، اور اسی وقت اسے قتل کر دیا اور اس کے مال و اسباب پر قبضہ کر لیا، اس کا خوردسال بیٹا لعل سنگھ جان کے خوف سے بھاگ کر نظام الملک کے پاس داد خواہی کے لئے حاضر ہو گیا۔ نظام الملک نے محمد غیاث خاں کے ہمراہ ایک چھاپہ مار فوج جگروپ سنگھ کی تادیب کے لئے بھیج دی اور پھر خود بھی بڑی تیز رفتاری کرتے ہوئے پہنچ گیا۔ جگروپ سنگھ کو فرار کی مہلت نہ مل سکی اور وہ قید کر لیا گیا۔

قلعہ راناگڈھ کی فتح

اسی دوران میں چتر سال بندیلہ کے بیٹے جان چند نے ...... قلعہ راناگڈھ پر قبضہ کرلیا۔ یہ قلعہ مالوے کی سرحد پر سرونج اور بھیلسا کے قریب ہے۔ حسین علی خاں اس قلعہ کو واپس لینے کے لئے اپنی اور عبداللہ خاں کی مہر سے تاکیدی احکام صادر کردیئے۔ نظام الملک نے اس مہم پر مرحمت خاں کو محض نیک نیتی اور اس کی سفارش و شفاعت کے خیال سے مقرر کردیا اور اپنی سرکار سے ایک فوج اس کے ساتھ کردی۔ مرحمت خاں نے سرونج اور بھیلسا پہنچ کر افغانوں اور روہیلوں کی ایک عمدہ فوج ترتیب دی اور نرمی سختی ہر طریقہ سے کام لے کر قلعہ کو فتح کرلیا۔ اس کارنامہ کی عرض داشت نظام الملک نے دربار میں بھجوادی، مگر بجائے اس کے کہ دونوں بھائی خوش ہوتے اور قدر کرتے۔ مرحمت خاں کے تقرر پر اُنھوں نے حیرت کا اظہار کیا اور اس کو کچھ پسند نہیں کیا۔ اور یہ کارنامہ بھی مرحمت خاں کی معافی و سفارش کا ذریعہ بن نہ سکا۔

محمد شاہ اور نظام الملک کی مراسلت

رفیع الدرجات اور رفیع الدولہ کے گذر جانے کے بعد ابوالمظفر ناصرالدین محمد شاہ بادشاہ غازی تخت نشین ہوگیا تھا۔ مگر اس کے اختیارات بھی حسب سابق بالکل محدود تھے اس دوران میں نظام الملک کے پاس خود بادشاہ کی طرف سے اور بادشاہ کی والدہ مریم مکانی کی طرف سے اعتمادالدولہ محمد امین خاں بہادر کے ذریعہ نظام الملک کے پاس خطوط آتے رہے۔ ان میں نمک حراموں کے تسلط کی شکایت ہوتی تھی کہ بادشاہ کو بس نماز جمعہ کا اختیار رہ گیا ہے۔ باقی سارے اختیارات ان بھائیوں نے سنبھال رکھے ہیں، بادشاہ احکام جاری کرنے کا قطعاً مجاز نہیں ہے۔ نظام الملک کو یہ بھی اطلاع دی گئی تھی کہ نیکوسیر اور گردھر بہادر کا قضیہ صاف کرنے کے بعد ان بھائیوں کی توجہ تمھاری طرف مبذول ہونے والی ہے۔ بادشاہ یہ لکھتا رہتا تھا کہ ہم کو تم پر کامل اعتماد ہے۔ تم اپنے لئے محتاط رہو اور ہمارے اختیارات کی بحالی سے غافل نہ بیٹھو۔"

امیر الامراء کا منصوبہ

اس اثناء میں برابر نظام الملک کو اطلاعات ملتی رہیں کہ نیکوسیر گرفتار ہوگیا اور گردھر بہادر کا معاملہ صلح پر فیصل ہوگیا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حسین علی خاں اب ایک نئی شورش؛ اٹھانے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ چنانچہ

اس نے مہاراؤ بھیم سنگھ سے عہد و پیمان کرکے یہ منصوبہ بنایا کہ مہاراؤ پہلے تو بوندی کے زمیندار سالم سنگھ کی سرکوبی کے لئے جائے اور اس کے بعد نظام الملک کو ٹھکانے لگانے کی فکر کرے۔ اس کے صلہ میں اس سے وعدہ کیا کہ وہ مہاراجگی کے بلند مرتبہ پر فائز کر دیا جائے گا۔ اور اجیت سنگھ کے مراتب کے بعد اس کا درجہ تمام راجاؤں سے فائق رہے گا۔ غرض یہ کہ امیر الامراء نے سات ہزاری سات ہزار سوار کا منصب ماہی مراتب کے اعزاز دربار سے دلائے اور اس کے ہمراہ راجہ گنج سنگھ نروری، دلاور علی خاں وغیرہ کو کر دیا اور پندرہ ہزار کی ایک جرار فوج سالم سنگھ کے اخراج و تنبیہ کے لئے متعین کر دی اور یہ ہدایت کی کہ وہ نظام الملک کی طرف سے بالکل باخبر رہے اور جیسے ہی یہاں سے اشارہ دیا جائے نظام الملک کے خلاف کوئی مہلت دیئے بغیر فوری کارروائی شروع کر دے۔

نظام الملک پر اعتراض

مذکورہ بالا اشخاص نے بوندی پہنچ کر اس علاقہ پر قبضہ کر لیا اور حسین علی خاں کو اطلاع دیدی۔ اب حسین علی خاں علانیہ نظام الملک کی مخالفت پر اتر آیا اور اس کو لکھا "رحمت خاں کو اپنے ہاں پناہ دینے اور پرگنہ تلام کے زمیندار کو تبدیل کر دینے کی کارروائیاں نامناسب تھیں" اسی طرح اس نے اور بھی معاملات و مسائل میں محاسبہ و مواخذہ شروع کر دیا اور نظام الملک کے وکیل سے الٹی سیدھی باتیں کیں۔ جن جن باتوں کو امیر الامراء نزاع کا بہانہ بنانا چاہتا تھا نظام الملک نے ان سب کے متعلق جو حقیقی صورت حال تھی واضح کر دی اور مناسب جوابات تحریر کر دیئے مگر اس بدبخت نے کسی توجیہہ کو قبول نہ کرنے کی قسم کھا رکھی تھی کوئی بات قبول نہ کی اور آخر برملا یہ لکھ دیا "صوبہ دکن کے بندوبست کے لئے میں خود مالوہ آکر قیام کرنا چاہتا ہوں اور اکبر آباد، الٰہ آباد، ملتان، برہان پور میں سے آپ جس صوبہ کو پسند کریں اس کی سند بھجوائے دیتا ہوں"

محمد شاہ کا اہم پیغام

نظام الملک بھی غافل نہیں تھا اس نے بھی آٹھ نو ماہ کی اس فرصت میں سات آٹھ ہزار کی فوج جمع کر رکھی تھی اور دوسرا تمام بندوبست بھی کر لیا تھا اور اپنی جگہ نہایت محتاط و ہوشیار بیٹھا ہوا تھا اور دکن جا کر اس علاقہ کو جو خزانوں اور فوجوں کا معدن ہے اپنے تصرف میں لانے کی فکر میں لگا ہوا تھا۔ اسی اثناء میں اس کے وکیل کے اور دوسروں کے خطوط پہنچے کہ یہ دونوں بھائی انتہائی

خیانت بہا اُٹھ آتے ہیں اور آپ کو طلب کرنے کے لئے دربار سے گرز برداروں کو مقرر کر دیا ہے ۔گرز برداروں کے آنے سے پہلے بادشاہ کے پروانے اور دوسرے خیر خواہوں خاص طور سے دیانت خاں کے خطوط پہنچے کہ اب مہلت نہیں رہی ہے جو کچھ ہوسکے جلد کرگذرو۔"

نظام الملک کی دکن کو روانگی

نظام الملک نے جب دیکھا کہ ان مفسدوں کا ارادہ شاہی خاندان کو ختم کر دینے اور خلیفۂ وقت کو برخاست کر دینے کا ہے اور اب ان کے چنگل سے رہائی کی کوئی صورت نہیں رہی ہے۔ تو اس نے بھی جوابی کارروائی کرنے کا فیصلہ کرلیا اور اللہ پر توکل کرکے اپنے رفقاء کے ساتھ تمام لاؤ لشکر لئے ہوئے اُجین سے نکلا اور اکبرآباد کی طرف (دکھاوے کے لئے) تین منزل تک کوچ کر کے وہاں سے اچانک دکن کی طرف روانہ ہوگیا اور یکم رجب کو دریائے نربدا عبور کرلیا سرکار بیجا گڑھ عرف کھرگاؤں کا فوجدار رستم بیگ خاں، حسین علی خاں کے رفیقوں میں سے تھا مگر اس کی نمک حرامی دیکھ کر وہ بھی، بہت رنجیدہ اور بیزار ہوگیا تھا اور والا شاہی جرگہ سے منسوب ہونے کے سبب خود کو بادشاہ کے فدویوں میں شمار کرتا تھا وہ بھی ایک اچھی فوج کے ساتھ آکر نظام الملک کا رفیق بن گیا۔ نظام الملک نے مذکورہ فوجداری اسی کے نام بحال رکھی اور مزید مراعات و ترقیاں دے کر اُسے اپنے ساتھ لے لیا۔

قلعہ آسیر پر قبضہ

جب اقبال مندی ساتھ دے تو خود بخود کام بنتے چلے جاتے ہیں ۔چنانچہ جس دن نظام الملک نے دریائے نربدا کو عبور کیا تھا، اس دن خسرو چیلہ کے توسط سے ایک شخص لشکر میں آیا، اس کو قلعہ آسیر کی فوج کے ہزاری منصب دار عثمان خاں قادری نے بھیجا تھا۔ خسرو چیلہ عثمان خاں کا بہت پہلے سے حامی تھا اور مراسلت و پیامات کے لئے واسطہ کا کام دیتا رہا تھا۔۔۔ عثمان خاں کے نمائندہ نے نمک حراموں کی کارستانیوں کی شکایت کی اور ان پریشانیوں کا ذکر کیا جن میں عثمان خاں اور قلعہ کی فوج کو مبتلا کر دیا گیا تھا۔ عثمان خاں نے نظام الملک سے اپنے قلعدار کو بھیجنے کی درخواست کی تھی، محمد غیاث خاں اس نمائندہ کو نظام الملک کے پاس لے کر گیا اور قلعہ فتح آسیر کی فتح کی خوش خبری دی۔ نظام الملک

نے اسی وقت اس کو انعام عطا کیا اور عثمان خاں کی فوج کے واجبات اپنے خزانہ سے ادا کر دیئے اور میر حفیظ اللہ خاں بخشی اور اپنے بیٹے غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ کو اس کے ہمراہ کر دیا۔ خان مذکور نے ۱۳ رجب کو اس فلک پایہ قلعہ کو جس کے لئے عرش آشیانی اکبر بادشاہ نے ایک سال تک فاروقی بادشاہوں (عادل شاہی) سے لڑائی کی تھی بآسانی اپنے قبضہ میں لے لیا۔ خود نظام الملک نے بھی اس قلعہ پر جاکر اس کا معائنہ و ملاحظہ کیا تھا۔ اس وقت آسیر کا قلعہ دار ابوطالب تھا۔ اس کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔ قلعہ پر قبضہ کے بعد نظام الملک نے محمد غیاث خاں کو (دارالسرور) برہان پور کو فتح کرنے کے لئے بھیج دیا۔

برہان پور پر فوج کشی

سید عالم علی خاں کو جب نظام الملک کے نربدا عبور کرنے کی خبر ملی تو وہ بہت پریشان ہو گیا اور اپنے مشیروں اور رفیقوں کے مشورہ پر برہان پور کی حفاظت کے لئے محمد انور خاں کو بھیج دیا جو برہان پور کی حفاظت پر پہلے سے مامور تھا۔ اس کے ساتھ راؤ بنالکر مرہٹہ کو متعین کیا گیا۔ یہ دونوں بڑی تیز رفتاری کے ساتھ کوچ کرتے ہوئے عادل آباد پہنچے، جو برہان پور سے بارہ کوس پر ہے۔ وہ راتوں رات یلغار کرکے برہان پور پہنچ جانا چاہتے تھے۔ برہان پور میں محمد انور خاں کا بھائی، محمد نوراللہ خاں دیوان تھا۔ اس نے شہر کے دروازے بند کرا دیئے تھے اور شہر کے آدمیوں کو ساتھ لے کر شہر پناہ کو مستحکم کر لیا تھا۔ اس وقت جب کہ انور خاں برہان پور پہنچ کر اپنے بھائی کے ہمراہ مقابلہ و مدافعت کرنا چاہتا تھا۔ نظام الملک کا فرستادہ محمد غیاث خاں لعل باغ میں آکر ٹھیرا ہوا تھا اور اس نے اپنے افسروں پر مورچے بھی تقسیم کر دیئے تھے۔ جب اسے محمد انور خاں اور راؤ بنالکر مرہٹہ کی آمد کی اطلاع ملی تھی تو اس نے دریائے تاپتی سے ایک فوج کو عبور کرا دیا تھا، مگر وہ دونوں رات کی تاریکی میں شہر میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ البتہ ان کی پالکیاں اور دوسرا ساز و سامان تلاش کرنے والوں کے ہاتھ آ گیا۔

برہان پور کی فتح

محمد انور خاں سے برہان پور کے لوگ خوب واقف تھے کہ وہ کتنا بہادر ہے چنانچہ انھوں نے ہجوم کرکے اُسے گھیر لیا اور اس سے کہا کہ غیاث خاں زینے لگا کر آج ہی شہر پر قبضہ کرلے گا۔ اور تمام شہریوں اور

شرفا کی عزت و ناموس اور گھر بار خطرہ میں آجائیں گے۔ اس کا گناہ بھی دوسرے گناہوں کے ساتھ تمھارے سر لکھا جائے گا۔ بہتر یہ ہے کہ تم شہر سے باہر جاکر اپنے مقابل سے جنگ کرلو۔ ورنہ شہر میں تمھارے خلاف عام بلوہ ہوجائے گا، محمد انورخان کو دلیری و شجاعت کی ہوا تک نہیں لگی تھی، وہ حواس باختہ ہوگیا اور سولہ تاریخ کو پناہ طلب کرتے ہوئے غیاث خاں کے پاس حاضر ہوگیا۔ غیاث خاں نے شہر میں داخل ہوکر تمام باشندوں کو امان دیدی اور ان کو تسلی دے کر مطمئن کردیا۔ ۱۷ تاریخ کو نظام الملک فتح و نصرت کے جھنڈے اڑاتے ہوئے لعل باغ میں آکر ٹھیر گیا محمد انورخاں نوراللہ خاں اور شہر کے دوسرے شرفار و معززین غیاث خاں کے توسط سے نظام الملک کے سلام کے لئے حاضر ہوگئے۔ یہی وہ برہان پور ہے کہ جب اعلیٰ حضرت شاہجہاں بادشاہ اپنے ایام شاہزادگی میں بنگالہ سے شکست کھاکر عبداللہ خاں کے ہمراہ یہاں پہنچے تھے۔ اس وقت شہر پناہ نہیں تھی، بس ایک قلعہ تھا، جس پر فاروقی خاندان کے سلاطین کا قبضہ تھا۔ شاہجہاں بادشاہ نے اس وقت بڑی کوشش کی تھی، اور بہت سے مشہور ہمراہی مارے بھی گئے تھے۔ مگر یہ قلعہ بادشاہ مرحوم کے ہاتھ نہیں آسکا تھا۔ اور اب بادشاہ غازی (محمد شاہ) کا اقبال تھا کہ فتح جنگ نظام الملک نے بغیر کسی جدال و قتال کے شہر اور قلعہ پر قبضہ کرلیا۔ جو آئندہ کی مہم کے لئے ایک نیک شگون تھا۔

نظام الملک کی اعلیٰ ظرفی کا واقعہ

نظام الملک کو اللہ نے عظمت و بزرگی عطا کی تھی، اس کے محاسن و اوصاف کا ذکر احاطۂ تحریر سے باہر ہے مگر ایک واقعہ جو نہایت عجیب و غریب ہے ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔ برہان پور کی فتح سے دو تین دن قبل حسین علی خاں کے بھائی سیف الدین علی خاں کے بیوی بچے اور متعلقین دارالخلافہ دہلی جاتے ہوئے برہان پور آئے تھے۔ جب نظام الملک نے پہنچ کر برہان پور پر قبضہ کرلیا تو وہ سخت حیران اور پریشان ہوگئے تھے۔ بعض کوتاہ اندیش آدمیوں نے نظام الملک سے کہا بھی، کہ "دشمنوں کے بیوی بچوں اور محمد انورخاں کے مال و اسباب سے فوج اور لشکر کے اخراجات کی تکمیل ہوجائے گی" مگر نظام الملک نے محمد غیاث خاں کی تائید و صوابدید

پر یہ جواب دیا کہ" ہم نے باوجود عسرت و تہی دستی کے محض فضل الٰہی پر توکل کر کے اور بادشاہی اقبال کے وسیلہ سے اس مہم کا بیڑہ اٹھایا ہے۔ اگر ہم کامیاب ہو گئے، تو یہ سارا ملک و مال ہمارا ہی ہے، اور اگر خدا نخواستہ معاملہ اس کے برعکس ہوا تو پھر ہم کیوں آخرت کا وبال اپنی گردن پر لیں۔ ان بوڑھوں اور بچوں اور محمد انور خاں کے مال و اسباب کی لوٹ ہمارے ہمت و حوصلہ کی توہین ہے۔ اس جد و جہد میں ہماری غرض بجز بادشاہ کی خود مختاری کے کچھ اور نہیں ہے۔ اس خلوص نیت کی برکت سے انشاء اللہ تعالیٰ بے شمار خزانے ہم کو مل کر رہیں گے۔ اس کے بعد ہماری مجلس میں ایسی گری ہوئی باتیں نہ کی جائیں۔ نظام الملک نے اپنے ہمراہیوں کو تو یہ جواب دے کر خاموش کر دیا۔ اور سیف الدین علی خاں کے اہل کار کو طلب کر کے خلعت دی اور سمجھدار آدمیوں کو اس کی والدہ کے پاس بھیج کر دلاسا دیا اور کہلوایا کہ یہ بچے ہمارے فرزندوں کی طرح ہیں۔ اگر یہاں رہنا چاہیں تو ان کے لئے معاش کا انتظام کر دیا جائے گا۔ اور اگر جانے پر اصرار ہو تو ایک محافظ دستہ کے ساتھ نربدا عبور کرنے کا بند و بست ہو جائے گا۔ وہ لوگ چونکہ جانا چاہتے تھے اس لئے بچوں کو نظام الملک کی خدمت میں سلام کے لئے بھیج کر روانگی کی اجازت چاہی۔ نظام الملک نے عورتوں اور بچوں کے ساتھ سلوک و مدارات کی اور مدرقہ ہمراہ کر کے نربدا کے پار پہنچا دیا۔

لعل باغ کے قیام کے دوران صوبۂ برار کا ناظم عوض خاں بہادر جو نظام الملک کا چچا ہوتا تھا۔ پہنچ گیا اس کے علاوہ اور بھی لوگ جوق در جوق حاضر ہو کر فوج میں شامل ہوتے رہے۔ نظام الملک لعل باغ میں ہی ٹھہرا رہا اور توپ خانہ کی تیاری و انتظام میں مصروف رہا۔

سادات بارہہ کی پریشانی

اب ہم دربار کا حال لکھتے ہیں ماہ رجب کے آخر میں جیسے ہی نظام الملک کے دکن کی طرف روانہ ہونے کی خبر دہلی میں پہنچی، تو بادشاہ کو اپنے استقلال و خود مختار ہونے کی توقع پیدا ہو گئی اور خانہ زاد بھی قدر دانی کی امید میں خوش ہو گئے۔ مگر عبد اللہ خاں اور حسین علی خاں دونوں بھائی اور دوسرے تمام نمک حرام بڑے پریشان ہوتے۔ لشکر میں بھی بڑی ہل چل پیدا ہو گئی۔ مگر ان بھائیوں کو یہ سوچ کر بڑا اطمینان تھا کہ نظام الملک کے

ساتھ بہت مختصر سی فوج ہے اسی لئے وہ بظاہر اس کو کوئی اہمیت نہیں دے رہے تھے وہ بھول گئے تھے کہ اللہ تعالیٰ بسا اوقات اپنی تائید و مدد سے قلت کو کثرت پر غالب کر دیتا ہے۔ اور قہر الٰہی کے ایک جھونکے میں بڑے بڑے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہٹ جاتے ہیں۔ غرض انھوں نے سید دلاور علی خاں اور مہاراؤ بھیم سنگھ کو ہدایت کی کہ وہ بہ عجلت ممکنہ نظام الملک کے مقابلہ پر پہنچیں اور اس کا سدباب کریں اگر اس کا موقع نہ ہو تو دوسرے راستہ سے سید عالم علی خاں سے جاکر مل جائیں اور سب مل کر اس فتنہ کی آگ کو بجھا دیں۔

سادات بارہہ کی غدّاریاں

اب تک سادات بارہہ نے جو کچھ کارستانیاں کیں وہ ان کے مکر وغدر کی شاہد ہیں انھوں نے محمد فرخ سیر بادشاہ کی جان لے کر سلطنت مغلیہ کو خطرات میں مبتلا کر دیا۔ نظام الملک نیک سرشت رعیت پرور امیر تھا اور ہمیشہ سلامت روی پر کاربند رہتا تھا۔ انھوں نے اس سے عہد وپیمان کر کے مالوہ کی صوبہ داری پر مامور کیا۔ نظام الملک نے مفوضہ فرائض بڑی تن دہی سے انجام دیئے مفسدوں سرکشوں کی تنبیہ وتادیب کی ملک کا بندوبست اور نظم ونسق درست کیا مگر ابھی سات آٹھ ماہ بھی نہیں گذرے تھے کہ امیر الامراء حسن علی خاں ایک نئی فتنہ انگیزی کے درپے ہوگیا اور اس نے طے کیا کہ مالوہ میں قیام کر کے دکن کے چھ صوبوں، احمد آباد کے چار صوبوں اور اکبرآباد اجمیر اور مالوہ کے انتظامات کو خود اپنے ہاتھ میں لے لے اس غرض کے لئے اس نے خلاف عہد نظام الملک کو معزول کر دینا چاہا اور محض اس الزام پر کہ نظام الملک نے ماندو کے معزول قلعدار مرحمت خاں کو اپنے پاس پناہ دی تھی، حالانکہ یہ پناہ نظام الملک نے محض ہمدردی اور نیک سرشتی کی بنا پر دی تھی کیونکہ مرحمت خاں کے ساتھ صریحًا زیادتی ہوئی تھی وہ ایک نامی گرامی خاندان کا قدیم الخدمت امیر تھا عرصۂ دراز سے اس کے خاندان میں ماندو کی قلعداری چلی آرہی تھی۔ حسین علی خاں نے محض اس غصہ میں کہ جب وہ دکن سے بادشاہ کا تخت الٹنے کے لئے دہلی جارہا تھا اور نربدا عبور کر کے ماندو کے قریب پہنچا تھا تو مرحمت خاں نے بادشاہ کی طرف داری اور وفاداری کی وجہ سے علالت کا بہانہ کر کے اس سے

ملاقات نہیں کی تھی۔ یہی بغض حسین علی خاں کے دل میں تھا کہ اس نے مرحمت خاں کو معزول کر کے اس کی جگہ خواجم قلی خاں کو قلعدار بنا دیا۔ اور جب مرحمت خاں نے قلعداری سپرد کرنے سے انکار کر دیا تھا تو یہ نظام الملک ہی تھا جس نے اسے سمجھا بجھا کر قلعہ سے باہر آ جانے پر آمادہ کر لیا تھا۔ قلعہ داری سے دست بردار ہونے کے بعد مرحمت خاں بڑی مصیبت میں مبتلا ہو گیا تھا، وہ دربار میں جا نہیں سکتا تھا، اور دوسرا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا تھا، اس وقت نظام الملک نے قدیم خاندانی روابط کا لحاظ کر کے اسے اپنے پاس بلا لیا تھا، اور وہ بھی اس نیت سے کہ اس کو کسی بہتر کارگذاری کا موقع دے کر دربار سے اس کے قصور معاف کرا دیئے جائیں۔ چنانچہ جب صوبہ مالوا کے ایک قلعہ راناگڈھ پر جان چند ولد چتر سال نے قبضہ کر لیا تو فتح جنگ نظام الملک نے مرحمت خاں کو اس مہم پر روانہ کیا اور اس نے اپنی بہادری و حکمت سے اس قلعہ کو فتح کر لیا۔ مگر اس کارنامہ کو امیر الامراء نے قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھا اور اس کے قصور معاف نہیں ہو سکے۔ نظام الملک مرحمت خاں کی خوبیوں اور صلاحیتوں سے آگاہ تھا اس نے مالوے کے سرکشوں و باغیوں کی تنبیہ کیلئے اسے مامور کر دیا اور مالوے کی صوبہ داری کا بندوبست اسے سپرد کر دیا۔ اس نے بہت جلد حسن انتظام سے مفسدوں اور سرکشوں کی قرار واقعی تنبیہ و تادیب کی اور پرگنۂ چندیری کے چند مواضع کو جو باغیوں کے گڑھ تھے تاخت و تاراج کر دیا۔ مگر دشمنوں نے اس واقعہ کو دربار میں غلط رنگ سے پیش کیا کہ مرحمت خاں ایک بڑی جمعیت فراہم کر کے لوٹ مار کرتا پھر رہا ہے۔ یہ اطلاع سید عبداللہ خاں کو دی گئی تھی۔ اس کے بعد ہی حسین علی خاں نے نظام الملک کو صاف صاف لکھ دیا کہ ہم خود مالوے میں ٹھیرنا چاہتے ہیں تم اکبرآباد الہ آباد و برہان پور اور ملتان، ان چار جگہوں میں سے جہاں بھی جانا چاہو وہاں کی سند جاری کر دی جائے گی۔ جس وقت امیر الامراء کا یہ خط آیا ہے۔ نظام الملک فوج کے مطالبات کے سلسلہ میں بہت زیر بار تھا۔ اس ملک کا سارا دارومدار فصل ربیع پر ہے، وہ ہاتھ سے نکل چکی تھی، اب آمدنی کے دوسرے ذرائع نہیں تھے، اس لئے نظام الملک کے لئے دوسری جگہ جانا محال تھا۔ پھر یہ بات خلاف عہد تھی۔ کیونکہ اس سے معاہدہ یہی تھا کہ مالوے کی صوبہ داری سے اسے تبدیل نہیں کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ حسین علی خاں نے دلاور علی خاں راجہ بھیم اور راجہ گج سنگھ کو ایک بڑی فوج دے کر

مالوے کی سرحدوں پر بھیج دیا تھا۔ بہانہ تو قلعہ بوندی پر فوج کشی کا تھا مگر اس کے علاوہ دور دراز کے منصوبے بھی پیش نظر تھے۔ بوندی کی فتح کے بعد اس لشکر نے مالوے کی حدود میں بڑی لوٹ مار اور غارت گری مچائی تھی جس سے ملک اور رعیت کو شدید مالی اور جانی نقصانات ہوتے تھے۔ یہ کارروائی صریحاً نظام الملک کے ساتھ عہد شکنی اور غداری تھی۔ دونوں بھائیوں کے رویہ سے فتح جنگ نظام الملک کو بہت صدمہ ہوا اور اس نے ان کے جواب میں کھری کھری باتیں لکھ کر بھیج دیں، سید عبد اللہ خاں نے اس جواب کو اس معزز اور صاحب وقار امیر کے خلاف ایک الزام اور ثبوت قرار دے دیا اور نظام الملک کے وکیل کو خلوت میں بلا کر نہایت نازیبا اور تلخ و تند باتیں کیں، جس کی تفصیل کا بیان نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ اس کی اطلاع جب نظام الملک کو ملی تو وہ سمجھ گیا کہ دونوں بھائی ایران و توران کے تمام عالی نسب خانوادوں کو ذلیل کرنے اور تباہ کرنے پر کمربستہ ہو گئے ہیں۔ اب منصب اور خدمت کو ترک کر کے گھر بیٹھ جانے میں بھی عافیت و خیر کی امید نہیں۔ ایک نظام الملک ہی کیا تمام موروثی وفادار امرا اور ملازمین شاہی پر یہ بات گراں تھی کہ وارث تاج و تخت کو نماز جمعہ کے لئے جانے اور احکام شرع کو جاری کرنے تک کا اختیار نہیں رہا ہے، اور وہ دونوں بھائیوں کے اس بے جا اقتدار پر مشتعل اور ناراض تھے۔ ان حالات میں نظام الملک کے لئے جس کے حسن نیت اور صفائی قلب اور بے آزاری کے سبھی قائل و معترف تھے۔ بجز اس کے کوئی راستہ نہیں تھا کہ وہ غیرت و حمیت کو کام میں لائے، اور ان زیادتیوں کے خلاف صف آرا ہو جائے۔ چنانچہ اس نے اللہ پر توکل کر کے فوجی تیاری شروع کر دی، اور مشہور ہے اس وقت سید عبد اللہ خاں کو نظام الملک نے ایک خط بھیجا، جو صرف ایک فقرہ پر مشتمل تھا۔

"ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ"

(جو اللہ پر توکل کرتا ہے اس کے لئے اس کا خدا کافی ہے)

نظام الملک نے فوج ترتیب دے کر عبدالرحیم خاں، مرحمت خاں، رعایت خاں، قادر داد خاں روشنائی، سعد اللہ خاں کے پوتے محمد متوسل خاں اور محمد عنایت خاں اور دوسرے خیرخواہوں کے ساتھ وسط ماہ جمادی الآخر سن گیارہ سو تیئس ہجری میں

مندسور کے نواح سے کوچ کر دیا۔ اس وقت نظام الملک کی فوج پانچ چھ ہزار سواروں پر مشتمل تھی، پھر لوٹ کر نظام الملک اوجین آ گیا اور سارا مال و اسباب لے کر سرونج کی طرف کوچ کی شہرت دی، اور دو تین منزل جا کر کا تیچہ کے موضع میں کمپ لگا دیا۔ وہاں سے کوچ پر کوچ کرتے ہوئے دکن کی حدود میں داخل ہو گیا۔ اسی ماہ کے آخر میں یہ خبر بادشاہی لشکر میں پہنچی دونوں بھائیوں کو اطلاع ملی تو وہ سخت بدحواس ہو گئے اور سید دلاور علی خاں کو لکھ دیا کہ وہ مذکورہ دونوں راجاؤں اور دوست محمد افغان ثمن دار کو لے کر تعاقب میں چلا جائے۔

پنجاب میں پٹھانوں کی بغاوت

حسین خاں کی سرکشی

ابھی یہ تصفیہ جاری تھا کہ لاہور کے اخبار نویسوں نے ایک پریشان کن اطلاع بھیجی کہ وہاں عبدالصمد خاں دلیر جنگ نے فتح پائی ہے اور حسین خاں خویشگی ایک بڑی جماعت کے ساتھ مارا گیا اور اہلِ توران غالب ہو گئے۔ کہتے ہیں حسین خاں خویشگی تمن دار افغان سردار تھا اور سرکار قصور کے توابعات میں اس کی جاگیر و عمل داری تھی۔ چند سال سے اس نے سرکشی اور فتنہ پردازی شروع کر رکھی تھی اور قصور و لاہور کے نواح میں سیر حاصل پرگنوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ بعد میں اس نے علانیہ بغاوت و مخالفت شروع کر دی اور بارہا صوبہ داروں بلکہ شاہزادوں کی افواج کو شکست دے کر بھگا دیا تھا۔ اس نے عبدالصمد خاں بہادر کی صوبہ داری کے آغاز سے ہی سرکشی کا یہ رویہ اختیار کر لیا تھا۔ جاگیر دار اور صوبہ دار کے مقرر کردہ عمال کو اور دوسرے بادشاہی افسروں کو بے دخل کر کے بلکہ محال سے خارج کر کے بڑے ہنگامے بپا رکھے تھے۔ معتبر اور ثقہ راوی سے سننے میں آیا ہے کہ اس کی فتنہ پردازی کے پیچھے دراصل انہی دونوں سید بھائیوں کا ہاتھ تھا۔ اور وہ انہی کے اشارہ پر عبدالصمد خاں کے خلاف کمربستہ ہو گیا تھا۔ منشا یہ تھا کہ خان مذکور اس کے ساتھ الجھا ہوا رہے اور دربار کے معاملات کی طرف توجہ نہ کر سکے۔ سادات کا اشارہ پا کر اس نے اپنی شرارتوں کا سلسلہ اور بھی بڑھا دیا اور صوبہ دار کے ایک عامل قطب الدین نامی کو جو صاحب فوج عہدہ دار تھا مقابلہ کر کے قتل کر دیا اس کی فوج لوٹ

خزانہ کو لوٹ لیا اور آٹھ نو ہزار سوار لے کر پرگنوں کی تاخت وتاراج کے لئے نکل کھڑا ہوا۔

دلیر جنگ کی فوج کشی

عبدالصمد خاں بہادر دلیر جنگ کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ بھی سات آٹھ ہزار سوار فوج لے کر دشمن کے مقابلہ پر آ گیا۔ دونوں فوجیں لاہور سے تیس کوس پر موضع جیونی میں جمع ہو گئیں، دونوں فوجوں کے درمیان تین کوس کا فاصلہ تھا۔ عبدالصمد خاں نے فوج کی صف بندی کی اور اپنی فوج کے ایک بہادر اور مشہور بخشی کریم قلی خاں کو ہراول بنا کر آگے بڑھایا۔ میمنہ پر جانی خاں اور خواجہ رحمت اللہ اپنے رشتہ داروں کو حفیظ اللہ خاں کے ساتھ مقرر کیا۔ روہیلہ قوم کے ہزار سوار بھی ان کے ہمراہ تھے۔ یہ لوگ حسین خاں خویشگی سے قدیم عداوت رکھتے تھے۔ میسرہ پر آغر خاں تھا جس کے حسب نسب اور موروثی شجاعت کا تذکرہ خلد مکاں عالمگیر بادشاہ اور محمد فرخ سیر کے حالات میں ہم لکھ چکے ہیں۔ اس کے ساتھ عارف خاں کی فوج تھی۔ ترتیب و صف بندی کے بعد عبدالصمد خاں نے چھ ماہ جمادی الآخر کو دشمن پر حملہ کر دیا۔ حسین خاں کے ساتھ اس کا بھتیجہ مصطفیٰ خاں، رحمت خاں، بہلول خاں، سعید خاں اور دوسرے تمن دار افغان تھے جو تمام فیل سوار جنگجو سردار تھے۔ جب عبدالصمد خاں کے توپ خانہ سے گولہ باری شروع ہو گئی اور آتشیں بان چلنے لگے تو حسین خاں خویشگی کی فوج نے مستانہ وار بڑھ کر توپ خانہ پر حملہ کر دیا اور توپ خانہ سے گذر کر ہراول پر آن پڑے۔ کریم قلی خاں نے جم کر ان سے مقابلہ کیا مگر وہ گر پڑا اور اس کی فوج کے قدم اکھڑ گئے۔ دوسری طرف حسین خاں خود دو تین ہزار افغانوں کو لے کر آغر خاں کے مقابلہ پر آ گیا۔ دونوں میں بڑی سخت لڑائی ہوئی اگرچہ آغر خاں کے ہمراہیوں میں نئے بھرتی شدہ شدہ جمعدار مقابلہ کی تاب نہ لا کر فرار ہو گئے۔ مگر اس کے پاس ساٹھ مغل زادے جو بڑے غضب کے تیر انداز شہسوار اور جنگجو تھے اور نشانہ بازی اور شجاعت میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھے۔ آغر خاں ان کو ایسے ہی آڑے وقت کے لئے تیار کرتا رہا تھا وہ اس سے جدا نہیں ہوتے اور آغر خاں بیٹے اور بھائیوں کے ساتھ دشمن کے مقابلہ پر جولانی دکھاتے رہے اور تیر کمان سنبھال کر ایک ساتھ تیراندازی شروع کر دی آغر خاں نے بھی چمک کر

اپنے مہاوت کو ہاتھی بڑھانے کا حکم دیا اور اس غضب کی تیراندازی کی کہ جو سامنے آیا اسے نیچے گرا دیا۔ گھوڑ سوار فوج نے بھی بڑھ کر زبردست حملے کئے آخر دشمن کا ہراول مصطفیٰ خاں اور چند نامی گرامی افغان سردار مارے گئے اور زخمی ہو گئے اور حسین خاں نے اس شیروں کے سامنے سے جان بچا کر نکل جانے کو ہی غنیمت جانا۔

حسین خاں کی شکست

اب حسین خاں خویشگی نے اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور دلیر جنگ اور اس کے دائیں بازو کی فوج پر حملہ کر دیا۔ دائیں بازو پر روہیلہ قوم کے بہادر تھے ان کو مغلوں کی مدد حاصل تھی وہ برابر دشمن کے حملوں کو روکتے رہے۔ حسین خاں نے بہادر افغانوں کی ایک جمعیت کے ساتھ اہل توران پر ایسا زبردست حملہ کیا کہ دلیر جنگ کے ہمراہیوں میں سے نئے نئے بھرتی ہونے والے ملازم ہزیمت کھا کر فرار ہو گئے۔ اس وقت جانی خاں، خواجہ رحمت اللہ اور حفیظ اللہ خاں نے سد راہ ہو کر دشمن کو تیروں پر روک لیا اسی حالت میں آغر خاں نے پیش قدمی کر کے دشمن کی فوج پر وسط سے حملہ کر دیا اور ایک خون ریز لڑائی چھڑ گئی۔ اس حال میں حسین خاں کا فیل بان مارا گیا۔ ایک فقیر شاہ بھیک نامی تھا جو حسین خاں کا پیر و مرشد کہلاتا تھا۔ حسین خاں اس کی جان کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا اور اسے اپنے ہاتھی کی عماری میں ردیف بنائے ہوئے تھا وہ بھی توران کے بہادروں کا تیر کھا کر خوش اعتقاد مرید کے قدموں پر گر پڑا اور دنیا حسین خاں کی نظروں میں تاریک ہو گئی۔ اس درمیان میں حسین خاں کو بھی کاری زخم لگ گیا تھا اور اس کی سواری کا ہاتھی فیل بان کے نہ ہونے پر ادھر اُدھر بے تکان دوڑ رہا تھا اور ہر طرف سے اس پر تیروں اور بندوق کی گولیوں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی۔ اس وقت اس کی عماری میں آگ بھڑک اٹھی، جس کا سبب معلوم نہ ہو سکا شاید کسی گولہ پھٹنے سے یہ حادثہ ہوا ہو یا مظلوموں کی آہ سُلگ اٹھی ہو، بہرحال اس معرکہ میں پٹھانوں کی ایک بڑی تعداد تورانی بہادروں کے ہاتھوں تلوار کے گھاٹ اُتر گئی۔

فتح کے انعامات

اس نمایاں فتح پر دلیر جنگ نے اپنے ساتھیوں کو حسب مدارج خلعت گھوڑا اور ترقی و انعام عطا کیا اور آغر خاں کو ہاتھی اور

تلوار عنایت ہوئی اور اس کے منصب میں پانچ صدی دو سو سوار کا اضافہ کر دیا گیا۔ جب اس فتح کی خوش خبری سید عبداللہ خاں کو ملی تو اسے قدرتی طور پر اس کا رنج تو ہوا مگر بظاہر بدنامی کے خوف سے اس نے خوشی کا اظہار کیا اور "سیف الدولہ عبدالصمد خاں بہادر دلیر جنگ" کا خطاب عطا کیا۔ یہ بات واضح رہے کہ سادات بارہہ کے اقتدار اور مغلوں کے مغلوب ہو جانے کے بعد سب سے پہلا شخص جس نے نظام الملک بہادر فتح جنگ کی حمایت کی اور سید بھائیوں کی ناراضگی مول لی وہ دلیر جنگ ہی تھا۔

دکن کے گذشتہ واقعات کا اعادہ

اب ہم دکن کے حالات کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ دربار میں ابھی دریائے نربدا سے فتح جنگ کے عبور کرنے کی خبر کی ٹھیک طور پر تصدیق نہیں ہوسکی تھی کہ برہان پور سے آنے والی اطلاعات سے معلوم ہوا کہ نظام الملک نے اکبر پور کے گھاٹ سے نربدا کو عبور کر لیا اور اسی دوران میں قلعۂ آسیر کے ہزاریوں نے فتح جنگ کے فرستادہ چیلہ خسرو نامی کو قلعہ پر قبضہ کرا دیا۔ آسیر قلعہ دار طالب خاں نامی نے جو انہی دنوں سادات کی طرف سے قلعداری پر مقرر ہو کر آیا تھا اور انتہائی عسرت و پریشانی میں دن گذار رہا تھا۔ نظام الملک کی اطاعت قبول کر لی اور فوج کے دو سالہ مطالبات بھی نظام الملک کی طرف سے ادا کر دیئے گئے اور مرحمت خاں ایک فوج لے کر قلعہ پر آیا اور اس نے قلعہ کا بندوبست نظام الملک کے فرستادہ حکام کے سپرد کر دیا۔ اس کے بعد ہی برہان پور کا قلعہ ارک بھی کسی لڑائی کے بغیر نظام الملک کے قبضہ میں چلا گیا۔

اللہ کی قدرت کے کھیل بھی بڑے حیرت انگیز ہیں، کہ اب جب کہ سادات بارہہ کی بساط الٹنے والی تھی اس کے ساز و سامان از خود فراہم ہوتے گئے۔ یہی قلعۂ آسیر جو سرحدی قلعوں میں نہایت مستحکم بلند اور دشوار گذار قلعہ ہے، اور جسے فاروقی بادشاہوں (عادل شاہی) کے قبضہ سے نکالنے میں اکبر بادشاہ کو برسوں تک محاصرہ کرنا پڑا تھا اسی طرح قلعۂ ارک برہان پور جو شاہان سلف کا پایۂ تخت رہا تھا اور اس قلعہ کا یہ حال تھا کہ باوجود اس کے کہ جنت مکانی جہانگیر بادشاہ کے عہد میں اس کے اطراف شہر پناہ

نہیں تھی اور شاہ جہاں بادشاہ اپنی شہزادگی کے عالم میں بنگالہ سے شکست کھا کر عبداللہ خاں کی ہمراہی میں دکن پہنچے تھے اور انھوں نے برہان پور پر حملہ کر دیا تھا۔ مگر بڑی سخت لڑائی کے بعد بھی جس میں کافی آدمی زخمی ہوتے تھے اور مارے گئے تھے، اس قلعہ پر قبضہ نہیں ہو سکا تھا۔ یہ دونوں مضبوط و مستحکم قلعے کسی جنگ اور لڑائی کے بغیر بہ آسانی فتح جنگ کے قبضہ میں آگئے۔ ہر ایک نے اس کامیابی کو آئندہ کے لئے نیک فال سمجھا۔

یہ بھی اطلاعات دربار میں پہنچیں کہ برار کا صوبہ دار عوض خاں جو نظام الملک کا قریبی رشتہ دار تھا۔ اصابت رائے اور شمشیر زنی میں بھی اُس کا بڑا شہرہ تھا۔ ایک اچھی فوج کے ہمراہ نظام الملک کے پاس پہنچ گیا ہے۔ برہان پور کے صوبہ دار انور خاں اور مشہور مرہٹہ سردار بنا لکر کے متعلق بھی یہی معلوم ہوا کہ دونوں نظام الملک کے ساتھ ہو گئے ہیں۔ ان کے علاوہ برہان پور کے تمام متصدی اور اطراف کے بعض زمیندار بھی اس کے حامی بن گئے ہیں۔

ان خبروں سے سادات نے پریشان ہوکر دلاور علی خاں اور مہاراؤ بھیم سنگھ کو نظام الملک کے مقابلہ پر جانے کے لئے تاکیدی احکام جاری کئے اور حسین علی خاں رات دن دکن جانے کی تیاریاں کرنے لگا۔ وہ روانگی کے لئے دلاور علی خاں کے پہنچنے کی خبر کا انتظار کر رہا تھا۔ رتن چند فتنہ و فساد سے دامن بچانے کے لئے فتح جنگ سے مصالحت کی کوشش کر رہا تھا کہ دکن کے صوبے فتح جنگ کو واگذار کر دیئے جائیں، کیونکہ وہ اچھی طرح بھانپ چکا تھا کہ یہ فتنہ اس کے لئے وبال جان بن جائے گا، مگر حسین علی خاں کو نظام الملک کی طرف سے قطعًا اطمینان نہیں تھا۔ اس لئے وہ مصالحت پر راضی نہیں تھا۔

کشمیر میں شورش اور ہنگامہ

ہندوؤں کی مخالفت انہی دنوں جب کہ دکن میں ایک نئے انقلاب کا لاوا پک رہا تھا۔ کشمیر سے بھی پریشان کن اطلاعات ملنے لگیں۔ وہاں محبوب خاں عرف عبدالنبی کشمیری کا ایک عرصہ سے ہندوؤں کے ساتھ تنازعہ چلا آرہا تھا۔ اس افراتفری کے زمانہ میں اس نے بھی مسلمانوں کی ایک تنظیم بنالی اور نائب صوبہ دار میر احمد خاں کے پاس جو وہاں کا قاضی بھی تھا ایک وفد لے کر گیا اور ہندوؤں کے متعلق چند تجاویز پیش کیں کہ ان کو گھوڑے کی سواری کرنے امیرانہ پوشاک پہننے، دستار باندھنے ہتھیار رکھنے اور باغوں میں سیر تفریح عیاشیاں کرنے اور خاص خاص دنوں میں غسل کے جشن منانے سے روک دیا جائے۔ اس مسئلہ پر اس نے بڑا اصرار کیا اور اسے قبول کر لینے کے لئے منت سماجت بھی کی، مگر نائب صوبہ دار نے یہی جواب دیا کہ بادشاہ وقت اور دربار کے ارباب شرع پورے ملک میں ذمیوں کے متعلق جو قوانین نافذ کریں گے ہم یہاں کے ہندوؤں کے ساتھ انہی کے مطابق عمل کریں گے۔

ہندوؤں پر حملہ محبوب خاں اس جواب سے ناراض ہو گیا اور مسلمانوں کی ایک جماعت کو لے کر ہندوؤں کی مخالفت پر کمربستہ ہو گیا۔ جہاں کوئی ہندو نظر آجاتا یہ لوگ اس کو ستاتے اور ذلیل کرتے کوچہ و بازار سے ہندوؤں کا گزرنا محال ہو گیا تھا ایک دن کشمیر کا ایک معتبر ہندو رئیس جس کا نام مجلس رائے تھا باغوں کی سیر کے لئے نکلا اور برہمنوں کو کھانا کھلانے کے لئے وہاں کی تیاریاں کیں۔ محبوب خاں کے ساتھ دس بارہ ہزار

مسلمان تھے وہ اچانک وہاں پہنچ گیا اور مارپیٹ شروع کردی، مجلس رائے چند آدمیوں کے ساتھ جان بچاکر بھاگا اور میر احمد خاں کے پاس جاکر پناہ لی۔ محبوب خاں اپنی جماعت کے ساتھ شہر لوٹا اور مجلس رائے کے مکان پر اور ہندوؤں کے محلہ پر حملہ کردیا۔ ہندوؤں کے گھروں میں لوگوں نے آگ لگادی اور لوٹ مار شروع کردی، ہندو مسلمانوں میں سے جس نے بھی انھیں روکنا چاہا، وہ یا تو مارا گیا یا زخمی ہوگیا۔ وہاں سے محبوب خاں کے آدمی میر احمد خاں کے گھر پر آتے اور اس کا بھی محاصرہ کرلیا، اور سنگ باری تیراندازی شروع کردی بندوقوں سے فائر بھی کرنے لگے۔ جو بھی ان کے سامنے آیا، انھوں نے ذلیل اور بے آبرو کردیا۔ بعض کو قتل کردیا۔ اور کافی لوگوں کو زخمی کرکے لوٹ لیا۔ میر احمد خاں ایک دن ایک رات تک گھر سے نکل سکا نہ ان کے شر و فساد کا سد باب کرسکا۔ آخر بڑے حیلہ و تدبیر سے وہ ان کے نرغہ سے جان بچاکر نکل سکا۔

میر احمد خاں کی شکست

دوسرے دن میر احمد خاں نے اپنی فوج جمع کرلی اور میر شاہور خاں بخشی اور دوسرے متصدیوں کے ساتھ محبوب خاں کی طرف گیا وہ لوگ بھی پہلے دن کی طرح اکٹھا ہوکر احمد خاں کے مقابلہ پر نکلے، ان کی ایک جماعت احمد خاں کی فوج کے عقب پر پہنچ گئی اور اس پل کو جلادیا جس سے وہ گذر کر آیا تھا، جس بازار میں احمد خاں داخل ہوگیا تھا اسے ان لوگوں نے دونوں طرف سے آگ لگادی اور کوٹھوں پر سے دیواروں سے احمد خاں کی فوج پر اینٹ پتھر کی بارش کردی اور تیراندازی کرنے لگے، بندوقیں چلانے لگے۔ اس حملہ میں عورتوں اور بچوں نے بھی حملہ کیا جو ہر طرف سے ڈھیلے اور نجاست پھینک رہے تھے۔ آخر دونوں فریقوں میں بڑی سخت لڑائی ہوئی جس میں میر احمد خاں کا بھانجہ سید ولی اور کوتوالی کا نائب ذوالفقار بیگ کافی آدمیوں کے ساتھ مارے گئے۔ اب میر احمد خاں بری طرح گرفتار ہوگیا تھا، نہ پیچھے جاسکتا تھا نہ آگے بڑھ سکتا تھا آخر عاجز آکر بڑی ذلت و خواری کے ساتھ وہ اس خطرہ سے نجات پا سکا۔

اس کامیابی کے بعد محبوب خاں نے ہندوؤں کے محلہ پر دوبارہ حملہ کردیا اور ان کے باقی ماندہ گھروں کو جلادیا اور تباہ کردیا۔ پھر میر احمد خاں کے گھر پر آکر مجلس رائے اور اس کے ساتھیوں کو جو وہاں پناہ گزیں تھے۔ بڑی ذلت کے ساتھ گھسیٹ

کر باہر نکالا ان کے ناک کان کاٹ دیئے اور ان کے ختنہ کر دیئے، بلکہ بعض کے آلۂ تناسل کو ہی سرے سے قطع کر دیا اور ان سب کو قید کر دیا۔

کشمیری مسلمانوں کا فیصلہ

دوسرے دن جامع مسجد میں ایک بڑا جلسہ ہوا جس میں نیابت صوبہ داری سے لوگوں نے میر احمد خاں کو معزول کر دیا اور اس فساد کے بانی محبوب خاں کو دین دار خاں کا خطاب دے کر مسلمانوں کا حاکم منتخب کر لیا کہ دربار سے دوسرے نائب کے آنے تک وہ شرعی احکام نافذ کرے اور دوسرے معاملات سرانجام دیئے۔ پانچ ماہ تک میر احمد خاں بے دخل اور روپوش رہا اور اس عرصہ میں دین دار خاں مستقل حاکم بنا رہا وہ مسجد ہی میں اپنا اجلاس کرتا تھا اور تمام ملکی و مالی معاملات کو سرانجام دیتا تھا۔

محبوب خاں کا قتل

جب دربار میں اس ہنگامہ کی خبر پہنچی تو مومن خاں نجم ثانی کو عنایت اللہ خاں کی طرف سے نائب صوبہ دار بنا کر روانہ کیا گیا۔ امانت خاں خوافی کے بیٹے کاظم خاں کو جو کشمیر کا دیوان تھا اسی قضیہ میں تبدیل کر دیا گیا۔ اور کشمیر کے بڑے بڑے منصدیوں پر بھی عتاب نازل ہوا۔ آخر شوال میں مومن خاں کشمیر سے تین کوس پر جا کر ٹھیر گیا۔ محبوب خاں اپنی حرکتوں پر نادم تھا۔ خواجہ عبداللہ نامی کشمیر میں متعینہ امیر تھا اور وہاں کے مشہور آدمیوں میں سے تھا، محبوب خاں کے اس سے اچھے تعلقات و روابط تھے۔ چنانچہ وہ اس کے پاس گیا اور تجویز رکھی کہ خواجہ کی سرکردگی میں وہ علماء فضلاء کی جماعت کے ساتھ نئے نائب صوبہ دار کے استقبال کے لئے جانا چاہتا ہے اور اس کو پورے اعزاز کے ساتھ شہر میں لانا چاہتا ہے۔ چونکہ اس سرزمین یعنی کشمیر کے باشندوں کی سرشت ہی میں شرارت اور غداری خمیر کر دی گئی ہے۔ پھر منتقم حقیقی نے یہ مقدر کر دیا تھا کہ اُس نے ہندوں اور مسلمانوں پر جو ستم ڈھائے تھے ان کا بدلہ لیا جائے خواجہ عبداللہ نے اسے مشورہ دیا کہ پہلے تم میر شاہور خاں بخشی کے پاس جا کر عذر معذرت کر لو اس کے بعد ہم سب مل کر مومن خاں کو لانے کے لئے جائیں گے۔ آخر محبوب خاں خواجہ عبداللہ کے مشورہ پر محلہ چتبیلی اور کھکراں کے آدمیوں کو بلا کر پہلے ہی سے وہاں چھپا دیا تھا اور محبوب خاں کی آمد کا منتظر تھا۔ جیسے وہ محفل سے اُٹھ کر گیا۔ یہ لوگ ہر طرف

سے نکل آتے اور محبوب خاں پر حملہ کر دیا ۔ پہلے تو انھوں نے اس کے دونوں بیٹوں کو جو ہمیشہ اس کے آگے آگے .... مولو د پڑھتے ہوتے چلتے تھے زمین پر گرا دیا اور اس کے سامنے ان کے پیٹ چاک کر دیتے پھر اس کو بڑے عذاب سے مار ڈالا ؎

ہر کسی آنچہ می کند یابد
بد ونیکی کہ می کند یابد

مشتعل عوام اور بلوۂ عام

محبوب خاں کے قتل پر بڑا اشتعال پیدا ہو گیا اور دوسرے دن لوگ اپنے رہنما کے خون کا بدلہ لینے کے لئے جمع ہو گئے اور انھوں نے چر بیلیوں کے محلہ پر جو شیعہ تھے حملہ کر دیا اور حسن آباد جا کر قتل و غارت گری شروع کر دی اور ان کے گھروں میں آگ لگا دی ، نو دن تک لڑائی ہوتی رہی ۔ آخر چر بیلیوں کو شکست ہوئی اور اس محلہ کے دو تین ہزار آدمی مع عورتوں اور بچوں کے تہ تیغ کر دیئے گئے ۔ ان میں مغل مسافروں کی ایک جماعت بھی شامل تھی جو وہاں ٹھیرے ہوئے تھے دو تین دن تک قتل و خون کی گرم بازاری رہی اس عرصہ میں جس طرح خوں ریزی ہوئی اور لوگوں کو جانی مالی نقصان برداشت کرنا پڑا ، اور عزت و آبرو لوٹی گئی اس کا ذکر ہی نہ کرنا بہتر ہے ۔ مشتعل مجمع یہاں سے فارغ ہو کر قاضی اور بخشی کے گھر پر پہنچا ۔ میر شاہور خاں نے لاحاصل ہاتھ پیر مارے پھر ایسے مقام پر جہاں یہ لوگ نہیں پہنچ سکتے تھے بھاگ کر چھپ گیا ۔ قاضی بھی بھیس بدل کر بھاگ گیا ۔ اس کے گھر کو مسمار کر کے ایک ایک اینٹ لوگ اٹھا کر لے گئے ۔ مومن خان نے شہر میں داخل ہونے کے بعد میر احمد خاں کے لئے سامان سفر تیار کر دیا اور مدرقہ دے کر قصبۂ ایمن آباد بھجوا دیا ، جہاں اس کا بیٹا دفن تھا اور کشمیر کے آدمیوں کے ساتھ طوعاً و کرہاً صلح و مدارات پر عمل کر کے وہاں کا بندوبست سنبھال لیا ۔

دکن میں نظام الملک کی کامیابیاں

آخر شعبان میں دونوں بھائیوں کو دکن کی صورت حال کے متعلق معلوم ہوا کہ سید دلاور علی خاں وسط شعبان میں برہان پور پہنچ گیا اور فتح جنگ عوض خاں اور دوسرے سرداروں اور جمع داروں کی جمعیت اور توپ خانہ لے کر برہان پور سے سترہ اٹھارہ کوس پر دلاور علی خاں کے مقابلہ پر آ گیا وہاں ایک سخت لڑائی ہوئی جس میں دلاور علی خاں اور اس کے تمام نامی گرامی ہمراہی مارے گئے اس واقعہ کی تفصیلات ہم درج کرتے ہیں۔

عالم علی خاں کی تیاریاں

حیدرآباد میں جب عالم علی خاں کو نظام الملک کے نربدا عبور کر جانے کی اطلاع ملی تو وہ فوج جمع کرنے میں مصروف ہو گیا۔ انور خاں سید عبداللہ خاں کا تربیت یافتہ آدمی تھا حسین علی خاں جب دکن آیا تھا تو اسے بھی اپنے ساتھ لے آیا تھا اور یہاں اسے اچھے عہدوں پر مامور کر دیا تھا آخر وہ برہان پور کی صوبہ داری پر مامور ہو گیا تھا۔ انہی دنوں وہ برہان پور سے عالم علی خاں کے پاس آ گیا تھا اور اس کا مشیر خاص اور مددگار بن گیا تھا۔ اجیا بناکر مرہٹہ اس کا حامی اور رفیق تھا۔ جس وقت حسین علی خاں امیر الامراء دہلی کو جاتے ہوئے برہان پور پہنچا تھا تو اس نے راجا ساہو کے اشارہ پر بناکر کو قید کر لیا تھا اور اپنے ساتھ دہلی لے کر چلا گیا تھا، وہاں پہنچنے کے بعد انور خاں نے کوشش کر کے اسے رہا کرا دیا تھا۔ عالم علی خاں نے انور خاں اور بناکر دونوں کو برہان پور کا بندوبست کرنے اور فیروز جنگ کا راستہ روکنے کے

لئے روانہ کر دیا مگر خس و خاشاک بھلا کیا سیلاب کا راستہ روک سکتے ہیں جب انور خاں برہان پور سے دو منزل پر پہنچا تو فتح جنگ کی فوج سے ایسا ہراساں ہوا کہ مقابلہ پر آنے کی ہمت نہیں پڑی اور آخر رات میں چھپ کر بھاگا اور برہان پور کے قلعہ میں پناہ لے لی۔ وہاں پہنچنے کے بعد اُس نے اپنے بھائی انوار اللہ خاں کو ساتھ لے کر جو برہان پور کا دیوان تھا مدافعت کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اسی اثنار میں فتح جنگ نربدا عبور کرکے قلعہ آسیر پہنچ چکا تھا اور وہاں کے ہزاریوں نے اوائل رجب میں قلعہ نظام الملک کے سپرد کر دیا تھا۔ اس واقعہ کے بعد ہی نظام الملک فتح جنگ کا ہراول محمد غیاث خاں شہر برہان پور کے قریب لعل باغ پر پہنچ گیا۔ اس وقت رنبیا بتاکر جو انور خاں کا رفیق اور میر شمشیر تھا محمد غیاث خاں کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور نظام الملک سے مل گیا۔ اسی دوران میں شہر کے صراف اور تاجر اور دوسرے سربراہ لوگوں نے انور خاں سے صاف صاف کہدیا کہ اگر محصور ہونے کے بعد فتح جنگ کی فوج غالب آگئی تو شہر تاخت و تاراج ہو جائے گا۔ اس لئے پہلی بات تو یہ ہے کہ نظام الملک سے صلح کر لی جائے

انور خاں بد حواس ہو گیا تھا مگر زبانی طور پر اپنی بہادری کی شیخی بگھارتا رہا اور جان پر کھیل جانے کا اعلان کرکے مقابلہ کے لئے نکلنا چاہا مگر برہان پور کے متعینہ افسروں ، عبدالرشید، ظفرمند خاں اور شہر کے مشہور مشائخ شیخ محمد صادق اور شاہ مکین نے درمیان میں پڑکر اس کو سمجھایا اور اس کی اور اس کے بھائی کی عزت آبرو اور جان و مال کی امان کی ذمہ داری لی آخر وہ شہر سے باہر نکل آیا اور محمد غیاث خاں کے توسط سے فتح جنگ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور اس کی جان و مال اور آبرو محفوظ ہو گئی اس کو نظر بند کی حیثیت سے مجرا تسلیمات کے لئے حاضر ہونے اور اجلاس میں بیٹھنے کی اجازت مل گئی۔

فتح جنگ نظام الملک کی کم آزاری اور رعیت پروری کا بڑا شہرہ تھا۔ چنانچہ اُس نے تمام لوگوں کو تسلی دلا سا دے کر مطمئن کر دیا اور اپنے حکام کو تاکید کر دی کہ رعیت میں سے کسی پر سختی اور زیادتی نہ کریں۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا میرا ارادہ صرف یہ ہے کہ بادشاہ اسلام کو رہائی مل جائے اور وہ جمعہ کی نماز کے لئے جا سکے اور شرعی احکام جاری کر سکے۔ اس مقصد کے لئے وہ تمام مسلمانوں کو اعانت کرنے کی ترغیب دیتا تھا۔ انہی دنوں سیف الدین علی خاں کی والدہ اورنگ آباد سے برہان پور پہنچی تھی وہ اپنے بیٹے کے پاس مراد آباد

جانا چاہتی تھی۔ سیف الدین علی خاں کے چھوٹے بچے اس کے ساتھ تھے، وہ ضیف خاتون اس قدر پریشان ہو گئی کہ اس نے جو کچھ بھی نقد و جنس اور جواہرات ہمراہ تھے نظام الملک کے پاس بھیجنے کا ارادہ کر لیا تاکہ ناموس و آبرو محفوظ رہے۔ مگر فتح جنگ نظام الملک باحمیت آدمی تھا۔ اس نے پاس اس وقت خزانہ کی بہت کمی تھی اور اس بڑی مہم کے لئے کافی رقم کی ضرورت تھی مگر اس نے قطعاً طمع اور لالچ سے کام نہیں لیا، اور اس سادات بارہہ کی اس خاتون سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ بلکہ اس کے فرستادہ شخص محمد علی کو خلعت وغیرہ عطا کی اور بچوں کے لئے پھل بھجوائے۔ اور دو سو سواروں کا بدرقہ ساتھ کر کے اس خاتون کو نربدا عبور کرا دیا۔

دو طرفہ حملہ کا منصوبہ

اس سے پہلے ہم لکھ چکے ہیں کہ امیر الامراء کا بخشی دلاور علی خاں چھ ہزار کی فوج لے کر بوندی آیا ہوا تھا اور اس نے وہاں کے مہاراجہ پر فوج کشی کی تھی۔ اس نے اس عرصہ میں بارہ تیرہ ہزار سوار کا لشکر فراہم کر لیا تھا اور اس کے متعلق بڑی افواہیں گرم تھیں، وہ باندیا کے گھاٹ پر پہنچ گیا اور نظام الملک اس کے مقابلہ پر پہنچ گیا۔ حیدر آباد میں عالم علی خاں بھی تیاریوں میں مصروف تھا۔ اس نے نئی بھرتی کی اور مرہٹوں کی فوج ترتیب دی اور اطراف کے تمام فوجداروں کو جمع کر لیا، اس کا منصوبہ یہ تھا کہ وہ اس بھاری لشکر کو لے کر حیدر آباد سے نکلے اور دوسری طرف سے دلاور علی خاں پہنچ جائے۔ اس طرح نظام الملک کو درمیان میں گھیر لیا جائے۔ چنانچہ اس نے تمام جمع داروں کو تین چار اور پانچ ہزاری منصب علم نشان نوبت اور ہاتھی عطا کئے اور لشکر کے چھوٹے بڑے ہر ایک کی دل دہی کر کے ان کو اپنی حمایت پر آمادہ کیا۔ مگر تقدیر کے سامنے یہ تدبیریں ناکام رہیں۔

عالم علی خاں کا خط

عالم علی خاں نے اپنے چچا (امیر الامراء) کو جو خط لکھا تھا میں نے (خافی خاں مولف) اس کی نقل دیکھی ہے اس خط کا مضمون تھا۔

تقریباً سات ہزار قدیم سوار اور فوج داروں کے اور کمک کے دو تین ہزار سوار۔ جو حیدر آباد اور اس کے اضلاع میں متعین ہیں درج رجسٹر ہو چکے ہیں اور نئے بھرتی شدہ جمعداروں کے چھ ہزار سے زائد سوار ہیں ان کے علاوہ راجہ ساہو اور مرہٹہ سواروں کی امدادی فوجیں جو جان و مال کے ساتھ آپ کے وفادار ہیں پندرہ سولہ ہزار سے کم نہیں ہوں گی۔ اس طرح

لشکر کی مجموعی تعداد تیس ہزار سوار سے زیادہ ہوجاتی ہے ۔ میں اس لشکر کو لے کر اوائل شعبان تک اورنگ آباد سے نکل رہا ہوں ۔ اس خط میں اس نے دلیری و بہادری کی بڑی بڑی باتیں تحریر کی تھیں اور حسین علی خاں کو اطمینان دلایا تھا کہ نظام الملک کا خاطر خواہ بندوبست ہوجائے گا۔

دلاور علی خاں کے خلاف فوج کشی

ناندیر کا معزول صوبہ دار امین خاں حسین علی خاں سے بہت زیادہ ناراض تھا اور اطاعت و رفاقت پر آمادہ نہیں تھا۔ عالم علی خاں نے اسے نقد ایک لاکھ روپیہ دو ہاتھی گھوڑے اور جواہرات دے کر اپنے ساتھ شامل کرلیا۔ غرض عالم علی خاں ان تیاریوں کے ساتھ حیدرآباد سے باہر نکلا۔ نظام الملک کو جب یہ خبر ملی تو اس نے لعل باغ برہان پور کی مغربی سمت سے کوچ کردیا اور تاپتی دریا کو عبور کرکے شرقی رخ پر لشکرگاہ قائم کردی۔ مگر اسی اثناء میں دلاور علی خاں کے کوچ کی خبر ملی اور نظام الملک نے پہلے دلاور علی خاں کی فوج سے نمٹ لینا ضروری جانا اور تمام متعلقین کو آسیر کے قلعہ میں بھجوا دیا اور محمد غیاث خاں شیخ محمد شاہ فاروقی اور دوسرے جنگجو افسروں کی کمان میں توپ خانہ بھیج دیا اور خود بقیہ آراستہ لشکر کے ساتھ دشمن کے مقابلہ پر روانہ ہوا اور رتن پور سے دو تین کوس پر دلاور علی خاں کے لشکر سے دو کوس کے فاصلہ پر خیمہ لگادیا۔ رتن پور برہان پور سے سولہ کوس پر راجہ کرانی کا تعلقہ تھا۔

نظام الملک کے لشکر کی ترتیب

وہ نیک نفس سپہ سالار مسلمانوں کی خوں ریزی کو سخت ناپسند کرتا تھا۔ اس لئے اس نے پہلے اتمام حجت کے لئے نصیحت آمیز پیغام بھجوائے اور قتال و جدال سے دلاور علی خاں کو روکنے کی کوشش کی مگر اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوا آخر تیرہ ماہ شعبان سن گیارہ سو بتیس ہجری (۱۱۳۲ھ) مطابق آخر ماہ خورداد (ماہ الہی) دونوں فوجیں مقابلہ پر آگئیں . . .

نظام الملک کے ہراول پر اس کا عقیدت مند کمان دار محمد غیاث خاں ''مامور تھا'' اس کے ساتھ شیخ محمد شاہ اور توپ خانہ کا داروغہ شیخ نوراللہ فاروقی تھے یہ دونوں بھائی درجہ اول کے جمعدار تھے اور بہادری میں ان کا کافی شہرہ تھا۔ غیاث خاں ہراول نے چند ہزار پیادوں اور توپ خانہ کے ساتھ پیش قدمی کی۔ نظام الملک کے میمنہ پر محمد عوض خاں بہادر

سید جمال اللہ خاں خلف نامدار اور انوار خاں، حکیم محمد مرتضیٰ اور دوسرے بہادر افسر متعین تھے۔ میسرہ کی کمان مرحمت خاں بہادر فیل جنگ کے سپرد تھی۔ فتح جنگ نظام الملک کا چچا عبدالرحیم خاں یلتمش پر مقرر ہوا قادر داد خاں اوشانی بائیں بازو کے حاشیہ پر اور غر بیگ خاں عارسی دائیں بازو کے حاشیہ پر، قول پر سعد اللہ خاں کا پوتا محمد متوسل خاں اسمٰعیل خاں خویشگی۔ رستم بیگ، جان نثار خاں کے بیٹے کامیاب خاں اور داراب خاں، سعدالدین خاں اور میر احسن خاں بخشی متعین کئے گئے۔ شہر برہان پور کی حفاظت پر رعایت خاں کو چھوڑ دیا گیا تھا۔ چنداول (عقب) پر رستم بیگ خاں مامور تھا۔ فتح اللہ خاں خوشی راؤ رنبھا نبالکر پانچ سو سواروں کے ساتھ گشت پر مقرر کئے گئے۔

دلاور علی خاں کی فوجی طاقت

دلاور علی خاں ہمیشہ عیش و عشرت میں معروف رہتا تھا اور غرور و نخوت کا نشہ الگ چڑھا ہوا تھا جس دن نظام الملک کی فوج نے پیش قدمی کی وہ محفل عیش جمائے بیٹھا تھا۔ جب حملہ کی اطلاع ملی تو غرور و تکبر کے ساتھ بڑ ہانکتا ہوا اٹھا اور اپنی فوج کو ترتیب دینے لگا۔ دلاور علی خاں کی فوج کی تعداد کے متعلق مختلف روایات سننے میں آئی ہیں، مگر میری تحقیق کے مطابق جب وہ امیر الامراء حسین علی خاں کے پاس سے روانہ ہوا ہے تو کافی لاؤ لشکر کے ساتھ وہ چلا تھا چونکہ وہ خود فوج کا بخشی تھا اور جمعداروں کے حالات اور ان کی کارکردگی اور بہادری سے بخوبی واقف تھا اسی لئے اس کو ایک عمدہ فوج کی ترتیب میں بڑی آسانی تھی۔ چنانچہ اس نے سترہ اٹھارہ ہزار سواروں میں سے چھ ہزار منتخب اور تجربہ کار سوار منتخب کئے جن کے گھوڑے بھی عمدہ تھے اور ہتھیار بھی اچھے تھے ان میں زیادہ تر تو سادات بارہہ کے آدمی تھے اور ان کے علاوہ دلیر پٹھانوں کی جمعیت بھی تھی ان سواروں میں سے ہر ایک خود کو دس بیس سوار سے کم نہیں سمجھتا تھا دلاور علی خاں کے رفیق و مددگار سید شمشیر خاں اور بابر خاں تھے۔ شمشیر خاں امیر الامراء اور عبداللہ خاں کا چچا زاد بھائی تھا بوندی پہنچنے کے بعد اس کا مقابلہ بدھ سنگھ ہاڑہ سے ہوا اس وقت اس نے بعض مشہور زمینداروں اور جمعداروں کو بھی بھرتی کر لیا۔ اس کے ساتھ راجہ بھیم کی فوج بھی تھی۔ راجہ بھیم بدھ سنگھ کے وطن کا مدعی تھا اور یہ ساری لشکر کشی اس کی امداد رفاقت کے لئے تھی۔ راجہ گج سنگھ نرودری بھی سادات بارہہ کے ساتھ ہو گیا تھا دونوں

راجاؤں کی فوج دو تین ہزار سوار سے زیادہ تھی۔ دونوں سادات بارہہ کے ساتھ مل کر بدھ سنگھ کو ختم کرنے اور بوندی کو تاخت و تاراج کرنے کے لئے کوشاں تھے۔

راجپوتوں اور پٹھانوں کی فوج

فتح جنگ نظام الملک کے مقابلہ پر بھی دونوں راجہ اپنی فوجیں لے کر جو بہادر اور بکتر پوش راجپوتوں پر مشتمل تھیں اور جو تمام ہتھیاروں سے مسلح تھے۔ سادات بارہہ کے ساتھ آگئے تھے ان کے علاوہ دلاور علی خاں نے مالوے میں دوست محمد روہیلہ کو جو بڑا نامی گرامی پٹھان سردار اور تمن دار تھا اور اس کے پاس ساڑھے تین ہزار جنگجو سوار اور توپ خانہ بھی تھا۔ ملازم رکھ لیا تھا۔ اس طرح سادات بارہہ کے لشکر کی تعداد تیرہ چودہ ہزار سے سترہ اٹھارہ ہزار سواروں تک پہنچ جاتی تھی۔ لیکن یہ سب نہایت منتخب آزمودہ کار سوار تھے۔ اور ان کے مقابلہ میں جو فوج تھی اُس میں اچھے بُرے ہر طرح کے سواروں کی بھرتی تھی، اس اعتبار سے سترہ اٹھارہ ہزار کی یہ منتخب فوج تیس ہزار سوار کے مساوی سمجھی جا سکتی تھی۔

نظام الملک کی فوج خطرہ میں

نظام الملک کے مقابلہ میں ایک سہولت دلاور علی خاں کو یہ مل گئی تھی کہ اس کی فوج ایک پشتہ پر قابض ہوگئی تھی اور اُس نے اپنے بہیر (بار برداری) کو اسی پشتہ کے نیچے ٹھہرا دیا تھا۔ اس کی فوج کے ہراول پر سید شیر خاں اور بابر خاں دو تین ہزار سواروں اور سات آٹھ ہزار پیادوں کے ساتھ مامور تھے۔ دائیں بائیں اور چنداول پر راجپوت اور پٹھان تھے۔ اس ترتیب کے ساتھ تمام فیل سوار سرداروں کو لے کر دلاور علی خاں بڑے لاف و گزاف اور طمطراق کے ساتھ معرکۂ کارزار میں داخل ہوا اس شخص کا تو یہ حال تھا اس کے برعکس فتح جنگ نظام الملک بارگاہ الٰہی میں بڑے عجز و نیاز کے ساتھ دست بدعا تھا، وہ بڑے وقار کے ساتھ ہاتھی پر سوار ہو کر نکلا۔ نظام الملک کے توپ خانہ سے ایک توپ سر ہوئی اور میدان جنگ کا یہ پہلا گولہ مقابلہ کا پیام لے کر دشمن کے لشکر میں جا کر پھٹا اور لڑائی چھڑ گئی۔ ایک طرف سے عوض خاں بہادر دوسری طرف سے محمد غیاث خاں آگے بڑھے مگر ان فوجوں کے درمیان زمین کا ایک دشوار گذار ٹکڑا حائل ہوگیا تھا۔ اس لئے عوض خاں کی فوج خطرے میں آگئی۔ سادات بارہہ راجپوت اور پٹھان سرداروں نے بڑی تیزی اور دلیری سے حملہ کر دیا اور مقابل فوج کے قدم اکھاڑ دیئے۔ گولہ باری کے دھماکوں اور خود نمائی جوانوں کے ہاؤ ہو کے غل سے پریشان ہو کر عوض خاں

کا ہاتھی پلٹ گیا۔ اور بہت سے آدمی فرار ہو گئے۔ مگر ہاتھی کے پلٹ جانے اور ہمراہیوں کے فرار ہو جانے کے باوجود عوض خاں بڑی بہادری سے لڑتا رہا۔ اس معرکہ میں وہ زخمی ہو گیا تھا۔ مگر اس نے سرداری کے اختیار و تدبیر کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ دو دفعہ تو بس موت اُسے چھو کر نکل گئی۔ وہ برابر اس شکست کی تلافی کے لئے کوشش کرتا رہا۔

خوں ریز جنگ بارہہ کے سردار خاص طور سے سید شیر خاں اور بابر خاں اس گمان میں تھے کہ فتح جنگ کی فوج کو ہزیمت ہو چکی ہے۔ خوش خوش تعاقب کے لئے آگے بڑھے مگر ان کو خلاف توقع شدید مقاومت سے دوچار ہونا پڑا۔ قادر خاں اوشانی کے ہمراہی بھی دشمن کے دباؤ سے بھاگ کھڑے ہوتے تھے اور وہ بھی زخمی ہو گیا تھا مگر وہ برابر مقابلہ پر ڈٹا ہوا تھا۔ عزیز بیگ خاں بھی اپنے بھائی کے ساتھ زخمی ہو گیا تھا۔ عوض خاں کا ایک جمعدار عظمت خاں پیدل ہو کر بڑی جانفشانی سے لڑ رہا تھا اور برابر دشمن پر تیر باری اور گولہ باری کر رہا تھا۔ محمد متوسل خاں بہادر بھی ان کی مدد کے لئے پہنچ گیا تھا۔ غرض ان تمام سرداروں نے عوض خاں بہادر کے ساتھ مل کر تعاقب پر آنے والے سرداروں پر حملہ کر دیا اور ان پر تیروں کی زد پر لے لیا۔ اس وقت ایسا سخت معرکہ پڑا کہ ؎

زبرج کماں طائراں خدنگ　　　بریدند براد ی مردان جنگ
نہاں گشت از تیر فرق مدد　　　بداں ساں کہ در زیر برگش کدو

نظام الملک کی فتح بہرحال بڑی سخت لڑائی کے بعد کہ بارہا دونوں فوجیں غالب و مغلوب ہوتی رہیں۔ دشمن کے کمان دار شیر خاں اور بابر خاں جو ہراول پر مامور تھے مارے گئے۔ اسی ہنگامۂ دار و گیر میں دلاور علی خاں نے دیکھا ... کہ نظام الملک کے قول (قلب لشکر) پر فوجوں کی تعداد کم رہ گئی۔ یہ ایک اچھا موقع تھا۔ چنانچہ وہ ہاتھی پر سوار جرأت کے ساتھ قلب کی طرف بڑھا، مگر موت اُسے دامن کشاں اس طرف لے آئی تھی۔ نظام الملک کے کسی برقنداز نے ایسا تاک کر نشانہ لیا کہ بندوق کی گولی لگتے ہی وہ اسی جگہ ڈھیر ہو گیا۔ دلاور علی خاں کے گرتے ہی بارہہ کی فوج اور دوست محمد خاں افغان روہیلہ زمیندار بھاگ کھڑے ہوتے۔ البتہ راجہ بھیم اور راجہ گج سنگھ اپنے راجپوتوں کے ساتھ برابر مقابلہ کرتے رہے اور ہندوستان کے بہادروں کی رسم کے مطابق سواریوں

سے اُتر کر پیدل ہو گئے اور ڈھال تلوار سنبھال کر حملہ کرنے لگے۔ ان کے حملوں سے نظام الملک کے ہراول کی پیش قدمی رُک گئی۔ مگر اسی وقت مرحمت خاں بہادر نے جو بائیں بازو پر تھا ان راجاؤں پر بڑی بہادری سے حملہ کیا۔ دونوں راجاؤں اور راجپوتوں نے بلا شبہ اس وقت بڑی بہادری اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا اور لڑتے لڑتے مر گئے۔ مگر قدم پیچھے نہیں ہٹایا۔ ان کے ساتھ تقریباً چار سو راجپوت اور بارہہ کے جمعدار مارے گئے۔ اس معرکہ میں دشمن کے چار پانچ ہزار سوار اور پیادے تلوار کے گھاٹ اتار دیے گئے۔ اور نظام الملک بہادر فتح جنگ کے لشکر میں فتح و شادمانی کا نقارہ بجنے لگا۔ اس لڑائی میں نظام الملک کے لشکر سے صرف بدخشی خاں اور عوض خاں بہادر عرف عبداللہ بیگ کا ایک ہمراہی دلیر خاں چند غیر معروف اشخاص کے ساتھ کام آ گئے۔ ان کے علاوہ کسی مشہور آدمی کو کوئی ضرر نہیں پہنچا۔ البتہ عوض خاں بہادر اور محمد غیاث خاں چند بہادروں کے ساتھ زخمی ہو گئے تھے۔ ان کے زخم جلد ہی ٹھیک ہو گئے، اور وہ انعام واکرام سے نوازے گئے۔ نظام الملک نے ان کو اضافہ اور ترقی دی اور ہاتھی گھوڑے مرحمت فرمائے۔ تاخت و تاراج کرنے والوں کو لوٹ میں کافی مال غنیمت ملا۔ صرف توپ خانہ اور ہاتھی سرکار میں ضبط کر لئے گئے اور جو بہادر ہم رکاب تھے۔ ان کو تقسیم کر دیے گئے۔ باقی جس کے ہاتھ بھی جو آ گیا تھا وہ اسے معاف کر دیا گیا۔

فیل مست و بے زنجیر

جب رات ہو گئی اور لشکر نے جگہ جگہ پڑاؤ ڈال دیا۔ رات کے پہلے حصہ میں لشکر کے ایک جانب بڑا شور و غل اور ہنگامہ ہو گیا اور لوگ گھبرا کر ادھر اُدھر بھاگنے لگے۔ ایک گھنٹہ تک پتہ نہیں چل سکا کہ آخر یہ کیا ہنگامہ ہے۔ آخر میں معلوم ہوا کہ غنیمت میں آنے والے ہاتھیوں میں سے ایک مست ہاتھی زنجیر تڑا کر نکل بھاگا ہے۔ اور ہر طرف تباہی مچاتے ہوئے پھر رہا ہے۔ اسی کے سبب یہ ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ اسی اثنا میں وہ مست ہاتھی محمد متوسل خاں کے خیمہ کے سامنے نمودار ہوا۔ محمد متوسل خاں تیر کمان لے کر خیمہ سے نکلا اور کمان میں تیر جوڑا اور کان تک چلّہ کھینچ کر جو چھوڑا تو وہ تیر ہاتھی کی پیشانی میں پر تک دھنس گیا۔ ہاتھی خوف زدہ ہو کر وہاں سے لوٹ گیا۔ اب فتح جنگ کے فیل بان پہنچ گئے تھے۔ انھوں نے دام اور کمند ڈال کر اس کو گرفتار کر لیا۔

چالیس کوس کی یلغار

اس معرکہ کے دوسرے دن خبر ملی کہ عالم علی خاں برہان پور سے سترہ کوس پر سہرتالہ کے تالاب پر پہنچ گیا ہے۔ فتح جنگ نے اس خبر کو سُن کر محمد متوسل خاں کو تین ہزار سواروں کے ساتھ رعیت کی مدد اور شہر کی حفاظت کے لئے بھیج دیا۔ کیونکہ لشکر والوں میں سے اکثر کے خاندان برہان پور میں ٹھیرے ہوئے تھے۔ متوسل خاں نے چالیس کوس کا فاصلہ ایک دن میں طے کیا اور یلغار کرتے ہوئے جریدہ برہان پور پہنچ گیا اور اس نے لوگوں کو مطمئن کر کے شہر اور اس کے اطراف کی آبادیوں کا بندوبست واستحکام کرلیا۔ اتنی جلدی اس فوج کے برہان پور پہنچنے پر عالم علی خاں کو بڑی حیرت ہوئی اور وہ سہرتالہ سے آگے نہیں بڑھا وہیں ٹھیر گیا۔

دربار شاہی کے حالات

سادات بارہہ کی پریشانی اب ہم دربار کا حال لکھتے ہیں جب دلاور علی خاں کے مارے جانے کی خبر پہنچی تو دونوں بھائی سخت پریشان ہوئے اور دکن جانے کے لئے ہر روز نئی نئی تجویزیں سوچنے لگے۔ کبھی یہ سوچتے کہ بادشاہ کو لے کر دونوں بھائی دکن جائیں کبھی یہ مصلحت قرار پاتی کہ صرف حسین علی خاں بادشاہ کی رکاب میں جائے اور سید عبداللہ خاں شاہجہاں آباد چلا جائے۔ پھر رائے بدل جاتی کہ قطب الملک سید عبداللہ خاں بادشاہ کو لے کر شاہجہاں آباد چلا جائے اور حسین علی خاں امرا کے ساتھ دکن کی طرف کوچ کرے۔ کبھی یہ رائے ہوتی کہ فتح جنگ نظام الملک سے مراسلت کرکے اس سے مصالحت کرلی جائے اور دکن کی صوبہ داری اس کے تفویض کردی جائے اور بعد میں قبائل کو ہر طرف سے جمع کرکے اس شکست کی تلافی کی صورت نکالی جائے۔ غرض، کسی بات پر قرار نہیں تھا۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کریں اور کہاں جائیں۔ ہر ہفتہ اور ہر مہینہ بادشاہ اور دونوں بھائیوں کا پیش خانہ مختلف سمتوں پر لگایا جاتا تھا اور اٹھالیا جاتا تھا۔ اعتماد الدولہ کی بہادری اور عقل و رائے سے بھی ان کو بڑا اندیشہ تھا اس کو ساتھ لے جانے یا چھوڑ دینے کے متعلق بھی بڑا تذبذب تھا۔ بلکہ کبھی کبھی دونوں بھائیوں کے محمد امین خاں چین بہادر کے ساتھ اختلافات کا شہرہ بھی ہوتا رہتا تھا۔

دہلی میں زبردست زلزلہ انھیں دنوں بائیس ۲۲ ماہ رمضان سن گیارہ سو بتیس ہجری (۱۱۳۲ھ) کو جمعہ کے دن زوال کے بعد جب کہ دارالخلافہ

کی اکثر مساجد میں خطبہ پڑھا جا رہا تھا اور نماز ہو رہی تھی بڑا زبردست زلزلہ آیا زمین سے گڑگڑاہٹ کی خوفناک آواز آنے لگی در و دیوار ہلنے لگے اور چھت کی کڑیاں بولنے لگیں۔ لوگ خوف زدہ ہو گئے۔ اس دن اور رات میں صبح ہونے تک نو دس مرتبہ زمین حرکت میں آئی اور عمارتیں ٹوٹنے لگیں۔

شاہجہاں آباد اور پرانی دہلی میں مشہور ہو گیا تھا کہ زلزلہ سے شہر پناہ اور بہت سی عمارتیں گر گئی ہیں اور بے شمار آدمی ہلاک ہو گئے ہیں میں خود تحقیق حال کے لئے سوار ہو کر گیا تھا اور میں نے شمال میں کابلی دروازہ سے۔ جنوب میں لعل دروازہ تک راستوں اور بازاروں کا معائنہ کیا۔ چند ایک مقامات پر عمارتوں کو نقصان پہنچا تھا اور فصیل میں رخنے پڑ گئے تھے۔ شہر کے دو دروازوں کو بھی نقصان پہنچا تھا، اور مسجد فتح پوری کے تین کنگرے گر گئے تھے صرف دس بارہ آدمی ہلاک اور چند ایک زخمی ہوئے تھے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ ایک ماہ دس دن تک شبانہ روز چار پانچ دفعہ زمین سے گڑگڑاہٹ ہوتی رہی اور زلزلہ کا جھٹکا ہوتا تھا۔ لوگ اس قدر وحشت زدہ تھے کہ کوئی چھت کے نیچے نہیں سوتا تھا۔ آخر زلزلہ کے دھماکوں میں کمی ہو گئی۔ مگر چار پانچ ماہ تک اس کے اثرات باقی رہے کبھی کبھی زمین اور عمارتیں لرزنے لگ جاتی تھیں۔ جب بادشاہ سلامت شہر میں داخل ہوتے تو ان کی آمد کی یہ برکت تھی کہ زلزلہ کے اثرات بالکل ختم ہو گئے۔ بادشاہ کی آمد کا ذکر ہم آگے کریں گے۔

اکبرآباد میں ہندوگردی

جس جمعہ کو دہلی میں زلزلہ آیا تھا اسی جمعہ کو مستقر الخلافہ اکبرآباد میں ایک افسوس ناک واقعہ پیش آیا۔ وہاں ایک ہندو عورت کو ایک مسلمان سے محبت ہو گئی تھی۔ اس کی ہدایت و رہنمائی میں اس عورت نے بہ رغبت و رضامندی اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس کے عزیز و اقارب نے استغاثہ دائر کر دیا۔ رتن چند نے اس مقدمہ کو غلط رنگ میں سید عبداللہ خاں کے سامنے پیش کیا اور اس کی اجازت سے یا اس کی بلا اجازت کوتوال کو حکم دے دیا کہ اس نومسلم عورت کو نہایت ذلت کے ساتھ شہر میں تشہیر کرائیں اور اس مسلمان کو بھی جو اس عورت سے عقد کرنا چاہتا تھا۔ بے آبرو کر کے شہر اور لشکر سے خارج کر دیں۔ جس وقت اس نومسلم خاتون کو گشت کراتے ہوئے ایک مسجد کے پاس سے لے گئے۔ جہاں مسلمان نماز پڑھ رہے تھے تو مسلمانوں نے ارادہ کیا کہ ہجوم کر کے اس مجبور اور ستم رسیدہ کو ظالم

کے ہاتھ سے چھڑالیں، مگر گردش زمانہ نے وہ غیرت وحمیت رہنے نہیں دی تھی اور اس وقت کافروں کا بہت بڑا مجمع ہمراہ تھا۔ مسلمان جرأت نہیں کر سکے۔ خون کے گھونٹ پی کر خاموش رہ گئے۔

برہان پور کا عبرت ناک واقعہ اسی طرح کا ایک واقعہ خلدمنزل بہادر شاہ کے آخری عہد میں بھی ہوا تھا۔ اس وقت برہان پور میں ذوالفقار خاں کی طرف سے داؤد خاں نائب صوبہ دار تھا۔ ایک درگاہ کے شیخ نے جو برہان پور کے اکابرین میں سے تھا۔ ایک ہندو عورت کو اس کی خواہش پر مسلمان بنایا تھا اور اس سے عقد کرنا چاہتا تھا یا کر چکا تھا۔ عورت کے عزیزوں نے داؤد خاں کے پاس استغاثہ کر دیا۔ وہ جاہل پٹھان جو ہمیشہ کافروں کی طرف داری کرتا رہتا تھا، بلکہ وہ ان کے کسی ایک بت کی پرستش بھی کرتا تھا۔ درگاہ کے شیخ کو اس عورت کے ساتھ کچہری میں بلایا اور دونوں کو مادرزاد عریاں کر دیا۔ اور دونوں کے ستر پر لنگوٹی بندھوا کر سر منڈا دیا اور بڑی ذلت وخواری کے ساتھ کہ اس سے زیادہ تذلیل ممکن نہیں ہوسکتی شہر میں ان کی تشہیر کرائی اور عورت کو اس کے وارثوں کے حوالہ کر دیا اس کے خلاف دربار میں فریاد بھی کی گئی۔ مگر یہاں ذوالفقار خاں داؤد خاں کا حامی تھا۔ اس لئے اس کا استغاثہ خالی ہی گیا۔ مگر اصل انصاف تو منتقم حقیقی کے ہاتھ میں ہے۔ چنانچہ چند ہی دن بعد لوگوں نے دیکھا کہ اسی محلہ اور بازار میں داؤد خاں کی لاش کی بھی نہایت ذلت سے تشہیر ہو رہی تھی۔

اعتماد الدولہ امین خاں آخر کار یکم ذی قعدہ کو طے پایا کہ بادشاہ اور سید عبداللہ خاں کا پیش خانہ شاہجہاں آباد کی طرف لگا دیا جائے اور حسین علی خاں جنگجو امیروں کے ساتھ دکن روانہ ہو جائے مگر اس دوران میں دونوں بھائیوں کا اعتماد الدولہ سے جھگڑا ہو گیا اور لوگوں میں اس اختلاف کے بڑے چرچے ہے اور فضا بہت اندیشہ ناک ہو گئی۔ مشہور تھا کہ محمد امین خاں چین بہادر توران کی فوج کے ساتھ لڑائی کے لئے تیار ہو گیا ہے۔ امین خاں کو دونوں بھائی نظر انداز کر کے معاملات سے علیحدہ نہیں رکھ سکتے تھے۔ کیونکہ وہ نہایت دلیر اور بہادر امیر تھا ایک مرتبہ اس کی سواری کا ہاتھی مست ہو گیا تھا اور امین خاں کو سونڈ سے لپیٹ کر ہاتھی نے

دانتوں کے نیچے رکھ لیا تھا مگر وہ قطعاً بدحواس نہیں ہوا اور اس نے خنجر سے ہاتھی کے منہ پر وار کئے اور اس کی سونڈ کو زخمی کر دیا

اور اس کو مغلوب کر کے دانتوں کے نیچے سے صحیح سلامت نکل آیا۔ پھر اس کے وہ بہادرانہ کارنامے بھی لوگوں کو یاد تھے، جو اس نے خلد مکاں عالمگیر بادشاہ اور خلد منزل بہادر شاہ کے زمانہ میں سرانجام دیئے تھے۔ آخر سید بھائیوں نے اس سے صلح مدارات ہی میں خیریت جانی اور رفاقت و تعاون کے لئے اس سے عہد و پیمان کئے۔

نظام الملک کا عالم علی خاں سے مقابلہ

ماہ شوال کے آخر میں اورنگ آباد سے آنے والے مراسلوں سے عالم علی خاں کے مارے جانے کی اطلاع ملی کہ وہ اپنے سرداروں کی جمعیت کے ساتھ کام آگیا۔ محرر اوراق (خافی خاں) اس واقعہ کی تفصیلات سے بخوبی واقف نہیں ہو سکا مگر ثقہ راویوں کی زبانی اختلاف روایات کے ساتھ جو کچھ معلوم ہو سکا اسی کو تحریر کیا جاتا ہے۔

عالم علی خاں کی پیش قدمی

کہتے ہیں دلاور علی خاں کے مارے جانے کے بعد بارہہ کے لٹے پٹے دو تین ہزار سوار فتح جنگ کی مغل فوج کی تلوار سے بمشکل جان بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگئے۔ ان میں سے ایک گروہ عالم علی خاں کے پاس اس وقت پہنچا۔ جب کہ وہ سید دلاور علی خاں کے مقابلہ پر پہنچ جانے کی خبر سن کر اورنگ آباد سے نکل چکا تھا۔ اس کی فوج فرداپور کے پہاڑ کی گھاٹی سے جو برہان پور سے نصف فاصلہ پر ہے نکل کر توپ خانہ کو اتارنے کا انتظام کر رہی تھی اور ہراول کی ترتیب میں مصروف تھی۔ مرہٹہ فوج مشہور خاں ہراول کے ساتھ توپ خانہ کے ایک حصہ کو لے کر پہاڑ سے اتر چکی تھی۔ جب عالم علی خاں کو دلاور علی خاں کی خبر ملی تو اسے بہت صدمہ اور رنج ہوا۔ مرہٹہ سرداروں، اور دوسرے ہم نشینوں نے اسے مشورہ دیا کہ اورنگ آباد واپس ہو جائیں یا احمد نگر جا کر محصور ہو جائیں، اور حسین علی خاں کے آنے تک اطراف و اکناف کی فوجوں کو جمع کر کے حکمت و تدبیر سے جنگ لڑی جائے۔ اور مرہٹہ فوجوں کو جو قزاقی کے فن میں ماہر ہیں فتح جنگ کی فوج کے

اطراف چھاپہ مارنے کے لئے بھیج دیا جاتے۔ عالم علی خاں کی غیرت نے اس طرح واپس ہو جانے کو قبول نہیں کیا اور اس نے وہاں اپنی لشکر گاہ قائم کر دی۔

دریائے پورنا کے کنارے

نظام الملک فتح جنگ نے دلاور علی خاں پر فتح پانے کے بعد برہان پور پہنچ کر لشکر گاہ قائم کر دی تھی جب اسے عالم علی خاں کی آمد کی خبر ملی تو اس نے دلاور علی خاں اور سید شیر خاں کے تابوت پورے اعزاز کے ساتھ عالم علی خاں کے پاس بھجوا دیئے اور چند نصیحت آمیز کلمات لکھ کر بھیجے اور اس کو یہ اجازت دیدی وہ اپنے قبائل کے ساتھ اپنے دونوں چچاؤں کے پاس چلا جائے، تاکہ مسلمانوں میں خوں ریزی نہ ہو۔ مگر اس خط کا کوئی اثر نہیں ہوا اتمام حجت کے بعد فتح جنگ نے برہان پور سے کوچ کر دیا۔ . . . .

. . . . اور دریائے پورنا کے کنارے پہنچا جو برہان پور سے مغربی جانب سولہ سترہ کوس پر واقع ہے۔ ادھر سے عالم علی خاں بھی ہرتالہ کے تالاب پر جو پورنا سے قریب ہے آکر اتر گیا۔ اس وقت رات دن بارش ہو رہی تھی۔ راستے کیچڑ اور دلدل سے بھر گئے تھے۔ دریا میں طغیانی آئی ہوئی تھی۔ پھر کشتیاں بھی موجود نہیں تھیں۔ اس لئے دونوں لشکر دریا کو عبور نہیں کر پاتے تھے۔ ناچار کچھ عرصہ تک قیام کرنا پڑا۔

نظام الملک پورنا کے دوسرے کنارے پر

آخر فتح جنگ مقام تبدیل کرنے اور کسی پایاب راہ کو تلاش کرنے کے لئے برار کی طرف ایک دو کوس تک کوچ اور مقام کرتا رہا۔ یہاں تک کہ زمینداروں کی رہبری اور عوض خاں کی کوششوں سے صوبہ برار کے تعلقہ بالاپور کی سمت پایاب گذر گاہ کی خبر ملی اور وسط ماہ رمضان میں پورے لشکر کے ساتھ دریا کو عبور کر لیا۔ بارش کے ایسے سخت موسم میں پانی میں اس راہ کا مل جانا ایک نیک شگون تھا۔ قدرتی طور پر لشکر والوں کو بڑی خوشی ہوئی۔ عالم علی خاں کو جب خبر ملی تو وہ پریشان ہو گیا۔ اور کوچ کر کے فتح جنگ کے مقابلہ کے لئے روانہ ہو گیا۔ نظام الملک نے دریا کے کنارے ایک دن مقام کیا۔ تاکہ بقیہ لشکر باربرداری اور بھیر وغیرہ کے ساتھ دریا سے نکل آئے۔ دریا میں کسی جگہ پانی سینہ تک تھا اور کسی جگہ کمر کمر تھا۔ سارا لشکر بڑی آسانی سے بغیر کسی جانی و مالی نقصان کے دریا کو عبور

کرکے جمع ہوگیا۔

بارش اور قحط کی مصیبت

نظام الملک نے دوسرے دن میدان جنگ کے انتخاب کے لئے کوچ کردیا اور سیوگاؤں کے قریب جو برار کے صوبہ سے تعلق رکھتا تھا۔ لشکرگاہ قائم کردی۔ وہاں شب و روز بارش ہونے اور کیچڑ کی زیادتی کے سبب مزید کچھ عرصہ تک قیام کرنا پڑا، اور اس دوران میں لشکر کو بڑی زحمتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اب میں کیا لکھوں کہ ان چند دنوں میں فتح جنگ کے لشکر کو کن مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ندی نالوں میں طغیانی اور شب و روز مسلسل بارش اور دریا کے حائل ہونے کے سبب خاندیس اور برار سے رسد بالکل نہیں پہنچ رہی تھی۔ دوسری طرف نابکار مرہٹے اطراف میں تاخت و تاراج کرتے پھر رہے تھے، اور اونٹ بیل کو چارہ تک کے لئے لے جانا محال ہوگیا تھا۔ رسد پہنچنے کا کیا سوال تھا۔ مرہٹوں کی شوخی و شرارت بڑھتی جارہی تھی اور وہ برابر قزاقوں کی طرح چھاپے مار رہے تھے۔ چند دن تک تو لشکر میں غلہ اور چارہ کی اس قدر قلت ہوگئی کہ تیرہ چودہ دن تک درختوں کے پتے اور نرم شاخیں پتھر سے کوٹ کر جانوروں کے سامنے کیچڑ میں ڈال دی جاتی تھی۔ گھوڑوں اور چوپایوں کو دانہ اور گھاس سونگھنے کے لئے بھی میسر نہیں ہو رہا تھا۔ جانور کمر کمر تک کیچڑ پانی میں لت پت ہو رہے تھے۔ ایک بڑی تعداد اسی حالت میں تلف ہوگئی۔ آٹا روپیہ میں ایک دو آثار مل رہا تھا، وہ بھی خاص خاص متمول آدمیوں کو۔ بہت سے لوگ ان تکلیفوں کی تاب نہ لاکر لشکر سے بھاگ نکلے۔ ندی نالوں میں سیلاب کی غرّاہٹ سواروں اور پیادوں کی فریادیں خیموں کے گرنے کا شور پھر اس ہنگامہ میں لشکر کے اطراف مرہٹوں کی تاخت و تاراج کہ وہ بعض وقت لشکرگاہ کے بازار اور ذخیروں تک چھاپہ مار جاتے تھے۔ مصیبت بالائے مصیبت تھی۔ فوج بالکل تنگ آچکی تھی۔ اکثر جمعداروں نے تنگ آکر نالش دائر کردی تھی اس اثناء میں بارش نے کچھ مہلت دیدی اور نظام الملک نے وہاں سے کوچ کرکے بالاپور سے تین کوس پر ایک ویران گاؤں میں قیام کیا۔

مرہٹوں کی چھاپہ مار فوج

مرہٹوں کی شوخی بہت زیادہ ہوگئی تھی۔ ان کی تادیب کے لئے لشکر سے عوض خاں بہادر، محمد غیاث خاں اور رفقا بناکر نکلے اور مرہٹوں پر حملے کرکے انھیں مار بھگایا۔ مرہٹوں سے ان لڑائیوں میں بہت

سی گھوڑیاں بھاگے اور چھتریاں مسلمانوں کے ہاتھ آگئیں ۔ بہادروں نے تین چار کوس تک مرہٹوں کا تعاقب کیا اور لوٹ آتے ۔ عیدالفطر بھی اس مقام پر منائی گئی ۔ اس منزل میں دانہ گھاس بھی کسی قدر فراہم ہوگیا ۔ پہلے مقام سے جب کوچ ہوا تھا تو چند بڑی توپوں کو اسی جگہ زمین میں دفن کردینا پڑا تھا کیونکہ کیچڑ پانی اور توپ کھینچنے والے بیلوں کے کمزور ہوجانے کی وجہ سے ان توپوں کو لے جانا بہت دشوار ہوگیا تھا ۔ بالاپور کے قریب گھاس اور دانہ وافر مقدار میں دستیاب ہورہا تھا ۔ اس لئے لشکر کے آرام کے لئے یہاں دو تین مقام کئے گئے ۔

نظام الملک کی صف بندی

۵ رشوال کو بھیر کو تو بالاپور کے قصبہ کے قریب چھوڑ دیا اور دو تین کوس کی مسافت پر میدان جنگ کا تعین کرکے فوجوں کی ترتیب اور صف بندی شروع کردی ۔ ہراول پر محمد غیاث خاں محمد شاہی داروغۂ توپ خانہ اور اس کا بھائی شیخ نوراللہ، یلبرز خاں آغری، انور خاں اور دوسرے بہادر افسر مقرر کئے گئے ۔ میمنہ پر عوض خاں بہادر جمال اللہ خاں اور دوسرے دلاوروں کو متعین کیا گیا ۔ کیونکہ مرہٹہ سردار سولہ سترہ ہزار سواروں کے ساتھ اس جانب حملے کررہے تھے ۔ قول اور ملتمش کے دستوں پر مرحمت خاں، عبدالرحیم خاں، محمد متوسل خاں ، قادر داد خاں، جاں نثار خاں کے بیٹے داراب خاں اور کامیاب خاں، دلیر خاں اور خان عالم کا پوتا اختصاص خاں جو ابھی دونوں اورنگ آباد سے آکر ساتھ ہوگیا تھا ۔ اور تہور خاں تھے، ان کے ساتھ ایران توران اور افغانستان کے بہادر اور راجپوت سوار بھی تھے ۔ چنداول اور لشکرگاہ کی نگہبانی کے لئے رنبیا نبالکرا اور پرگنہ سنیسر کا دیسکھ انوجی کو مقرر کیا گیا ۔ قلب لشکر میں نظام الملک بہادر فتح جنگ ہاتھی پر سوار تھے کہ ایسا سردار اور بہادر سپہ سالار بہت کم دیکھنے میں آیا ہے ۔

عالم علی خاں کا لشکر

دوسری طرف عالم علی خاں کے ساتھ پینتیس ہزار مرہٹے اور دوسری فوجیں تھیں ۔ اس کے ہمراہی جمعدار اپنے آپ کو رستم زماں سمجھتے تھے ۔ جوہر خاں اور محمدی بیگ جیسے سردار تھے ۔ محمدی بیگ نے مدت تک گلشن آباد کی فوجداری پر نیابت کا فرض انجام دیا تھا اور مرہٹوں کی جنگ میں چھاپہ مار لڑائی قزاقی مردم آزاری میں اس کی بڑی شہرت تھی جاگیرداروں کے اور خالصہ کے پرگنوں کو اس نے خوب تاخت وتاراج کیا تھا ۔ ان الزامات میں بارہا اُسے صوبہ داروں نے قید

کی سزا بھی دی تھی۔ خاص طور سے فتح جنگ کی صوبہ داری کے زمانہ میں پا بہ زنجیر کافی عرصہ تک قید رہا تھا۔ چند ماہ بعد نظام الملک نے اس کے قصور معاف کرکے اسے تین سو روپیہ کے معاوضہ پر جمعداروں کے جرگے میں شامل کر دیا تھا۔ اس زمانہ میں عالم علی خاں نے اس کی حیثیت سے بڑھ کر خطاب دیا اور پانچ ہزاری کے منصب پر فائز کر دیا۔ اور نوبت کا اعزاز بھی عطا کیا۔ اس طرح متی خاں اس کا بھائی لطیف خاں بنوار اس کا بھتیجا۔ سید ولی محمد اور محمد اشرف نذر باری قصباتی اور سپاہی پیشہ جمع دار تھے۔ ہر ایک پانچ ہزاری کا منصب دار بن گیا تھا۔ ان کو عالم علی خاں نے نقد روپیہ ہاتھی گھوڑے اور مال و اسباب بھی دیا تھا کہ وہ خوش دلی کے ساتھ اس کی رفاقت میں رہیں۔ یہ جمعدار تہور خاں افغان کی کمان میں متعین تھے جو ایک بہادر پٹھان اور عالم علی خاں کے ہراول کا سالار تھا۔ ان کے علاوہ رستم خاں کا بیٹا غالب خاں تھا جو نہایت بہادر اور خاندانی سردار تھا۔ اس کا دیوان آپا پنڈت تھا۔ اس کا شمار بھی جنگجو بہادروں میں ہوتا تھا۔ میرزا علی نے بھی بیشتر لڑائیوں میں کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے، سید عالم بارہہ کی بہادری کے کارناموں سے سادات بارہہ خوب واقف تھے۔ خان عالم کے بھائی امین خاں کا گھرانہ بہادری اور شمشیر بازی میں ضرب المثل تھا مگر جن دنوں وہ محمد آباد بیدر کا نائب صوبہ دار تھا تو اسے راجہ ساہو کے منہ بولے بیٹے کے ہاتھوں بڑی خفت اٹھانی پڑی تھی جس نے حسین علی خاں کے اشارہ سے اس پر اچانک حملہ کر دیا تھا۔ یہ واقعہ ہم فرخ سیر شہید کے تذکرہ میں لکھ چکے ہیں۔ اس نے نقد رقم اور دو تین ہاتھی لے کر بڑی ناخوشی کے ساتھ رفاقت قبول کی تھی بعد میں سید عبداللہ خاں نے برسراجلاس متعدد بار اس کے متعلق شکوہ کیا کہ اس مدد و اعانت کے باوجود اس نے ساتھ نہیں دیا۔ داؤد خاں کا بھتیجہ عمر خاں بھی ہمراہ تھا جو اپنے چچا کے خون کے انتقام کے لئے ہمیشہ جوش کھاتا رہتا تھا۔ ترک تاز خاں بھی عالم علی خاں کے ہمراہ تھا مگر اندرونی طور پر وہ فتح جنگ کا ہی حامی تھا۔ فدائی خاں دیوان بھی غائبانہ اپنے آپ کو فتح جنگ کا طرف دار سمجھتا تھا۔ دکن کا بخشی محمد اشرف خاں رفاہیت طلب خاں، خواجہ رحمت اللہ خاں جس کا خطاب شجاعت خاں تھا، اور وہ عالم علی خاں کے توپ خانہ کا داروغہ تھا، شمشیر خاں اور غیاث الدین خاں جس کا خطاب شجاعت خاں تھا اور وہ گلشن آباد کا فوج دار تھا۔ مرہٹہ سرداروں میں سنتا جی سندیہ، کھندو جی دہہاریہ، سیناپت، سنکرا جی ملہار کانوجی وغیرہ نامی گرامی مرہٹے تھے۔ ان کے علاوہ راجہ ساہو کے تقریباً سترہ اٹھارہ ہزار سوار بھی تھے

جو سب کے سب خود کو حسین علی خاں کے جاں نثار بتاتے تھے۔ ان کے علاوہ بارہہ کے اور دکن کے اور بھی سردار تھے۔ جن کے ناموں سے میں واقف نہیں ہو سکا۔ یہ سب لوگ دائیں بائیں کمک اور چنداول پر مقرر تھے۔ عالم علی خاں قلب لشکر میں تھا۔ غیاث الدین خاں کو اس نے اپنے ہاتھی پر ردیف بنا کر بٹھایا تھا۔ عالم علی خاں کا توپ خانہ بھی بہت زبردست تھا۔ توپ خانہ کے عقب میں چودہ پندرہ ہزار کرناٹکی تیرانداز تھے۔

گولہ باری کا آغاز

جب دونوں طرف سے صف بندی ہو گئی تو چھ ماہ شوال جلوس کے دوسرے سال مطابق ۱۱ ستمبر ۱۷۲۰ء دونوں لشکر حرکت میں آ گئے۔ مشہور قول کے مطابق کہ ابھی عالم علی خاں نے اپنی جگہ سے کوچ نہیں کیا تھا کہ فتح جنگ نے سوار ہو کر پیش قدمی کی اور دشمن کے مقابلہ پر پہنچ گیا۔ جیسے ہی دونوں طرف سے گولہ باری شروع ہو گئی۔ آتش بان چھوٹنے لگے اور ہنگامہ دار و گیر برپا ہو گیا۔ سب سے پہلے عالم علی خاں کی طرف سے دو تین گولے فتح جنگ کے لشکر میں آ کر گرے۔ مگر کسی کو نقصان نہیں پہنچا۔ اس کے جواب میں نظام الملک کے توپ خانہ سے پہلا گولہ سر ہوا اور اس کی ضرب سے لطیف خاں پنوارکی عماری اُلٹ گئی اور پنوار گر پڑا اس واقعہ سے بارہہ کے لشکر میں اور دکنیوں میں بڑی بھگدڑ مچ گئی۔

دشمن کا خوفناک حملہ

تہور خاں ہراول اپنی فوج کو لے کر اسی وقت بڑھا، اور اس سے پہلے کہ توپ خانہ سے پھیلنے والا دھواں چھٹے، اس نے نظام الملک کے ہراول پر مستانہ وار حملہ کر دیا۔ اس کے ساتھ سترہ اٹھارہ فیل سوار جانباز سردار اور چودہ پندرہ ہزار کی جمعیت تھی۔ اس کا حملہ ایسا اچانک اور زبردست تھا، کہ مغل لشکر میں سے اکثر بے حوصلہ آدمی مقابلہ پر ٹھیر نہ سکے۔ جب محمد شاہ داروغہ توپ خانہ دشمن کے نرغہ میں آ گیا تو ہندوستان کے بہادروں کی روایت کے مطابق وہ اپنے بھائی نوراللہ خاں کے ساتھ پیادہ ہو گیا اور دشمن کے مقابلہ پر ٹوٹ گیا۔ اس وقت فتح جنگ کی ہراول فوج کی ترتیب اور نظم بالکل بگڑ گیا تھا۔ محمد شاہ کا بھائی شیخ نوراللہ لڑتے ہوئے مارا گیا۔ محمد شاہ بھی بہت زیادہ زخمی ہو گیا۔ محمد غیاث خاں ہراول کی ایک آنکھ پہلے سے معیوب تھی۔ اس کی دوسری صحیح و سالم آنکھ زخمی ہو گئی اور دنیا اس کی آنکھوں میں تاریک ہو گئی۔ بقیہ فوج ہزیمت کھا کر بھاگ نکلی۔ اس نازک وقت میں نظام الملک کی فوج کے

دوسرے دستوں نے بہادری سے حملہ کیا اور دشمن پر تیروں کی زبردست بوچھاڑ کردی اس وقت بڑی سخت لڑائی ہوئی ؎

زہر دو طرف یکہ تازان مرد — کشادند بر ہم کمان نبرد
فرو ریخت پیکان زہرآب دار — چو باران توس قزح در بہار

اس وقت عالم علی خاں قلب لشکر اور دوسرے ہمراہی سرداروں کے ساتھ برق رفتاری کے ساتھ محاذ پر پہنچا اور نظام الملک کے لشکر پر بڑی دلیری سے ٹوٹ پڑا ایرانی تورانی بہادر خاص طور سے عوض خاں بہادر، مرحمت خاں اور قادر داد خاں نے اُس کے حملہ کا منہ توڑ جواب دیا۔ یہ لوگ جدھر بھی نکل جاتے تھے۔ تعریف وتحسین کا شور اُٹھ جاتا تھا۔ غرض دونوں طرف سے شجاعت وبہادری کا جی کھول کر مظاہرہ کیا گیا ؎

چناں گرم گردید کار نبرد — کہ شمشیر شد آب در دست برد
چنیں شد بلند آتش کارزار — کہ دودش فلک بود واختر شرار

مردانہ وار مقابلے

جنگ بڑے زور وشور سے جاری تھی۔ عالم علی خاں اگرچہ کافی زخمی ہو چکا تھا۔ مگر مردانہ وار حملے کئے جا رہا تھا۔ محمد متوسل خاں فتح جنگ کا قریبی عزیز تھا۔ وہ عالم علی خاں کا ہم عمر اور بڑا خوبصورت جوان تھا۔ شجاعت وبہادری میں وہ اپنے برابر کے لوگوں میں سبقت وامتیاز رکھتا تھا۔ جوہر خاں اور دوسرے لوگوں دشمن کی فوجوں کے سرداروں نے محمد متوسل خاں کو نرغہ میں لے رکھا تھا۔ اس نے بڑی بہادری سے اپنے ہاتھی کو آگے بڑھایا اور اس کے باوجود کہ وہ بندوق کی ایک گولی اور ایک تیر کے لگنے سے زخمی ہوگیا تھا۔ اُس نے شیرانہ حملہ کرکے دشمن کے حلقہ کو توڑ دیا اور عالم علی خاں کے ہاتھی کے مقابل پہنچ گیا۔ اور جی توڑ کر مردانہ وار حملے کرتا رہا اور زخمی ہوگیا اس وقت قادر داد خاں نے بھی جو متوسل خاں کی مدد پر پہنچ گیا تھا بڑی مردانگی کا ثبوت دیا تھا ؎

نفد کار بر سر چو روز نبرد
کند کار صد شیر یک شیر مرد

عالم علی خاں کی ہلاکت

عالم علی خاں کا فیل بان تہور خاں کا برادر نسبتی تھا۔ اُسے بندوق کی ایک گولی لگی اور وہ نیچے گر پڑا اس

کے ساتھ ہی غیاث الدین خاں دکن کے توپ خانہ کا داروغہ جو عالم علی خاں کی عماری میں اس کا ردیف تھا مارا گیا۔ اس کے علاوہ غالب خاں، اپاجی دیوان، شمشیر خاں، سید علی اور سید عالم بارہہ وغیرہ کوئی آٹھ نو سردار تیروں اور گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ ادھر یہ ہنگامہ کارزار برپا تھا۔ دوسری طرف نابکار مرہٹوں نے نظام الملک کے بہیر پر چھاپہ مار کر اشرفیوں کے خزانہ کا کچھ حصہ لوٹ لیا۔ عالم علی خاں کا ہاتھی تیروں اور گولیوں کی بوچھاڑ اور تلواروں نیزوں کی ضرب کی تاب نہ لاکر میدان جنگ سے پلٹ گیا۔ اس وقت عالم علی خاں زخموں سے چور ہو رہا تھا۔ اس نے فتح جنگ کی فوج کی طرف رخ کر کے بلند آواز سے کہا: "میرا ہاتھی پلٹ گیا ہے، میں نے پشت نہیں پھیری ہے" لوگ بیان کرتے ہیں کہ لڑائی کے دوران میں جب عالم علی خاں کے ترکش تیروں سے خالی ہو گئے وہ اس وقت ان تیروں کو جو عماری میں اور اس کے بدن پر آ کر لگ رہے تھے۔ تیزی سے نکالتا جاتا تھا اور غنیم پر چلاتا جاتا تھا۔ غرض اس دلیری اور بہادری سے لڑتے ہوئے اس نے اپنی جان عزیز اپنے دونوں چچاؤں (سید حسین علی خاں سید عبداللہ خاں) پر نثار کر دی اس وقت اس کی عمر بائیس سال سے زائد نہیں تھی۔ اس کے اطراف کوئی سترہ اٹھارہ نامی گرامی فیل سوار سردار مارے گئے تھے اور ایک کثیر تعداد زخمی ہو گئی تھی۔

نظام الملک کی فتح

لڑائی ختم ہوگئی اور بارہہ کی فوج میں سے امین خاں عمر خاں ترک تاز خاں، دکن کا دیوان فدائی خاں اور دوسرے چند نامی گرامی آدمی فتح جنگ کے پاس حاضر ہو گئے اور نظام الملک بہادر کی فتح کا شادیانہ بجایا گیا۔ تمام ہاتھی مع توپ خانہ نظام الملک کے قبضہ میں آ گئے۔ باقی تمام ساز و سامان تاراج و غارت ہو گیا اس لڑائی میں بھی فاتح فوج کے مشہور و معروف آدمی ہر طرح محفوظ رہے۔ صرف سید سلیمان جو حضرت غوث الاعظم کا پوتا کہلاتا تھا اور شیخ نور اللہ دو تین غیر معروف سرداروں کے ساتھ کام آ گئے تھے۔ محمد غیاث خاں، محمد شاہ، کامیاب خاں اور چند دوسرے بڑے سردار زخمی ہو گئے تھے جو ان کی سرخروئی کا نشان تھے۔ دوسرے نامی گرامی سرداروں کو کسی قسم کا جانی و مالی نقصان نہیں پہنچا۔

سادات پناہ کی تلاش میں

جب یہ خبر اورنگ آباد پہنچی تو حسین علی خاں کے قبائل اور عالم علی خاں کے وابستگان میں صف ماتم بچھ گئی۔ یہ لوگ سخت مایوس اور پریشان ہوگئے اور دولت آباد کے قلعدار سے انھوں نے قلعہ میں داخل ہونے کی درخواست کی۔ قلعدار کو حسین علی خاں کی طرف سے بڑا نقصان پہنچا تھا۔ اس کا تبادلہ ہوتا رہا تھا۔ منصب میں کمی کردی گئی تھی۔ حالانکہ اعلیٰ حضرت شاہجہاں بادشاہ کے عہد سے دولت آباد کی قلعداری، مرتضیٰ خاں اور سید مبارک کے خاندان میں چلی آرہی تھی۔ یہ لوگ سید جلال بخاری کے سید گھرانہ سے تھے۔ مگر اس وقت جب عالم علی خاں کے قبائل نے پناہ مانگی تو اس نے ان کو نقد و اجناس و اموال کے ساتھ قلعہ میں داخل کرلیا۔

سادات بارہہ کی پریشانیاں

وحشت ناک خبر

جب اورنگ آباد سے اس سانحہ کی اطلاع دونوں بھائیوں کو ملی اور اس بات کی تحقیق ہوگئی کہ دونوں لڑائیوں میں تمام سادات بارہہ ختم ہوگئے اور نظام الملک بہادر کے نامی گرامی ہمراہیوں میں سے دو تین آدمیوں کے سوا کسی کو کوئی ضرر نہیں پہنچا تو وہ دست افسوس ملتے ہوئے کہنے لگے " کیا نظام الملک کے ہمراہیوں نے آب حیات پی رکھا ہے، یا فولاد کے بنے ہوئے ہیں کہ ان پر ہتھیار کارگر نہیں ہوتے۔اس حادثہ کا جو صدمہ دونوں بھائیوں کو ہوا ہے اس کو بیان کرنا مشکل ہے۔خاص طور سے حسین علی خاں کی آنکھوں میں تو دنیا اندھیر ہوگئی۔ ہمیشہ اس کی آنکھوں سے خون کے آنسو بہتے رہتے تھے اور وہ آہیں بھرتا رہتا تھا، اور سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ عرصہ قریب میں اس کا اپنا کیا حشر ہونے والا ہے۔ فتح سے ایک ہفتہ بعد جب یہ خبر ملی کہ حسین علی خاں کے قبائل کو دولت آباد کے قلعدار نے پناہ دیدی ہے اور ان کا مال و اسباب ضبط ہونے سے محفوظ رہ گیا ہے۔تو حسین علی خاں کو قدرے اطمینان اور تسلی ہوئی۔ اسی قریب میں یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ حیدرآباد کا صوبہ دار مبارز خاں اور اس کا ہم زلف دلاور خاں چھ سات ہزار سواروں کے ساتھ سادات کی کمک پر نکلنے کا اعلان کرکے حیدرآباد سے روانہ ہوگئے تھے۔مگر اس طرح قدم گن گن کر چلے کہ سارا قضیہ ختم ہوگیا، پھر یہ لوگ فتح جنگ کے پاس جاکر اس کے رفیق بن گئے۔

برادران بارہہ کا فیصلہ

بہرحال سادات نے بڑے سوچ بچار اور مشوروں کے بعد طے کیا کہ سید عبداللہ خاں دارالخلافہ جاکر ٹھیر جائے اور سید حسین علی خاں بادشاہ کو اور امرائے نامدار کو ساتھ لے کر دکن کی طرف نظام الملک سے انتقام لینے کے لئے کوچ کردے، دونوں بھائی فوجی تیاریوں میں مصروف ہوگئے، وہ اس مہم کے لئے ایک لاکھ سوار فراہم کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اسداللہ خاں کے بیٹے سید محمد خاں اور دوسرے ذمہ دار آدمیوں کو رقم بھجوانے اور قول نامے دے کر بارہہ کے جمعداروں اور تومن دار پٹھانوں کے پاس روانہ کیا۔ اس وقت جب کہ دونوں بھائیوں کی سرکار میں بھرتی اور ملازمت کا ہنگامہ گرم تھا اور ہمراہی امیروں کو بھی رسالہ بھرتی کرنے کا حکم دے دیا گیا تھا۔ فوجی نوجوان اور عمدہ گھوڑے بہت کمیاب ہوگئے تھے۔ پھر دور و نزدیک جو جمعدار تھے وہ دیکھ رہے تھے کہ دونوں بھائیوں کا ستارۂ اقبال اب رو بہ زوال ہے۔ اس لئے وہ دکن جانے کے لئے راضی نہیں ہورہے تھے۔ لہٰذا دونوں بھائی خاطر خواہ فوج جمع نہ کرسکے۔ تاہم قدیم اور جدید بھرتی کے پچاس ہزار کے قریب سوار جمع ہوگئے۔ البتہ امید تھی کہ بارہہ کے سوار اور راجاؤں اور زمینداروں کی کمکی فوجیں آکر شامل ہوجائیں گی۔

اکبرآباد سے لشکر کا کوچ

آخر کار امیرالامرا سید حسین علی خاں کارگذار جنگجو امراء کی فوجوں اور توپ خانہ کی صف بندی کرکے باہر نکلا۔ آخر ماہ شوال میں پیش خانہ دکن کی سمت لگا دیا گیا۔ امیرالامرا اکبرآباد سے دو کوس تک کوچ کرکے ٹھیر گیا۔ سید خان جہاں کے انتقال کے سبب میر آتش کے عہدہ پر حیدر قلی خاں بہادر کا تقرر عمل میں آیا۔ اس کی کارگذاری اور امور ملکی و نظم و نسق میں اس کی صلاحیتوں کا اور دوسرے حالات کا ذکر ہم فرخ سیر بادشاہ شہید کے تذکرہ میں ہم کرچکے ہیں۔ حیدر قلی خاں کا تقرر اوائل ذی قعدہ میں ہوا اور اسی ماہ کی نویں تاریخ کو سن گیارہ سو بتیس ہجری (۱۱۳۲ھ) میں جواں بخت بادشاہ نے مستقرالخلافت اکبرآباد سے کوچ کیا اور شہر سے تین کوس پر قیام کیا۔ سید عبداللہ خاں بادشاہ کی مشایعت میں آیا اور شاہجہاں آباد جانے کی اجازت ملنے تک ساتھ ساتھ رہا۔

برادران سادات کا اختلاف

سید عبداللہ خاں بڑا بھائی تھا مگر اثر و اقتدار چھوٹے بھائی سید حسین علی خاں کا زیادہ تھا، کیونکہ اس

نے حسن سلوک سے حکومت کے عمدہ اور بہترین کارگزاروں کو اپنے ساتھ ملا رکھا تھا۔ اس نے بڑے بھائی قطب الملک پر اتنا تسلط اور قابو پا لیا تھا کہ اکثر معاملات میں بڑے بھائی کو مجبوراً اس کی اطاعت کرنی پڑتی تھی۔ اس وقت بھی جب دفتروں کی تقسیم کا مسئلہ سامنے آیا تو امیر الامراء حسین علی خاں نے چاہا کہ تمام سررشتہ دیوانی، بخشی گری اور بائیس صوبوں کی صدارت مع دیوان تن اور دیوان خالصہ کے اپنے ساتھ لے جائے، سید عبداللہ خاں کے پاس غیر اہم برائے نام محکمے رہ جائیں، تاکہ وہ شاہ جہاں آباد میں معطل پڑا رہے۔ اس مسئلہ پر دونوں بھائیوں میں بڑی ردو قدح ہوتی رہی۔ آخر اس خیال سے کہ لوگوں میں یہ جھگڑا نہ پہنچنے پائے۔ طے پایا کہ اکبر آباد، اجمیر، احمد آباد اور مالوے کے چاروں صوبوں اور دکن کے چھ صوبوں کے محکمے بادشاہ کے ساتھ جائیں گے۔ بادشاہ کا جشن تخت نشینی ۵ رذی قعدہ کو ہوتا تھا۔ اس لئے سید عبداللہ خاں کی خواہش تھی کہ وہ اپنے سامنے یہ جشن منعقد کرا کے واپس جائے مگر حسین علی خاں راضی نہیں ہوا اور اکبر آباد سے چار کوس پر بڑے بھائی کو رخصت کر کے کوچ کر دیا۔

فتح پور میں جشن جلوس

قطب الملک سے رخصت ہو کر امیر الامراء نے چودہ ماہ ذی قعدہ کو بادشاہ کو سوار کرایا اور فتح پور کے قریب تین چار دن جشن منانے کے لئے خیمہ گاہ لگا دیا۔ جشن تو منعقد ہوا مگر اس پر ایسا ماتم برس رہا تھا کہ کسی طرح جوش و ولولہ اور سرخوشی نظر نہیں آتی تھی۔ البتہ بادشاہ کے ہوا خواہوں کے حلقہ میں امید اور توقع کے چراغ ضرور جل رہے تھے۔ فتح پور میں بادشاہ کا قیام دو تین دن رہا۔ یہ وہ تاریخی مقام تھا کہ یہاں بابر بادشاہ دس بارہ ہزار سواروں کے ساتھ آیا تھا۔ اس کے مقابلہ پر دو لاکھ سوار اور پیادہ فوج اور دو ہزار ہاتھی اور پانچ نامور راجہ اور سوری خاندان کے کئی سردار آئے تھے۔ یہ سب رانا سانگا کے رفیق بنے ہوئے تھے۔ ان کے ہراول پر حسن خاں میواتی چار بڑے راجاؤں اور پندرہ ہزار سواروں کے ساتھ متعین تھا۔ بابر بادشاہ نے باوجود قلت کے اس دل بادل لشکر کو بری طرح شکست دے کر بھگا دیا تھا۔ اس دن اتنے کافر مارے گئے کہ رانا نے اپنی اولاد کو قسم دلا دی کہ وہ اب کبھی صاحب قران کے خاندان سے لڑنے کے لئے اپنی نیاموں سے تلوار نہ نکالیں۔ جشن سے فارغ ہو کر بادشاہی لشکر کوچ بہ کوچ جنوب کی طرف روانہ ہو گیا۔

قطب الملک کے ہمراہی

قطب الملک سید عبداللہ خاں کے ساتھ حامد خاں بہادر نظام الملک کا چچا، حمید الدین خاں، غازی الدین غالب جنگ، بیرم خاں، نعمت اللہ خاں، امیر خاں امیر خانی، صلابت خاں اور چند بے پروبال امیر رہ گئے تھے، ان کو لے کر قطب الملک ۹ ارذی تعدہ کو شاہجہاں آباد روانہ ہوگیا۔ اور اکبر آباد سے چار پانچ کوس پر ٹھیر گیا۔ محمد خاں بنگش جو سادات کا عرصہ دراز سے ممنون احسان تھا۔ اس منزل پر قطب الملک سے ملنے کے لئے حاضر ہوا۔ اس کو حسین علی خاں کے ساتھ جانے کے لئے کافی رقم دی جا چکی تھی۔ اب اس نے اپنی عسرت و پریشانیوں کا بہانہ کرکے مزید پچاس ہزار روپیہ وصول کیا اور بادشاہی لشکر میں جانے کا اعلان کرکے رخصت ہوگیا۔ اس وقت وہ لشکر کے ساتھ جانے کا واقعی ارادہ کر چکا تھا مگر دونوں بھائیوں سے اسے نفرت ہی تھی۔ ایک تو ان دونوں کے طور طریق، دوسرے قومی عصبیت کے تقاضہ کی وجہ سے۔ بعد میں تدریجاً ایسے حالات پیش آئے کہ جو کچھ اس کے دل میں تھا وہ پردۂ غیب سے از خود برآمد ہوگیا جس کا ذکر ہم آگے کریں گے۔

سید بھائیوں سے لوگوں کی نفرت

واقعہ یہ ہے کہ دونوں برادران سادات نے جس طرح ذبح سیر شہید کو مجبور و بے بس کرکے قتل کرایا تھا اور خانوادۂ تیموری کے ساتھ جیسی بدسلوکیاں روا رکھی تھیں۔ پھر ساری سلطنت ہندوستان کا نظم و نسق انھوں نے ایک بنئے بقال (رتن چند) کے ہاتھ میں دے رکھا تھا۔ ان باتوں کا لوگوں کو بہت صدمہ اور رنج تھا۔ یہاں تک کہ وہ لوگ بھی جو دونوں بھائیوں کے قدیم ملازم متصدی اور رفیق تھے اور انھوں نے جو کچھ عزت و آبرو اور زر و مال حاصل کیا تھا۔ انہی دونوں بھائیوں کے طفیل میں، وہ تک ان سے بیزار ہو چکے تھے۔ اکثر یہ لوگ کہتے رہتے تھے کہ اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ بارہہ پر زوال آئے گا تو ان کے ساتھ ہم بھی مارے جائیں گے۔ مگر اس کے باوجود ہماری آرزو یہی ہے کہ تخت بادشاہی کے بدخواہوں کی آنکھیں اندھی ہو جائیں اور تیموری خاندان دوبارہ رونق پا جائے، بلکہ دونوں صاحب مدار بھائیوں کے بعض اقربا اور متصدی تک بارگاہِ الٰہی میں یہ تمنا کرتے رہتے تھے کہ ان دونوں بھائیوں کی کوئی اولادِ نرینہ نہیں ہے، ان کا تو چراغ جلانے والا بھی نہیں رہے گا، مگر افسوس ہم تمام سادات بارہہ پر کہ ہم تو ان کے ساتھ مارے گئے نہ معلوم اس کا وبال ہماری اولاد پر کس کس طرح پڑتا ہے۔

گندم از گندم بروید جَو زجَو

مکافات عمل کا قانون عقلمندوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ جس نمک حرام نے بھی اپنے آقاؤں کا کفران نعمت کیا اور اپنے آقا کی آبرو و ناموس کو نقصان پہنچایا اور اس کی حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش اس کے مال متاع پر غاصبانہ قبضہ کیا آخر کار وہ بڑی ذلت و خواری کے ساتھ کیفر کردار پر پہنچا۔ خاص طور سے وہ گروہ جو قرہا قرن سے اپنے ولی نعمت خاندان کے زیر سایہ پرورش پاتا رہا ہے اور اس نے کافی مال و دولت عزت و اقتدار حاصل کیا۔ اس کا حشر تو سب سے زیادہ عبرت ناک ہونا چاہئے۔ کیونکہ اس نے ایسے فیض رساں خاندان کو تباہ و برباد کر دینے کی کوشش کی جو مخلوق خدا کا ملجا و ماوی اور سرپرست تھا۔ جو کچھ انھوں نے بویا تھا ان کو وہی کچھ کاٹنا پڑا۔

اعتماد الدولہ کے اندیشے حاصل کلام یہ کہ جب سید عبداللہ خاں ۷ ر ذی الحجہ کو شاہجہاں آباد سے چالیس کوس پر پہنچا تو ایک رات غیرت خاں کا فرستادہ ایک شتر سوار پہنچا۔ وہ رتن چند کا ایک خط لایا تھا، جو اُس نے بڑی جلدی اور اضطرار کی حالت میں لکھا تھا۔ اس رقعہ میں حسین علی خاں، عزت خاں اور نوراللہ خاں کے قتل کی اطلاع تھی۔ اس واقعہ کا پس منظر یہ ہے، جب سلطنت کے اختیارات و انتظامات تیموری خاندان کے ہاتھ سے نکل گئے، اور دونوں سید بھائیوں نے تسلط جمالیا اور تمام ملکی اور مالی معاملات عملاً رتن چند کے ہاتھ میں آگئے تو اقتدار کے مناصب پر سادات بارہہ اور بقالوں کا کامل قبضہ ہو گیا، وہ اپنے سوا کسی اور کو معاملات سلطنت میں

دخیل ہونے نہیں دیتے تھے۔ اس صورت حال نے دوسرے تمام سربرآوردہ اشخاص اور مختلف ملکوں سے آئے ہوئے شرفا کو متنفر اور بیزار کر دیا۔ اس وقت سلطنت کا سب سے زیادہ صاحب مرتبہ امیر اعتماد الدولہ محمد امین خاں چین بہادر تھا وہ خوب جانتا تھا کہ عہد و پیمان کے باوجود جب بھی حسین علی خاں کو موقع ملے گا وہ وہی کارروائی کرے گا جو اس نے بادشاہ شہید محمد فرخ سیر کے ساتھ کی تھی۔ اسی لئے وہ برابر بارہہ کو نیچا دکھانے کی فکر میں رہتا تھا مگر بغیر کسی قابل بھروسہ رفیق کے وہ کوئی بڑا اقدام نہیں کر سکتا تھا۔ جلد ہی اسے ایک اعتماد کا آدمی مل گیا۔

سادات بارہہ کا ایک مخالف

سعادت خاں عرف محمد امین نیشاپور توابع خراسان کے ایک عزت دار سادات گھرانہ کا فرد تھا ابتدا میں وہ محمد فرخ سیر کی والاشاہی فوج میں ہزاری منصب دار تھا۔ بعد میں وہ صوبۂ اکبر آباد کے ایک عمدہ محال ہنڈون بیانہ کی فوج داری پر مامور ہوا، وہاں اس نے اچھی خاصی فوج جمع کر لی اور سید عبداللہ خاں سے مزید فوج کمک کے لئے حاصل کی اور حکمت و تدبیر اور بہادری سے اپنے علاقہ کے مفسدوں اور سرکشوں کی سرکوبی کی اور فوج داری کا نظم و نسق درست کیا۔ ان خدمات کے صلہ میں اسے منصب میں پانچ سو کی ترقی دی گئی اور دونوں مقتدر بھائیوں کے نزدیک اس کی قدر و منزلت بڑھ گئی۔ اس کے باوجود فرخ سیر مظلوم کے خون کا انتقام اس کے دل میں برابر جوش کھاتا رہتا تھا اور وہ سادات بارہہ کا دل سے مخالف تھا۔

امیر الامراء کے قتل کا منصوبہ

جب بہادر شاہ نے اکبر آباد سے کوچ کیا تو وہ بعض معاملات کے تصفیہ کے لئے بادشاہی لشکر میں آیا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ہی وہ بھی روانہ ہو گیا۔ اس سفر میں اعتماد الدولہ سے اس کے روابط اور تعلقات زیادہ ہو گئے۔ ان دونوں کے ساتھ ایک تیسرا شخص اور بھی شریک ہو گیا۔ یہ میر حیدر خاں کاشغری تھا جو چغتائی قوم کے الاؤ والے ترکوں سے منسوب تھا۔ موروثی طور پر اسے میر شمشیر کا لقب ملا ہوا تھا۔ اس لئے اُسے میر کہتے تھے، اس کے پردادا میر حیدر نے کچھ عرصہ تک کشمیر کی فرماں روائی کی تھی۔ اس نے تیموریوں کے حالات پر ایک تاریخ "تاریخ رشیدی" بھی تالیف کی تھی۔ سعادت خاں نے اسے حسین علی خاں کے خاتمہ کے لئے آمادہ کر لیا اور

اس خطرناک مہم کا ان لوگوں نے پوری طرح منصوبہ بنا لیا اور اس راز کے اخفاء پر تینوں نے عہد و پیمان اور حلف اٹھا لیا۔ اور اس کو اس درجہ پوشیدہ رکھا کہ بادشاہ اور اعتماد الدولہ کے بیٹے قمر الدین خاں کو بھی اس کی ہوا تک لگنے نہیں دی۔ ان کے علاوہ اگر کوئی اس سے واقف تھا تو بادشاہ کی والدہ صدر النساء تھی جو سید عبداللہ خاں کی دست گرفتہ تھی۔

امیر الامرا حسین علی خاں کا قتل

۶ ذی الحجہ سن گیارہ سو بتیس ہجری (۱۱۳۲ھ) جلوس کے دوسرے سال سولہ مہر ماہ الہی کو ابوالمظفر ناصر الدین محمد شاہ بادشاہ غازی کا لشکر تورہ کی منزل پر پہنچ چکا تھا۔ تورہ فتح پور سے پینتیس کوس کے فاصلہ پر ہے۔ اعتماد الدولہ نے وہاں پہنچنے کے بعد طبیعت خراب ہونے کا بہانہ کیا اور حیدر قلی خاں بہادر کے پیش خانہ میں چلا گیا۔ حسین علی خاں امیر الامرا بھی بادشاہ کے حرم سرا میں داخل ہونے کے بعد وہاں سے لوٹا۔ جب وہ گلال بار کے دروازہ کے پاس پہنچا تو میر حیدر خاں جس سے حسین علی خاں روشناس تھا اور وہ اس سے براہ راست بات کرنے کا مجاز بھی تھا۔ جان پر کھیل کر پالکی کے قریب پہنچا۔ ایک درخواست پہلے سے لکھ کر ہاتھ میں لیے ہوئے تھا وہ حسین علی خاں کے ملاحظہ میں پیش کر دی وہ درخواست پڑھنے میں مشغول ہو گیا تو زبانی بھی عرض حال کرنے لگا اور اعتماد الدولہ کی شکایتیں کرتا رہا۔ اسی اثناء میں بڑی پھرتی سے اس نے خنجر کھینچ کر اس کے پہلو میں بھونک دیا۔ یہ بھی مشہور ہے کہ ایک اور مغل نے بھی جسے میر حیدر خاں نے اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ تلوار کی نوک اس کے پیٹ میں اتار دی تھی مگر یہ بات صحیح نہیں اس کا کام تو اسی پہلے کاری زخم ہی میں تمام ہو چکا تھا۔ اسی وقت حسین علی خاں کے بھتیجے نور اللہ خاں ولد اسد اللہ خاں نے جو پالکی کے ہمراہ پیدل چلا آرہا تھا۔ میر حیدر خاں پر تلوار کا وار کیا اور اسے نیچے گرا دیا۔ ایک کمزور روایت کے مطابق میر مشرف نے وہاں پہنچ کر قاتل پر حملہ کیا تھا۔ اور اس کا کام تمام کر دیا تھا۔ اس کے ساتھ کے مغل کو بھی اس نے قتل کر دیا مگر خود بھی زخمی ہو گیا۔ اگرچہ اس کی جان بچ گئی۔ میر حیدر خاں کے گرتے ہی مغلوں نے ہجوم کر کے نور اللہ خاں کو قتل کر دیا اور حسین علی خاں کا سر کاٹ کر بادشاہ کے پاس پہنچا دیا۔ خواجہ مقبول خاں ناظر سادات نے ان لوگوں کا کچھ مقابلہ کیا مگر کاری زخم کھا کر لوٹ گیا۔ انہی زخموں سے وہ تین چار دن بعد فوت ہو گیا۔ اس وقت حسین علی خاں کے ایک سقہ

اور ایک خاک روب نے بڑی دلیری دکھائی۔ انھوں نے روتے ہوتے تلواریں کھینچ لیں
اور بھالے سونت لئے اور مغلوں کے ہجوم پر حملہ کردیا۔ دونوں لڑتے ہوئے تسبیح خانہ تک
پہنچ گئے۔ آخر مغلوں کے تیروں اور گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ محکم سنگھ کا بخشی مصطفیٰ خاں
محکم سنگھ کے ہمراہیوں کی ایک جماعت کو لے کر وہاں پہنچ گیا۔ اس نے صرف یہ خبر سُنی
تھی کہ حسین علی خاں کے خلاف شورش ہوگئی ہے۔ اسے اس کے قتل کی اطلاع نہیں
مل سکی تھی۔ جلدی میں محکم سنگھ کو بھی اطلاع نہیں دے سکا تھا۔ وہ جب گلال بار
کے دروازہ پر پہنچا ہے تو وہاں بہت ہجوم ہو رہا تھا اور اسے اندر جانے کا راستہ نہیں
مل سکا۔ آخر وہ دوسری طرف سے دیوان خاص کا سراپردہ چاک کرکے اندر داخل ہوگیا۔ اور تلواریں
سونت کر گالیاں بکتے ہوئے آگے بڑھے۔ مغلوں نے ان کو تیروں اور گولیوں کی زد پر رکھ لیا۔
انھوں نے مغلوں کا جم کر مقابلہ کیا مگر زیادہ دیر نہ ٹھہر سکے، دو تین آدمیوں کے زخمی ہوتے ہی جان
بچا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ حسین علی خاں کے توپ خانہ کے بعض آدمیوں نے "گلال بار" کے
اطراف بندوقوں کی باڑھ مارنی شروع کردی اور "راچھنگی" سے آتش باری کرنے لگے۔ حسین علی
خاں کا بھانجہ کہیں باہر سے اپنے گھر آیا تھا اور کھانا کھانے کی فکر میں تھا کہ اس سانحہ کی اطلاع
ملی۔ بجائے اس کے کہ وہ متفرق فوجوں کو جمع کرنے کی کوشش کرتا جوش تہوری میں چار سو
پانچ سو سواروں کی جمعیت لے کر ہاتھی پر سوار دولت خانہ شاہی کی طرف روانہ ہوگیا۔

حیدر قلی خاں کی مدد

حیدر قلی خاں کے متعلق سید عبداللہ خاں کو جو اطلاعات ملی
تھیں ان کی رُو سے وہ پہلے حسین علی خاں سپہ سالار سے
انتقام لینے کی سازش میں شریک نہیں تھا، اگرچہ وہ اس سے اختلاف ضرور رکھتا تھا مگر جب
اس نے دیکھا کہ بادشاہ امور سلطنت سے بالکل بے دخل ہے اور سارے اختیارات رتن چند
اور اس کے بدکردار اور کافر ساتھیوں کے ہاتھ میں چلے گئے ہیں اور دونوں صاحب مدار
بھائیوں کا دماغ اتنا چڑھ گیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہندوستان کے سیف وقلم کا مالک
سمجھنے لگے ہیں اور اپنی رائے اور سادات بارہہ کی تلواروں کے سامنے مغلوں، ایرانیوں،
اور تورانیوں کو کچھ سمجھتے ہی نہیں ہیں اور انھوں نے اس بات کو بالکل نظر انداز کردیا ہے۔
کہ یہ وہ گروہ ہیں جو ہزار دو ہزار کوس کے فاصلوں سے اپنے اپنے وطن چھوڑ کر فردوس مکانی
بابر بادشاہ کی رکاب میں یہاں آئے تھے اور انھوں نے اپنے جوہر ذاتی، ادائے مناصب

اور شمشیر زنی سے یہاں کے بڑے بڑے بادشاہوں اور نامی گرامی راجاؤں کو شکست دے کر ہندوستان کی وسیع مملکت کو فتح کیا تھا اور اس ملک پر قبضہ کرنے کے بعد وہ دو سو سال سے زیادہ عرصہ سے صاحب قراں تیمور بادشاہ کے خاندان کے وفادار رہے ہیں آخر وہ کس طرح اپنے ولی نعمت کو اس طرح بے اختیار دیکھ سکتے تھے۔ چنانچہ حیدر قلی خاں بھی ان بھائیوں کا مخالف ہو گیا اور انتقام لینے پر آمادہ ہو گیا۔ مگر اس نے بڑی ہوشیاری سے دونوں بھائیوں کے ساتھ صلح مدارات کا رویہ رکھا، مگر اندر ہی اندر وہ وقت اور موقع کا منتظر رہا۔ اب جب بادشاہ کا نصیبہ جاگا اور یہ صورت حال پیش آئی تو حیدر قلی خاں مردانہ وار آگے بڑھا اور بادشاہ کی جاں نثاری میں بڑی ہمت وجرأت سے سینہ سپر ہو گیا۔ اس موقع پر اس نے جو کارنامے انجام دیئے۔ ان کی تفصیل ہم آگے بیان کریں گے۔

عزت خاں سے لڑائی

جب ہر طرف سے مار دھاڑ کی آوازیں بلند ہونے لگیں اعتمادالدولہ کے کہنے پر سعادت خاں اور حیدر قلی خاں بہادر اس چھوٹے محل کے دروازہ پر پہنچ گئے، جس میں بادشاہ کا قیام تھا۔ دونوں عین اس وقت پہنچے جب کہ مشہور روایت کے مطابق سید بھائیوں کے حامی اور پشت پناہ ہجوم کرنے لگے تھے اور بادشاہ کے خلاف خطرناک اقدام پر آمادہ ہو گئے تھے۔ بادشاہ کی والدہ نواب قدسیہ نے بادشاہ کو باہر نکلنے سے روک رکھا تھا۔ حیدر قلی خاں کو جب محل کی حفاظت کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو اس نے جرأت سے کام لیا۔ ایک شال اپنے چہرے پر ڈال کر محل میں گھس گیا اور بادشاہ کو وفاداری اور حمایت کا یقین دلا کر بڑی عاجزی اور اصرار کے ساتھ اٹھایا اور ہاتھ پکڑ کر محل سے باہر لے آیا۔ اعتمادالدولہ نے بادشاہ کو اپنے ہاتھی پر سوار کرایا اور خود پیشی میں ردیف بن کر بیٹھ گیا۔ بادشاہ کی سواری دولت خانہ شاہی میں پہنچی تو وہاں امرائے دربار موجود نہیں تھے۔ کیونکہ جس وقت یہ ہنگامہ شروع ہوا تھا سب لوگ دربار سے نکل کر اپنے اپنے خیموں میں جا چکے تھے۔ ہنگامہ برپا ہوتے ہی موافق منافق سب کے سب بدحواس ہو کر لشکر گاہ سے بھاگ نکلے، یہاں تک کہ بادشاہ کے اور امراء کی سرکار کے تمام ہاتھی گھوڑے اپنی اپنی جگہ پہنچا دیئے گئے تھے۔ اس وقت بادشاہ کی رکاب میں محمد امین خاں چین بہادر اور قمرالدین خاں بہادر تھے اور چالیس پچاس مغلوں سے زائد جمعیت نہیں تھی۔ توپ خانہ کے جو آدمی تھے۔ ان کی تعداد بھی تین چار سو سوار سے زیادہ نہیں تھی۔

حیدر قلی خاں نے ہاتھی گھوڑے اور توپ خانہ کی فوج کو جمع کرنے کے انتظامات کئے اور اس مختصر جمعیت کو لے کر قمرالدین خاں اور سعادت خاں کے ہمراہ عزت خاں کے مقابلہ پر آگیا جو زخمی شیر کی طرح غراتے ہوئے ہاتھی پر سوار چلا آرہا تھا۔

عزت خاں کی ہلاکت

سادات بارہہ کے بہادر معرکۂ کارزار میں بڑی ہمت سے بڑھ رہے تھے۔ تورانی اور ایرانی مغلوں نے جو ہر طرف جمع ہوتے جارہے تھے۔ ان پر تیراندازی شروع کردی۔ سادات بارہہ کی فوج میں ہر گھڑی اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ بادشاہ کے بعض جاں نثار بھی پہنچ گئے تھے۔ اب دونوں طرف سے بڑی سخت لڑائی چھڑ گئی اور گولیوں اور تیروں کی سنسناہٹ سے فضا گونج اٹھی۔ قمرالدین خاں بہادر اور حیدر قلی خاں بہادر دونوں نے بڑی جرأت سے اپنے ہاتھی میدان جنگ میں آگے بڑھا دیئے۔ ان کے ساتھ حبشی اور رومی تیرانداز ہوتے تھے۔ اور ہر علاقہ کے منتخب نشانہ باز تھے۔ جن کو ایسے ہی نازک وقت کے لئے ملازم رکھا گیا تھا۔ دونوں سرداروں نے ایسی دلیرانہ جنگ کی کہ ہر طرف سے تعریف وتحسین کا شور اٹھنے لگا۔ اس وقت عزت خاں کی کمان سے نکلا ہوا ایک تیر حیدر قلی خاں کی کمان کی پشت میں اس طرح کھپ گیا تھا کہ لڑائی ختم ہونے کے بعد اسے بمشکل نکالا گیا۔ اس لڑائی میں، بہادر شاہ بھی بذات خود دشمنوں پر تیر چلا رہا تھا۔ اسی دوران میں لوٹ مار کرنے والے لشکر کے بازار اور سازوسامان کو لوٹنے کے لئے نکل آئے اور انھوں نے حسین علی خاں کے خیموں میں آگ لگادی۔ اب صمصام الدولہ خان دوراں بہادر منصور جنگ بھی اپنی فوج کے ساتھ بادشاہ کی رکاب میں حاضر ہوگیا۔ ظفر خاں طرہ باز بھی کمک پر آگیا تھا۔ مگر وہ دونوں فوج کی زدوخورد کی وجہ سے معرکۂ کارزار میں داخل نہ ہوسکا۔ لڑائی زور شور سے جاری تھی کہ بندوق کی ایک گولی عزت خاں کو آکر لگی اور اس کا کام ختم ہوگیا۔ اور بارہہ کی فوج شکست کھاکر بھاگ کھڑی ہوئی اور بادشاہ کی فتح کے شادیانے بجنے لگے۔

بے گور وکفن لاش

اس ہنگامہ میں بازار اور صراف خانہ لوگوں نے لوٹ لیا۔ حسین علی خاں کے اکثر کارخانے اور خزانے کی گاڑیاں بھی جو اس منزل پر پہنچ چکی تھیں لوٹ لی گئیں۔ اس طرح ایک کروڑ سے زائد کا مال واسباب اور روپیہ جو پیچھے رہ گیا تھا وہ تاراج ہونے سے محفوظ رہا اور بادشاہی سرکار میں ضبط

کر لیا گیا۔ آوارہ گرد غنڈہ عناصر دونوں بھائیوں کے بڑے دشمن تھے۔ انھوں نے جس طرح حسین علی خاں کی لاش کی بے حرمتی کی اس کو بیان نہ کرنا ہی بہتر ہے۔

ازمکافات عمل غافل مشو

از دور نیفتد قدح تلخ مکافات

زہری کہ چشیدن نتوانی مچشانی

نمک حرام رتن چند کا حشر

اس منزل سے بادشاہ کے لوٹنے کے بعد حیدر قلی خاں بہادر نے محکم سنگھ کو جان و آبرو کی امان کا پیغام دے کر اور شاہانہ عنایات کی امید دلا کر اپنے پاس بلایا اور اس کے قصور معاف کرا کے چھ ہزاری کا منصب دلا دیا جو بعد میں سات ہزاری ہو گیا۔ مگر اس نے اس کی قدر نہیں کی۔ رتن چند کو طلب کرنے کے لئے اعتماد الدولہ نے تسلی آمیز پیغام بار بار بھجوایا۔ آخر کار وہ بڑی مایوسی کے عالم میں پالکی پر سوار ہو کر دولت خانہ شاہی پر جانے کے لئے باہر نکلا راستہ میں مغلوں اور بازار کے لچوں لفنگوں نے جن کے دل اس بداطوار کافر کے کرتوتوں سے خون خون تھے۔ اس پر حملہ کر دیا اور پالکی سے گھسیٹ کر اسے باہر نکالا۔ پھر ہر طرف لوگ ٹوٹ پڑے۔ لاتوں گھونسوں اور ڈنڈوں سے اسے خوب مارا اور سارے کپڑے اتار کر مادر زاد ننگا کر کے اُسے بڑی ذلت و خواری کے ساتھ اعتماد الدولہ کے پاس لاتے، رو رو کر عاجزی سے جان کی امان کے لئے التجائیں کر رہا تھا۔ محمد امین خاں چین بہادر نے ایک جوڑ کپڑے کے دیئے اور اسے طوق و زنجیر پہنانے کا حکم صادر کر دیا۔

آں را کہ چناں کند چنیں آید پیش

سردمن داس کا فرار

سید عبداللہ خاں کا ایک اور قدیم ملازم اور وکیل رائے سردمن داس نامی تھا۔ یہ کائستھ قوم میں سے تھا۔ اس شورش و ہنگامہ کو دیکھ کر اس نے اپنی ڈاڑھی مونچھ منڈوا دیئے اور چہرہ پر بھبھوت مل لی۔ قشقہ لگا لیا اور فقیروں کا بھیس بدل کر نکل گیا۔ اس کے گھر کا کچھ ساز و سامان تو لوٹ لیا گیا اور کچھ نقد و جنس وہ اپنے ساتھ لے جانے میں کامیاب ہو گیا۔ پہلے تو وہ اپنے چند جاننے والوں کے گھر میں چھپا رہا۔ پھر موقع پر سید عبداللہ خاں کے پاس چلا گیا۔

میر علی خاں کی تباہی

میر علی خاں حسین علی خاں کا مقرب اور خادم تھا۔ وہ ترقی کر کے فیل سوار امیر اور فیل خانہ کا داروغہ تصیح،

بن گیا تھا۔ جس دن لڑائی ہوئی تھی۔ اس نے عزت خاں کا ساتھ دیا تھا اور زخمی بھی ہوگیا تھا۔ مگر وہ تین دن تک وہ لوٹ مار اور بے آبروئی سے محفوظ رہا۔ آخر اس کا مال و اسباب بھی لوٹ لیا گیا اور دس پندرہ دن تک وہ قید میں پڑا رہا۔

میر مشرف کی باریابی

میر مشرف کو بادشاہ کی طرف سے تسلی دلا سا دیا گیا اور نقد و اضافہ سے بھی اسے نوازا گیا مگر اس نے حسین علی خاں کے پاس نمک کی وجہ سے چند دن تک ان مراعات کو قبول نہیں کیا مگر آخر میں وہ بادشاہ کی عنایات کے زیر سایہ آگیا۔

امیر الامراء کا تابوت

حسین علی خاں، عزت خاں اور نور اللہ خاں کے تابوتوں پر زربفت کی چادریں ڈال کر جنازہ کی نماز پڑھی گئی اور ان کو اجمیر روانہ کردیا گیا کہ عبداللہ خاں مرحوم کی قبر کے پاس ان کو دفن کردیا جائے۔ مگر سید عبداللہ خاں اکثر اپنے اجلاس پر بیان کرتا تھا کہ کوچ کے وقت کہار میسر نہیں آئے اور تابوتوں کے قیمتی غلاف بھی لوٹ لئے گئے۔ اور ان جنازوں کی تدفین نہیں ہوسکی۔

اسداللہ خاں کا انجام

اسداللہ خاں کا ساز و سامان بھی تاخت و تاراج ہوچکا تھا وہ عرصہ تک نظربند رہا آخر بیت اللہ کی زیارت کے لئے اجازت لے کر دکن روانہ ہوگیا۔

غلام علی خاں البتہ اس بے آبروئی سے محفوظ رہا کیونکہ وہ فتح پور سے چلتے وقت ہی بادشاہ کے سایہ عاطفت میں آگیا تھا۔ بعد میں موقع پاکر وہ بھی سید عبداللہ خاں کے پاس چلا گیا۔

نصرت یار خاں کا اعزاز

نصرت یار خاں سادات بارہہ کا نامی گرامی امیر تھا۔ سید عبداللہ خاں سے اس کی نا چاقی تھی مگر حسین علی خاں کے طلب کرنے پر وہ اسی دن وہاں پہنچا تھا جس دن بارہہ کا تختہ الٹ دیا گیا۔ اس کے صمصام الدولہ سے بھی دوستانہ تعلقات تھے۔ وہ اس ہنگامہ کے وقت لشکر سے تین کوس کے فاصلہ پر ٹھیرا ہوا تھا۔ خان دوراں بہادر کے ذریعہ وہ بارگاہ شاہی میں حاضر ہوا۔ بادشاہ نے اسے پانچ ہزاری منصب پر دو ہزاری کا اضافہ دیا۔ اور عنایات شاہانہ سے نوازا اور امیر الامراء کا خطاب مرحمت ہوا۔

نئے امیر الامراء کا تقرر

اعتماد الدولہ کو ترقی دے کر آٹھ ہزاری آٹھ ہزار سوار کا منصب عطا ہوا اور امیر الامراء کا خطاب دیا گیا۔ قمر الدین خاں کو بخشی دوئم داروغۂ غسل خانہ اور دوسری خدمات پر مامور کیا گیا اور ہزاری ہزار سوار کا اضافہ مرحمت ہوا۔

حیدر قلی خاں کو انعام

حیدر قلی خاں بہادر کو اضافہ دے کر پانچ ہزاری پانچ ہزار سوار کا منصب اور سعادت خاں کا خطاب عطاب عطا ہوا اور نقارہ کا اعزاز بھی دیا گیا۔ اس طرح ظفر خاں بہادر اور قدیم وجدید تمام ملازمین اپنی خدمات وجاں نثاری کے مطابق عنایات شاہانہ سے نوازے گئے۔

سادات بارہہ کی آخری کوشش

سید عبداللہ خاں کا کوچ سید عبداللہ خاں کو جب اس حادثہ کی اطلاع ملی تو اُس کی آنکھوں میں دنیا اندھیر ہوگئی۔ بجز صبر کے اس کے لئے کوئی چارہ نہ تھا۔ راستہ میں ٹھیرے رہنے سے کیا حاصل ہوتا۔ ناچار دل شکستہ وغم زدہ اس نے شاہجہاں آباد کی طرف سفر جاری رکھا۔ اس وقت اس کے بعض ساتھیوں نے مشورہ بھی دیا کہ ابھی بادشاہ کے اطراف فوج جمع نہ ہوئی ہوگی اور حسین علی خاں کا لشکر لوٹا نہیں ہوگا۔ اسی وقت تیز رفتاری سے وہاں پہنچنا چاہیے۔ مگر سید عبداللہ خاں نے یہی مناسب جانا کہ اب بادشاہ مستقل اور خود مختار ہوگیا ہے۔ اور ہماری فوج دل شکستہ ہو چکی ہے۔ اس لئے بغیر فوج کی پنچایت اور مشورہ کے مقابلہ پر چلے جانا مناسب نہ ہوگا۔ شاہجہاں آباد پہنچ کے بعد فوج جمع کرنے اور بعض امراء کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرنی چاہیے چنانچہ اس نے کوچ جاری رکھا۔

میواتیوں کی لوٹ مار میواتیوں اور فسادی زمینداروں کو جب ان واقعات کی اطلاع ملی تو وہ ہر طرف سے نکل نکل کر جمع ہو گئے اور انھوں نے سید عبداللہ خاں کے عقب پر حملہ کرکے بہیر وغیرہ اور سید عبداللہ خاں کا پیش خانہ لوٹ لیا اور جو کچھ ہاتھ لگا اڑا لے گئے۔ ان کی روک تھام کے لئے فوج مقرر کی گئی۔ مگر وہ اتنی بدحواس تھی کہ ان کا انتظام نہ کرسکی۔ پیش خانہ کے ساتھ جو جمعیت تھی وہ ایک جمع دار کے ساتھ ماری گئی۔ شاہجہاں آباد سے حسین علی خاں کے ساز وسامان کو

لے کر ایک قافلہ نکلا تھا اور سید عبداللہ خاں کے لشکر سے دو تین کوس کے فاصلہ پر سرائے جہانہ میں ٹھیر گیا تھا۔ بلوائیوں نے حملہ کر کے اس قافلہ کو بھی لوٹ لیا۔ سارا مال و متاع اور ناموس و آبرو غارت ہو گئی۔ سید عبداللہ خاں کی جاگیروں اور محالات میں جہاں جہاں یہ اطلاعات پہنچیں۔ مال گزار رعایا اور مفسد پیشہ زمینداروں نے مل کر تمام سادات کو متصدیوں اور دونوں بھائیوں کے کارگزاروں کو بے دخل کر کے محال و جاگیر سے نکال دیا۔ نئے انتظام اور بندوبست تک انھوں نے خریف کے محاصل اپنے تصرف میں لے لئے۔

نئے تاج دار کی تلاش

سید عبداللہ خاں نے ایک شاہزادہ کو لانے کے لئے لشکرگاہ سے شجاعت اللہ خاں اور مرتضیٰ خاں کو دہلی روانہ کیا اور شاہجہاں آباد کے صوبہ دار نجم الدین علی خاں فوج تیار کرنے کے لئے ایک خط بھی بھیج دیا۔ نجم الدین علی خاں کو آٹھ ذی الحجہ کو شام کے وقت یہ خبریں ملی تھیں، وہ صبر و ضبط نہ کر سکا اور اس سے پہلے کہ شہر کے لوگ ان واقعات سے واقف ہوتے سواروں اور پیادوں کی ایک جمعیت کو کوتوال کے ہمراہ دے کر اعتماد الدولہ محمد امین خاں کے گھر پر بھیج دیا۔ اعتماد الدولہ کے آدمی پہلے سے باخبر تھے۔ اس لئے حویلی میں انھوں نے جابجا مورچہ بندی کر لی تھی اور کیل کانٹے سے لیس لڑائی کے لئے تیار تھے اور گاتے بجاتے خوشیاں مناتے اطمینان سے بیٹھے تھے۔ امین خاں کی حویلی کا محاصرہ ڈیڑھ گھڑی شب کو کر لیا گیا تھا۔ آخر یہ راز کھل گیا اور دہلی کے ہر کوچہ و بازار میں چرچے ہونے لگے۔ اسی اثنا میں سید عبداللہ کا خط آیا جس میں اس نے اعتماد الدولہ کے گھرانہ سے لڑائی کرنے کی ممانعت کر دی۔ اس ہدایت کے بعد یا از خود نجم الدین علی خاں اس باطل خیال سے باز آ گیا اور اپنے آدمیوں کو واپس بلا لیا۔

کیسو رائے کی موت

اسی رات یہ اطلاع ملی کہ رتن چند کا بہنوئی کیسو رائے جو صوبہ کا مستقل پیش کار تھا اور دہلی کے ملکی و مالی معاملات کا سربراہ اور کرتا دھرتا تھا۔ اور چند دن سے وہ سخت بیمار تھا۔ اس خبر کے سنتے ہی اس کی روح جسم سے پرواز کر گئی۔ مشہور ہو گیا کہ اس نے زہر کھا لیا تھا۔

سلطان محمد ابراہیم کا انتخاب

اتنے میں عید قرباں آگئی۔ بخم الدین علی خاں عید کی نماز کے لئے گیا۔ مگر آنسو بہاتے ہوتے اور روتے ہوتے۔ نماز سے واپس ہونے کے بعد اس نے سید عبداللہ خاں کے فرستادہ آدمیوں کو جہاں دار شاہ کے بیٹوں کے گھر پر بھجوا دیا تاکہ وہ ہندوستان کی بادشاہت قبول کرلیں۔ مگر جہاں دار شاہ کے بیٹوں نے مرتضیٰ خاں اور شجاعت اللہ خاں پر اپنے گھر کے دروازے بند کردیئے۔ آخر بڑی منت سماجت اور اصرار کے بعد ان کو اندر بلایا گیا۔ جب ان کو آمد کی غرض معلوم ہوئی تو انھوں نے سختی سے جواب دیدیا اور اس پیش کش کو قبول نہیں کیا۔ بعض کی روایت کے مطابق یہ لوگ جب وہاں سے مایوس ہو گئے تو نیکو سیر کے پاس گئے۔ مگر اس سے بھی یہی جواب سُن کر لوٹے۔ پھر وہ رفیع الشان کے بیٹے سلطان ابراہیم کے پاس آئے اور عاجزی کی کہ اگر آپ اس درخواست کو قبول کریں تو تمام سادات کی جان بچ جائے گی۔ بعض شرائط پر گفت و شنید کے بعد سلطان محمد ابراہیم نے ان کی بات مان لی۔

ایک نیا شاہ شطرنج

سلطان ابراہیم کی تخت نشینی

سادات بارہہ کو ایک نیا بادشاہ مل گیا اور انھوں نے ۱۷ ذی الحجہ سن گیارہ سو بتیس ہجری (۱۱۳۲ھ) کو مطابق بیں مہر ماہ الہٰی سلطان محمد ابراہیم کو تخت سلطنت پر بٹھا دیا اور اس کا لقب ابوالفتح ظہیرالدین محمد ابراہیم شاہ رکھا۔ تخت نشینی کے دو روز بعد سید عبداللہ خاں شاہجہاں آباد میں داخل ہوا اور محمد ابراہیم کی بارگاہ میں حاضری دی۔ غازی الدین غالب جنگ کو آٹھ ہزاری کا منصب اور امیرالامراء کا خطاب عطا ہوا اور میر بخشی کے عہدہ پر اسے مقرر کیا گیا۔ بخم الدین علی خاں بخشی دوم صلابت خاں بخشی سوم اور بیرم خاں بخشی چہارم مقرر ہوئے۔ نئے بادشاہ نے سب کے مرتبے درجے جو بے فائدہ و لاحاصل تھے بلند کردیئے اور امراء لشکر کی دل دہی کرتا رہا جو لوگ رفیع الدرجات کے زمانہ سے بے منصب اور ترقی سے مایوس تھے۔ یا قید میں پڑے ہوئے تھے۔ سب کو بلا کر ابراہیم نے منصب عطا کئے۔ اور مدد خرچ کے لئے رقمیں دیں۔ ان میں سے بیشتر کو رسالہ فوج کی بھرتی پر مامور کردیا اور فی سوار اسّی روپیہ ماہانہ کے حساب

سے تیس چالیس ہزار کی رقم عطا کی سادات نے فتح جنگ کے چچا حامد خاں بہادر کو نظام الملک کی جنگ کی خبر سن کر معزول کر دیا تھا اور جاگیر بھی ضبط کر لی تھی۔ اس کو بھی تسلی دلا سا دے کر اور نقد روپیہ دے کر اپنے ساتھ لے لیا۔ نہ صرف وہ بلکہ مرحوم فرخ سیر بادشاہ کے قرابت داروں، اعتقاد خاں، شائستہ خاں اور سیف اللہ خاں کو جو معتوب و مغضوب تھے اور اسلام خاں، صفی خاں کو جن کا یومیہ مقرر کر دیا تھا۔ سب کو دوبارہ خاطر مدارات کر کے اپنی رفاقت پر آمادہ کر لیا۔ اسلام خاں اور صفی خاں نے انجام پر نظر رکھی اور صحت کی خرابی وغیرہ کا بہانہ کر کے کسی خدمت کو قبول نہیں کیا۔ محمد یار خاں کو بھی مدد و رفاقت کا پیغام گیا تھا۔ مگر اس نے انکار کر دیا۔ البتہ سیف اللہ خاں اور اعتقاد خاں نے منصب قبول کر لیا اور مدد خرچ اور رسالہ بھرتی کرنے کے لیے رقمیں وصول کریں۔ مگر اعتقاد خاں جس غرض کو لیے ہوتے تھا وہ پوری نہ ہو سکی اور ایک دو منزل سے زیادہ وہ ساتھ نہ دے سکا۔

فوجی بھرتی کا آغاز

اسی طرح محمد ابراہیم اور سید عبداللہ خاں نے قدیم بادشاہی اور والاشاہی ملازموں کو اپنے ساتھ لے لیا۔ کم منصب ہفت صدی اور ہزاری ملازموں کو انعام اور مدد دے کر امیدوار بنایا۔ سید عبداللہ خاں کے قدیم نوکروں کو جنھیں ماہانہ پچاس روپیہ ملتا تھا اسی روپیہ مقرر کئے گئے، مگر باوجود اس نمایاں اضافہ کے ہر ایک اس سے استفادہ نہیں کر سکا اور فوج میں بددلی پھیل گئی۔ یہ اضافہ چونکہ بلا امتیاز ہوا تھا۔ اس لئے یہ صورت پیدا ہو گئی کہ ادنیٰ اور معمولی آدمی جیسے جمع داروں کے بارگیر اور سائیس وغیرہ بھی جن کی تنخواہ پہلے چالیس پچاس روپیہ تھی۔ مزید چالیس روپیہ کا اضافہ پانے لگے ان کے ساتھ ایسے نوجوان جو باعزت خاندانوں کے فرد تھے۔ بڑے کارگزار اور خوش اسپ سوار تھے۔ ان کے ہتھیار بھی عمدہ تھے۔ وہ بھی بڑی محنت و مشقت کے بعد بھی وہی ستر اسی روپیہ پاتے تھے۔ اور چار و ناچار اسی آمدنی پر گذارہ کر رہے تھے۔ ان کو یہ اضافہ مل نہ سکا۔

بدانتظامی اور مشکلات

سید عبداللہ خاں کی فوج کا کچھ حصہ مظلوم و مرحوم بادشاہ محمد فرخ سیر سے دل ہی دل میں محبت رکھتا تھا اور رتن چند کے تسلط کی وجہ سے بھی مجبور اور بددل تھا اس لئے فوج کے انتظامات بہت خراب رہتے تھے اب جو رسالہ فوج کی نئی تنظیم کے لئے اچھے اور برے گھوڑے کا امتیاز کئے بغیر ماہانہ اسی روپیہ کی شرح نافذ کر دی گئی تو بڑی بدنظمی پیدا ہو گئی۔ کیونکہ اچھے گھوڑے اور ملازمت

کے قابل نوجوان کمیاب تھے۔ جو لوگ دو سو تین سو کا گھوڑا سودی قرض لے کر خرید لاتے تھے۔ ان کو اسی روپیہ سے زیادہ نہیں ملتے تھے اور جو پندرہ بیس کا ناکارہ ٹٹو لے کر آجاتا تھا اسے بھی اسی روپیہ مل جاتے تھے۔ نجم الدین علی خاں کے لشکر میں تو عام منادی بھی کردی گئی تھی کہ ٹٹو ہو یا لنگڑا گھوڑا وہ لے آتے اور اپنے کاغذات درست کرائے۔ چنانچہ نان بائی کے لونڈے، نداف، قصاب سب اونچی بنے ہوئے تھے۔ دس پندرہ کا ٹٹو جو دراصل چار پانچ روپیہ کے مول کا بھی نہیں ہوتا تھا۔ خرید کرے آئے تھے اور داغ کرا دیتے تھے اور رقم لے کر گھر کی راہ لیتے تھے۔ اس طرح تمام رسالہ نوجوں میں چالیس پچاس لاکھ روپیہ قدیم ملازموں کے ماہانہ معاوضوں کے علاوہ متجاوز ہوگیا جو مجموعی طور پر کروڑ روپیہ ہوجاتا تھا۔ بہرحال راجہ رتن چند کا جمع کردہ زر و مال اس طرح رائیگاں خرچ ہوگیا۔ بہادرشاہ کی اقبال مندی تھی کہ اس بد انتظامی کے سبب سید عبداللہ خاں کے قدیم و جدید نوکر ناراض اور بددل ہوگئے۔

شاہجہاں آباد سے کوچ

سادات بارہہ کی نوجوں نے (۱۷) سترہ ماہ ذی الحجہ کو سلطان ابراہیم کے ہمراہ دارالخلافہ سے نکل کر عیدگاہ کی جانب پڑاو ڈال دیا۔ اسی اثناء میں بادشاہی لشکر سے غلام علی خاں اور اکبرآباد سے تہور علی خاں وہاں پہنچ گئے۔ غلام علی خاں کو نجابت علی خاں کے ساتھ جو سید عبداللہ خاں کا بھتیجہ اور متبنیٰ تھا اور چودہ سال کا نوعمر جوان تھا۔ شاہجہاں آباد اور قلعہ کے بندوبست کے لئے مختصر سی جمعیت کے ساتھ چھوڑ دیا گیا۔ پہلے خبر ملی تھی کہ بادشاہ نے حسین علی خاں کے تصفیہ سے فارغ ہونے اور نوجوں کا نظم ونسق درست کرنے کے بعد بلا توقف کوچ کردیا ہے۔ اور راجپوتیہ کے راستہ سے دارالخلافہ کی طرف سفر کر رہا ہے۔ اس اطلاع پر سید عبداللہ خاں نے دوسرا اور تیسرا کوچ حضرت شاہ قطب الدین کی درگاہ کے راستہ پر کیا۔ مگر بعد میں خبر ملی کہ بہادرشاہ اکبرآباد کے راستہ سے روانہ ہوا ہے تو عبداللہ خاں نے بھی راستہ بدل دیا۔ اور فریدآباد کی سڑک پر آگیا۔ عبداللہ خاں کو سیف الدین علی خاں، شہامت خاں سید محمد خاں، ذوالفقار علی خاں اور دوسری افواج بارہہ کا انتظار تھا۔ اسی لئے وہ بہت آہستہ آہستہ ٹھیرتے ہوئے سفر کر رہا تھا۔ اس کی نوج کی حالت کچھ زیادہ اچھی تھی۔ باوجود اس کے کہ کافی رقم خرچ کی تھی۔ خاص خاص وابستگان پیش کار، ناظر، محرر اور دوسرے ہمراہی

تعلقہ دار تک گھوڑوں پر بغیر زین کے سواری کر رہے تھے۔ ہر منزل پر بارہہ کی اور افغان تمن داروں اور فیل سوار زمینداروں کی فوجیں سلطان محمد ابراہیم کے لشکر میں آکر شامل ہوتی جارہی تھیں۔ اسی طرح حسین علی خاں کے نوکر جو بادشاہی رسالہ میں شامل کرتے گئے تھے اور ایک ماہ کی تنخواہ لے لی تھی۔ وہ بھی موقع پاکر فرار ہوگئے اور عبداللہ خاں کے پاس چلے آئے۔ ان دنوں فوجی بھرتی کا ایسا زور شور تھا کہ ایک ایک ٹٹو دو تین جگہ داغ دیا جاتا تھا۔

بارہہ کی فوجوں کی آمد

جب سلطان محمد ابراہیم نیول کی منزل پر پہنچا۔ جو شاہجہاں آباد سے تینتیس کوس پر ہے تو سید عبداللہ خاں کا بھائی سیف الدین علی خاں شہامت خاں اور اس کے بیٹے اور بھائی اور اسداللہ خاں کا بڑا بیٹا سید محمد خاں جو اولیاء کے نام سے مشہور تھا اور اسے حسین علی خاں نے بارہہ کی فوج جمع کرنے کے لئے بھیج دیا تھا اور ذوالفقار علی خاں کہ اسے بھی بارہہ کے اطراف کے دوسرے بہادروں کو لانے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ نیول میں آکر مل گئے۔ سادات بارہہ سے بھری ہوئی کوئی ڈیڑھ سو سے زیادہ گاڑیاں آئی تھیں۔ ان میں کا ہر فرد خود کو بیس بیس سواروں کے برابر سمجھتا تھا اور ہر ایک کو صاحب فیل اور صاحب فوج امیر بن جانے کی توقع اور امید تھی ان سے ایک سال کا نقد خرچ گھوڑا اور خلعت فراہم کرنے کا وعدہ بھی کیا گیا تھا۔ بہرحال ان کو دم دلاسہ دے کر شہامت خاں اپنے ساتھ لیتا آیا تھا اور وہ ڈینگیں مار رہے تھے، کہ بس مقابلہ تو ہونے دو، سرداروں کے مقابلہ کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ ہم ایک ہی برق رفتار حملہ میں ننگی تلواریں سونت کر توپ خانہ کو روند دیں گے اور دشمن کے قول پر جا پہنچیں گے۔ مگر ان میں سے اکثر کو بمشکل گھوڑا خلعت اور ایک ماہ کا خرچ مل سکا اور بہت سے بدنصیب ایسے تھے کہ ان کی جھولی میں صرف فتح کے بعد کے وعدے ہی پڑے البتہ مدد خرچ کے طور پر کچھ رقم دیدی گئی۔ گھوڑا نہ ملنے کے سبب ان کو سواری کے ہاتھی کے ساتھ پیدل دستوں میں شامل ہونا پڑا۔

سلطان ابراہیم کے لشکر کی تعداد

بہرحال ۱۰ محرم (۱۱۳۳ھ) تک جیسا کہ میں نے بخشی کے دفتر سے تحقیق کیا ہے اور سید عبداللہ خاں کی زبانی سنا ہے۔ نوے ہزار سوار جمع ہوگئے تھے۔ ان میں سے چودہ پندرہ ہزار نئے بھرتی شدہ

ٹو سوار تھے ۔لشکر میں سے ایک جمعیت اور قدیم رسالے اطراف واکناف میں متفرق طور پر مامور تھے ۔ باقی اصل لشکر کے ساتھ تھے ۔ بعد میں نمک حرام چورامن اور محکم سنگھ کے ہمراہیوں اور حسین علی خاں اور اطراف کے زمینداروں کے جتھوں کا بھی اضافہ ہو گیا تھا ۔ چنانچہ مشہور قول کے مطابق ابراہیم کے لشکر کی تعداد ایک لاکھ سے بھی زیادہ ہو گئی تھی ۔ جب سواری نکلتی تھی تو حد نظر تک زمین سواروں سے پٹی ہوئی دکھائی دیتی تھی ۔ اسی دن چوڑامن جاٹ اپنے بھائی کے ساتھ تین ہاتھیوں اور چند اونٹوں کے ساتھ جسے وہ بادشاہی لشکر سے چرا کر ہانک لاتے تھے ۔ سید عبداللہ خاں سے راستہ میں آکر مل گیا ۔ سید عبداللہ خاں نے وہ ہاتھی اور اونٹ اسی کو بخش دیئے ۔

لشکر میں بددلی اور بیزاری

سلطان ابراہیم کا لاؤ لشکر تو اتنا بڑا ہو گیا تھا ۔ مگر اس لشکر میں بہت جلد بیزاری اور بددلی پھیل گئی ۔ کیونکہ اس زرپاشی کے باوجود کہ گھر گھر سے گاڑیاں بھر بھر کر زر و مال جمع کیا گیا تھا ۔ اور رتن چند نے غریب رعایا سے رشوت لے کر اور ظلم کر کے بھاری بھاری رقمیں خزانہ میں جمع کرائی تھیں، اور یہ ساری رقم بے تکان لشکر پر خرچ کر دی گئی تھی ۔ تمام لشکری اور قدیم رسالہ فوج کے سوار جو دو دو ماہ کی پیشگی طلب کر رہے تھے ۔ تاکہ صرافوں کا قرض ادا کر کے سرما کا لباس ہتھیار اور گھوڑوں کا ساز تیار کر لیں بڑی پریشانی میں مبتلا ہو گئے تھے ۔ ان کا مطالبہ اب تک پورا نہیں ہوا تھا ۔ آخر ان سے ایک ماہ کی پیشگی کا وعدہ کیا گیا، اور وہ اس پر بھی خوش ہو گئے ۔ مگر محرم کی تنخواہ میں سے صرف دس دن کی تنخواہ ملی اور وہ بھی ان لوگوں کو جو وسیلہ اور سفارش رکھتے تھے ۔ باقی لوگ اس سے بھی محروم رہے ۔ اس کے برعکس بادشاہی لشکر میں لوگ مطمئن تھے ۔ کیونکہ حیدر قلی خاں بہادر ناصر جنگ نے توپ خانہ کی فوج کو ان کے سابقہ مطالبات ادا کر کے خوش کر دیا تھا ۔ چنانچہ کارکردگی کے وقت اس فوج نے جو کارنامہ انجام دیا ۔ اس کا ذکر ہم کریں گے ۔

محمد شاہ میدانِ جنگ کی طرف

بادشاہی لشکر کا کوچ

حاصل کلام یہ کہ نویں دسویں محرم کو بادشاہی لشکر نے موضع شاہ پور سے آگے بڑھ کر چھاؤنی قائم کر دی۔ امرائے لشکر اور میر آتش فوجوں کو ترتیب دینے اور توپ خانہ کو آگے بڑھانے میں مصروف ہو گئے۔ اس وقت بادشاہی فوج دشمن کی فوج سے نصف سے بھی کم تھی۔ بادشاہ کو سیف الدولہ، عبدالصمد خاں بہادر دلیر جنگ اور راجہ دھیراج جے سنگھ کی آمد کا بھی انتظار تھا۔ ان کے نکلنے کی خبر تو آ چکی تھی۔ مگر بُعد مسافت اور دوسرے موانعات کی وجہ سے وہ موقع جنگ پر نہیں پہنچ سکے۔ البتہ محمد خاں بنگش دو تین ہزار سواروں کے ساتھ آ گیا تھا۔ اس کے علاوہ عزیز خاں روہیلہ ثابت خاں، بایزید خاں میواتی اپنے جاں نثار ہمراہیوں کے ساتھ رکاب شاہی میں حاضر تھے۔ راجہ دھیراج کے تقریباً تین چار ہزار سوار بھی آ چکے تھے۔ چند ایک زمیندار بھی آ کر مل گئے۔ مگر کوئی ایسا فوجی سردار جس پر میسرہ اور میمنہ کو اعتماد و اطمینان ہوتا نہیں پہنچا تھا۔ دو تین صاحب فوج سردار تھے بھی تو ان کا یہ حال تھا کہ وہ چار و ناچار مصلحتاً شریک ہو گئے تھے۔ دل سے ساتھ نہیں تھے۔ جیسے محکم سنگھ اور دوسرے وہ جو سید بھائیوں کے دست گرفتہ تھے۔ ان کے پاس سے تو سید عبداللہ خاں کے پاس برابر خطوط پہنچ رہے تھے کہ عین وقت پر ہم کو آپ اپنے ساتھ دیکھیں گے۔ خاص طور سے چورامن جاٹ نابکار جو قدیم سے موروثی نمک حراموں میں شمار کیا جاتا تھا۔ اور اعظم شاہ کی لڑائی کے بعد سے برابر اس کی بد طینتی منظر عام پر آتی رہی تھی۔ مگر وقت ایسا تھا کہ بادشاہ کے خیر خواہ میر

اس سے رابطہ ضبط رکھنے پر مجبور تھے۔ وہ توپ خانہ کے انتظام و بندوبست کا بہانہ کر کے میر آتش کے ساتھ لگا رہتا تھا اور سید عبداللہ خاں کے خطوط اور پیغام اس کے پاس آتے رہتے تھے کہ اس کی ذمہ داری بس یہ ہے کہ کسی طرح بادشاہی بارود خانہ کو آگ لگا کر اڑا دے یا توپ خانہ کے بیل چرا کر ہمارے پاس بھجوا دے۔ وہ مردود اس خدمت کو انجام دینے کے لئے بڑی کوشش کرتا رہا۔ مگر ناصر جنگ نے ایسی سخت نگرانی رکھی تھی کہ وہ نابکار کچھ نہیں کر سکا۔

بادشاہی لشکر کی ترتیب

محمد شاہ بادشاہ نے اپنی فوج کو اس طرح ترتیب دیا کہ حیدر قلی خاں بہادر ناصر جنگ کو جس نے توپ خانہ کے انتظام میں بڑی مہارت کا ثبوت دیا تھا۔ لشکر کا ہراول مقرر کیا میمنہ پر سعادت خاں بہادر اور محمد خاں بنگش میسرہ پر صمصام الدولہ اور نصرت یار خاں اور ثابت خاں اور "طرح فوج" پر اعظم خاں چند تجربہ کار افسروں کے ساتھ متعین ہوا۔ قمر الدین خاں بہادر، علیم اللہ خاں اور طالع خاں ایک جمعیت کے ساتھ یلتمش پر اور قول و رکاب شاہی میں اعتماد الدولہ وزیر الملک شیر افگن خاں، ہادی خاں اور تربیت خاں مقرر تھے۔ بہیر کی حفاظت کے لئے میر جملہ، میر عنایت اللہ خاں، ظفر خاں اخلاص خاں راجہ گوپال سنگھ بھدوریہ اور راجہ بہادر وغیرہ مامور تھے۔ خواتین کی حفاظت اور میمنہ میسرہ کی مدد کے لئے اسد علی خاں، سیف اللہ خاں، حامد خاں، امین الدین خاں اور ایران توران کی فوجیں، بہادر پٹھان اور راجہ دہیراج کی فوجیں جگہ جگہ متعین تھیں۔ ہاتھیوں اور اونٹوں کی قطاریں بھی تھیں۔ ان پر جو آتشیں ہتھیار چڑھے ہوئے تھے۔ وہ ہتھنال، شترنال اور راچھنگی کہلاتے تھے۔ ان کو توپ خانہ کے پیچھے دلیر جوانوں کے دستوں کے ساتھ صف بستہ کر دیا گیا تھا۔

سادات بارہہ کا ٹڈی دل

بادشاہی فوج کے مقابلہ میں سادات بارہہ کے لشکر میں بڑی افراتفری اور بدنظمی تھی۔ سید عبداللہ خاں کا یہ بے سروپا لشکر بادشاہی فوج کے شب خون کے اندیشہ سے چند دن تک بہت پریشان اور خوف زدہ رہا۔ ہراول پر نجم الدین علی خاں۔ غازی الدین خاں بارہہ اور افغان سرداروں کے ساتھ مقرر کئے گئے تھے۔ ان لوگوں نے تو چند راتیں ہاتھیوں پر سوار گذاریں۔ ۱۲ محرم کو بادشاہی لشکرگاہ سے تین کوس کے فاصلہ پر حسن پور میں یہ فوج ٹھیر گئی۔ فوج بندی کی یہ صورت

تھی کہ آج ایک ترتیب وتقسیم ہوتی تو کل اس کو منسوخ کرکے دوسری قائم کردی جاتی ہراول میں اس قدر اختلاف تھا کہ ایک دوسرے کی رفاقت واطاعت پر راضی نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے عبداللہ خاں کا میمنہ ومیسرہ جس طرح چاہئے منظم ومرتب نہ ہوسکا۔ جس کا جی جس طرف چاہا اپنا علم بلند کرکے کھڑا ہوگیا اور دوسرے کی کمان میں لڑنے پر تیار نہیں ہوا۔ ہراول کے ہمراہ جگہ جگہ جو سردار مقرر تھے۔ ان میں سید عبداللہ خاں کا بھائی سیف الدین علی خاں۔ نجم الدین علی خاں، غالب جنگ، سید محمد خاں، شہامت خاں، مع اپنے بھائیوں اور بیٹے کے تہور علی خاں، شجاعت اللہ خاں، ذوالفقار علی خاں، عبدالنبی خاں، مظفر خاں اور دوسرے بارہہ کے بہادر تھے۔ جو خود کو رستم سے کم نہیں سمجھتے تھے۔ سلطان محمد ابراہیم اور سید عبداللہ خاں کے دائیں اور بائیں بازو پر تمن دار افغان فیل سوار زمیندار اور دوسرے جنگجو سردار تھے۔ ان میں چند نام یہ ہیں۔ حامد خاں بہادر، سیف اللہ خاں، بیرم خاں، نعمت اللہ خاں، امیر خاں، سید صلابت خاں، عبدالغنی خاں، اخلاص خاں افغان عمر خاں روہیلہ، دین دار خاں، عبدالقدیر خاں، صبغۃ اللہ خاں، غلام محی الدین خاں دلیر خاں، شجاع خاں پلولی، عبداللہ خاں ترین تھے۔ اگر ہم تمام شریک معرکہ سرداروں اور امیروں کے نام گنوائیں تو یہ فہرس طویل ہوجائے گی۔ عبداللہ خاں کی جمعیت خاص میں ابوالحسن خاں بخشی کل، سید علی خاں بخشی رسالہ اور ہیرامن بخشیٔ بارہہ پچیس ہزار سواروں کے ساتھ متعین تھے بارہہ کی پیدل فوج پر اس کو بڑا بھروسہ تھا کہ وہ آڑے وقت میں لڑائی سے منہ نہیں پھیرے گی۔ اسی رات کو محکم سنگھ، خداداد خاں اور خان مرزا، سات آٹھ سو سواروں کے ساتھ بادشاہی لشکرگاہ سے نکل کر سید عبداللہ خاں کے پاس چلے گئے۔

بادشاہی توپ خانہ

صبح ہوئی تو محمد شاہ بادشاہ خانوادۂ تیموری کی آن بان کے ساتھ قلب لشکر میں ہاتھی پر سوار ہوگیا۔ سواری کے وقت حکم دیا کہ رتن چند کے ناپاک سر کو کہ وہی سادات بارہہ کی بدنامی کا باعث تھا قلم کردیا جائے حکم کے مطابق اس کا سر کاٹ کر بطور شگون کے بادشاہی ہاتھی کے سامنے ڈال دیا گیا۔ کوچ کا حکم ہوا تو سب سے پہلے توپ خانہ کی فوج نے حرکت کی۔ جب دونوں فوجیں مقابل ہوئیں تو دونوں طرف سے گولہ باری اور بان اندازی شروع ہوگئی اور توپوں کی گرج بان کی سنسناہٹ سے زمین وآسماں گونجنے لگے۔ اس گولہ باری سے محمد شاہ کی

منظم اور صف آراستہ فوجوں کو کچھ زیادہ نقصان نہیں ہوا۔ مگر دشمن کے لشکر میں جہاں کثرت ہجوم سے کوئی ترتیب و تنظیم نہیں تھی۔ اور پیادہ و سوار ٹڈی دل کی طرح میدان میں پھیلے ہوئے تھے۔ بادشاہی توپ خانہ کی گولہ باری سے بڑی افراتفری اور بھگدڑ سی مچ گئی۔ نئے نئے بھرتی ہونے والے ٹٹو سوار اور بعض پرانے سپاہی بھی جو بدنظمی کی وجہ سے کسی کے ماتحت نہیں رہے تھے بھاگ کھڑے ہوئے۔ بادشاہی توپ خانہ کی ہر باڑھ پر صف کی صف الٹ جاتی تھی۔

شدید گولہ باری

بارہہ کے دلاوروں نے بار ہا حملے کئے مگر توپ خانہ کی پیش قدمی جاری رہی۔ آخر شام کے قریب سادات نے خاص طور سے نجم الدین علی خاں بہادر نے جو گاؤں کے کنارے درختوں کی پناہ میں ایک ٹیلہ پر مورچہ بند تھا۔ چودہ پندرہ ہزار سواروں کے ساتھ بادشاہی توپ خانہ پر حملہ کیا۔ یہ ایسا زبردست حملہ تھا۔ کہ بہت سے آدمیوں کے قدم میدان سے اکھڑ گئے۔ آخر منصور جنگ اور ناصر جنگ نے بڑی تیزی اور دلیری سے بڑھ کر سادات کی اس یلغار کو روک دیا۔ اس موقع پر نصرت یار خاں ثابت خاں اور دوسرے بہادروں نے بڑے نمایاں کارنامے انجام دیئے۔ اسی موقع پر بادشاہی امیروں نے حملہ کر کے دشمن کے مورچوں سے چند رہکلے (توپ گاڑیاں) قبضہ میں لے لئے۔ اب بارہہ کے لئے درختوں کی پناہ بھی باقی نہیں رہی۔ غروب آفتاب کے قریب سید عبداللہ خاں نے مختصر خیمہ ایک جگہ لگانے کا حکم دیا تھا مگر جب یہ اندازہ ہوا کہ خیمہ گولہ باری کی زد میں ہے تو اس کو وہاں سے اکھاڑ دیا گیا۔

خوفناک آتش باری

یہ چودھویں کی شب تھی اور سارے میدان میں چاندنی کا فرش بچھا ہوا تھا۔ بادشاہی توپ خانہ کو نشانہ لینے میں بڑی سہولت مل گئی ناصر جنگ نے توپ گاڑیوں کو متحرک مورچہ کی طرح استعمال کیا۔ بیلوں کو توپ کے پچھلے حصہ کی طرف باندھا جاتا ہے۔ توپ کا منہ دوسری طرف ہوتا ہے۔ اس کے برعکس ناصر جنگ نے بیلوں کو توپ کے منہ کی طرف بندھوایا اور ان گاڑیوں کو گولہ باری کرتے ہوئے آگے بڑھاتا رہا

اور اس رات ایسی زبردست گولہ باری کی کہ دشمن کی فوجوں میں ہلاکت کا بازار گرم ہوگیا۔ حیدر قلی خاں بہادر گولہ باری کے وقت مٹھی بھر بھر کر سونا چاندی توپچیوں میں

تقسیم کر رہا تھا۔ اور ان کے حوصلے بڑھا رہا تھا وہ بھی ایسا دل لگا کر توپیں سر کر رہے تھے کہ ایک لحظہ کے لیے بھی گولہ باری نہیں رکتی تھی۔ بڑی بڑی توپیں ہر معرکہ میں بس ایک دو بار چلائی جاتی ہیں مگر اس لڑائی میں ان کی ضرب اتنی متواتر تھی کہ شمار رکھنا ممکن نہ رہا تھا۔ میرے علم میں جہاں تک ہے اور میں نے محمد قاسم فرشتہ کی تاریخ کے حوالہ سے فرماں روایان دکن کے تذکرہ میں لکھا بھی ہے کہ توپ خانہ کا رواج سن سات سو ستر ہجری (۷۷۰ھ) میں محمد شاہ بہمنی کے عہد میں دکن سے ہوا۔ توپ خانہ کا پہلا کمان دار محمد خاں رومی تھا۔ جس نے بیجانگر کے راجہ کی لڑائی میں گولہ باری کی تھی۔ میرے خیال میں اس وقت سے محمد شاہ بادشاہ کے اس معرکہ تک توپ خانہ نے کسی وقت بھی ایسی کارگذاری کا مظاہرہ نہیں کیا ہوگا۔

غنیم کے لشکر میں افراتفری

جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں توپ خانہ کی پہلی ضرب میں ہی نئے بھرتی شدہ گم نام بہت سے سپاہی میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ جب چار پانچ گھڑی رات گذر گئی اور گولہ باری کا سلسلہ ختم نہیں ہوا تو بارہہ کی فوج کے حوصلے بھی پست ہو گئے۔ بہت سے صاحب فیل و نشان جمعدار اور نامی گرامی تمن دار الامان والحفیظ کہتے ہوئے بہیر کی طرف پناہ لینے بھاگ گئے وہاں بھی امان نہیں ملی تو بہیر سے نکل کر شہر اور قصبوں کی طرف اپنے جھنڈے اڑاتے ہوئے فرار ہونے لگے۔ ان میں سے بیشتر کو راستہ میں زمینداروں اور میواتیوں نے اور قزاقوں نے گھیر گھیر کر مار ڈالا۔ گولہ باری مسلسل جاری تھی۔ آخر شب تک دشمن کے ایک لاکھ سواروں میں سے سترہ اٹھارہ ہزار سواروں سے زیادہ میدان میں باقی نہیں رہے تھے۔ جو عار و ننگ کی وجہ سے عبداللہ خاں سپہ دار غازی الدین خاں غالب جنگ، حامد خاں بہادر، سیف خاں، سید صلابت خاں، روح اللہ خاں اور بعض تمن داروں اور بارہہ کے قدیم الخدمت جمع داروں کے ساتھ موریچوں پر جمی ہوئی تھی۔ اس فیل سوار شتر سوار توپ خانہ کی آتش باری کے سبب ان کو رات بھر مہلت نہیں مل سکی۔ آٹھ پہر بھوکے پیاسے ندی کے کنارے ہوا ایک جاٹ کے تصرف میں تھی۔ مورچہ بند رہے۔ اس وقت آشنا و بیگانہ لوٹ مارسے غافل نہیں تھے۔ جس کا جس سے بس چلتا وہ اُسے تاخت و تاراج کر دیتا تھا۔ ندی کے دونوں طرف جو پیادے اور سوار تھے، گولہ باری کے خوف سے پانی لانے کے لیے

کنارے تک جانے کی ہمت نہیں کر رہے تھے۔ آنکھوں میں نیند کی جگہ بارود کے ذرّے کھٹک رہے تھے۔ فوج کے سردار بے چینی سے صبح ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ اس خوفناک رات کا اختتام ایک خوفناک واقعہ پر ہوا۔ آخر رات میں ایک بڑا گولہ محکم سنگھ کی سواری کے ہاتھی پر آکر گرا، محکم سنگھ ہاتھی سے کود کر گھوڑے پر سوار ہو گیا اور ایڑ لگا کر وہ بجلی کی طرح گھوڑا دوڑاتے ہوئے میدان جنگ سے نکل بھاگا۔ وہ ایسا فرار ہوا کہ عرصہ تک اُس کے زندہ یا مُردہ ہونے کا کوئی سُراغ نہ لگ سکا۔

ساداتِ بارہہ کا خاتمہ

لڑائی کا دوسرا دن

آخر رات ختم ہوئی اور سورج نکلا۔ خانزادہ صاحب قران کے نام یوا محمد شاہ نے بادشاہ پسند نامی ہاتھی پر سوار ہو کر یورش کا حکم صادر کیا۔ بادشاہ نے گذشتہ رات اور دن کے پورے آٹھ نو پہر میدان جنگ میں ہی گذارے تھے۔ اور اب وہ نئے معرکہ کے لئے اپنی فوجوں کو آگے بڑھا رہا تھا۔ ادھر سے نجم الدین علی خاں اور بارہہ کے دوسرے سردار جرأت سے آگے بڑھے اور بادشاہی فوج کے سرداروں نے ان کے حملوں کا بھرپور جواب دیا اور بڑی سخت خوں ریز لڑائی چھڑ گئی ؎

چناں گرم شد آتشِ کارزار　　که از نعل اسپاں برآمد شرار
غبار زمیں برہوا راہ بست　　عنانِ سلامت بروں شد زدست

صمصام الدولہ بہادر منصور جنگ نے خاص طور سے بڑی دلیرانہ جنگ کی۔ درویش علی خاں داروغۂ توپ خانہ بھی بہادری سے لڑتا رہا یہاں تک کہ لڑتے ہوئے جان دے دی۔ دوست علی خاں اپنے ساتھیوں کے ساتھ زخمی ہو گیا۔ نصرت یار خاں نے بڑے شیرانہ حملے کئے تھے اور بارہہ کے سامنے سینہ سپر ہو گیا تھا۔ اس کو بھی تیروں کے دو زخم لگے سعادت خاں اپنے ہاتھی کو دوڑاتے ہوئے کمک پر آیا تھا۔ اس نے جس طرف بھی حملے کئے آفریں آفریں کا شور اٹھنے لگا۔ شیر افگن خاں کو بادشاہ نے ان بہادروں کی کمک کے لئے بھیجا تھا۔ اس نے بارہہ کی صفوں پر شیرانہ وار حملہ کیا اور ایک بڑی تعداد کو خاک و خون میں

لوٹا دیا ۔ بادشاہی توپ خانہ نے رات بھر گولہ باری کی تھی ۔ گولہ باری کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ دشمن کی صفوں میں گولہ باری کی زد میں آکر جو لوگ ہلاک ہوتے ان میں شہامت خاں بھی تھا۔ جو سید عبداللہ خاں کے لشکر میں بڑا مشہور آدمی تھا ۔ اس کے ساتھ اس کا بھائی فتح یار خاں اور اس کا ایک بیٹا بھی کام آگئے ۔ بارہہ کا ایک اور مشہور جنگجو تہور علی خاں بھی مارا گیا ۔ ان کے علاوہ قاضی میر بہادر شاہی کا بھتیجہ عبدالقدیر خاں عبدالرحیم خاں خلد مکان کا بیٹا عبدالغنی خاں، غلام محی الدین خاں اور بارہہ کا ایک بڑا جمع دار صبغتہ اللہ خاں اور شجاع خاں پلولی کا بیٹا بکثرت آدمیوں کے ساتھ مارے گئے ان کی لاشیں قطار اندر قطار بکھری ہوئی تھیں ۔ بادشاہی لشکر میں سے توپ خانہ کا داروغہ صمصام الدولہ اور ناصر جنگ کے توپ خانہ کا داروغہ عبدالنبی خاں اس کا منشی میاں رام، حسین خاں کا پوتا محمد جعفر چند اور کم مرتبہ اشخاص کے ساتھ مارے گئے ان کے علاوہ کسی نامی گرامی امیر کو نقصان نہیں پہنچا ۔

نجم الدین علی خاں کی شکست

بارہہ کے لشکر کی ساری سرگرمی نجم الدین علی خاں کے دم سے تھی ۔ اس کو تین چار کاری زخم لگے ۔ آنکھ کے قریب تیروں کے لگنے کی وجہ سے وہ لڑائی جاری نہ رکھ سکا ۔ سید عبداللہ خاں نے جب اس کو خطرہ میں گھرا ہوا دیکھا تو اس نے سادات بارہہ کے ان بہادروں کو لے کر جو اس کے اطراف رہ گئے تھے اپنا ہاتھی بھائی کی مدد کے لئے بڑھا دیا ۔ اس درمیان میں محمد شاہ بادشاہ نے خود بڑھ کر جنگ میں حصہ لینا چاہا مگر ہمراہیوں نے بہ اصرار روک دیا ۔ چورامن جاٹ نے بہیر پر متعدد حملے کئے اور چند آدمیوں کو شہید بھی کر دیا ۔ دریا ئے جمنا کے کنارے ریت کے پشتے پر سائیسوں نے بیوقوفی سے تقریباً ایک ہزار بیل اور اونٹ اکٹھا کر دیئے تھے ۔ چورامن نے یہ جانور لوٹ لئے لنگر خانہ کے سامان سے لدے ہوئے چند اونٹ اور محکمہ صدارت کا دفتر بھی تاخت و تاراج ہو گیا ۔ اس وقت جب کہ عبداللہ خاں نے حملہ کیا تھا ۔ جاٹ نے موقع کو مناسب جان کر کچھ زیادہ شوخی دکھائی ۔ بادشاہ سلامت نے حصول ثواب کے لئے اپنے ہاتھ سے اس کی طرف چار تیر چھوڑے اور اعتماد الدولہ اور ہادی خاں نے جو بادشاہ کے بندوق خانۂ خاص کا داروغہ تھا ۔ چورامن پر حملہ کر دیا ۔

سید عبداللہ خاں کی کمک

سید عبداللہ خاں کی بروقت کمک پر سادات بارہہ کے حوصلے بڑھ گئے ۔ صمصام الدولہ بڑے استقلال سے ان کے حملے کو روک رہا تھا ۔ پھر بھی بادشاہی لشکر میں بعض ثابت قدم نہیں رہ سکے ۔ اس وقت جب کہ بارہہ کا دباؤ بڑھتا جارہا تھا ۔ حیدر قلی خاں بہادر، سعادت خاں بہادر اور محمد خاں بنگش اپنے ولی نعمت پر جان نثار کردینے کے ارادہ سے آگے بڑھے ۔ یہ لوگ سید عبداللہ خاں کی کرگاہ پر حملہ کرنا چاہتے تھے ۔ سید عبداللہ خاں کو ان کے ارادے کی اطلاع ہوئی تو وہ اپنا ہاتھی حیدر قلی خاں کے مقابل لے آیا ۔ ناصر جنگ کی فوج نے کمانیں سنبھال لیں اور تیروں کی بارش کردی ۔ اسی معرکہ میں رسالہ کا بخشی سید علی خاں جو ابوالمحسن خاں کا بھائی تھا گرفتار ہو گیا ۔ دوسری طرف سے طالع یار خاں نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ پیش قدمی کی اور سید عبداللہ خاں کے توپ خانہ کے داروغہ شیخ ہتھیلا پر حملہ کردیا وہ اس وقت اپنے توپ خانہ انتظام میں مصروف تھا اور پے درپے اس پر وار کر کے اسے گرادیا ۔ راجپوتوں کی ایک جماعت بھی اس وقت وہاں پہنچ گئی تھی ۔ وہ اس کی لاش کو گھسیٹتے ہوئے بادشاہی فوج میں لے آئے ۔

سادات بارہہ کی شکست

حیدر قلی خاں ناصر جنگ اور دوسرے جاں نثار بہادروں نے سید عبداللہ خاں پر ایک زبردست حملہ کیا اور اس کو ہر طرف سے تنگ کردیا ۔ بارہہ کا سپہ سالار بزدل تو نہیں تھا ۔ کیونکہ بارہا ایسے مواقع پر لوگوں نے دیکھا تھا کہ وہ ہاتھی سے اُتر کر ہندوستان کے بہادروں کے طریقہ پر پیدل ہو گیا اور آخر تک لڑتا رہا ایک دنیا اس کی بہادری اور دلیری کا معائنہ کر چکی تھی ۔ مگر اس دن اقبال مند بادشاہ کے مقابلہ میں وہ ایسا بے بس و بے اختیار ہو گیا کہ ساری بازی اُلٹ گئی ۔ اس توقع پر کہ اس کے ساتھ دوسرے لوگ بھی پیدل ہو کر بہادری کا ثبوت دیں گے اپنے ہاتھی سے اتر آیا ۔ اس وقت عبداللہ خاں کے ساتھ دو تین ہزار سوار فوج کے بخشی اور بعض عمدہ جمع دار دور و نزدیک موجود تھے ۔ مگر جب وہ ہاتھی سے اترا تو باقی تمام فوج مع بخشی کے فرار ہو چکی تھی ۔ فرار ہونے والوں میں سیف الدین علی خاں، شجاعت اللہ خاں، ذوالفقار علی خاں اور عبداللہ خاں ترین اور دوسرے چند فیل سوار سردار اور بارہہ کے بہادروں کا ایک گروہ اور پٹھان سردار سید عبداللہ خاں کو چھوڑ کر شاہجہاں آباد کی طرف فرار ہو گئے ۔

کہتے ہیں سیف الدین علی خاں تو سید عبداللہ خاں کے پیادہ ہونے سے پہلے ہی فرار ہو گیا تھا اور بھائیوں کو اس معرکۂ ہلاکت میں چھوڑ گیا تھا۔ اس کے ساتھ پندرہ ہاتھی تھے۔ ان میں سے وہ سات آٹھ ہاتھی تاخت و تاراج سے بچا کرلے جانے میں کامیاب ہو گیا۔

عبداللہ خاں کی گرفتاری اس وقت سید عبداللہ خاں کے ہاتھ پر تلوار کا ایک زخم آیا تھا اور ایک تیر اس کی پیشانی کو چھیلتا ہوا نکل گیا تھا۔ اسی وقت حیدر قلی خاں اپنے ہمراہیوں کے ساتھ شمشیر برہنہ ہاتھ میں لئے اس کے سر پر آ پہنچا۔ سید عبداللہ خاں نے جان کی امان طلب کرتے ہوئے دُہائی دی "میں سید ہوں"۔ حیدر قلی خاں نے رحم سے کام لیا اور اسے زندہ گرفتار کر لیا گیا۔ سید عبداللہ خاں کی گرفتاری کے بعد نازی الدین خاں نے دو گھڑی تک پامردی دکھائی پھر بہیر کا کچھ حصہ لے کر جو مغلوں اور جاٹوں کی لوٹ سے محفوظ رہ گیا تھا فرار ہو گیا۔

محمد شاہ بادشاہ کی فتح ابو المظفر ناصر الدین محمد شاہ کی فتح کا شادیانہ بجنے لگا۔ عبداللہ خاں کو حیدر قلی خاں اپنے ہاتھی پر بٹھا کر بادشاہ کے سامنے لے آیا۔ بادشاہ نے ترحمانہ نگاہ ڈالی جو خاندان تیموریہ کا خاصہ ہے۔ اور اسے حیدر قلی خاں کے حوالہ کر دیا۔ نجم الدین علی خاں اور سید علی خاں بخشی رسالہ بھی ایک جماعت کے ساتھ گرفتار کر لئے گئے تھے۔ نجم الدین علی خاں تو اس قدر زخمی ہو چکا تھا کہ اس کی زندگی کی امید نہیں رہی تھی۔ حامد خاں، عبدالنبی خاں اور دوسرے لوگ امان حاصل کرنے خود ہی بادشاہی فوج میں آ گئے تھے۔ تاخت و تاراج کے بعد جو ہاتھی، خزانے اور کارخانے بچ گئے تھے۔ ان کو ضبط کر لیا گیا ؎

از فروغ صبح دولت ای جواں غافل مباش
خندۂ شیر است لطف آسماں غافل مباش

سلطان ابراہیم کی گرفتاری بے قصور سلطان محمد ابراہیم جنگل میں جا کر چھپ گیا تھا وہ بھی گرفتار ہو کر بادشاہ کے سامنے آیا چونکہ اس سارے معاملہ میں وہ بے اختیار تھا بادشاہ نے اس کی جان بخشی کر دی۔

سادات بارہہ کی خانماں بربادی ۱۴ محرم کو جمعہ کے دن شام کو بارہہ کے زوال اور سید عبداللہ خاں کے گرفتار ہو جانے

کی خبر دار الخلافہ شاہجہاں آباد پہنچی۔ سید عبداللہ خاں کی عورتیں جو اس نے بکثرت جمع کر رکھی تھیں۔ بدحواس ہو گئیں اور اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر بادشاہی چوکی پہرہ سے پہلے ہی جو کچھ ہاتھ لگا سمیٹ کر پھٹی پرانی چادریں اوڑھ کر اس کی حویلی سے نکل بھاگیں۔ چند ایک شریف سید زادیاں البتہ اپنی جگہ تن بہ تقدیر بیٹھی رہیں۔ نجم الدین علی خاں کو عبداللہ خاں کاشی پر بڑا بھروسہ تھا۔ اس کو محل کی حفاظت کے لئے چھوڑ گیا تھا۔ مگر وہ ایسا نمک حرام نکلا کہ اس نے بھی غبن و خیانت سے کام لیا اور جو کچھ ہاتھ لگا اڑا لیا۔ نجم الدین علی خاں کی عورتیں اور دوسری تمام سادات بارہہ کی خواتین بادشاہی متصدیوں کی آمد کے خوف سے چادریں سر پر ڈال ڈال کر جدھر منہ اٹھا اپنی عزت و ناموس کو بچا لے گئیں۔ ان میں نجم الدین علی خاں کی نو دس سالہ بیٹی بھی تھی جسے ایک میراثی کے گھر جو سادات کے ہاں گویا تھا۔ چھپا دیا گیا تھا۔ آخر وہ بھی گرفتار کرلی گئی ؎

بکار آنچہ داری چہ گندم چہ جو
کہ امروز کشت است فردا درو

سچ ہے جیسی کرنی ویسی بھرنی جو بویا وہ کاٹا۔

بارہہ کا فرار اور گرفتاری

عنایت اللہ خاں کو سید عبداللہ خاں اور اس کے لواحقین کے گھر بار ضبط کرنے کے لئے پیشتر دہلی روانہ کر دیا گیا۔ اس کے بعد محمد شاہ بادشاہ نے امراء کو ترقی مناصب و انعام دیئے بغیر ہی میدان جنگ سے ۱۶ محرم کو دہلی کی طرف کوچ کر دیا۔ دہلی میں سید عبداللہ خاں نے اپنی نیابت کے لئے غلام علی خاں کو نجابت علی خاں کے ساتھ مقرر کر دیا تھا۔ ان دونوں نے اشرفی جواہرات جو کچھ ملا لے لیا اور بھیس بدل کر قلعہ اور شہر پناہ سے باہر نکل آئے اس ہنگامہ میں کہ کسی کو کسی کی خبر نہیں تھی۔ غلام علی خاں جان و مال سلامت لے گیا۔ نجابت علی خاں تیرہ چودہ سال کا نوعمر جوان تھا وہ سید عبداللہ خاں کا بھتیجہ اور منہ بولا بیٹا تھا۔ اس کو بادشاہی آدمیوں نے گرفتار کرلیا اور اسے بادشاہ کے حضور پیش کر دیا۔ حکم ہوا کہ اسے بھی عبداللہ خاں کے ساتھ رکھا جائے۔

نیا دربار اور نئے وزیر

محمد شاہ کا فاتحانہ کوچ بادشاہ نے ۱۶ر محرم کو فتح پور سے کوچ کر دیا اور راستہ میں کہیں ٹھیرے بغیر طولانی کوچ کرتے ہوئے ۱۹ر محرم کو سواری شاہانہ دارالخلافہ دہلی کے قریب پہنچی۔ بعض ضروری انتظامات کے سلسلہ میں دو مقام کئے گئے اور حضرت خواجہ قطب الدین کی درگاہ پر بادشاہ نے حاضری دی۔ وہاں کے خدام کو نذرانہ وغیرہ دے کر مراجعت کی اور بخشیوں کو حکم ہوا کہ تمام امرا کو اور خانہ زادوں کو جنھوں نے اس لڑائی میں جاں نثاری کی تھی۔ حضور میں پیش کیا جائے سب کو بادشاہ نے حسب مراتب اضافہ خلعت، ہاتھی جواہرات عطا فرمائے۔ اگر ہم ان کی فہرس پیش کریں تو بڑی طوالت ہوگی۔ حیدر قلی خاں بہادر ناصر جنگ کو چھ ہزاری منصب پر ایک ہزاری کا اضافہ اور معزالدولہ کا خطاب عطا ہوا۔ ۲۲ر محرم کو شہر میں آئینہ بندی اور آرائش ہوئی اور بادشاہ قلعہ میں داخل ہوگیا۔ اسی ماہ کے آخر میں سیف الدولہ عبدالصمد خاں بہادر دلیر جنگ اور آغر خاں لاہور سے حضور میں پہنچے ان کو خلعت مرصع سرپیچ عطا کیا گیا۔ اوائل ماہ صفر میں راجہ جے سنگھ دھیراج اپنے وطن سے اور راجہ گردھر بہادر اودھ کے صوبہ سے حاضر خدمت ہوئے اور شاہانہ عنایات سے سرفراز ہوئے۔

سادات بارہہ کی بیٹی نجم الدین علی خاں کی بیٹی کو بادشاہ کی والدہ نواب قدسیہ کے پاس پہنچا دیا گیا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ اس لڑکی کو بادشاہ کے عقد میں لے آئے۔ سید عبداللہ خاں کو اس کا بڑا صدمہ ہوا اور اس نے بڑی عاجزی او

اور منت سے حیدر قلی خاں سے کہا کہ سادات بارہہ میں کبھی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا آخر حیدر قلی خاں ملکہ زمان کی خدمت میں گیا اور کہہ سن کر اس لڑکی کو نجم الدین علی خان کے گھر بھجوا دیا۔

دکن کے خبر رسانوں کی زبانی معلوم ہوا کہ نظام الملک فتح جنگ حضور میں آنے کے لئے اورنگ آباد سے نکل چکا تھا مگر بیجاپور کے افغانوں کے متعلق بعض خبریں سن کر وہ اس ضلع کے بندوبست کے لئے واپس ہو گیا۔

جزیہ کا نفاذ و منسوخی

بادشاہ نے جزیہ لینے کا حکم نافذ کر دیا تھا مگر راجہ جے سنگھ اور گردھر بہادر کی درخواست پر اور اس وجہ سے بھی کہ افواج کی نقل و حرکت سے رعیت کو پریشان ہونا پڑا تھا اور اکثر پرگنوں اور بعض شہروں میں غلہ گراں ہو گیا تھا۔ رعیت کے حالات درست ہونے اور ملک کا بندوبست قائم ہونے تک جزیہ کو معاف کر دیا۔

اجیت سنگھ کی سرکشی

احمد آباد اور اجمیر کے صوبہ دار راجہ اجیت سنگھ نے راہ اطاعت سے انحراف کیا تھا اور اپنے شہر اور پرگنوں میں گاؤ کشی کی ممانعت کر دی تھی۔ بادشاہ نے اکبر آباد کے صوبہ دار سعادت خاں بہادر کو طلب کر کے اس کی سرکوبی کے لئے مامور کر دیا۔ اس نے عذر بہانہ کر کے اس مہم پر جانے سے معذرت کر لی اس کے بعد صمصام الدولہ، قمر الدین خاں بہادر اور حیدر قلی خاں بہادر کو اس کی تنبیہ کے لئے مقرر کیا گیا۔ ہر ایک نے اس مہم کی ذمہ داری قبول کر لی۔ بلکہ پیش خانہ باہر نکالنے کا حکم بھی دے دیا۔ مگر ہر ایک دفع الوقتی کرتا رہا اور کوئی بھی دار الخلافہ سے باہر جانے پر تیار نہیں ہوا۔ خاص طور سے صمصام الدولہ اس خیال سے کہ کہیں یہ مہم طول نہ پکڑ جائے اور بادشاہی خزانہ کفایت نہ کرے اور دوسرے فسادی بھی میدان میں نکل آئیں، کسی امیر کو بھجوانے پر راضی نہیں ہوا۔ اسی اثنا میں خبر ملی کہ نظام الملک بہادر فتح جنگ کی دکن سے روانگی کی خبر سن کر اجیت سنگھ کے ہوش ٹھکانے آ گئے اور اس نے اطاعت کا پیغام بھجوا دیا اور صوبہ احمد آباد سے دست بردار ہو کر صرف صوبۂ اجمیر اس کے نام بحال کرنے کی درخواست گذرانی۔

جشن شاہانہ

رزم کے بعد بزم کا اہتمام کیا گیا اسی موقع پر مرحوم بادشاہ محمد فرخ سیر کی بیٹی سے بادشاہ کی شادی کی تقریب بھی منعقد ہوئی۔ چنانچہ ربیع الاول

کے دوسرے عشرہ میں جلوس کے دوسرے سال جشن شاہانہ کا آغاز ہوا دیوان خاص وعام کے دیوار ستون اور چھت طلا باف کلا بتون اور طلا کار زربفت کے کپڑوں سے جو ولایت (ایران) کے بنے ہوئے تھے آراستہ کئے گئے۔ احمد آباد کا قیمتی کمخواب اور یورپ کا مشجر اور کاشان کا مخمل بھی استعمال کیا گیا۔ مروارید کی جھالریں لگائی گئیں۔ دولت خانہ کے اطراف کے حجروں کی آرائش مقررہ دستور کے مطابق امراء کے سپرد کی گئی۔ اس تمام آرائش وزیبائش میں ہند، روم اور خطا اور دوسرے ملکوں سے آیا ہوا رنگا رنگ قیمتی کپڑا استعمال ہوا کہ محل جنت کا نمونہ بن گیا۔ اور تاجروں نے اس کے منافع سے برسوں کا اندوختہ جمع کرلیا۔ موسیقار طرح طرح کے ساز چنگ، مردنگ، نے، چغانہ، بربط اور تال لے کر جمع ہو گئے موسیقار دھن بنانے لگے، رقاصاؤں نے ناچ رنگ پیش کیا ؎

دہان شیشۂ مے باز کردند   بقلقل عیش را آواز کردند
طرب مے خورد و رو در کو چہا کرد   ز بد مستی دربہر خانہ وا کرد

ارباب طرب کو ڈھیروں سونا بخشش میں دیا گیا۔ صلحا فضلاء اور شعرا کے دامن بھی زروجواہر سے بھر دیئے گئے، صمصام الدولہ، قمرالدین خاں بہادر، عبدالصمد خاں دلیرجنگ حیدرقلی بہادر خان خاناں میرجملہ ظفرخاں بہادر، راجہ جے سنگھ، گردھر بہادر اور دوسرے مقرب امراء نے لاکھ لاکھ روپیہ کے نذرانے گذرانے۔ ہر ایک کو بادشاہ نے خلعت جواہرات اور اضافے مرحمت فرمائے۔ ٹھٹھہ کے معزول صوبہ دار امیر خاں کے بیٹے عقیدت خاں کو پانچ لاکھ روپیہ کی پیش کش قبول کرکے عظیم آباد کی صوبہ داری عطا ہوئی اور اجیت سنگھ کی جگہ احمد آباد کی صوبہ داری پر معزالدولہ حیدر قلی خاں کو مامور کیا گیا اور قمرالدین خان بہادر کی جگہ بندرگاہ سورت کا متصدی بھی معزالدولہ کو بنا دیا گیا۔ اس کے ساتھ میر آتشی کا عہدہ بھی عطا ہوا۔ صوبۂ احمد آباد کی نیابت پر شجاعت خاں عرف محمد معصوم شجاعت خانی کا تقرر عمل میں آیا۔ سرکار مراد آباد کی فوج داری حیدر قلی خاں سے لے کر قمرالدین خاں کو دی گئی اور دربار کے چند عہدے بھی اسی کو تفویض کئے گئے۔ سرکار اسکندرہ کی فوج داری پر عبدالرحیم خاں مقرر ہوا۔ نظام الملک کے پاس سے مرحمت خاں نے آکر باریابی حاصل کی۔

محمد امین خاں کی وفات

ربیع الآخر کے دوسرے عشرہ میں محمد امین خاں چین بہادر بیمار ہوگیا اور چار پانچ دن کی علالت میں ہی وہ اس دنیا

سے کوچ کر گیا۔

نظام الملک دہلی میں

نظام الملک بہادر کی طلبی کے لئے متعدد فرمان روانہ کئے گئے تھے اور بادشاہ نے بہت سے امور مملکت اور وزارت کے فرائض اس کی آمد پر موقوف کر رکھے تھے۔ نظام الملک بیجاپور کے افغانوں کا بندوبست کرنے کے بعد اورنگ آباد واپس چلا گیا تھا۔ آخر ذی الحجہ میں اس نے اس سفر کا ارادہ کیا اور ربیع الآخر کے دوسرے عشرہ میں وہ شاہجہاں آباد کے قریب پہنچ گیا۔ اس کے باوجود کہ فتنہ پرداز لوگوں نے نظام الملک کے متعلق بے بنیاد باتیں بادشاہ تک پہنچائی تھیں بادشاہ نے بخشی الممالک صمصام الدولہ بہادر منصور جنگ کو اس کے استقبال کے لئے روانہ کیا ۲۲ ربیع الآخر کو فتح جنگ نظام الملک دارالخلافہ میں داخل ہوا اور حضور شاہانہ میں باریابی حاصل کی۔ دراندازوں اور حاسدوں کی دخل اندازی کے سبب جس کا ذکر باعث طوالت ہے، چند دن مشوروں اور گفت و شنید میں نکل گئے۔ آخر ۵ رجمادی الآخر مطابق ۳ر فروردی ماہ الٰہی جلوس کے چوتھے سال سن گیارہ سو چونتیس ہجری (۱۱۳۴ھ) کو نظام الملک کو خلعت وزارت مرصع قلمدان اور خنجر اور قیمتی الماس کی انگشتری عطا کی گئی۔ منصب وزارت پر فائز ہونے کے بعد نظام الملک بہادر نے بڑی کوشش کی کہ اسی طرح مہمات ملکی سرانجام دے کہ بادشاہ کی نیک نامی بھی ہو اور خزانہ بھی جمع ہو جائے۔ مگر دراندازوں کی مخالفتوں کی وجہ سے کہ وہ افترا پردازی کر کے امور وزارت میں مداخلت کرتے رہتے تھے۔ نظام الملک کے منصوبے رو بہ عمل نہ آ سکے۔

ایک فتنہ پرداز عورت

اس بدنظمی کے پیدا کرنے میں کوکی پاشا ایک عورت کا بڑا ہاتھ تھا یہ بڑی سحر طراز پُرفن اور صاحب کمال عورت تھی۔ اس نے بادشاہ کے مقرب خواجہ خدمت گار خاں کے ساتھ مل کر خزانہ فراہم کرنے اور دولت کو محفوظ رکھنے کے بہانہ سے بادشاہ کو ہموار کر لیا اور وہ لوگوں سے اپنے اور بادشاہ کے لئے بھاری بھاری رقمیں وصول کر کے ان کو مختلف خدمات پر مقرر کراتی رہی۔ اس طرح وزارت کے بندوبست میں بڑا خلل پیدا ہو گیا۔ بعض ہم چشم مقرب بھی نظام الملک کے خلاف سادہ لوح بادشاہ کے کان برابر بھرتے رہتے تھے۔ چنانچہ معز الدولہ حیدر قلی خاں جس نے میر آتشی کے عہدہ پر بڑا اثر و رسوخ پیدا کر لیا تھا۔ چرب زبانی سے کام لے کر

ملکی و مالی مقدمات میں برابر مداخلت کرتا رہتا تھا اور جب نظام الملک نے اس سلسلہ میں بادشاہ کو اشارہ کیا اور بادشاہ نے ملائمت سے اس کی فہمائش کی تو حیدر قلی خاں متحمل نہ ہو سکا اور اپنی صوبہ داری پر جانے کی اجازت طلب کرلی۔ بادشاہ نے اجازت دیدی اور وہ دربار میں اپنا نائب چھوڑ کر وسط ماہ جمادی الآخر میں احمد آباد روانہ ہوگیا۔ احمد آباد پہنچنے کے بعد اس نے اکثر بادشاہی آدمیوں اور مقربان دربار کی جاگیروں کو ضبط کرلیا۔ جب یہ فریادیں حضور میں پہنچنے لگیں تو بادشاہ نے لوگوں کی جاگیروں کی ضبطی کی ممانعت کے لئے فرمان صادر کردیا۔ مگر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ آخر حیدر قلی خاں کی جاگیریں جو شاہجہاں آباد کے اطراف تھیں۔ احمد آباد کی جاگیروں کے عوض ضبط کرلی گئیں۔

بادشاہ گر سید بھائیوں کا تذکرہ

سید عبداللہ خاں کی وفات

سید عبداللہ خاں ذی الحجہ کے آخر میں اس جہان فانی سے رخصت ہوگیا۔ کہتے ہیں اسے زہر دیدیا گیا تھا مگر یہ بات کچھ عجیب ہی ہے۔ کیونکہ میں نے ثقہ آدمیوں کی زبانی سنا ہے کہ جب بادشاہ نے سلطان محمد ابراہیم اور سید عبداللہ خاں کے مقابلہ پر کوچ کیا تھا تو خدا سے عہد کیا تھا کہ فتح پانے اور سلطنت پر اختیار پانے کے بعد خواہ سید سے کتنا ہی بڑا قصور کیوں نہ ہوا ہو اس کو قتل نہیں کروں گا۔ پھر نظام الملک بہادر فتح جنگ بھی سید عبداللہ خاں سے بڑی مراعات کے ساتھ پیش آتا تھا۔ جب بھی محفلوں میں دونوں بھائیوں کا ذکر چھڑ جاتا تو نظام الملک سید عبداللہ خاں کی خوبیوں کو بیان کرتا تھا اور فرخ سیر کے معاملہ میں اس کو بے قصور ٹھہراتا تھا۔ اور اس کے مخالفوں کے دل کو اس کی طرف سے صاف کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ دونوں بھائیوں کو مراسلت و کاغذات میں نمک حرام لکھا جاتا تھا۔ نظام الملک نے اس سے دفتر کو روک دیا وہ ہرگز ہرگز سید عبداللہ خاں کو مسموم کرنے کا مشورہ نہیں دے سکتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سید بھائیوں کی خوبیاں

سادات کے اس تذکرہ میں ہمارا قلم مسلسل دونوں بھائیوں کی شکوہ سنجی کرتا آیا ہے اور ان کی بھلائیوں کا تذکرہ نہیں کر سکا۔ اس کے کفارہ میں ان دونوں بارہہ کے سپہ سالاروں کی خوبیوں، حسنِ اخلاق عدالت پروری اور فیض رسانی کے متعلق بھی ہم دو تین کلمات لکھ دینا چاہتے ہیں۔ اگرچہ دونوں بھائیوں خاص طور سے سید عبداللہ خاں نے فرخ سیر شہید کے ساتھ جو سلوک روا رکھا تھا۔ جس طرح رشوت لے لے کر اور سختیاں کر کے خلق خدا کو تنگ کیا تھا۔ اس کے یہ سارے اعمال درحقیقت دیوان رتن چند کی وجہ سے سرزد ہوئے تھے۔ جس نے سارے اختیارات پر قبضہ جما رکھا تھا اور خلقِ خدا کو اذیت دیتا رہتا تھا، مگر وہ بھی اہل غرض کی زیادہ طلبی کی وجہ سے ہر ایک کو خوش نہ رکھ سکا۔ حسین علی خاں کا بھی معاملہ یہی تھا۔ وہ بھی تعلقہ دکن پر مامور ہونے سے پہلے لوگوں کی کاربراری کے سلسلہ میں رشوت کی رقم لینے سے بہت نفرت کرتا تھا۔ مگر دکن پر مقرر ہونے کے بعد محکم سنگھ اور دوسرے پیش کاروں نے اس کے مزاج کو بھی بگاڑ دیا۔ اس کے باوجود یہ دونوں بھائی رعیت پروری اور عامۂ خلائق کی کم آزاری میں اس زمانہ کی حد تک تو ممتاز تھے۔ عام شہروں کے باشندے جن کو کوئی عناد اور غرض نہیں تھی۔ سادات کے رویہ کے شاکی نہیں تھے۔ حسین علی خاں اپنے بڑے بھائی کی نسبت فیض رسانی میں اور صاحب کمال اشخاص اور حاجت مندوں اور مستحقوں کی نگہداشت میں زیادہ کوشاں رہتا تھا۔ اور اس زمانہ میں وہ حاکم وقت تھا۔ اس کے مطبخ سے کھانا اور خام اجناس بکثرت لوگوں کو پہنچائی جاتی تھیں اور اورنگ آباد میں گرانی ہوئی تو اس نے ہر روز غریبوں اور بیوہ عورتوں کو مدد دینے کے لئے کافی رقم اور غلہ مقرر کرا دیا تھا۔ اورنگ آباد میں پانی کا حوض اس کا بنوایا ہوا ہے۔ اگرچہ اعزالدولہ عوض خاں بہادر نے مسجد کی عمارت کو بلند اور وسیع کرایا تھا۔ مگر اس حوض کے خیر جاریہ کا اصل بانی حسین علی خاں ہی تھا۔ اس حوض سے وہاں کے لوگوں کو بڑی سہولت ہو گئی۔ کیونکہ موسم گرما میں پانی کی قلت کی وجہ سے لوگ ایک عذاب میں مبتلا رہتے تھے۔ اپنے وطن بارہہ میں بھی اس نے سرائے، پل اور دوسری عمارتیں تعمیر کرائی تھیں۔ سید عبداللہ خاں بھی تحمل و بردباری اور خوش اخلاقی میں بڑی شہرت رکھتا تھا۔

ضمیر کی آواز

ملا عبدالغفور بہورہ (بوہرہ) جو بندرگاہ سورت کا ملک التجار کہلاتا تھا۔ مرگیا تو اس کا ترکہ ایک کروڑ چند لاکھ روپیہ نقد و جنس کی صورت میں نکلا۔ حیدر قلی خاں بندرگاہ سورت کا متصدی تھا۔ اس نے محمد فرخ سیر بادشاہ کی رضا جوئی کی خاطر باوجود وارث ہونے کے ملا مرحوم کے مال واسباب کو ضبط کر لیا اور اس کی رپورٹ حضور میں بھجوادی۔ اسی درمیان میں بادشاہت بدل گئی۔ جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔ ملا عبدالغفور کا بیٹا عبدالحئی ضبطی کے خلاف استغاثہ کرنے حضور میں پہنچا، اور دونوں بھائیوں کے پاس فریاد کرنے لگا۔ اس نے اپنا مال چھڑانے کے لئے پندرہ لاکھ روپیہ کی حامی بھر لی۔ اس کے علاوہ رتن چند کو اور دوسرے متصدیوں کو بھی علیحدہ رقمیں دیں۔ اس وقت بندرگاہ سورت کے اختیارات حسین علی خاں سے متعلق تھے۔ اس نے بطور نذرانہ کے پندرہ لاکھ روپیہ لینا قبول کر لیا۔ انہی دنوں دیانت خاں خالصہ کا دیوان مقرر ہوا تھا۔ ایک دن طلوع آفتاب سے پہلے حسین علی خاں نے دیانت خاں کو بلا کر کہا کہ "آج رات بھر عبدالغفور کے مال کے سلسلہ میں ہم اپنے نفس سے جنگ کرتے رہے۔ مال کی طمع اور ضمیر کی آواز میں سخت مناظرہ اور مجادلہ رہا۔ آخر ہم اس نفس سرکش پر غالب آگئے اور قطعاً اس کے مال کی طمع کو ہم نے ترک کر دیا ہے۔ اب تم خود اس معاملہ میں نگرانی کرو اور اسی وقت عبدالغفور کے بیٹے عبدالحئی کو طلب کر کے اس کے اموال کا معافی نامہ جاری کر دو اور اسے خلعت اور گھوڑا عطا کر دو۔ اس طرح کہ اس کا ایک پیسہ بھی اس سلسلہ میں خرچ نہ ہونے پائے اور کسی کے سامنے اُسے التجا نہ کرنا پڑے"۔

انصاف پسندی

ایک دن سواری خاصہ کے ہاتھی کا مہاوت فریاد لے کر آیا کہ وہ ایک محلہ سے گذر رہا تھا تو محلہ والوں نے ہجوم کر کے فیل بان کا سر پھوڑ دیا اور ہاتھی کو بھی زخمی کر دیا۔ اس نے اپنے بے قصور ہونے اور محلہ والوں کی زیادتی پر گواہ بھی پیش کرائے۔ مجلس میں مصاحب مقرب زمانہ کے رویہ کے مطابق محلہ والوں کی برائیاں کرنے لگے۔ حسین علی خاں نے اُن کی باتیں سنی ان سُنی کر دیں اور اس قضیہ کو دوسرے دن کے اجلاس پر ملتوی کر دیا۔ رات کے وقت ایک اپنے اعتماد کے آدمی کو اس جگہ بھجوایا کہ وہاں جا کر وہ بے غرضانہ معاملہ کی تحقیق کرے۔ آخر معلوم

ہوا کہ فیل بان کا دعویٰ شرارت اور غرض سے خالی نہ تھا۔ حسین علی خاں نے فیل بان کو معتوب کرکے اس کی تنبیہ کے احکام صادر کردیے۔

اصلی سید کی نشانیاں

حسین علی خاں اوامر ونواہی میں بھی بڑا محتاط رہتا تھا۔ قاضی شہاب الدین دولت آبادی مؤلف "تفسیر بحر مواج" نے جو اپنے وقت کے بڑے فاضل صاحب کشف وحال بزرگ تھے اپنی تالیف میں لکھا ہے کہ صحیح النسب سید کو خلق محمدی، سخاوت ہاشمی، شجاعت حیدری میں ممتاز ہونا چاہیے۔ کسی عالی نسب سید کے عاقبت بخیر ہونے کی نشانی یہ ہے کہ اگر زندگی میں نفس امارہ کے ہاتھوں اس کا دامن آلودہ ہوگیا ہو تو اس کی رحلت کے وقت کوئی نہ کوئی ایسی صورت پیدا ہو جاتی ہے جو اس کی نجات وبخشش کا سبب بن جاتی ہے۔ چنانچہ دونوں بھائیوں میں پہلی تین صفات بھی تھیں۔ پھر انجام میں حسین علی خاں شہید ہوا اور سید عبداللہ خاں کو زہر دیدیا گیا۔

جاٹوں کی بغاوت اور سرکوبی

جاٹوں کے خلاف فوج کشی

چوڑامن جاٹ انہی دنوں جہنم واصل ہوگیا تھا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد جاٹوں کے ایک گروہ نے جو چورامن کے بیٹے کہلاتے تھے۔ اکبرآباد کے نواح میں بڑی مستحکم گڑھیاں بنا رکھی تھیں اور ان میں سامان جنگ وغیرہ جمع کر لیا تھا۔ جاٹوں کی فتنہ انگیزی، لوٹ مار اور راہزنی کے واقعات ہم حضرت خلد مکاں اور فرخ سیر بادشاہ کے عہد میں لکھ آئے ہیں۔ اس زمانہ میں اکبرآباد کے صوبہ دار سعادت خاں نے جو بہادری اور کارگزاری میں بڑی شہرت رکھتا تھا۔ اس گروہ کی سرکوبی کے لئے بڑی کوشش کی اور نمایاں کارنامے انجام دیئے۔ مگر دشوار گذار گھنے جنگلات کی وجہ سے جیسا کہ چاہئے تھا ان کا قلع قمع نہ ہوسکا۔ آخر بادشاہ نے راجہ جے سنگھ دھیراج کو ایرانی اور تورانی مغل امیروں اور پٹھانوں کی فوج دے کر اس مہم پر مقرر کیا۔ چودہ پندرہ ہزار سوار جمع ہو گئے تھے۔ جے سنگھ کو توپ خانہ قلعہ گیری کا ساز و سامان دیا گیا۔ دو لاکھ روپیہ مع خلعت اور ہاتھی کے عنایت ہوا۔

جاٹوں کی شکست اور فرار

جے سنگھ نے اس مہم پر جانے کے بعد پہلے جنگل کٹوانے شروع کر دیئے اور مورچے آگے بڑھاتے ہوتے۔ ہر طرف سے گھیر گھیر کر ان تباہ کاروں کا صفایا کرنے لگا۔ تورانی سرداروں اور دوسرے افسروں نے بھی نمایاں خدمات انجام دیں۔ کافر اپنی گڑھیوں سے نکل نکل کر درختوں کی پناہ میں آگے بڑھتے تھے اور فوج پر چھاپے مارتے رہتے تھے۔ دونوں طرف سے ان لڑائیوں میں کافی

آدمی کام آ گئے ۔ ڈیڑھ ماہ کے عرصہ میں باغیوں کے قبضہ میں ایک دو گڑھیاں رہ گئیں اور وہ ان میں محصور ہو گئے اس دوران میں بادشاہ کے اقبال سے چوڑامن کا ایک چچا زاد بھائی جس سے اس کی قدیم نزاع تھی ۔ جدا ہو کر راجہ کے پاس آگیا ۔ اس کی راہنمائی میں راجہ نے وہ دونوں گڑھیاں فتح کر لیں اور جاٹوں کی قوم رات کی تاریکی میں جو کچھ نقد و جنس لے جا سکتی تھی اٹھا کر وہاں سے نکل گئی اور جاتے ہوئے اس نے بارودخانہ میں آگ لگا دی اور عمارتوں کو جلا دیا ، توپیں اور غلہ کافی مقدار میں چھوڑ کر وہ اپنی جان سلامت لے کر فرار ہو گئے اور دونوں گڑھیاں بادشاہی آدمیوں کے قبضہ میں آگئیں ۔ ان کے جمع کردہ خزانہ کے متعلق بڑی شہرت تھی ۔ اس کی تلاش میں بڑی کوشش کی گئی ۔ بعض عمارتوں کو کھدوا دیا گیا مگر کوئی سراغ نہ لگا ۔

احمد آباد کا باغی صوبہ دار

جاگیر کی ضبطی کا قضیہ جیسا کہ ہم لکھ آئے ہیں ۔ دارالخلافہ کے اطراف حیدر قلی خاں کی جو جاگیریں تھیں وہ ضبط کر لی گئی تھیں ۔ جب اُسے یہ خبر ملی تو اس نے بعض مقرب امراء سے کہا " اب جب کہ میری جاگیر بادشاہ نے ضبط کر لی ہے تو وہ مجھ سے اطاعت و ملازمت کی امید بھی نہ رکھیں "۔ اس سلسلہ میں دربار سے بار ہا لکھا گیا مگر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا ۔ جب حیدر قلی خاں کی نافرمانی اور وہاں کے جاگیرداروں کی فریادیں حد سے تجاوز کر گئیں تو بادشاہ نے احمد آباد کی صوبیداری پر اس کی جگہ غازی الدین خاں بہادر کو جو نظام الملک بہادر فتح جنگ کا بڑا فرزند تھا مقرر کر دیا اور دکن کی صوبہ داری بھی اس کے ساتھ شامل کر دی اور اسے جواہرات اور ہاتھی دے کر سرفراز کیا ۔

نظام الملک کا کوچ جاٹوں کی مہم سے فارغ ہونے کے بعد دوسری ماہ صفر کو جلوس کے پانچویں سال احمد آباد کے بندوبست کے لئے اور بصورت عدم اطاعت حیدر قلی خاں کی تادیب کے لئے نظام الملک کو رخصت کیا گیا ۔ نظام الملک اوائل صفر میں احمد آباد کی طرف روانہ ہو گیا ۔ جب وہ اکبر آباد پہنچ گیا تو حیدر قلی خاں کے

خطوط پہنچے جو اس نے مکاری اور چاپلوسی سے لکھے تھے اور عذر معذرت کی تھی۔ جب نظام الملک مسلسل کوچ کرتے ہوئے مالوہ پہنچ گیا تو احمد آباد کے امراء کے خطوط سے معلوم ہوا کہ حیدر قلی خاں بہت سخت بیمار ہو گیا ہے اور بیماری جنون تک پہنچ گئی ہے۔ ایک اور روایت ہے کہ جب اس نے سُنا کہ نظام الملک احمد آباد کی طرف چلا آرہا ہے اور عوض خاں بہادر بھی دکن کی فوجوں کے ساتھ اس سے آکر مل گیا ہے۔ اور راجہ ساہو کے مرہٹہ سردار باجی راؤ وغیرہ بھی ساتھ ہیں اور احمد آباد کے ہمراہی بھی اس کی اطاعت پر آمادہ ہو گئے ہیں تو وہ بیمار بن گیا اور شہرت دیدی کہ جنون میں مبتلا ہو گیا ہے۔ اُس نے اپنے بیٹے کو معافی کی عرض داشت کے ساتھ بادشاہ کے پاس روانہ کیا اور دربار میں حاضر ہونے کا اقرار کر لیا۔ جب نظام الملک نے اس خبر کی تحقیق کر لی تو نربدا کے کنارے سے کہ وہ اس وقت احمد آباد سے سات آٹھ منزل پر پہنچ چکا تھا۔ دارالخلافہ کی طرف لوٹ گیا اور اپنے چچا حامد خاں بہادر کو احمد آباد کی صوبہ داری پر نائب بنا کر بھیج دیا۔

درباری سازشیں

دربار میں آنے کے بعد نظام الملک نے نہایت خیر خواہی اور وفاداری کے ساتھ ملک کے نظم و نسق اور خزانہ کی معموری کے لئے کوشش کی مگر دراندازوں کی وہی شرانگیزیاں جاری تھیں۔ خاص طور سے کوکی پاشا وزارت کے معاملات میں بہت مداخلت کرتی رہتی تھی اور رشوتیں اور نذرانے لے کر بادشاہ کو بدنام کرتی رہتی تھی۔ نظام الملک کے منع کرنے پر بھی وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئی۔ بادشاہ کو خود اپنی بدنامی کی فکر نہیں تھی، وہ اس کو روکتا نہیں تھا اسی لئے نظام الملک خاطر خواہ وزارت کے فرائض انجام دینے سے معذور رہا۔

نظام الملکؒ کی دکن کو واپسی

نظام الملک کی چار تجویزیں

نظام الملک بہادر فتح جنگ کے دوبارہ دکن جانے کے کیا اسباب تھے اس سلسلہ میں مختلف روایات سننے میں آئی ہیں۔ مگر جو وجہ معتبر اور ثقہ راویوں نے بیان کی ہم اسی کو یہاں قلم بند کرتے ہیں۔ ان دنوں ایران کی طرف سے بڑی تشویشناک اطلاعات آرہی تھیں معلوم ہوا تھا کہ

ایران میں فتنہ و فساد پھیل گیا ہے اور ایران کے بادشاہ سلطان حسین شاہ کے مقابلہ میں محمود خاں افغان نے غلبہ حاصل کر لیا ہے۔ چنانچہ سارا اصفہان شیراز کی سرحدوں تک اس کے قبضہ میں آگیا اور اصفہان کے لوگوں کو بڑی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ آخر سلطان حسین قید ہو گیا اور شاہزادہ طہماسپ اپنے بھائی اور سلطان حسین کے دوسرے بیٹوں کے ساتھ اصفہان کے قلعہ سے نکل گیا اور افغانوں کے خلاف فوج فراہم کرنے کی تیاری کرنے لگا۔ یہ اطلاعات محمد شاہ بادشاہ کو مسلسل مل رہی تھیں۔ ایک دن نظام الملک نے بادشاہ کی خدمت میں چار تجویزیں رکھیں۔ پہلی تو یہ کہ خالصہ کے محالات کی اجارہ داری ۱؎ کو ختم کر دیا جائے جس سے ملک میں ویرانی اور تباہ حالی پھیلی جا رہی ہے۔ دوسرے یہ کہ پیش کش اور نذرانوں کے نام سے رشوت کا جو طریقہ جاری ہو گیا ہے بند کیا جائے ۲؎ کیونکہ یہ شاہانہ آداب کے منافی اور رائے سلیم کے خلاف ہے۔ تیسرے خلد مکاں عالمگیر ۳؎ بادشاہ کے عہد کی طرح کافروں پر جزیہ عائد کر دیا جائے۔ چوتھی رائے یہ دی کہ ہمایوں بادشاہ کے عہد میں جب ملک شیر شاہ افغان کے ہاتھ میں چلا گیا تھا تو شاہ ایران نے کمک اور مہمان داری کا واقعی ثبوت دیا تھا اگر اسی وقت افغانوں کے خلاف فرمان روائے ۴؎ ایران کی کمک کی جائے تو تیموری خاندان کی نیک نامی تاریخوں میں یادگار رہ جائے گی۔

بادشاہ نے یہ سن کر فرمایا "ہمارے پاس کون ہے جسے ہم اس مہم پر روانہ کریں"۔

فتح جنگ نے عرض کیا کہ حضور میں کارگزار خادم موجود ہیں آپ جس کو حکم دیں گے وہ حکم کی تعمیل کرے گا، اور اگر اس خانہ زاد کو مقرر کر دیں تو میں دل و جان سے یہ خدمت بجا لاؤں گا"۔ یہ بات نظام الملک نے خیر خواہی کے جذبہ سے کئی بار بادشاہ کی خدمت میں عرض کی۔ جب بادشاہ نے دوسرے امراء سے اس سلسلہ میں مشورہ کیا تو انھوں نے اس مسئلہ کو کچھ اس طرح غلط رنگ دے دیا کہ نظام الملک بدگمان ہو گیا اور ان کوتاہ اندیشوں نے ایسے بے نظیر اور صاحب تدبیر وزیر کو مخالف بتا دیا۔

بدگمانیاں اور اندیشے

انہی دنوں دربار میں آداب و تسلیمات اور بادشاہ کے احکام کی تعمیل و اطاعت کا سارا نظم بگڑا ہوا تھا۔ سلطنت کے مسلمہ طور طریق باقی نہیں رہے تھے۔ لوگ خیرہ سر گستاخ ہوتے جا رہے تھے۔ نظام الملک ذہن بدنظمی کو دور کر کے شاہی آداب و اعزاز کو بحال کرنا چاہتا تھا یہ بات بادشاہ کے مصاحبین

اور مقربوں کو بڑی ناگوار گذرتی تھی اور وہ روز بروز فتح جنگ کی طرف سے ایسی ایسی باتیں بادشاہ کے گوش گذار کرتے رہتے تھے جو نظام الملک کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں تھیں۔ آخر ان لوگوں نے ناتجربہ کار بادشاہ کو نظام الملک بہادر کی طرف سے اس قدر بدظن کر دیا کہ اس کے متعلق بادشاہ کے ذہن میں بڑے فاسد خیالات جاگزیں ہو گئے۔ نظام الملک نے عاقبت اندیشی اور آبرومندی اسی میں سمجھی کہ دارالخلافہ سے رخصت ہو جائے چنانچہ آخر ماہ ربیع الاول جلوس کے چھٹے سال اس نے شکار کے بہانہ چند دن کی رخصت لی اور دارالخلافہ سے نکل گیا۔ پھر تبدیل آب وہوا کا عذر کرکے دارالخلافہ سے تیس چالیس کوس پر دریائے گنگا کے کنارے جاکر ٹھہر گیا اور وہاں سیر وشکار میں کچھ وقت گذار دیا۔

مرہٹوں کی شورش

اسی درمیان میں صوبہ احمد آباد اور مالوا میں مرہٹوں کی شورش کی اطلاعات ملنے لگیں۔ احمد آباد کا صوبہ خود نظام الملک کے سپرد تھا اور دوسرا صوبہ مالوہ اس کے بیٹے غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ کو ملا تھا۔ ان اطلاعات پر نظام الملک نے دربار میں عرض داشت بھیج کر دونوں صوبوں کے بندوبست کے لئے روانگی کی اجازت حاصل کر لی اور سوروں نامی منزل سے جو دریائے گنگا کے کنارے مشہور شکارگاہ ہے۔ ان مفسدوں کی سرکوبی کے لئے روانہ ہو گیا۔ مگر ابھی نظام الملک دارالفتح اجین نہیں پہنچا تھا کہ مرہٹے اس کی آمد آمد سے خوف زدہ ہو کر نربدا پار کرکے دکن کی طرف فرار ہو گئے اور دوسرے سرکش فسادی بھی اپنے بھٹ میں جاکر چھپ گئے۔ نظام الملک نے مرہٹوں کا دریائے نربدا تک تعاقب کیا اور ان کے دریا عبور کر جانے کی اطلاع پاکر لوٹ آیا اور صوبہ مالوہ کے مضافات میں پرگنہ سہور میں جو شہر سرونج سے قریب ہے جاکر ٹھہر گیا اس کا ارادہ تھا کہ صوبۂ مالوا کا انتظام کرکے دربار کو واپس چلا جائے۔

ناظم حیدرآباد کی شورہ پشتی

عالم علی خاں سے لڑائی کے وقت حیدرآباد کا ناظم مبارز خاں تھا۔ لڑائی کے بعد تقریباً دو سال پہلے وہ فتح جنگ کی خدمت میں حاضر ہو گیا تھا اور اپنے اخلاص وعقیدت کا بڑی سرگرمی سے اظہار کیا تھا۔ فتح جنگ نے اس کے چار ہزاری منصب میں مزید دو ہزاری کے اضافہ کی اور عمادالملک مبارز خاں بہادر ہزبر جنگ کے خطاب کی سفارش وتجویز حضور میں بھیجی تھی

اور منظوری طلب کی تھی۔ اپنی طرف سے اسے جھالردار پالکی اور ماہی مراتب کے اعزاز دیئے تھے۔ اس کے بیٹوں اور ساتھیوں کے لئے بھی نمایاں اضافے اور خطابات تجویز کر دیئے تھے۔ اپنی طرف سے بھی اس کی بڑی رعایت کی اور اس کی جاگیر اور خدمات میں اضافہ کر دیا تھا۔ عماد الملک مبارز خاں نے فتح جنگ سے عہد و پیمان کیا تھا۔ کہ جب تک تمھارے اور بادشاہ کے مابین ایفائے عہد اور قدر دانی کا رویہ رہے گا۔ میں بھی بادشاہ کا نوکر اور ملازم رہوں گا، ورنہ مجھے آپ اپنے اطاعت گذار رفیقوں میں پائیں گے۔ (بادشاہ سے کوئی تعلق نہیں رہے گا)۔ .... مگر اس وقت جب کہ نظام الملک پرگنہ سہور میں ٹھیرا ہوا تھا۔ اطلاع ملی کہ مبارز خاں نے اول تو یہ مشہور کیا کہ دکن کی کل صوبہ داری اس کے تفویض کر دی گئی ہے۔ پھر وہ صوبہ حیدر آباد سے نکل کر اورنگ آباد کی طرف روانہ ہو گیا اور بیجا پور کے صاحب فوج افغان سرداروں عبدالنبی خاں، دلیر خاں اور بہادر خاں کو اور اطراف و نواح کے دوسرے فوج داروں کو اپنی کمک کے لئے طلب کر لیا اور عضد الدولہ عوض خاں بہادر قسور جنگ کو جس سے فتح جنگ کی چچی منسوب تھی اور وہ فتح جنگ کی طرف سے صوبہ داری دکن کی نیابت پر مامور تھا۔ اپنے پہنچنے کی اطلاع دی اور دارالامارت کو خالی کر دینے کی ہدایت کی اور اورنگ آباد کے دوسرے منصب داروں کے نام بھی اس کے ایسے ہی خطوط آئے جن میں ان کو اپنا حامی و موافق بنانے کی کوشش کی تھی۔

محمد شاہ کی غلطی

اسی اثنا میں دہلی سے آنے والے خطوط سے معلوم ہوا۔ کہ غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ کو جو اپنے باپ کی نیابت میں امور وزارت سرانجام دے رہا تھا۔ بادشاہ نے وزارت سے ہٹا دیا اور اعتماد الدولہ قمر الدین خاں بہادر کو منصب وزارت پر فائز کر دیا۔ نیز اس کے غائبانہ کوکی پڑتنا رشوت خور نے بھی بادشاہ کو پوری طرح قابو میں کر لیا ہے۔

نظام الملک کی خدمات

چنانچہ نظام الملک نے ان وجوہ سے اور دوسرے چند اور اسباب کی بنا پر سپہ سالار سے دکن کی طرف کوچ کا ارادہ کر لیا۔ دکن درحقیقت اسی سپہ سالار کا مفتوحہ ملک تھا۔ فتح جنگ کے والد اور دادا نے عہد خلد مکاں میں دکن کی فتح کے لئے خاص طور سے بیجاپور اور دوسرے مشہور قلعوں کی تسخیر

کے لیے بڑی جاں فشانی کا ثبوت دیا تھا۔ پھر دوسری مرتبہ جب کہ سادات بارہہ کا سارے ہندوستان میں طوطی بول رہا تھا اور انھوں نے تمام ایران و توران کے امیروں پر قابو پا لیا تھا اور حسین علی خاں تو دکن کو اپنی موروثی چراگاہ سمجھ رہا تھا اور کسی کو اپنے سامنے کوئی حیثیت نہیں دیتا تھا اور اس وقت کسی کی مجال نہیں تھی کہ بارہہ کی تلوار اور نظم و نسق کے مقابلہ پر آئے اور دکن کے معاملات میں مداخلت کرے۔ بارہہ کا اقتدار تو اتنا بڑھ گیا تھا کہ انھوں نے بادشاہ کو جمعہ کی نماز اور سیر و شکار پر جانے تک سے روک دیا تھا۔ اس وقت صرف نظام الملک ہی تھا جس نے سادات کے سر پُر غرور کو تلوار کی نوک سے جھکا دیا اور خاندان تیموری کی سلطنت از سر نو قائم کر دی، جس کا تذکرہ ہم کر چکے ہیں اب وہ دکن کو فسادیوں کے ہاتھ میں جاتا ہوا کیسے دیکھ سکتا تھا۔ چنانچہ نظام الملک نے دریائے نربدا کو عبور کر لیا اور آخر ماہ رمضان میں اورنگ آباد پہنچ گیا۔

عماد الملک کی فوجی تیاریاں

فتح جنگ نے عماد الملک کو بارہا نصیحت آمیز خطوط روانہ کیے مگر اس نے جواب میں نخوت و غرور کے ساتھ اپنے ارادہ پر قائم رہنے کا اعلان کیا۔ فتح جنگ بڑا بردبار اور باوقار امیر تھا اس نے اپنے خطوط میں اس عہد و پیمان کو اور حقوق کو یاد دلایا جو اس سے مبارز خاں عماد الملک نے طے کیے تھے مگر ان کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ نظام الملک نے دو مہینے اورنگ آباد میں اسی دفع الوقتی میں گذار دیے آخر موت مبارز خاں کو دامن کشاں اورنگ آباد کی طرف کھینچ لائی۔ اس کے ہمراہ داؤد خاں نبی کا بھائی بہادر خاں، عبدالنبی خاں کا بیٹا عبدالفتاح غالب خاں جس کے متعلق مشہور تھا کہ وہ کرناٹک کے متصدی سعادت اللہ خاں کی طرف سے آیا ہے اور دوسرے عمدہ فوج دار باقاعدہ عمدہ فوجوں کے ساتھ آئے تھے۔ بے خطا نشانہ باز پیدل فوج بھی بے شمار جمع ہو گئی تھی۔ روز بروز اس کی فوج میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اور اس فتنہ آرائی کے سبب ملک کا نظم و نسق بگڑتا جا رہا تھا اور مرہٹوں کی تاخت و تاراج بھی وسیع ہو گئی تھی۔ لہذا آخر ذی قعدہ میں نظام الملک بہادر اپنی فتح نصیب فوج کو لے کر اورنگ آباد سے نکلا اور جسونت کے تالاب پر جو بلدہ سے قریب ہے لشکرگاہ قائم کر دی۔ اور اس دن سے جنگ کے دن تک برابر نصیحت آمیز خطوط مبارز خاں کے پاس بھجوائے کہ امن اور صلح جنگ سے بہتر ہے۔ مسلمانوں کی خوں ریزی سے ہاتھ نہیں رنگنا

چاہیئے۔ مگر دکن کی صوبہ داری کا نشہ اس پر ایسا چڑھا تھا کہ کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

مبارز خاں کی یلغار

نظام الملک کے مقابلہ کے لئے مبارز خاں شب و روز شورے کر رہا تھا، کبھی طے کرتا کہ شبانہ یلغار کرتے ہوئے فتح جنگ کی فوج کے مقابلہ پر اچانک جا پہنچے۔ کبھی مشورہ کرتا کہ فتح جنگ کے لشکر کو دائیں یا بائیں چھوڑ کر کسی دوسری راہ سے یلغار کرتے ہوئے اورنگ آباد شہر پہ پہنچ جائے۔ اور اس پر قبضہ کرے۔ چنانچہ وہ اسی ارادہ سے فتح جنگ کے مقابلہ سے رخ پھیر کر دریائے پورنا سے گذر گیا اور اپنے ایک میر شمشیر کی کمان میں سوار اور پیادہ فوج دے کر ایک دشوار گذار نالہ پر مقرر کر دیا تاکہ وہ فتح جنگ کا راستہ روکے رہے۔ اسی نالہ پر فریقوں کے متعین کردہ کمان داروں میں لڑائی ہوئی اور مبارز خاں کی فوج کے بکثرت آدمی اپنے سردار کے ساتھ قتل اور اسیر ہو گئے۔ اور فتح جنگ کے آدمی فتح و نصرت کے ساتھ لوٹ آئے۔

نظام الملک کے فوجی کمان دار

نظام الملک بہادر فتح جنگ نے بھی غنیم کی راہ روکنے کے لئے پورنا کو عبور کر لیا۔ آخر ۲۳ محرم ادا خر شہر پور ماہ الٰہی شکر کھیرہ کے قصبہ میں جو صوبہ برار کے مضافات میں اورنگ آباد سے چالیس کوس پر واقع ہے۔ لڑائی ہوئی۔ نظام الملک کی فوج میں ہراول پر قادر داد خاں عالمگیری کا بیٹا قادر داد خاں مقرر تھا جو نظام الملک کی نانی کی طرف سے قریبی رشتہ رکھتا تھا۔ اور بڑا بہادر اور کارگذار افسر سمجھا جاتا تھا۔ میمنہ پر سعد اللہ خاں مرحوم کا پوتا طالب محی الدین خاں تھا۔ وہ سپہ سالار کا ماموں ہوتا تھا۔ میسرہ پر اسمٰعیل خاں اور مظفر خاں خویشگی تھے مقدمۃ الجیش کی ہراولی پر ستر سال بندیلہ کا بیٹا کنور چند جنگجو بندیلوں کی جمعیت کے ساتھ مامور تھا۔ کنور چند مدتوں سے نظام الملک کی سرکار کا وظیفہ خوار تھا۔ اس کے ساتھ میر آتش برقنداز خاں عطا یار خاں داروغہ فوج و توپ خانہ مقرر تھے۔ یہ لوگ چند آتش بار توپوں کو لے کر پیش قدمی کر رہے تھے۔ عضد الدولہ عوض خاں بہادر قسورہ جنگ اپنے بیٹے سید جمال کے ساتھ کہ دونوں ترکش فتح کے کارگر تیر سمجھے جاتے تھے۔ جرنغار پہ مقرر ہوئے اس کے ساتھ متقرب خاں، خان عالم دکنی، مشہور خاں خویشگی عزیز بیگ خاں حارسی مقرر تھے۔ ان کے ساتھ ایک توپ خانہ بھی تھا جو صوبہ داری دکن کی نیابت کے آغاز

سے ہی ان کی تحویل میں تھا۔ قول اور جرنغار کے درمیان اعتما دالدولہ محمد امین خاں مرحوم کے بھائی ظہیر الدولہ رعایت خاں اور محمد غیاث خاں بہادر کو مقرر کیا گیا۔ فتح جنگ کا چچا نصیر الدولہ مشہور بہ عبدالرحیم خاں برنغار پر مامور ہوا۔ اس کے ساتھ اپنے بڑے بیٹے غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ کا بخشی سید غضنفر خاں اپنی رسالہ فوج کے ہمراہ تھا۔ اس کی فوج میں برہان پور اور اورنگ آباد پر مامور تین سو آدمی تھے۔ جو عرصۂ دراز سے فتح جنگ کے نمک خوار اور یومیہ دار تھے۔ ان کی سرداری ہم وطنی کے تعلق سے سید غضنفر خاں برہان پوری کو دی گئی تھی جو اس عہدہ کے علاوہ فیروز جنگ کا بخشی بھی مقرر ہوا تھا۔ ان کے ساتھ توپ گاڑیاں اور دور انداز منجنیق بھی تھی۔ مرزا اللہ خاں کو جو سعد اللہ خاں مرحوم کا پوتا تھا۔ ایک عمدہ دستہ کے ساتھ قول اور میسرہ کے درمیان مامور کیا گیا تھا۔ اس فوج کے ضمیمہ پسر بہادر دل خاں کو مقرر کیا گیا جو لاچین بیگ قلماق کے نام سے مشہور تھا اور بڑا مشہور جاں باز اور بہادر سپاہی تھا۔ حفیظ الدین خاں بہادر اور سعد اللہ خاں مرحوم کے ایک اور پوتے محمد سعید خاں بہادر کو جو دو تین قریبی رشتوں میں تھے اپنے ہمراہ رکھا کیونکہ نظام الملک کو ان دونوں جوانوں کی کارگزاری اور جاں نثاری پر بڑا اعتماد تھا۔ ان کو دو جریب کے فاصلہ پر قول میں اپنی سواری کے ساتھ رہنے کا حکم دیا گیا تھا۔ "طلیمش" میں ہوش دار خاں کو جس کا موروثی خطاب ارادت خاں تھا مقرر کیا۔ شیخ میر خوافی کا پوتا محتشم خاں جس کے آبا و اجداد نے داراشکوہ کی دونوں لڑائیوں میں بڑے کارنامے انجام دیئے تھے۔ دائیں اور بائیں بازو کے حاشیہ کی فوج کا کمان دار بنایا گیا۔ قول طلیمش کے پیش رو دستوں پر خواجم قلی خاں تورانی جو بڑا کارگذار اور بہادر افسر تھا متعین ہوا اس کے ساتھ گوپال سنگھ گور اور سلیم خاں افغان تھے جو اونچے درجہ کے جمع دار اور قراول بیگی کی نیابت پر مامور تھے۔ ان کے ساتھ قراولوں کی جماعت اور شکار کا عملہ بھی تھا ایک اور افسر رسول خاں افغان تھا۔ یہ تینوں فیل سوار امیر تھے۔ لشکر کے یہ سارے امیر بڑے حسنِ عقیدت کے ساتھ نظام الملک کے ہمراہ تھے اور خود وہ سپہ سالار قلب لشکر میں تھا۔ نظام الملک کے ساتھ خواجہ عبید اللہ خاں، اسد خاں دیوان، رستم بیگ خاں نیک نظر خاں ناصر جنگ کی سرکار کا بخشی اور نظام الملک کا برادر نسبتی ہمت یار خاں، اور اہل خدمات کا ایک گروہ جیسے عبدالرحمن خاں داروغہ چوکیٔ خاص اور دوسرے روشناس

افسر تھے۔ ترک تازخاں کو ہمیشہ مرہٹہ فوج کی سرداری دی جاتی تھی اس مرتبہ بھی سرکار خاص کی ایک جمعیت کے ساتھ مرہٹہ فوج کی کمان دی گئی تھی جس میں باجی راؤ وغیرہ کے سات آٹھ ہزار سوار تھے۔

عمادالملک کی صف بندی

دوسری طرف عمادالملک مبارزخاں نے بھی فوج کی صف آرائی کی۔ غالب خاں نامی کو جو کرناٹک حیدرآباد کے متصدی سعادت اللہ خاں کی طرف سے ایک عمدہ فوج لے کر آیا تھا ہراول پر مقرر کیا۔ اس کے ساتھ حسین منور خاں ولد خان زماں تھا اور جو تیغ نظام دکن کے نام سے مشہور تھا اس کے عقب میں اپنے ماموں محمد بیگ خاں کو جو پرانا تجربہ کار سپاہی تھا۔ التمش کے بجائے مقرر کیا۔ مشہور پٹھان سردار داؤد خاں کے بھائی ابراہیم خان پنی کو جس کا خطاب بہادر خاں تھا۔ اپنے دائیں جانب رکھا۔ عمادالملک کے اطراف "قول" میں عبدالنبی خاں میانہ کا بیٹا عبدالفتاح خاں تھا۔ کرناٹک بیجاپور میں جس کی بہادری کا ڈنکہ برسوں سے بج رہا تھا۔ اس کے ساتھ تومن دار افغان تھے۔ ان کا رسالہ دو ہزار سوار کا تھا۔ دلیر خاں میانہ کے بیٹے بھی تھے۔ جو بنکاپور سے علی خاں کے ساتھ آئے تھے۔ علی خاں بڑا مشہور آدمی تھا اور دلیر خاں کا مدارالمہام اور متبنیٰ تھا۔ دلیر خاں کے بیٹوں کی سرداری اسی کے سپرد تھی یہ لوگ بڑی بھاری فوج کے ساتھ کمک پر آئے تھے۔ ان کے ساتھ جنگجو تجربہ کار پیدل اور سوار سپاہی تھے۔ خود عمادالملک کے بیٹے خواجہ محمود خاں، خواجہ اسعد خاں، خواجہ مسعود خاں اور حامد خاں اس کے ہمراہ تھے۔ عمادالملک کے محافظ خان خاناں بہادر شاہی کا بیٹا خان زماں منور خاں، قزلباش خاں، فائق خاں جو اس کی سرکار کا دیوان تھا۔ عرب بیگ خاں تورانی مشہور تجربہ کار اور بہادر سپاہی تھا۔ میر یوسف خاں وغیرہ قلب لشکر میں مقرر کئے گئے۔

ایک یادگار جنگ

مختصر یہ کہ دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل آئیں نظام الملک مسلمانوں کی خون ریزی میں پہل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مبارز خاں بہادر کی لشکر گاہ دو تین کوس پر تھی آخر وہ وہاں سے سوار ہو کر دشوار گذار نالوں کو عبور کر کے نظام الملک کے لشکر کے مقابل آ گیا۔ دوپہر سے قبل معرکۂ قتال گرم ہو گیا۔ بہادر گھوڑے دوڑانے لگے توپوں کے دہانے آگ برسانے لگے۔ گولہ باری کی گرج سے زمین لرزنے لگی۔ تاب نہیں اس خون ریز لڑائی کا کیا حال لکھوں؟ ایسی سخت لڑائی کسی بادشاہی مہم میں

بھی دیکھی گئی نہ سُنی گئی۔ ایسی لڑائی کا ذکر تو قدیم زمانہ کے جنگجوؤں کے تذکرہ ہی میں ملتا ہے۔ اس معرکہ میں تیس چالیس فیل سوار نامی گرامی سردار تیر و تفنگ کا نشانہ بن گئے۔ اگر میں اس کی تفصیلات لکھوں تو مبالغہ سمجھا جائے گا۔ نظام الملک کی فوج کے تمام سرداروں نے بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا۔ خاص طور سے عضدالدولہ عوض خاں بہادر، رعایت خاں اور محمد غوث خاں اور سعداللہ خاں کے پوتے یعنی حفیظ الدین خاں، حرز اللہ خاں، محمد سعید خاں طالب محی الدین خاں اور سید غضنفر خاں وغیرہ نے نمایاں کارنامے انجام دیئے۔

باپ بیٹے مقابلہ پر

مقرب خاں عرف خان زماں دکنی کے خاندان کے پوتوں میں مقرب خاں ولد امین خاں بھی شریک جنگ تھا۔ امین خاں اور مقرب خاں دونوں باپ بیٹوں میں پرانی دشمنی تھی۔ دونوں لشکروں کے مقابلہ سے چند دن پہلے امین خاں فتح جنگ کی فوج سے نکل کر بعض برہان پوری منصب داروں کے ساتھ مبارز خاں عمادالملک کی فوج میں چلا گیا تھا وہ جنگ سے تین چار دن پہلے ہی دوسری طرف چلا گیا تھا۔ اب باپ بیٹے ایک دوسرے کے مقابلہ پر خون کے پیاسے ہوئے تھے۔ اس وقت مقرب خاں نے جیسی دلیرانہ جنگ کی وہ بیان سے باہر ہے۔ محمد امین خاں جو دشمن سے جا کر مل گیا تھا۔ اگرچہ ایک دوسرے لڑاکا سپاہی کے ہاتھوں مارا گیا۔ مگر عوام میں شہرت یہی ہوئی کہ وہ بیٹے کے ہاتھوں ہلاک ہوا۔

دکنیوں کا زبردست حملہ

دکنیوں نے نظام الملک کی فوج پر زبردست حملہ کیا تھا اور ان کے مقابلہ پر اکثر سرداروں کے قدم اکھڑ گئے تھے اور تیرہ چودہ نشان کے ہاتھی فتح جنگ کی فوج سے منہ پھیر کر بھاگ نکلے ان ہاتھیوں کے بھاگنے سے بہیر کے دستے جو فوج کے عقب میں تھے منتشر ہونے لگ گئے تھے۔ اس وقت بہیر کو اپنی جگہ قائم رکھنے میں دیانت خاں دیوان دکن نے بڑی کارگذاری دکھائی حالانکہ ان دنوں وہ فتح جنگ کا معتوب تھا اور بیمار بھی تھا اور اس وقت وہ چنداول کی فوج کی جگہ اپنی برادری کے پچاس ساٹھ سواروں کے ساتھ رہ گیا تھا۔ اس نے بڑی کوشش کر کے بہیر کی باربردار فوج کو منتشر ہونے سے محفوظ رکھا۔

نظام الملک کی فتح

لڑائی کا پانسہ جو پلٹا تو عمادالملک کی فوج میں کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ مبارز خاں عمادالملک کے دو بیٹے اسعد خاں

اور مسعود خاں فیل سوار سرداروں کی بڑی تعداد کے ساتھ مارے گئے اور دوسرے دو بیٹے محمود خاں اور حامد اللہ خاں ایک جمعیت کے ساتھ زخمی ہوئے اور گرفتار کرلئے گئے مبارز خاں کی سواری کا فیل بان بھی پے درپے زخم کھا کر گر پڑا اب خود مبارز خاں خون آلودہ کرتا پہنے ہوئی فیل بانی کررہا تھا آخر وہ بھی کاری زخموں کے لگنے سے ختم ہوگیا۔ اور نظام الملک فتح جنگ کی فوج میں فتح کا شادیانہ بجنے لگا۔

اسیرانِ جنگ کے ساتھ حسن سلوک

دوسرے دن باختلاف روایات جب مبارز خاں کے مقتولین کا شمار کیا گیا تو تین ہزار سے زیادہ کا تخمینہ ہوا گولہ باری سے میدان جنگ میں اتنے گھوڑے ایک پر ایک ڈھیر ہوگئے تھے کہ دو تین بادشاہی لڑائیوں میں ایسا منظر دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ فتح جنگ کی فوج سے رعایت خاں جس کے عقد میں فتح جنگ کی چچی تھی اور اس کے حلق میں ایک تیر آکر لگا تھا مارا گیا تھا اس کے علاوہ سلیمان خاں خویشگی بھی کام آگیا۔ سید غضنفر خاں بھی بہت زخمی ہوگیا تھا۔ دو تین روز بعد وہ بھی مرگیا۔ چند غیر معروف سردار بھی مارے گئے تھے۔ دوسرے بڑے امراء کو کوئی گزند نہیں پہنچا۔ نظام الملک بہادر نے فتح کے بعد مقتولوں کی تکفین وتدفین کرائی اور زخمی اسیروں کی مرہم پٹی اور علاج کا انتظام کرایا۔ جو لوگ اسیر کرلئے گئے تھے۔ ان کے نام یہ ہیں۔ اول تو مبارز خاں کے دونوں بیٹے تھے جن کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔ اس کا ہم زلف دلاور خاں اور اس کا ماموں محمد بیگ خاں تھا۔ دونوں زخمی تھے اور گرفتار کرلئے گئے تھے۔ محمد بیگ خاں کو کاری زخم لگے تھے وہ تین دن بعد بھی فوت ہوگیا۔ عرب بیگ خاں لشکر کا بڑا سردار تھا اور پہلے نظام الملک کے زیر احسان رہ چکا تھا قید ہونے کے دوسرے دن زخموں سے فوت ہوگیا۔ افغان سرداروں میں جن میں سے اکثر حاکم اور کارگزار رہے تھے اور تمن دار امیر تھے قابل ذکر نام غالب خاں حسین منور خاں، کمال خاں دکنی، بہادر خاں، ابراہیم خاں بنی اور عبدالفتاح خاں ولد ارشد عبدالنبی خاں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام صوبہ بیجاپور عرصۂ دراز تک ان کے زیر تصرف رہا تھا۔ ان نامی گرامی فیل سوار سرداروں میں جو مقتول تھے۔ ان کی تعداد دس بارہ سے زائد تھی۔ ان کے علاوہ خان زماں، خان خاناں کا فرزند احسن خاں ولد علی مردان خاں، میر یوسف خاں میر امام کا بیٹا جو توران کے مشہور لوگ تھے اور فائق خاں میر عزّاللہ

وغیرہ فیل سوار سردار تھے ۔ بہت سے لوگ وہ تھے جن کو اگرچہ کوئی زخم نہیں لگا تھا مگر ان کا مال و اسباب مزید تلف ہو گیا تھا ۔ نظام الملک نے ان کے نقصان کی بھی تلافی کر دی ، جیسے حکیم عزت طلب خاں ، قزلباش خاں ، میر ابوالفضل خاں اور رضا محمد خاں قمر نگر کا دیوان آقا ابوالحسن سوانح نگار مچھلی بندر ، وغیرہ زخمی امرا ، ہیں سے بیشتر کے سے غذا اور دوا فتح جنگ کی سرکار سے مہیا کی جاتی تھی ۔ ان کے علاوہ ایک بڑی تعداد ایسی تھی جن کی تیارداری اور نگہداشت فتح جنگ کی سرکار کا دیوان اہتدا خاں خود کرتا تھا جو نہایت خیر اور فیض رساں آدمی تھا ۔ دکن کے دیوان دیانت خاں نے بھی برباد شدہ آدمیوں کی ایک جماعت کو نقد روپیہ کی امداد دی اور ان کے لئے دوا وغیرہ مہیا کی ۔ مبارز خاں کے بیٹوں کا اور دلاور خاں اور کاظم علی خاں ولد حاجی منصور کا کافی مال و اسباب جن میں جواہرات اور قیمتی کپڑے بھی تھے ضبط کر لیا گیا تھا نظام الملک بہادر نے اُن کو یہ سامان واپس دیدینے کا حکم دے دیا ۔ اس لڑائی کے بعد نظام الملک نے تین چار مقام کر کے اورنگ آباد کی طرف کوچ کر دیا ۔

مبارز خاں کے بیٹے کی بغاوت

قلعہ محمد نگر پر قبضہ

اس اثنا میں حیدر آباد کے سوانح نگار کی طرف سے مسلسل یہ اطلاعات ملتی رہیں کہ حیدر آباد سے متصل محمد نگر کے قلعہ میں مبارز خاں کے بیٹے کی نیابت میں سندل خاں نامی ایک خواجہ سرا قلعدار تھا مبارز خاں کے بیٹے خواجہ احمد خاں نے جو اس جنگ کے زمانہ میں باپ کی طرف سے حیدر آباد میں نائب تھا۔ قلعہ کے ہزاری افسروں سے ساز باز کر کے قلعہ محمد نگر پر قبضہ کر لیا اور سارا مال و متاع قلعہ میں پہنچا دیا اور قلعہ کا بندوبست اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اورنگ آباد پہنچنے کے بعد جب نظام الملک شہر و اطراف کے بندوبست کی طرف سے مطمئن ہو گیا تو بلدۂ فرخندہ بنیاد حیدر آباد کی طرف کوچ کیا۔ اور اواخر ربیع الثانی میں حیدر آباد کے نواح میں پہنچ گیا اور گوشہ محل کے باغ میں لشکرگاہ قائم کر دی اور ہر طرف عمال اور افسر مقرر کر کے نظم و نسق سنبھال لیا۔

شورش اور ہنگامے

مبارز خاں کے بیٹے خواجہ احمد خاں کو اپنے اور مبارز خاں کے تمام وابستگان کے متعلق نظام الملک کی طرف سے بڑا اندیشہ تھا۔ مستحکم قلعہ اور خزانہ اس کے ہاتھ میں تھا اس لئے اس کے حوصلے بڑھے ہوتے تھے۔ پھر یہ شہرت بھی ہو گئی تھی کہ دربار سے اس کے نام صوبہ داری اور قلعہ داری کا فرمان صادر ہو چکا ہے۔ غرض اس نے سارے صوبہ میں بڑی شورش برپا کر دی جس کا سلسلہ ایک سال تک رہا اطراف کے زمینداروں قلعہ داروں اور عمال کو اس سے

لکھ دیا تھا کہ نظام الملک کے آدمیوں کو عمل دخل نہ دیں ۔ ہر جگہ اس نے قلعہ داروں اور زمینداروں کی مدد کے لئے فوجیں بھی متعین کرادیں پھر ان فسادیوں اور سرکشوں کو جنھیں مبارز خاں نے بڑی کوششوں سے گرفتار کرکے قلعہ میں قید کر رکھا تھا ۔ اس نے مزید فتنہ انگیزی کے لئے قلعہ سے نکال کر چھوڑ دیا ۔ ان سرکشوں نے اپنے اپنے محال پر پہنچ کر وہ شورش برپا کی کہ سرکاری عمال معطل ہوکر رہ گئے ۔ تحصیل بند ہوگئی اور مسافروں کے لئے راستے بند ہوگئے بعض محالات میں ان مفسدوں نے عہدہ داروں پر حملہ کرکے ہنگامے برپا کئے ۔ چنانچہ اسی فساد میں حاجی منصور کا بیٹا کاظم علی خاں جو ایک لائق اور کارگذار نوجوان تھا اور بھونگیر کے نواح میں فوج داری پر متعین تھا ۔ ایک جماعت کے ساتھ مارا گیا۔

آخر نظام الملک نے مبارز خاں کے آدمیوں پر بڑی مہربانیاں کیں ۔ ان کو نمایاں اضافے اور موروثی خطابات دیئے چنانچہ خواجہ احمد خاں کو شہامت خاں کا اور خواجہ محمود خاں کو مبارز خاں کا خطاب دیا اور سیر حاصل جاگیریں بھی عطا کیں اور انھوں نے قلعہ کی چابی حوالہ کردی نظام الملک قلعہ میں داخل ہوا اور اپنے قلعہ دار کو فوج کے ساتھ وہاں متعین کردیا اور دوسرے تمام مفسدوں کی سرکوبی کے انتظامات کردیئے ۔

حیدرآباد کا نیا صوبہ دار

انہی دنوں جب کہ نظام الملک صوبۂ حیدرآباد کے بندوبست میں مشغول تھا ۔ دارالخلافہ سے انوار الدین خاں بہادر نظام الملک کی خدمت میں حاضر ہوگیا ۔ نظام الملک نے اس کارگذار بہادر افسر کی آمد کو غنیمت جانا اور حیدرآباد کی صوبہ داری پر اس کو مامور کردیا۔ اس نے بہت جلد نواح حیدرآباد اور سیکاکل وغیرہ سرکاروں کے باغیوں اور سرکشوں کی اس خوبی سے سرکوبی کی اس شورہ پشت علاقہ میں کامل امن وامان قائم ہوگیا اور ہر طرف سے محاصل کی اتنی کثیر آمدنی ہونے لگی جو خلد مکاں اور خلد منزل کے عہد میں بھی داخل خزانہ نہیں ہوسکی تھی ۔ اگر ہم اس بہادر افسر کے ملکی اور مالی امور میں جو کارنامے ہیں ان کو بیان کرتے ہیں تو بڑی طوالت ہوگی۔

امن وامان کا قیام

ان سارے قضیوں کے باوجود نظام الملک بہادر فتح جنگ ہمیشہ بادشاہ کا وفادار ہی رہا اس سے کبھی کوئی بے جا حرکت سرزد نہیں ہوئی بلکہ سچ تو یہ ہے کہ خاندان تیموریہ کی سلطنت رفتہ اسی کے دم سے دوبارہ قائم ہوسکی تھی ... نظام الملک کی فتح کو دیکھ کر محمد شاہ بادشاہ نے بھی مصلحت وقت کی بناء پر نظام الملک کے لئے

جس سے کبھی کوئی نافرمانی نہیں ہوئی تھی۔ ہاتھی جواہرات اور آصف خاں کا خطاب بھجوادیا۔ اب ہر طرف سے خاطر جمع ہونے کے بعد نظام الملک نے سرکشوں کی تنبیہ وتادیب پر پورا زور لگادیا۔ اور مرہٹوں کی قوت بھی توڑ دی گذشتہ عرصہ میں مرہٹوں کی فتنہ انگیزی بہت بڑھ گئی تھی۔ اب ان کا فتنہ وفساد بڑی حد تک ختم ہوگیا۔ ان دنوں اگرچہ مبارز خاں مرحوم سادات کی قرارداد کے مطابق مرہٹوں کو چوتھ نہیں دیا کرتا تھا۔ مگر جہاں بھی مرہٹے غلبہ اور قابو پا لیتے تھے۔ چوتھ سے زیادہ لوٹ مار کرکے لے جاتے تھے اور تمام راستے ان کی تاخت وتاراج سے خطرناک ہوگئے تھے۔

احمد آباد کی تباہی کے عبرت ناک واقعات

اب ہم احمد آباد کا ذکر کرتے ہیں۔ حضرت خلد مکاں عالمگیر بادشاہ کے بعد اس صوبہ میں جو حالات پیش آئے۔ ان سے راقم سطور کماحقہ، واقف نہیں ہوسکا۔ جو کچھ روایات تواتر واختلاف، کے ساتھ سننے میں آئیں ان کو مختصراً بس تحریر کرتا ہوں۔

احمد آباد کی خوش حالی

یہ قدرت کا مقررہ قاعدہ ہے کہ جس سرزمین کے لوگ فسق وفجور میں حد سے تجاوز کرجاتے ہیں۔ ان کے سروں پر ظالم وجابر حکمران مسلط ہوجاتے ہیں۔ جنگ وجدال اور آفات سماوی سے اس سرزمین کے باشندوں کی جان ومال، عزت وآبرو خطرہ میں پڑجاتی ہے۔ چنانچہ احمد آباد ہندوستان کے ۲۱ صوبوں میں ایک آباد اور بارونق مغربی صوبہ تھا۔ وہاں سے لکھوکھا مالیت کا کپڑا اطراف عالم میں خاص طور سے مکہ معظمہ ایران وتوران جاتا تھا۔ یہاں کی زرخیزی عالمگیر بادشاہ کے عہد تک اس درجہ کی تھی کہ میں اس کو بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ پورے صوبہ میں بہت کم ایسے جاگیردار ہوں گے جو خسارہ میں ہوں، وہ سرزمین ہند کا ایسا گوشہ تھا جہاں کے رہنے والے آفات سماوی سے محفوظ تھے اور غلہ وفواکہات کی ارزانی کے سبب آرام وچین سے بسر کررہے تھے۔ مگر یہ دن گذر گئے۔

گذشتہ فسادات کا ذکر

شاہ عالم بادشاہ کے بعد سے ہر سال اس صوبہ میں گرانی بڑھتی گئی اور آبادیاں ویران ہوتی چلی گئیں۔ مرہٹوں کے

تسلط سے اور بھی حالات بگڑ گئے، اور ظلم وستم کا ایک سلسلہ سا بندھ گیا ۔ جب محمد اکبر بادشاہ نے اسی علاقہ پر قبضہ کیا تھا تو یہاں کے اکثر پرگنوں میں تیس چالیس لاکھ روپیہ کی محاصل میں تخفیف دی تھی جو مشروط تھی۔ خان خاناں نے باوجود کم آزاری کے اپنے دورِ وزارت میں تخفیف محاصل کی یہ رقوم وصول کی تھیں۔ اور اس وصول یابی کا سلسلہ برابر جاری رہا ۔ اس صوبہ کے تمام پرگنوں میں اس کے علاوہ اور بھی ٹیکس بڑھا دیے گئے گرانی کی آفت اور حکام کا ظلم اس کے سوا تھا ۔ آخر اس صوبہ کے حالات اس قدر بگڑے کہ اس زمانہ میں محاصل کی کمی کے اعتبار سے وہ تمام صوبوں میں سرفہرس ہے ۔ جس زمانہ میں ذوالفقار خاں نے داؤد خاں کو احمد آباد کا صوبہ دار بنایا تھا ۔ ہولی جلانے پر بڑا ہنگامہ برپا ہو چکا تھا ۔ جیسا کہ ہم لکھ آئے ہیں ۔ ایک گھر کا صحن ہندو اور مسلمان دو خاندانوں کے درمیان مشترک تھا ۔ مسلمان نے وہاں ہولی جلانے سے منع کیا مگر ہندو نہیں مانا چنانچہ مسلمان نے بھی حضور اکرمؐ کی فاتحہ کے لئے گائے لاکر وہاں ذبح کی ۔ ہندوؤں نے اس مسلمان پر حملہ کر دیا اور قصاب کو اس قدر مارا کہ وہ مرگیا ایک قول کے مطابق اسے ذبح کر دیا یہ فساد اس قدر بڑھا کہ داؤد خاں کی رعایت کے سبب جو ہمیشہ کافروں کی طرف داری کرتا تھا ۔ تمام شہر کے محلوں راستوں بازاروں میں لاکھوں کا مال واسباب جلا دیا گیا ۔ بلکہ قاضی کے گھر کا دروازہ تک جلانے کی نوبت آگئی ۔ دو تین دن کے اس فساد میں لاکھوں کا کپڑا اور صحافیوں کے کتب خانے نذر آتش ہو گئے ۔ دونوں طرف سے وفد دربار میں استغاثہ کرنے پہنچے اور قطب الملک سید عبداللہ خاں کے دیوان رتن چند نے داؤد خاں کی ارسال کردہ رپورٹ پر جس میں مسلمانوں کو مجرم ٹھیرایا تھا ۔ مسلمانوں کے وفد کو جس میں شہر احمد آباد کے اکابرین اور علماء تھے قید کر دیا ۔ اس طرح محمد فرخ سیر بادشاہ کے آخر عہد میں حیدر قلی خاں
سنہ احمد آباد کی صوبہ داری کی نیابت پر مامور ہوا تو اس نے بھی وہاں کے منصب داروں کی جاگیریں ضبط کرنے کے لئے بڑے ستم ڈھائے پھر صفدر علی خاں کی لڑائی کے سلسلہ میں وہاں کے مشہور اور سر برآوردہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو ناحق قتل کرا دیا ۔ محمد فرخ سیر کی معزولی کے بعد جو فتنہ وفساد وہاں برپا ہوا تھا وہ ہم لکھ آئے ہیں ۔

پچھ بھائیوں کا قصہ

بعد میں جب احمد آباد کی صوبہ داری نظام الملک فتح جنگ کے تفویض ہوئی اور حیدر قلی خاں دربار میں واپس جانے لگا

تو اس نے شجاعت علی خاں اور ابراہیم قلی خاں کو احمد آباد میں مقرر کیا اور شجاعت علی خاں کے تیسرے بھائی رستم علی خاں کو بندرگاہ سورت پر نائب بنا دیا۔ ان تینوں بھائیوں کا قصہ یہ ہے کہ جب احمد آباد کا صوبہ دار شجاعت خاں تھا۔ اس کا ایک بخشی محمد کاظم نامی تھا جو بڑا کارگذار بہادر اور صاحب انتظام جمع دار تھا۔ اس کے حالات ہم عہد عالمگیر میں لکھ چکے ہیں۔ اس کے چھ بیٹے تھے۔ جن میں سے ہر ایک اپنے آپ کو بڑا دلیر اور بہادر سمجھتا تھا ان میں سے تین بیٹوں کی قسمت میں تو قتل ہونا لکھا تھا۔ چنانچہ ایک بھائی ابراہیم خاں کی صوبہ داری میں مفسد گوالوں کی جنگ میں مارا گیا۔ دوسرا احمد قلی خاں کی صوبہ داری میں اس نواح کے باغیوں کے ہاتھوں ختم ہو گیا۔ تیسرا سورت کی فوجداری میں اس ضلع کے کافروں سے لڑتا ہوا شہید ہوا۔ بقیہ تین بھائیوں کو حیدر قلی خاں نے اپنی سرپرستی میں لے لیا اور ان کو نمایاں اضافے اور ترقیاں دلوائیں۔ ایک کو شجاعت خاں، دوسرے کو رستم علی خاں اور تیسرے کو ابراہیم علی خاں کے خطابات بھی دلائے اور ان کو احمد آباد اور بندرگاہ کی نیابت پر مامور کر کے دربار میں واپس چلا گیا۔

شجاعت خاں کا قتل

جب نئے صوبہ دار نظام الملک بہادر فتح جنگ کی طرف سے اس کا چچا حامد خاں نائب بن کر آیا تو اس وقت شجاعت علی خاں اپنے بھائی ابراہیم قلی خاں کو شہر میں چھوڑ کر پرگنوں کے بندوبست پر گیا ہوا تھا۔ اسے جب حامد خاں کی آمد کی اطلاع ملی تو اس نے واپس جا کر شہر کے دروازے بند کرا دینے کا ارادہ کیا اور حامد خاں کو عمل دخل نہ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ ایک دوسری روایت ہے کہ اس نے امان کا قول نامہ لینے کے بعد اطاعت اختیار کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ ان تینوں بھائیوں نے ہمیشہ مرہٹہ سرداروں سے جنگ کی تھی اور ان کے مقرر کردہ عمال مرہٹوں کو چوتھ نہیں دیتے تھے۔ اس وقت ان بھائیوں کے خلاف مرہٹوں کو موقع مل گیا اور انھوں نے صفدر خاں بابی سے ساز باز کر لی۔ صفدر خاں بابی حیدر قلی خاں کے ظلم و ستم کا نشانہ بن چکا تھا۔ اس نے مرہٹوں کے سات آٹھ ہزار سواروں کی جمعیت اپنے ہمراہ لی اور حامد خاں کے استیصال پر چلا گیا اور حامد خاں کے ذہن نشین کرا دیا کہ محمد کاظم کے تینوں بیٹے سرکش اور مخالف ہیں۔ اتفاق کی بات کہ شجاعت خاں اور حامد خاں ایک ہی وقت میں شہر کے دروازہ پر پہنچے حامد خاں کو اندر داخل ہوتا ہوا دیکھ کر شجاعت خاں

گھوڑا دوڑا کر حامد خاں بہادر کے ہاتھی کے سامنے آگیا۔ اب دونوں طرف سے لڑائی چھڑ گئی۔ جس میں شجاعت خاں مارا گیا۔ دوسرا بھائی ابراہیم قلی خاں اپنے گھر میں روپوش ہو گیا۔

"بانہہ دہری" کی رسم

اس صوبہ میں "بانہہ دہری" کی ایک خاص اصطلاح بولی جاتی تھی۔ یہ لفظ اس شخص کے لئے استعمال ہوتا تھا جو مقدمات خاص طور سے مالی قضیوں میں واسطہ بن کر ملزم کو حاکم کے سامنے حاضر کر دیتا تھا اور اس کا ضامن بن جاتا تھا۔ "بانہہ دہری" کا لفظی مفہوم بھی بانہہ یعنی بازو پکڑ کر حاضر کر دینا ہے۔ صفدر خاں بانی حیدر قلی خاں کی دشمنی میں ان بھائیوں سے بھی نزاع رکھتا تھا۔ .... مگر اس وقت وہ دکھاوے کے لئے طرفین یعنی حامد خاں اور ابراہیم قلی خاں میں واسطہ اور ابراہیم کا "بانہہ دہری" بن گیا۔ ابراہیم قلی خاں نے اس پر اعتماد کیا اور ایک دوسرے معتبر جمعدار کو بھی جو احمد آباد میں سکونت پذیر تھا اور اب حامد خاں کی ملازمت میں چلا گیا تھا۔ درمیان میں اٹھ کر اسی کی "بانہہ دہری" میں حامد خاں کے پاس چلا گیا اور اس سے ملاقات کی۔ حامد خاں نے اسے خلعت اور جیغہ دیا اور تسلی دلاسا دے کر رخصت کر دیا۔ مگر ہفتہ بھر بعد ہی صفدر خاں کے بہکانے اور دوسرے دراندازوں کی فتنہ پردازی کی وجہ سے حامد خاں اپنے قول سے پھر گیا اور طے کر دیا کہ ابراہیم قلی خاں کو بلا کر قید کر دے، بلکہ اس کا قصہ ہی پاک کر دے مگر یہ بات پوشیدہ نہیں رہ سکی۔ بہت جلد یہ راز طشت از بام ہو گیا۔ اس جمعدار کو جس نے بیچ میں پڑ کر ابراہیم قلی خاں کو حامد خاں کے پاس حاضر کیا تھا۔ حامد خاں کے ان مشوروں کی خبر لگ گئی اور وہ رات گذرنے پر ابراہیم قلی خاں کے پاس پہنچا اور اسے خبردار کر دیا اور اس سے کہا۔ اگر تم یہاں سے نکل چلو تو میں تمھارا رفیق رہوں گا اور تم کو محفوظ مقام پر پہنچا دوں گا۔ مگر ابراہیم قلی خاں اس طرح فرار ہونے کی ذلت پر آمادہ نہیں ہوا اور عزت و ناموس اور غیرت نے اسے شہر سے نکلنے نہیں دیا اور تن بہ تقدیر سفر آخرت کے لئے تیار ہو گیا۔

ابراہیم قلی خاں کی جرأت و ہلاکت

حامد خاں بہادر کے سزاول اور گماشتے اس کو رے جانے کے لئے چکر لگانے لگے۔ آخر اس

نے غسل شہادت کیا اور گھر والوں سے بیگانہ بیگانہ سب کو وداع کہا اور تیس آدمیوں اور ایک قول کے مطابق چالیس آدمیوں کے ساتھ جو اس روز بے کسی میں اس کے رفیق تھے گھر سے روانہ ہوگیا۔ وہ جمعدار بھی جو اس کا "بانھ دبری" بنا تھا۔ سات آٹھ آدمیوں کے ساتھ اس کے ہمراہ ہوگیا۔ جب وہ دارالامارت کے دروازہ پر پہنچا تو بے باکانہ اندر داخل ہونے لگا۔ مگر جمعداروں اور دروازہ پر متعینہ جمعیت نے اسے روک دیا اور کہا ہتھیار اُتار کر دو تین آدمیوں کے ساتھ اندر آؤ۔ ابراہیم قلی خاں نے غضب ناک ہوکر تلوار کھینچ لی اور چند آدمیوں کو وہیں ڈھیر کردیا اور بعض کو زخمی کردیا اور مستانہ وار اندر گھس گیا۔ حامد خاں اس زور زبردستی کو دیکھ کر دیوان خانہ سے اُٹھ کر اندر چلا گیا۔ ابراہیم قلی خاں اپنی جماعت کو لئے ہوئے دیوانوں کی طرح تلوار چلا رہا تھا۔ اس کے ساتھی مارے گئے اور زخمی ہوگئے آخر وہ ایک بڑی تعداد کو کاٹتے اور زخمی کرتے ہوئے محل کے اندر داخل ہوگیا اور حامد خاں کو تلاش کرنے لگا۔ اطراف سے اس پر گولیاں چلائی جا رہی تھیں، اور اینٹ پتھر پھینکے جا رہے تھے۔ چنانچہ وہ زخمی ہوکر گر پڑا۔ اس کا سر کاٹ کر اس کی لاش اور بریدہ سر کو جدا جدا شہر کے دروازوں پر آویزاں کردیا گیا۔ اس کے بعد اس کے گھر والوں اور فرزندوں پر جو کچھ بیتی اختلاف روایات کی وجہ سے ہم اُسے یہاں نہیں لکھنا چاہتے۔

رستم علی خاں کی فوج کشی

جب دونوں بھائیوں کے مارے جانے کی خبر، تیسرے بھائی رستم علی خاں کو جو بندرگاہ سورت کا نائب تھا۔ ملی تو اس نے بھائیوں کے خون کا انتقام لینے کی قسم کھائی، اور بندرگاہ سورت سے روانہ ہونے کی تیاریاں کرنے لگا۔ مگر اس کو ایک مشکل تھی۔ کوئی ایک سال سے بندرگاہ کے نواح میں ایک مرہٹہ سردار پیلوجی دس گیارہ ہزار سوار لے کر تاخت وتاراج کرتا پھر رہا تھا اور چوتھ کا مطالبہ کررہا تھا۔ اس کی فتنہ انگیزی کے سبب رستم علی خاں درحقیقت پوری طرح اپنے علاقہ کا عمل دخل حاصل نہیں کرسکا تھا۔ بارہا اس سے رستم علی خاں کی لڑائیاں اور مقابلے ہوئے۔ اب مصلحت وقت کے خیال سے رستم علی خاں نے پیلوجی سے وعدہ وعید کرکے مصالحت کرلی اور اس مہم میں اسے بھی اپنا رفیق بنالیا۔ مرہٹے تو ایسے موقع کی تلاش میں ہی رہتے تھے کیونکہ چت ہو یا پٹ، ہر حال میں ان کا بھلا رہتا تھا۔ پیلوجی اپنی فوج کے ساتھ ان کے ہمراہ ہوگیا۔ حامد خاں بہادر کو جب رستم علی خاں کی اس حرکت

کی اطلاع ملی تو اس نے بھی فوج تیار کرلی کنٹھا (کنتھہ) کے مرہٹہ سردار بارہ ہزار سواروں کے ساتھ حامد خاں کے ساتھ ہو گئے اور حامد خاں ایک عمدہ توپ خانہ لے کر آگے بڑھا۔

مرہٹوں کی غداری اور لوٹ مار

دونوں فوجوں کا مقابلہ دریائے مہی کے کنارہ ہوا اور دونوں طرف سے کافی آدمی مارے گئے اور زخمی ہوئے۔ اس دن حامد خاں کی فوج کو بری طرح شکست اٹھانی پڑی۔ اس کا لاؤ لشکر خیمہ خرگاہ تاراج ہو گیا۔ حامد خاں موقع کی نزاکت کو دیکھ کر میدان سے ہٹ گیا۔ اور رستم علی خاں کی فوج نے فتح کے شادیانے بجادیئے۔ حامد خاں نے میدان جنگ سے ایک دو کوس پر جاکر اپنا خیمہ لگوادیا۔ دوسرے دن حامد خاں دوبارہ اپنی فوج لے کر میدان میں مقابلہ پر آگیا۔ مشہور ہے کہ اس نے اس اثناء میں پیلوجی کو جو رستم علی خاں کی طرف سے دل میں دشمنی اور بغض رکھتا تھا توڑ لیا تھا۔ اس طرف سے رستم علی خاں بھی بڑھا، حالانکہ اس کے کافی آدمی مارے گئے تھے اور زخمی ہو چکے تھے۔ عین اس وقت پیلوجی کی فوج نے رستم علی خاں کے بہیر (بار برداری) پر عقب سے حملہ کر دیا۔ دونوں طرف سے رستم علی خاں کی فوج گھر گئی اور اسے شکست فاش ہوئی اور رستم علی خاں بھی لڑتے ہوئے مارا گیا۔

اس لڑائی کے دوران میں چند دن تک مرہٹوں کی خوب بن آئی۔ چنانچہ انھوں نے احمدآباد کے بازاروں اور دکانوں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کردیا۔ مرہٹوں کی لوٹ مار اور طرفین کی لڑائی میں پرگنوں پر خاص طور سے پرگنہ بروده پر جو کچھ گذری اس کو لکھتے ہوئے خون کے آنسو رونا پڑیں گے۔ جب محمد شاہ بادشاہ کو خبر ملی تو اس نے سربلند خاں کو احمدآباد کی صوبہ داری پر مقرر کردیا اور حامد خاں بہادر کو آصف جاہ نے اپنے پاس بلالیا۔

صوبہ احمدآباد کی تباہی

سربلند خاں سات آٹھ ہزار سواروں کی عمدہ فوج اور ایک بڑا توپ خانہ لے کر آیا تھا اس کی فوج میں کافی تجربہ کار اور جنگجو آدمی تھے مگر اس وقت صوبہ کے تمام پرگنوں میں سرکشوں اور باغیوں کی فوجیں پھیلی ہوئی تھیں اس لئے وہ ملک کا بندوبست اور مرہٹوں کی سرکوبی نہ کرسکا۔ روز بروز مرہٹوں کا زور بڑھتا جارہا تھا۔ غلہ کے نرخ بہت چڑھ گئے تھے۔ سربلند خاں صوبہ دار کی یہ حالت تھی کہ وہ شہر میں محصوروں کی طرح بیٹھا ہوا تھا اس کے لئے بجز اس کے کہ بلوائیوں اور لیٹروں کی وارداتوں سے چشم پوشی کرتا رہے کوئی راہ نہیں رہی تھی۔ تیس ہزار مرہٹہ سوار جمع ہو گئے تھے اور شہر کے

دروازے تک تاخت وتاراج کرتے رہتے تھے۔ سارے پرگنے ان کی لوٹ مار سے ویران ہوگئے تجارت اور کاروبار کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ بیوپاری اہل حرفہ وغیرہ شہروں سے نکل کر ادہر ادہر منتشر ہوگئے۔ تاجروں پر توان دنوں مصائب نے ہجوم کررکھا تھا۔ علاوہ لوٹ مار کے ایک اور آفت فوج کے سپاہیوں کی تھی۔ سربلند خاں نے جو کچھ خزانہ جمع کررکھا تھا وہ ضروری اور غیرضروری مصارف میں خالی ہوگیا۔ اب فوج کی تنخواہیں دنیا بھی محال ہوگیا۔ جمع داروں کی حمآتیں اتنی بڑھ گئیں کہ وہ صوبہ دار سے جھگڑنے اور شوخی کرنے لگے۔ معاملہ یہاں تک جا پہنچا کہ جمعدار آتے تھے اور تنخواہ نہ ملنے کی صورت میں اپنی اور اپنی جمعیت کی تنخواہوں کی رقم کا پرواۂ ادائیگی تاجروں اور صرافوں کے نام زبردستی لکھوا لیتے تھے۔ جس تاجر یا صراف کے نام وہ یہ پرواہ لکھواتے اسے قید کرکے طرح طرح سے اذیت دے کر اپنی رقم وصول کرلیتے تھے۔ جسے وہ غریب سرکار کے نام قرض کے کھاتہ میں لکھ لیتا اور جس کی واپسی کی اسے کوئی توقع نہیں رہتی۔ بیرنگر کا پرگنہ بڑا آباد قصبہ تھا۔ وہاں مشہور ناگر قوم جو لاکھوں کا لین دین کرتی تھی۔ اسی جگہ آباد تھی۔ یہ قصبہ پورے ہندوستان میں مال واسباب زرونقد کے لحاظ سے اول درجہ کا تجارتی مرکز تھا۔ مرہٹوں نے اس کو تاخت وتاراج کرکے پامال کردیا۔ صوبہ دار ان کی مدد پر پہنچ نہ سکے۔ آخر وہ بالکل ویرانہ کھنڈر رہ گیا۔ ان حالات کی جب محمد شاہ بادشاہ کو اطلاع ہوئی تو اس نے سربلند خاں کی جگہ ڈونگر سنگھ کو احمد آباد کا صوبہ دار بنادیا۔ ڈونگر سنگھ کے پہنچنے کے بعد سربلند خاں اس کو عمل دخل دینا نہیں چاہتا تھا اور اس سے لڑنے پر آمادہ ہوگیا۔ مگر وہ ایسا کرنہ سکا اور وہاں سے وہ ایسا فرار اور روپوش ہوا کہ کچھ عرصہ تک اس کا پتہ ہی نہ چل سکا۔ غرض وہ دربار میں واپس نہیں گیا اور بادشاہ کا معتوب ہی رہا۔ غرض یہ زرخیز صوبہ جہاں غلہ اور اجناس کی بہتات تھی۔ قسم قسم کا بیش قیمت کپڑا تیار ہوتا تھا جسے تاجر ملک ملک بادشاہوں کے تحفے میں لے جاتے تھے اور صحیح معنوں میں وہ ہندوستان کی ناک تھا۔ جس سے ہر جگہ ہندوستان والوں کی عزت وآبرو قائم تھی اس طرح ویران وبرباد ہوا کہ سارے تاجر اور اہل حرفہ جلاوطن ہوگئے۔ موروثی گھرانے اجڑ گئے۔ پھر آگے چل کر اللہ نے اس کے دن پھیرے اور اس علاقہ پر نظام الملک بہادر فتح جنگ آصف جاہ کا سایہ پڑا اور رفتہ رفتہ اس صوبہ کی آبادی اور آمدنی میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

دکن میں آصف جاہ نظام الملک کا بندوبست

اب ہم کچھ ذکر اس بندوبست کا کرتے ہیں جو آصف جاہ نے دوبارہ دکن پر قبضہ کرنے کے بعد انجام دیا تھا۔ دکن میں جگہ جگہ حربی کافروں کے گروہ بنے ہوئے تھے۔ جیسے واکینکیڑا کا مفسد زمیندار جس کے قلعہ کو فتح کرنے میں خلد مکاں عالمگیر بادشاہ کو بڑی زحمتیں اٹھانی پڑی تھیں۔ اسی طرح نوجپڑ کے نواحات میں کوآں کے پرگنوں میں ایلکندل کی سرکار میں متمرد کوہ نشیں زمیندار تھے۔ ان کی سرکشی کی وجہ سے بیشتر علاقوں میں سرکاری بندوبست قائم نہیں رہ سکا تھا۔ نظام الملک نے ایسے تمام فتنہ پرداز زمینداروں کی قرار واقعی تنبیہ وتادیب کی اور مختصر سی مدت میں ان تمام علاقوں پر قبضہ کر کے امن وامان بحال کر دیا۔ چنانچہ سابقہ صوبہ داروں کے برخلاف آصف جاہ کے عہد میں راستے پُرامن تھے۔ نہ تو مرہٹوں کو جرأت ہوتی تھی کہ مسافروں کو تنگ کریں، نہ زمیندار ظلم و زیادتی کر پاتے تھے۔ ایک اور مصیبت چوتھ کی تھی۔ مرہٹے ایک طرف تو جاگیرداروں سے زبردستی چوتھ وصول کرتے تھے۔ پھر رعیت سے "سردیسکھی" کے عنوان سے دس فی صد ٹیکس بھی لیتے تھے جس کی وصولی کے لئے مرہٹوں کے کمائش دار بادشاہی تحصیل داروں کی طرح ہر جگہ مقرر تھے۔ اب یہ بدمعاشی شروع کر دی تھی کہ جلدی جلدی ہر ہفتہ ہر ماہ یہ کمائش دار تبدیل ہوتے رہتے تھے اور ہر نیا کمائش دار از سر نو وصول یابی شروع کر دیتا تھا۔ ان کمائش داروں کے مطالبے اتنے زیادہ اور سخت ہوتے تھے کہ رعیت ان کو پورا نہیں کر سکتی تھی اور آئے دن رعیت کو اور جاگیرداروں کے عمال کو ان کے ہاتھوں ذلیل ہونا پڑتا تھا۔

آصف جاہ نے وقتی طور پر یہ تجویز کیا کہ پورے صوبہ حیدرآباد سے چوتھ دینے کے بجائے سرکاری خزانہ سے یکمشت رقم کمائش داروں کو دیدی جاتے اور سردیسکھی کے دس فی صد محصول کی بھی رعیت کو معافی دیدی اس طرح مرہٹوں کا رعیت سے براہ راست واسطہ نہیں رہا اور چوتھ لینے والے کمائش دار اور سردیسکھی اور راہداری وصول کرنے والے گماشتے جو مسافروں تاجروں اور رعایا کے لئے وبال جان بنے ہوئے تھے۔ درمیان سے ہٹ گئے۔

جلوس کے چودھویں [۱۴] سال تک کے واقعات

وزارت و وکالت پر تقرر

اب ہم دربار کے کچھ حالات لکھتے ہیں بادشاہ نے وزارت کی خلعت اور قلمدان آصف جاہ کی جگہ قمرالدین خاں بہادر کو دیدی تھی ۔ اور آصف جاہ کو وکالت کے عہدہ پر مامور کرکے فرمان خلعت ہاتھی اور جواہرات وغیرہ دکن روانہ کردیئے تھے ۔

محمد شاہ کی اولاد

محل شاہی میں اس عرصہ میں دو تین نرینہ اولادیں ضرور ہوتی تھیں ۔ مگر یہ بچے زندگی نہ پا سکے اور فوت ہوگئے ۔ آخر محمد فرخ سیر کی بیٹی کے بطن سے ایک لڑکا تولد ہوا اس کا نام احمد شاہ رکھا گیا اور بادشاہ نے اس خوشی میں بہت بڑا جشن منعقد کیا۔

میر آتش نذر آتش

حیدر قلی خاں میر آتش طبعاً ظلم و ستم کی طرف مائل تھا ، نہ معلوم کس ستم رسیدہ کی آہ پرسوز تھی کہ ایک رات وہ اپنی بیوی کے ساتھ خس خانہ میں سو رہا تھا کہ خس خانہ میں آگ لگ گئی اس کی بیوی نیم سوختہ بچ کر نکل گئی مگر وہ خود اس بری طرح جل گیا کہ بڑے علاج معالجہ کے بعد بھی جی نہ سکا۔ جس نے ہزاروں کو اپنی آتش باری سے جلا کر خاک کردیا تھا ۔ قدرت کا تماشہ دیکھو وہ خود اسی آگ میں جل کر راکھ ہوگیا۔

باپ کو قتل کردیا

صوبہ اجمیر سے اطلاع ملی کہ راجہ اجیت سنگھ کے لڑکا ٹوڈگر سنگھ موقع پاکر اپنے باپ کی خوابگاہ میں گھس گیا اور جدھر کا وار

کرکے باپ کو ہلاک کردیا۔ راجہ جے سنگھ کو بھی ہمیشہ اپنے بیٹے کی طرف سے خطرہ رہتا تھا۔ حالانکہ وہ بہت کم عمر تھا اس کے علاوہ وہ اپنے بھانجہ سے بھی جو بدھ سنگھ وطن دار بوندی کا بیٹا تھا۔ خائف رہتا تھا جس کی عمر ابھی آٹھ سال سے بھی زائد نہ تھی آخر اس نے دونوں کو قتل کرنے کا حکم دیدیا۔

جعفر خاں کی وفات

جعفر خاں عرف محمد ہادی جو کچھ عرصہ تک مرشد قلی خاں کے خطاب سے بھی منسوب رہا اس کی تربیت و ترقی امانت خاں خوافی کے زیر سایہ ہوئی تھی۔ امانت اور دیانت داری کی صفات کے علاوہ اس میں اور بھی عمدہ اوصاف تھے۔ یہ اس کی نیک نیتی اور اپنے آقا کے ساتھ وفاداری کا جذبہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بڑے مرتبہ پر پہنچایا۔ چنانچہ وہ ایک قرن تک بڑی عزت و آبرو کے ساتھ بنگالہ جیسے وسیع اور زرخیز علاقہ پر صوبہ دار رہا اور نیک نامی کے ساتھ زندگی گذارنے کے بعد فوت ہوگیا۔ اس کے انتقال سے محمد شاہ بادشاہ کو بہت صدمہ ہوا۔ بادشاہ نے بنگالہ کی صوبہ داری پر اس کے داماد شجاع الدین خاں کو اضافہ و خلعت اور عطیات دے کے رخصت کردیا۔

مالوہ کی صوبہ داری بھی دیا بہادر کو ہٹا کر محمد خاں بنگش کو اضافہ و ترقی اور گھوڑے ہاتھی کے اعزاز کے ساتھ دی گئی۔

ایران میں افغانوں اور رومیوں کا تسلط

اس سے پہلے ہم ایران کے حالات لکھ آئے ہیں کہ اصفہان، شاہ ایران کے ہاتھ سے نکل گیا تھا اور سلطان حسین بھی آخر فوت ہو گیا۔ افغانوں نے لاکھوں آدمیوں کا محاصرہ کر لیا تھا۔ افغانوں کے حملوں سے غلہ کی گرانی قحط اور وباؤں کا شکار ہو کر یہ محصورین ہلاک ہو گئے اور شامت اعمال کا شکار ہوئے۔ ان واقعات کی اب ہم تفصیل بیان کرتے ہیں۔

شاہزادہ طہماسپ کا فرار

اصفہان کے محاصرہ کے دوران سلطان حسین مرحوم کا بیٹا شاہ طہماسپ قلعہ کے ایک ناہدان سے چند آدمیوں کے ساتھ جان بچا کر نکل گیا تھا۔ وہ اپنے ننھیال گرجستان چلا گیا۔ تاکہ وہاں سے دشمن کے خلاف کمک لے آئے۔ گرجستان رومیوں، عیسائیوں کا علاقہ تھا۔ جس زمانہ میں گرجستانی یورپ والوں سے لڑ رہے تھے۔ سلطان حسین نے ان کی بڑی مدد کی تھی۔ شاہزادہ طہماسپ نے اب جو ان سے فوجی امداد طلب کی تو انھوں نے افغانوں کے خلاف فوجیں روانہ کر دیں۔ لیکن اس سے طہماسپ کو کوئی فائدہ نہیں ہوا کیونکہ لڑائی کے بعد رومی فوجوں نے جتنے بھی حاصل علاقے شہر اور بندرگاہیں افغانوں سے چھین لی تھیں۔ ان پر خود قابض ہو کر بیٹھ گئے اور افغانوں سے زیادہ ملک کے مدعی بن بیٹھے۔ اب یہ صورت تھی کہ ایران کے جملہ صوبہ جات میں سے صرف تین چار صوبے ایسے رہ گئے تھے۔ جن پر افغان اور رومی قابض نہیں ہو سکے

تھے باقی سارا ملک ان دونوں کے درمیان بٹا ہوا تھا۔ خراسان کے حاکم نشین دو شہر تھے۔ ایک ہرات دوسرا مشہد مقدس اور افغانوں کی یہ شورش اسی پایۂ تخت ہرات سے اٹھی تھی۔

حاکم مشہد کی پامردی

مشہد مقدس کے حاکم نے جس کا نام اختلاف روایت سے شاہ قلی خاں سننے میں آیا ہے۔ بڑی پامردی سے افغانوں کی مقاومت کی تھی۔ افغانوں کی شورش کے زمانہ میں محمود خاں (افغان) بارہا فوجیں لے کر مشہد کی تسخیر کے لئے آیا مگر وہاں کے حاکم شاہ قلی کی کوششوں سے وہ قبضہ نہ کر سکا۔ بعد میں جب محمود خاں فوت ہو گیا تو اشرف نامی جو باختلاف قول اس کا بھانجہ ہوتا تھا۔ محمود خاں کی جگہ اصفہان میں تخت نشین ہوا۔ اس نے بھی متعدد مرتبہ مشہد پر فوجیں بھیجیں، مگر اسے بھی کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ آخر خود اشرف ۲۵ ہزار جرار سواروں کا لشکر لے کر نکلا۔ اس کے ساتھ بارہ ہزار باربرداری کے اونٹ تھے۔ ہر اونٹ پر ایک برقنداز اور تیرانداز سوار تھا وہ اس لشکر کو لے کر مشہد مقدس پہنچا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔

شاہزادہ طہماسپ کی دشت نوردی

اس وقت شاہزادہ طہماسپ سات آٹھ سال سے زمانہ کی ٹھوکریں کھاتا سرگرداں پھر رہا تھا۔ یہ بھی مشہور ہے کہ وہ ہندوستان میں ٹھٹھہ بھی آیا تھا اور محمد شاہ نے اس پر عنایت و مہربانی بھی کی تھی پھر وہ وہاں سے لوٹ گیا تھا۔ اسی اثناء میں محمود خاں فوت ہو گیا اور مشہد کے حاکم کے قدم جم گئے۔ جب یہ خبریں مشہور ہوئیں تو گرجستان کے اکثر تمن دار اور قزل باشوں کی ایک فوج اور بعض صحرا نشین جنگجو قبیلے شاہزادہ طہماسپ کے پاس جمع ہو گئے اور قریب قریب دس بارہ ہزار سوار کی فوج بن گئی جن میں گرجستان کے جنگجو قبائل کی اکثریت تھی۔

امام علی رضا کا مزار

اس زمانہ میں حضرت امام علی رضا کے مزار کا خزانہ بہت مالا مال تھا دنیا بھر کے ملکوں سے جو نقد روپیہ طلائی اور نقروی سامان درگاہ پر چڑھاوے اور نذرانوں میں آتا رہتا تھا وہ آٹھ نو سو سال سے اسی طرح محفوظ اور جمع تھا۔ ان کے علاوہ مشہد کے اطراف کے پرگنوں کا محصول بھی

ایران کے بادشاہوں نے اس مزار کے لئے وقف کر دیا تھا۔ ان محاصل کی بھی ہر سال کافی رقم جمع ہوتی تھی۔ اس میں سے مزار پر روشنی وغیرہ اور مختصر سی فوج کے اخراجات کے علاوہ کچھ اور خرچ نہیں ہوتا تھا۔ ایران کے معتبر راویوں اور اس درگاہ کے خادموں اور جاروب کشوں سے یہی سننے میں آیا تھا کہ مزار کے خزانہ میں جو مال اور نقدی جمع تھی وہ حساب و شمار سے باہر تھی۔ اہل ایران کا عقیدہ یہ ہے کہ امام علی رضا کی بشارت کے مطابق یہ خزانہ اسی طرح امام مہدی علیہ السلام کے خروج تک جمع رہے گا۔ اور اسے امام مہدی آخرالزماں ہی صرف فرمائیں گے۔ البتہ تانبہ کے سکے اور پہننے کے کپڑے خادموں اور جاروب کشوں کا حق سمجھا جاتا تھا۔ ان کے علاوہ جو کچھ مسکوک وغیر مسکوک سونا چاندی اور جواہرات جن کی مالیت لاکھوں تک ہوتی تھی۔ وہ حضرت امام مہدی کی امانت سمجھے جاتے تھے۔ اور ان میں تصرف نہیں کیا جاتا تھا۔ ایران کا سابق بادشاہ اس درگاہ کا متولی بن گیا تھا۔ قندھار کی مہم میں اسے جب بھی رقم کی ضرورت ہوتی تھی تو وہ باقاعدہ حضرت امام علی رضا کے نام قرض کی درخواست لکھتا تھا اور درگاہ فیض آثار سے جب یہ درخواست امام مغفور کے دستخطوں کے ساتھ برآمد ہوتی تھی تو حسب ضرورت رقم لے کر پھر اُسے واپس خزانہ میں جمع کرا دیتا تھا۔ کسی اور کی جرأت نہیں ہوتی تھی کہ وہاں سے دام درم بھی اُٹھائے۔ افغانوں کی شورش کے آغاز میں قزلباشوں میں سے ایک بدکردار امیر افغانوں کی مہم پر مامور ہو کر مشہد آیا تھا۔ اُس نے امام کی اجازت اور خدام کی ممانعت کے باوجود سات آٹھ ہزار تومان امام کے خزانہ خاص سے نکلوا کر اپنے تصرف میں لے لئے آخر وہ افغانوں کی تاخت و تاراج میں تباہ و برباد ہو گیا اور جان سے بھی گیا۔

زرہ مبارک اور زمردیں کمان

اس زمانہ میں جب کہ صفوی خاندان کا آفتاب دوبارہ گہن سے نکلنے لگا تھا تو شاہ قلی خاں حاکم مشہد نے شاہ طہماسپ کی نیابت میں بڑے خلوص و عقیدت کے ساتھ امام کے خزانہ سے قرض کی درخواست کی روپیہ کے علاوہ اُس نے "زمردیں" نامی ایک کمان اور زرۂ مبارک کی بھی استدعا کی۔ اس نے صدق نیت کے ساتھ روزہ رکھا اور تین رات تین دن تک الحاح و زاری کرتے ہوئے اس درگاہ پر معتکف رہا۔ آخر وہ سبز کمان اور

درخواست پر منظوری کے دستخط مزار سے برآمد ہو گئے اور اس نے خزانہ سے تیس چالیس ہزار تومان نکلوائے اور مشہور قول کے مطابق اسی رقم سے فوج تیار کی اور شاہزادہ کے پاس پہنچ گیا۔

شاہزادۂ طہماسپ کی فتح اور تخت نشینی

شاہزادۂ طہماسپ اپنی فوج کو لے کر اشرف افغان کے مقابلہ پر نکلا اور دونوں کے درمیان بڑی سخت لڑائی ہوئی۔ گرجستان کے سردار اور قزلباش افغانوں کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے۔ انھوں نے پہلے ہی حملہ میں چار پانچ ہزار افغانوں کو کاٹ کر رکھ دیا۔ اشرف خود قلب لشکر سے نکل کر شاہ طہماسپ کی فوج پر حملہ آور ہوا تھا۔ اسی معرکہ میں وہ مارا گیا۔ اس کی لاش بڑی تلاش کے بعد افغانوں کی ہزاروں لاشوں کے نیچے سے برآمد ہوئی۔ اس فتح کے بعد شاہزادہ مشہد میں داخل ہوا اور مزار کا طواف و زیارت کی۔ وہاں کے خدام کو کافی رقم عطا کی اور شہر و اطراف و نواح کا بندوبست و انتظام کیا۔ مشہد کے تاجروں نے بھی قرض اور نیاز کے طور پر اس مہم میں مالی مدد دی تھی۔ شاہزادہ نے ان تاجروں اور مال گزار رعایا کی تسلی و اطمینان کے سامان کر دیے اور وہاں سے اصفہان کی طرف کوچ کر دیا۔ اصفہان میں اشرف کا نائب مقابلہ کی ہمت نہ کر سکا اور شہر چھوڑ کر فرار ہو گیا۔ اصفہان میں داخل ہونے کے بعد نئے بادشاہ طہماسپ نے افغانوں اور رومی فوجوں کے اخراج کے لئے فوجیں متعین کیں اور ملک کو ان کے وجود سے پاک کر کے آٹھ نو سال بعد اپنے موروثی ملک کے تخت پر جلوس کیا۔

یہاں تک ہم نے محمد شاہ بادشاہ کے جلوس کے چودھویں سال تک کے حالات تحریر کر دیئے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس کے بعد بشرط حیات و فرصت زمانہ کے مزید انقلابات کو قلم بند کیا جائے گا۔

تتمہ منتخب اللباب

محمد شاہ بادشاہ کے آخر عہد کے حالات

مرہٹوں کی شمال کی طرف پیش قدمی احمد شاہ ابدالی کی فوج کشی اور نادر شاہ کے حملہ کے واقعات اہمیت رکھتے ہیں۔ ہم ان کو مختصراً یہاں تحریر کررہے ہیں تاکہ جن واقعات کو خافی خاں نہیں لکھ سکا ان کا ایک اجمالی نقشہ ناظرین کے سامنے آجائے۔

مرہٹوں کا شمالی صوبوں پر حملہ

ناظرین کو یاد ہوگا کہ اعظم شاہ (فرزند عالمگیر بادشاہ) نے ساہوجی مرہٹہ کو بادشاہی قید سے رہا کردیا تھا۔ اس کا مرکزی مقام قلعہ ستارہ تھا۔ مرہٹوں کا دوسرا مرکز کولاپور تھا۔ یہاں راجہ رام کا بیٹا سنبھا دوم راج گدی پر قابض تھا۔ ستارہ اور کولاپور کے مرہٹہ رجواڑے ایک دوسرے کے رقیب تھے۔ آصف جاہ نظام الملک نہایت مدبر اور میدان سیاست کا شہسوار تھا۔ اس نے ساہو کا زور توڑنے کے لئے سنبھا دوم کی پشت پناہی کی۔ اب ساہو کا گروہ نظام الملک کی تدبیر سے کمزور ہوگیا تھا۔ دوسری طرف سنبھا دوم کے گروہ کو نظام الملک نے زیادہ طاقت ور بننے نہیں دیا۔ اس طرح دکن میں مجموعی طور پر مرہٹوں کا زور ٹوٹ گیا۔ مگر تقدیر کے کھیل بھی بڑے دلچسپ ہوتے ہیں۔ ساہو کو ایک شاطر آدمی وزارت کے لئے مل گیا۔ اس کا نام بالاجی وسواناتھ تھا۔ سیواجی کے عہد سے پیشوا کا ایک عہدہ مقرر تھا۔ جو راجہ کا نائب وزیر اور مدار المہام سمجھا جاتا تھا۔ بالاجی وسواناتھ جب پیشوا بنا تو اس نے پیشوا خاندان کی باقاعدہ بنیاد رکھ دی۔ بہت جلد اس نے اپنے حسن انتظام اور چال بازی سے کام لے کر سنبھا دوم کے حامیوں کو اس سے توڑ لیا اور ساہو کا اطاعت گذار بنادیا اور سارے مقبوضہ علاقوں کا نہایت عمدگی سے بندوبست کرکے شہر پونا کو بڑی رونق دی۔ یہی شہر آگے چل کر اس کے جانشینوں کا

مرکز بن گیا سنہ۱۷۱۸ء میں بالاجی سید حسین علی خاں کے ساتھ دکن سے دہلی گیا تھا۔ اس نے فرخ سیر سے اور ۱۷۲۰ء میں محمد شاہ بادشاہ سے مرہٹوں کے لئے باقاعدہ ایک عہدنامہ حاصل کرلیا جس کی رو سے طے پایا کہ سیواجی کی وفات کے وقت تک کا جو علاقہ مرہٹوں کے قبضہ میں تھا وہ ان کو دے دیا جائے اور دکن کے چھ بادشاہی صوبوں سے چوتھ اور سردیسکھی وصول کرنے کا حق ان کو ملے اس کے عوض ساہو نے اطاعت کا اور دس لاکھ روپیہ سالانہ خراج دینے کا اقرار کیا۔ بالاجی چونکہ برہمن تھا اس لئے اس کے زیرسایہ برہمنوں کا بڑا اثرورسوخ پیدا ہوگیا۔ بالاجی کے بعد اس کا بیٹا باجےراؤ جانشین ہوا۔ یہ اپنی صلاحیت وقابلیت کے لحاظ سے باپ سے بھی دو قدم آگے تھا اس نے راجہ ساہو کو اور مرہٹوں کو شمالی صوبوں پر حملہ کرنے پر آمادہ کیا۔ گجرات اور مالوہ میں بادشاہی صوبہ داروں کی باہمی رقابت اور سازشوں کی وجہ سے مرہٹوں کو دخیل ہونے کا موقع مل گیا۔ یہاں تک کہ سنہ۱۷۳۴ء میں راجہ جے سنگھ نے بادشاہ کے اشارہ سے مالوہ کی صوبہ داری پر باجے راؤ کو مقرر کردیا۔ مالوہ اور گجرات قبضہ میں آجانے کے بعد مرہٹوں نے آگے قدم نکالے اور ان کی تاخت وتاراج کا سلسلہ الٰہ آباد اور اکبرآباد کے صوبوں تک وسیع ہوگیا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں گوالیار تک کا سارا علاقہ ان کی عمل داری میں شامل ہوگیا۔ شوال سنہ۱۷۳۵ء میں مرہٹوں نے قصبہ سانبھر کو، جو شاہجہاں آباد سے زیادہ دور نہیں، حملہ کرکے لوٹ لیا۔

اس دوران میں نظام الملک آصف جاہ کے دربار سے تعلقات کشیدہ تھے وہ دکن میں مسلمانوں کے قدم مضبوط کرنے میں مشغول تھا۔ یہاں دربار میں ایسا کوئی امیر نہ تھا جو نظام الملک کی طرح مرہٹوں کا حریف بن سکے اس لئے مرہٹے بغیر کسی رکاوٹ کے شمالی صوبوں میں دندناتے پھررہے تھے۔ باجےراؤ خود ایک مرد شاطر تھا اسے دو بڑے لڑاکا سپہ سالار ہولکر اور سندھیا مل گئے تھے۔ ان کی سرکردگی میں مرہٹے منہ زور گھوڑوں کی طرح جدھر منہ اٹھتا چلے آتے تھے۔ مرہٹوں کی آندھی کو روکنے کے لئے محمد شاہ بادشاہ نے ۱۷ ذی قعدہ ۱۱۴۸ھ کو امیرالامرا صمصام الدولہ کو تیس چالیس ہزار سوار اور بھاری توپ خانہ دے کر روانہ کیا۔ مگر آپس کی نااتفاقی کے سبب وہ کچھ نہ کرسکا اور یہ لشکر شاہجہاں آباد واپس آگیا۔ مگر اس سال برہان الملک سعادت خاں بہادر جنگ نے جو

اودھ کا صوبہ دار تھا اعتماد پور کے قریب مرہٹوں کے سردار ملہار راو ہلکر کو بری طرح شکست دے کر بھگا دیا۔ امیر الامرا صمصام الدولہ کو برہان الملک کی اس فتح سے بڑی غیرت آئی اور بادشاہ سے اجازت لے کر دوبارہ دہلی سے نکلا اور دریائے چنبل کے قریب برہان الملک سے جا کر مل گیا۔ برہان الملک امیر الامرا کے انتظار میں مرہٹوں کے تعاقب سے رک گیا۔ مرہٹوں کو چھ سات دن کی مہلت مل گئی اور باجی راو ایک جرار لشکر لے کر دھاوے مارتا ہوا سیدھا شاہجہان آباد پہنچ گیا اس وقت دارالسلطنت فوجوں سے خالی پڑا تھا جس دن مرہٹے دہلی کے قریب پہنچے ہیں۔ وہاں کالکا کا میلہ لگا ہوا تھا جسے انھوں نے جی بھر کر لوٹا۔ بہت سے ہندو مسلمان مارے گئے۔ میلے سے زخمیوں کی ٹولیاں فریاد کرتی ہوئی شہر پہنچیں تو بے خبر بادشاہ کو پتہ چلا کہ غنیم سر پر آپہنچا ہے بادشاہ کے حکم سے دس پانچ امیر معمولی فوج لے کر نکلے، تال کٹورہ پر لڑائی ہوئی اور بادشاہی فوج شکست کھا کر فرار ہوگئی۔ اس اثناء میں مرہٹوں کی یلغار کی خبر سن کر برہان الملک اور دوسرے امیر دہلی کی طرف دوڑے۔ باجی راو برہان الملک کی آمد سے ایسا خوف زدہ ہوا کہ ریواڑی کی راہ گجرات اور مالوہ کی طرف بھاگ گیا۔ باجی راو نے واپس ہونے کے بعد مالوہ اور گجرات کے علاوہ متھرا اور الہ آباد کے پروانے دربار سے طلب کرنے شروع کئے۔ آخر خط و کتابت کے بعد دکن سے اور راجپوتوں کے علاقوں سے مرہٹوں کے خراج میں اضافہ کی منظوری دیدی گئی۔

مرہٹوں کے دہلی کے نواح میں چھاپہ مار کر نکل جانے کے بعد محمد شاہ اپنی بے عزتی کو بری طرح محسوس کر رہا تھا اور خوب سمجھتا تھا کہ اس زہر کا تریاق صرف نظام الملک کے پاس ہے ناچار اس نے نظام الملک کو دل جوئی کے خطوط لکھے اور اس سے مدد مانگی اور بڑی منت سماجت کی۔ نظام الملک آصف جاہ ہر آڑے وقت میں مغل بادشاہوں کی مدد کرتا رہا تھا۔ دہلی کے تخت کو بچانے کے لئے اس نے دکن سے فوراً کوچ کر دیا۔ آصف جاہ کی روانگی کی خبر سن کر ہی مرہٹے شمالی صوبوں سے بھاگم بھاگ اپنے پہاڑوں میں واپس چلے گئے۔ آصف جاہ دہلی میں ربیع الاول ۱۱۵۰ھ (۱۷۳۷ء) کو پہنچا اور سلطنت کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ بادشاہ نے باجی راو کو معزول کر کے مالوہ کی صوبہ داری آصف جاہ کے بیٹے غازی الدین خاں کو دیدی جو اس وقت دکن میں باپ کی نیابت کر رہا تھا۔ آصف جاہ کے

مقابلہ پر پیشوا ایک بھاری لشکر لے کر نربدا کے پار اُتر آیا۔ آصف جاہ بھی بھوپال کے قریب ٹھہر گیا۔ اس کے ساتھ پینتیس ہزار سپاہ تھی اور مرہٹے ستر اسی ہزار کی فوج لے کر بڑھ رہے تھے۔ بدقسمتی سے دوسرے امیر حسب توقع اپنی فوجیں لے کر نہیں پہنچ سکے۔ اس لئے آصف جاہ بھوپال سے آگے نہ بڑھ سکا۔ آخر اس شرط پر کہ مرہٹوں کو مالوہ کا صوبہ دیدیا جائے گا۔ اسے مصالحت کرنی پڑی اور وہ اس معاہدہ پر بادشاہ کے دستخط کرانے دہلی واپس آ گیا اور مرہٹے اپنے ملک کو لوٹ گئے۔ اس واقعہ کے بعد مرہٹوں کی دھاک دور دور تک بیٹھ گئی۔ مگر ابھی مذکورہ عہدنامہ پر بادشاہ کے دستخط نہیں ہوتے تھے کہ سنہ ۱۱۵۱ھ / ۱۷۳۸ء میں شمال سے نادر شاہ دندناتا ہوا ہندوستان میں داخل ہو گیا اور سب لوگ ایسے بدحواس ہوئے کہ سب کچھ بھول گئے۔

نادر شاہ کا ہندوستان پر حملہ

تاریخ میں یہ عجیب اتفاق ہے کہ ایشیا کی بیشتر سلطنتوں میں کوئی خاندان دو سو برس سے زیادہ فرماں روا نہیں رہ سکا۔ ایران میں بھی جب خاندان صفوی کی سلطنت پر دو سو برس گذر گئے، تو وہ ایسی کمزور ہوئی کہ مغربی افغانوں نے ایران پر حملہ کر دیا۔ افغانیوں کا سردار محمود خاں تھا۔ جو بڑا عالی حوصلہ اور صاحب ہمت سردار تھا۔ اس نے سنہ ۱۱۳۴ھ / ۱۷۲۲ء میں اصفہان پر قبضہ کر لیا۔ اور شاہ ایران کو قید میں ڈال دیا اس کا بیٹا شاہزادہ طہماسپ البتہ جان بچا کر بھاگ گیا تھا۔ سنہ ۱۱۳۷ھ / ۱۷۲۴ء میں محمود خاں مر گیا۔ اس کا جانشین اشرف تخت پر بیٹھا اشرف بھی بڑے حوصلہ اور جرأت کا آدمی تھا۔ مگر اسی دوران میں روس کے بادشاہ پیٹر اعظم اور روم کے بادشاہ نے ایران پر حملہ کر کے شمالی اضلاع پر قبضہ کر لیا اور افغانوں کا زور ٹوٹ گیا اس وقت شاہزادہ طہماسپ معمولی فوج لے کر اپنی گم شدہ سلطنت حاصل کرنے میدان میں آ گیا۔ طہماسپ بذات خود کوئی اہلیت اور لیاقت نہیں رکھتا تھا مگر اسے قسمت کی خوبی سے سنہ ۱۷۲۶ء میں ایک نہایت دلیر اور ہوشیار آدمی مل گیا جس نے اس کو باپ دادا کے تخت پر دوبارہ بٹھا دیا۔ یہ شخص نادر شاہ تھا۔

نادر شاہ کا اصلی نام نادر قلی خاں تھا۔ اس کے باپ کا نام امام قلی تھا اور اس کی قوم افشار تھی۔ کہتے ہیں وہ ایک پوستین دوز کا بیٹا تھا۔ چنانچہ جب محمد شاہ کی بیٹی کی شادی دہلی میں نادر شاہ کے لڑکے سے ہوئی اور اس سے اس کا حسب نسب پوچھا گیا تو اس نے کہا تھا جا کر کہدو:۔

"داماد شما پسر نادر شاہ است و نادر شاہ
پسر شمشیر تا ہم چنیں تا ہفتاد بار شمار"

نادر شاہ سنہ ۱۱۰۰ھ میں پیدا ہوا سترہ سال کی عمر میں وہ ازبکوں کے ہاتھوں گرفتار ہوگیا جو خراسان کو لوٹنے آئے تھے چار سال وہ ان کی قید میں رہا۔ وہاں سے رہا ہو کر وہ ایک امیر بابل بیگ کا ملازم ہوا۔ کچھ دن بعد اس نے اپنے آقا کو قتل کر دیا اور اس کی لڑکی کو بھگا لے گیا اور اس سے نکاح کر لیا۔ اس لڑکی سے رضا قلی مرزا پیدا ہوا۔ اب اس نے لٹیروں کا ایک جتھہ بنا لیا اور ہر طرف تاخت و تاراج کرتا رہا۔ اسی زمانہ سے اس کی بہادری کا شہرہ ہونے لگا اور خراسان کے والی نے اسے اپنی فوج میں بھرتی کر لیا۔ ازبکوں کے مقابلہ پر اس کے جوہر کھلے اور وہ ترقی کر کے سپاہی سے افسر بن گیا۔ مگر اس کی بعض نامناسب حرکتوں پر والیٔ خراسان نے اسے ڈنڈوں سے پٹوا کر شہر سے خارج کر دیا اور وہ وہاں سے مشہد چلا گیا۔ اور دوبارہ لوٹ مار شروع کر دی۔ بہت جلد اس کے جتھے میں تین ہزار لڑاکا آدمی شامل ہو گئے۔ شہزادہ طہماسپ افغانوں کے مقابلہ پر نکلا تو وہ اس کی مدد کے لئے پہنچ گیا اور جلد ہی اس نے اپنے دست و بازو کے زور سے افغانوں کو ایران سے مار بھگایا اور طہماسپ کو تخت پر بٹھا دیا۔ ۱۱۴۳ھ/۱۷۳۰ء سے ۱۱۴۸ھ/۱۷۳۵ء کے عرصہ میں اس نے ایران سے افغانوں کا صفایا کر دیا۔ روسیوں کی یلغار کو بحر خضر پر روک دیا۔ اہل عرب کو مغرب میں قدم بڑھانے نہیں دیا اور ایران کی سلطنت کو اس کی قدیم سرحدوں تک وسیع کر دیا اور پھر ۱۱۵۰ھ/۱۷۳۶ء میں خاندان صفوی کا خاتمہ کر کے خود مستقل بادشاہ بن گیا اور ۱۱۵۱ھ/۱۷۳۸ء میں وہ آندھی طوفان کی طرح ہندوستان پر چڑھ آیا۔ پہلے قندھار فتح کیا، پھر کابل کو فتح کیا۔ دہلی کے دربار میں ابھی تک لوگ اسے محمد شاہ نہیں نادر قلی سمجھے بیٹھے تھے اور یہ توقع باندھے ہوئے تھے کہ پشاور اور کابل کے پٹھان اسے مار بھگائیں گے۔ مگر نادر شاہ نے جلال آباد پہنچ کر قتل عام کیا۔ پشاور

آیا اور ہاتک سے اتر کر پنجاب میں ۔۔۔ نومبر ۱۱۵۱ھ ۱۷۳۸ء میں داخل ہو گیا۔ اب دہلی میں کھلبلی مچ گئی ۔ محمد شاہ نے فوج اکٹھی کی اور کرنال جاکر لشکرگاہ قائم کر دی ۔ برہان الملک اور امیرالامراء صمصام الملک خان دوران خان قزلباشوں کے مقابلہ پر ڈٹ گئے ۔ امیرالامراء لڑتے ہوئے مارا گیا ۔ برہان الملک گرفتار ہو کر نادر شاہ کے حضور پیش کیا گیا ۔ نادر برہان الملک کی بہادری کا قدردان تھا ۔ اس نے اسے اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھالیا اور بڑی عزت سے پیش آیا ۔ آصف جاہ نے جب دیکھا کہ نادر کو تلوار کی زبان سے رام کرنا ممکن نہیں تو مصالحت کے لئے زمین ہموار کی اور گفت و شنید کے لئے خود اس کے پاس چلا گیا اور نادر کو آمادہ کر لیا کہ وہ دو کروڑ روپیہ لے کر واپس چلا جائے ۔ نادر نے محمد شاہ سے ملنے پر اصرار کیا تو وہ بادشاہ کو بادشاہ سے ملانے کے لئے لے گیا ۔ نادر شاہ نے خیمہ سے نکل کر فرماں روائے ہندوستان کا استقبال کیا ۔ نادر شاہ یہاں سے واپس جانے پر تیار ہو گیا تھا ۔ چنانچہ اس ملاقات میں اس نے محمد شاہ سے صاف کہہ دیا تھا " ہندوستان کی سلطنت آپ کو مبارک ہو "

اس درمیان میں برہان الملک نے نادر شاہ کے پاس کافی رسوخ پیدا کر لیا تھا اس نے نظام الملک سے حسد کی وجہ سے نادر شاہ سے کہا آپ بس اس دو کروڑ پر ریجھ گئے یہ تو میں ابھی اپنے پاس سے ادا کر سکتا ہوں آپ کے لئے تو دہلی کے خزانے کھلے ہوئے ہیں اور ایسے ایسے قیمتی جواہرات ہیں کہ کسی نے کبھی دیکھے نہ ہوں ۔ نادر شاہ اس لالچ میں آ گیا اور اس نے نظام الملک کو اور محمد شاہ کو بہانہ سے بُلا کر قید کر لیا ۔ اور ان کو لے کر دہلی کی طرف کوچ کر دیا ۔ نادر شاہ اور محمد شاہ اول ذی الحجہ (مارچ) ۱۱۵۱ھ ۱۷۳۹ء کو دہلی میں داخل ہوئے ۔ عید کے دن جامع مسجد دہلی میں نادر شاہ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا ۔ چوتھے روز عصر کے وقت کسی بھنگڑ نے یہ آواز لگائی ۔

" واہ محمد شاہ رنگیلے تیرا کیا کہنا مغل کو
ایک قلماقنی کے ہاتھ سے مروا ہی دیا "

نادر کے مرنے کی افواہ اڑی تو شہر والوں نے قزلباشوں پر حملہ کر دیا ۔ نادر کو خبر ملی تو وہ شورش کو مٹانے کے لئے سوار ہو کر نکلا ۔ شہر والوں نے اس پر پتھراؤ کرنا شروع کر دیا ۔ کسی نے اس پر بندوق کا فائر بھی کیا جو خالی گیا ۔ مورخوں کا اتفاق ہے کہ نادر

کی نیت تھلتا قتل عام کی نہیں تھی ۔ مگر جب یہ صورت ہوئی تو اس نے طیش میں آکر حکم دیدیا کہ جہاں ایک ایرانی کا مردہ دیکھو وہاں ایک ہندوستانی کو زندہ نہ چھوڑو۔ بس قزلباش تلواریں سونت کر پل پڑے ۔ نادر شاہ روشن الدولہ کی مسجد میں تلوار کھینچ کر بیٹھ گیا ۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر رہا تھا اور ادھر شہر میں کشتوں کے پشتے لگتے جا رہے تھے اور خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں ۔ کسی کی ہمت نہیں تھی کہ نادر کے سامنے جاتا ۔ اس وقت وہی بڈھا نظام الملک آصف جاہ دہلی والوں کی جان بچانے کے لئے اپنا سر ہتھیلی پر رکھ ، پگڑی گلے میں ڈال ۔ نادر کے سامنے پہنچا اور یہ شعر پڑھا ؎

کسے نماند کہ دیگر بہ تیغ ناز کشی　　مگر کہ زندہ کنی خلق را و باز کشی

نادر نے نظام الملک کی سفارش قبول کر لی اور تلوار نیام میں ڈال لی اور شہر میں امان کا اعلان ہو گیا ۔ نادر شاہ نے واپس جانے سے پہلے اپنے بیٹے نصر اللہ مرزا کا محمد شاہ کی بیٹی سے عقد کیا اور دہلی کی ساری دولت سمیٹ کر جس میں تخت طاؤس بھی شامل تھا، ہندوستان سے کوچ کر گیا ۔ برہان الملک نادر کی موجودگی ہی میں سرطان کے مرض میں مر گیا صلح کے عہد نامہ کی رو سے سندھ کے اس پار کا سارا علاقہ نادر شاہ کی قلمرو میں شامل ہو گیا ۔ جو مال و دولت وہ ہندوستان سے لے گیا ۔ اس میں اختلاف ہے ۔ کوئی ستر کروڑ بتاتا ہے کوئی پندرہ کروڑ ، بہر حال دہلی قزلباشوں کی لوٹ کھسوٹ سے بالکل ننگی ہو گئی ۔

نادر شاہ کے حملہ کے بعد

طوائف الملوکی نادر شاہ کے حملے سے پہلے ہی دہلی کی مرکزیت کمزور ہو چکی تھی ۔ نادری حملہ سے رہی سہی آبرو بھی جاتی رہی ۔ بادشاہی خزانہ خالی ہو چکا تھا فوج پراگندہ اور منتشر تھی ۔ محاصل اور خراج ہر طرف سے بند ہو چکے تھے ۔ دربار تورانی اور ایرانی امیروں کی سازشوں اور جھگڑوں کا دنگل بنا ہوا تھا ۔ پورا ملک ہندوستان جسے عالمگیر اورنگ زیب غازی نے حکمت و تدبر اور قوت و شجاعت سے ایک لڑی میں پرو دیا تھا ۔ ٹکڑوں ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا تھا ۔ ہر طرف طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی مشرقی ہند کے تین زرخیز صوبے بنگال بہار اور اڑیسہ سلطنت دہلی سے علاحدہ ہو گئے اور وہاں

علی وردی خاں نے ایک جداگانہ حکومت قائم کرلی۔ اس سے اوپر روہیل کھنڈ کے علاقہ میں روہیلے اودھم مچاتے ہوئے تھے۔ مغربی ساحل کا سارا علاقہ گجرات سے مالوہ اور بالاگھاٹ تک مرہٹوں کی تاخت وتاراج کی زد میں تھا۔ اکبرآباد اور دہلی کے درمیان جاٹوں کی شورش کا سلسلہ جاری تھا۔ دکن کے چھ صوبوں میں نظام الملک آصف جاہ اور اس کے بیٹوں کی عملداری تھی۔ پنجاب کا علاقہ افغانوں اور درانیوں کے قبضہ میں چلا گیا تھا۔ محمد شاہ رنگیلے بس محل سرا کے بادشاہ بنے ہوئے تھے۔

مرہٹے بنگال میں

نادر شاہ کی آمد پر پورے ہندوستان میں ایک سناٹا چھا گیا تھا۔ تمام باغی لٹیرے ڈھول ڈھپاڑی اپنے اپنے بھٹ میں جاکر چھپ گئے تھے۔ جیسے بلی کے آنے پر چوہے۔ نادر شاہ کے پلٹتے ہی یہ سب اپنے اپنے بلوں سے سر نکالنے لگے۔ مرہٹے بھی اپنی پہاڑیوں سے اُتر آئے۔ اب ان کا رخ مشرقی ہند کے اضلاع کی طرف تھا۔ چنانچہ برار کے راجہ رگھوجی بھوسلا نے اپنے سپہ سالار بھاسکر کو پچیس ہزار سپاہ دے کر مرشد آباد پر حملہ کرنے بھیجا۔ اُن کے ارادے بڑے بڑے تھے مگر اس وقت مشرقی اضلاع میں محمد علی وردی خاں جس کا خطاب مہابت جنگ ہو گیا تھا موجود تھا۔ اس نے بھاسکر کو رگید رگید کر مارا اور بنگال کی سرحدوں سے مرہٹوں کو نکال بھگایا۔ مرہٹے پلٹ پلٹ کر اس کے علاقہ پر حملہ کرتے رہے۔ آخر ۱۱۵۵ھ / ۱۷۴۴ء گنگ پور کے میدان میں علی وردی خاں نے بھاسکر اور اس کے تمام رفیقوں کو ایک خیمہ میں گھیر کر قتل کرا دیا۔ صرف ایک سردار گانگوار اپنی جان بچا کر بھوسلا کے پاس واپس جا سکا۔ مرہٹوں نے اس کا انتقام لینے کے لئے ۱۱۵۹ھ / ۱۷۴۵ء میں راگھوجی بھوسلا کی سرکردگی میں دوبارہ حملہ کیا اور سارے علاقہ کو لوٹ کر پامال کر دیا۔ مگر علی وردی نے اسے بھی مرشد آباد کے دروازوں پر بری طرح شکست دی اور بھوسلا الٹے پاؤں برار کی طرف بھاگ گیا اس کے بعد ایک عرصہ تک مشرقی اضلاع ان نامرادوں کی آفت سے محفوظ رہے۔ یہاں تک کہ ۱۱۶۴ھ / ۱۷۵۱ء میں راگھوجی بھوسلا کا بیٹا جانوجی مرہٹوں کے ٹڈی دل کو لے کر روندتا ہوا آیا۔ اس وقت علی وردی خاں اپنے ہمراہی افسروں کی بغاوت کی وجہ سے سخت مشکل میں گرفتار تھا اور افغانوں کی ایک جمعیت نے بھی اس کے خلاف محاذ قائم کر دیا تھا خود اس کا نواسہ سراج الدولہ اس کے خلاف باغی بن بیٹھا تھا۔ ان حالات میں تسبیح

لڑائیوں کے بعد علی وردی خاں نے مرہٹوں سے ان شرائط پر صلح کرلی کہ کٹک ان کے حوالے کردیا اور بنگال کے چوتھ کا سالانہ بارہ لاکھ روپیہ دینا قبول کرلیا۔ جمادی الاول ۱۱۶۹ھ میں اسی برس کی عمر میں محمد علی وردی خاں کا انتقال ہوگیا۔

دکن میں مرہٹوں کی شکست

دکن میں نادر کے جانے کے بعد ۱۱۵۳ھ (۱۷۴۰ء) میں پونا کے پیشوا باجے راؤ نے آصف جاہ کے علاقہ پر حملہ کردیا۔ اس وقت آصف جاہ دلی کے دربار میں تھا مگر اس کا بیٹا ناصر جنگ باپ کا قائم مقام تھا۔ اس عالی ہمت نوجوان نے بڑی دلیری سے باجے راؤ کے حملہ کو روک دیا اور مرہٹوں کو برہان پور پر ایسی زبردست شکست دی کہ باجے راؤ نے پونا تک پلٹ کر نہیں دیکھا۔ ناصر جنگ نے احمد نگر تک ان کا تعاقب کیا۔ اور وہاں سے پونا پر بڑھنے کا قصد کیا۔ پیشوا نے بڑی منت عاجزی سے اسے خطوط لکھے اور ناصر جنگ سے صلح کرلی۔ اسی سال باجے راؤ پیشوا نربدا کے کنارے صفر (اپریل) ۱۱۵۳ھ (۱۷۴۰ء) میں فوت ہوگیا اور اس کا بیٹا بالاجی راؤ اس کا جانشین بنا۔ آصف جاہ جب تک زندہ رہا۔ بالاجی نے اس سے دوستانہ تعلقات قائم رکھے۔ بلکہ اس عرصہ میں ستارہ اور پونا کے مرہٹوں نے دوسرے شورش پسند مرہٹہ سرداروں کی سرکوبی میں بادشاہی امیروں کا ساتھ دیا۔

نظام الملک آصف جاہ کی وفات

دکن میں ناصر جنگ باپ کا قائم مقام تھا مگر اس نے ۱۱۵۴ھ (۱۷۴۱ء) میں بغاوت کردی بیٹے کو مغلوب کرنے کے لئے آصف جاہ دہلی سے دکن آیا اس موقع پر بالاجی پیشوا نے آصف جاہ کی ہر طرح سے مدد کی۔ ناصر جنگ کو قابو میں کرنے کے بعد آصف جاہ ارکاٹ کی بغاوتوں کو ختم کرنے میں مصروف رہا اور اس دوران میں جمادی الثانی (جون) ۱۱۶۱ھ (۱۷۴۸ء) میں ستتر برس کی عمر میں وہ اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔ بلاشبہ آصف جاہ ایک بلند حوصلہ بیدار مغز امیر تھا اور بلا تامل یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہی ایک شخص تھا جس نے سلطنت مغلیہ کی گرتی ہوئی دیوار کو تھام رکھا تھا۔ سادات بارہہ کی فتنہ انگیزیوں سے نادر شاہ کے حملہ تک ہم اس اولوالعزم تورانی سردار کو مغل دربار کے سامنے سینہ سپر دیکھتے ہیں۔ نظام الملک آصف جاہ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے جنوبی ہند کے ایک بڑے علاقہ کو مرہٹوں کی حوصلہ آزمائیوں سے محفوظ رکھا اور عرصۂ دراز تک مرہٹوں کو بالا گھاٹ سے آگے بڑھنے

کی جرأت نہیں ہوتی اگر نظام الملک نہ ہوتا تو مرہٹے کبھی کے پورے جنوبی ہند کے راجہ بن بیٹھتے اور جنوب میں ایک بہت بڑی اور مستحکم مرہٹہ سلطنت قائم ہو جاتی جس کے حدود اربعہ ہرش کے زمانہ کے راجہ پلی کیشن ثانی کی چالوکیہ سلطنت سے کم نہ ہوتے۔ مگر نظام الملک آصف جاہ نے مرہٹوں کا یہ خواب کبھی پورا نہ ہونے دیا۔ اسی حکمت و تدبیر کا نتیجہ تھا۔ کہ مغل سلطنت کے زوال کے بعد بھی جنوبی ہند میں عرصہ دراز تک مسلمانوں کا اقتدار قائم رہا میسور کی سلطنت خداداد، شمالی ارکاٹ کے مسلمان ناظم اور دکن کی آصف جاہی سلطنت حقیقی معنوں میں نظام الملک آصف جاہ کی ہی باقیات الصالحات ہیں۔

راجہ ساہو کا انتقال

آصف جاہ کے انتقال کو ابھی ایک سال نہیں ہوا تھا کہ دسمبر ۱۱۶۲ھ/۱۷۴۹ء میں راجہ ساہو کا انتقال ہو گیا جو سیوا جی کی گدی کا روشن چراغ تھا۔ ساہو کے مرنے کے بعد تین سال تک مرہٹے خانہ جنگی میں مشغول رہے۔ ساہو کی بیوی سکوار بائی اور رام راجہ متوفی کی بیوی رانی تارا بائی اپنے اپنے بیٹوں کو گدی پر بٹھانا چاہتی تھیں بالاجی ان دونوں کے جھگڑے میں بڑی مصیبت میں مبتلا ہو گیا آخر اس نے اپنی دوراندازیوں اور چالاکیوں سے کام لے کر سکوار بائی کا زور توڑا اور تارا بائی کے پوتے کو رام راجہ دوم کے نام سے گدی نشین بنا دیا اور عملاً سارے اختیارات بالاجی پیشوا کے ہاتھ میں آ گئے ایک موقع پر بالاجی کی بالا دستی کو ختم کرنے کے لئے دتاجی گائکواڑ اور رانی تارا بائی نے سازش کی اور بہت سے قلعوں پر قبضہ کر کے رام راجہ کو نظر بند کر دیا مگر بالاجی نے اپنے تمام مخالفوں کو زیر کر کے دوبارہ اپنے تسلط و اقتدار کو مضبوط کر لیا اب عملاً پیشواؤں کی حکومت قائم ہو گئی۔

روہیلوں کی سازش

روہیلے ان افغانوں سے تعلق رکھتے ہیں جو قزلباشوں کے حملوں سے بھاگ کر ہندوستان آگئے تھے۔ بادشاہی لشکر میں روہیلوں نے بڑے کارنامے انجام دیئے۔ خاص طور سے مشرقی اضلاع میں انھوں نے بڑا نام پیدا کیا آخر اودھ کی سرحدوں سے شمال میں پہاڑوں تک ان کا تسلط ہوگیا۔ روہیلوں کے سرداروں کا سلسلہ شہاب الدین خاں روہیلہ سے ملتا ہے۔ اس کے دو بیٹے حسن خاں اور شاہ عالم خاں تھے۔ حسن خاں کا بیٹا دوندے خاں تھا اور دوسرے بھائی شاہ عالم خاں کا بیٹا حافظ الملک رحمت خاں تھا۔ شہاب الدین خاں کا ایک متبنیٰ بھی تھا جس کا نام داؤد خاں تھا۔ داؤد خاں کا متبنیٰ علی محمد خاں تھا۔ یہی علی محمد خاں والیِ رامپور کا جدِ اعلیٰ ہے۔ مشہور ہے کہ وہ ایک جاٹ کا لڑکا تھا۔ جسے داؤد خاں نے پال لیا تھا۔ اگرچہ رام پور کا خاندان اپنے آپ کو امام موسیٰ کاظم کی اولاد میں سے بتاتا ہے۔ داؤد خاں کے مرنے کے بعد علی محمد خاں بریلی کے فوج دار پہاڑ سنگھ کی سرکار میں ملازم ہوگیا۔ پھر وہاں سے بھاگ کر وہ مینی گڑھ سے جنگلوں میں چلا گیا اور قزاقی کا پیشہ اختیار کرلیا۔ تمام سرکش روہیلے اس کے ساتھ ہوگئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس نے ایک بڑے علاقہ پر قبضہ کرکے اپنی خود مختاری قائم کرلی۔ اس وقت نظام الملک دہلی سے دکن چلا گیا تھا اور دہلی میں اس کا بیٹا قمرالدین خاں منصب وزارت میں باپ کی نیابت کر رہا تھا۔ جب علی محمد خاں کی سرکشی حد سے تجاوز کر گئی تو قمرالدین خاں نے مرادآباد کے فوج دار ہرنند کو روہیلوں کی سرکوبی کا حکم دیا۔ دونوں میں سخت لڑائی ہوئی۔ جس میں ہرنند مارا گیا۔ اور روہیلے کامیاب ہوئے۔ اب روہیلوں کے حوصلے بڑھ گئے تھے اور وہ اور آگے بڑھنے کی سوچ رہے تھے۔ قمرالدین خاں کے مشورہ پر اس مرتبہ خود محمد شاہ بادشاہ ایک بڑی فوج اور بھاری توپ خانہ لے کر علی محمد خاں کی گوشمالی کے لئے روانہ ہوا۔ روہیلوں نے کئی ماہ تک بادشاہی لشکر کو جنگلوں میں پریشان رکھا۔ علی محمد خاں نے جب دیکھا کہ بادشاہی لشکر سے بازی لے جانا ممکن نہیں تو اس نے قمرالدین خاں وزیر کے پاس عفو تقصیر کے لئے عرضیاں بھیجیں

دفعاہ نے اس شرط پر اسے معاف کردیا ۔ وہ شاہجہاں آباد تک بادشاہی لشکر کے ساتھ قیدیوں کی طرح جاتے ۔ یہ شرط اس نے قبول کرلی ۔ شاہجہاں آباد پہنچنے کے بعد بادشاہ نے اسے سرہند کا صوبہ دار مقرر کردیا ۔ یہ مہم ۱۱۵۲ھ/۱۷۳۹ء میں ہوئی تھی ۔

احمد شاہ دُرّانی کا پہلا حملہ

احمد شاہ درّانی نے ۱۱۶۱ھ میں پنجاب پر حملہ کیا ۔ درّانی کا اصل نام احمد خان ہے ۔ یہ نادر شاہ کی فوج میں بڑا حوصلہ مند لڑاکا سپاہی تھا ۔ رفتہ رفتہ ترقی کر کے وہ بڑے پایہ کا افسر بن گیا ۔ جب ۱۱۶۰ھ/۱۷۴۷ء میں نادر شاہ اپنے ملازموں کے ہاتھوں مارا گیا تو احمد خاں درّانی نے افغانستان میں خود مختار ریاست قائم کرلی ۔ احمد شاہ نے پہلے پشاور پر حملہ کر کے قبضہ کرلیا ۔ اس وقت پنجاب پر قمرالدین خاں کا بھانجہ شاہنواز خاں صوبہ دار تھا ۔ ابتداء میں شاہنواز خاں نے اپنے بھائی کے مقابلہ پر احمد شاہ درّانی سے مدد طلب کی تھی ۔ مگر قمرالدین خاں کی فہمائش پر وہ ان وعدوں سے پھر گیا جو اس نے درّانی سے کئے تھے ۔ اس نقض عہد کی سزا دینے کے لئے احمد شاہ درّانی پشاور سے لاہور پر چڑھ آیا ۔ شاہ نواز خاں کی مدد کے لئے دلی سے بادشاہ نے ایک بہت بڑا لشکر بھیجا ۔ لشکر کا سپہ سالار خود ولی عہد مرزا احمد شاہ اور اس کے ساتھ قمرالدین خاں وزیر اور صفدر جنگ جیسے پایہ کے امیر تھے ۔ شاہنواز خاں لاہور سے ہٹ کر بادشاہی لشکر سے آملا ۔ احمد شاہ درّانی ... لاہور پر قبضہ کرنے کے بعد سارے علاقے کو پامال کرتا ہوا ستلج کے کنارے پہنچ گیا ۔ دریا کے گھاٹوں پر بادشاہی لشکر قابض تھا ۔ اس وقت احمد شاہ کے ساتھ بارہ ہزار سے زیادہ فوج نہ تھی ۔ اس نے بڑی جرأت سے کام لیا اور اس مختصر فوج کو لے کر دریا کو ایسی جگہ سے عبور کر لیا جو پایاب نہ تھی اور آگے بڑھ کر ۱۳ ربیع الاول ۱۱۶۱ھ کو سرہند پر قبضہ کر لیا ۔ قمرالدین خاں سرہند میں کافی ساز و سامان اور رسد وغیرہ چھوڑ کر آگے بڑھ گیا تھا ۔ یہ سارا مال و اسباب ابدالی فوجوں کے ہاتھ آگیا اور کئی توپیں بھی ان کو مل گئیں ۔

بادشاہی فوج کو جب معلوم ہوا کہ غنیم پشت پر آگیا ہے تو وہ ستلج سے واپس ہوئی

مگر احمد شاہ درانی کی اس تیز دستی کو دیکھ کر ایسا رعب اور خوف طاری تھا کہ کھلے میدان مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں ہوئی اور بادشاہی لشکر اپنے اطراف خندق کھود کر محصور ہو گیا اس دوران میں قمرالدین خاں کو ایک گولہ آکر لگا۔ اس وقت وہ نماز پڑھ رہا تھا اسی حال میں وہ اپنے رب سے جا ملا۔ قمرالدین خاں اپنے باپ نظام الملک فتح جنگ آصف جاہ کی طرح بڑا لائق مدبر اور دلیر شہسوار تھا۔ باپ کی طرح سلطنت مغلیہ کے تحفظ و استحکام میں اس کی کوششوں کا بڑا حصہ رہا ہے۔ قمرالدین خاں کے انتقال سے بادشاہی لشکر سخت پریشان ہوا، مگر اس نے درانیوں کو بچ کر نکلنے کا راستہ نہیں دیا اور دس دن تک ان کو خوب رگیدتا رہا۔ جب احمد شاہ درانی نے دیکھا کہ بجز جان پر کھیل جانے کے کوئی صورت نہیں ہے۔ پچیسویں دن وہ اپنے سواروں کو لے کر نکلا اور مردانہ وار حملے کرتے ہوئے خندق کے اندر گھس گیا۔ مگر قمرالدین خاں کے بیٹے میر منّو نے بڑی بہادری سے درانیوں کے حملہ کا جواب دیا اور ان کو مار بھگایا اس موقع پر المنصور صفدر جنگ نے اپنے توپ خانہ سے خوب کام لیا۔ غرض درانی لشکر ربیع الاول ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء میں شکست کھا کر بھاگ گیا۔ بادشاہ نے میر منّو کی کارگذاری سے خوش ہو کر اسے معین الملک کا خطاب دیا اور لاہور و ملتان کی صوبہ داری پر مقرر کر دیا۔

محمد شاہ بادشاہ کی وفات

شاہزادہ احمد درانیوں کی لڑائی جیت کر فاتح و منصور شاہجہاں آباد واپس ہو رہا تھا کہ اسے راستہ ہی میں باپ کے مرنے کی خبر ملی۔ محمد شاہ بادشاہ مرض اسہال میں ۲۶ ربیع الثانی (اپریل) ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء کو انتقال کیا۔

اس نے تیس سال تک بادشاہی کی وہ سلطنت مغلیہ کا فرماں روا ضرور تھا مگر اس کی بادشاہت کا تمام تر انحصار نظام الملک آصف جاہ اور اس کے بیٹوں کی تدبر و شجاعت پر تھا اگر وہ نہ ہوتے تو محمد شاہ کا بھی وہی حال ہوتا جو مظلوم فرخ سیر کا ہوا۔

وہ شخص بڑا نکتہ سنج تھا جس نے محمد شاہ کو "رنگیلے" کا نام دیا

سلطنت مغلیہ کے آخری تاجدار

احمد شاہ	۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۸ء	تا	۱۱۶۷ھ / ۱۷۵۴ء
عالمگیر ثانی	۱۱۶۷ھ / ۱۷۵۴ء	"	۱۱۷۳ھ / ۱۷۵۹ء
شاہ عالم ثانی	۱۱۷۴ھ / ۱۷۶۰ء	"	۱۲۲۱ھ / ۱۸۰۶ء
اکبر شاہ ثانی اور سراج الدین بہادر شاہ ظفر	۱۲۲۱ھ / ۱۸۰۶ء	"	۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۷ء

تاریخ الخلفاء

معنفہ :- امام حافظ جلال الدین السیوطی ترجمہ مولوی قبال الدین احمد

تاریخ [illegible] صرف خلفائے راشدین، خلفائے بنو امیہ خلفائے [illegible] پر مشتمل ہے بلکہ عبیدی خلفائے افریقہ اور فاطمی خلفائے مصر کی مکمل تاریخ بھی اس میں [illegible] اس کے ساتھ ساتھ ہر زمانے کے اہم حوادث و واقعات اور تمدنی حالات اور مشاہیر کا تفصیلی ذکر ہے۔ اپنے موضوع پر بے مثل اور محققانہ تاریخی شاہکار ہے۔ بڑی سائز، صفحات ۰۵۲، سفید کاغذ۔ قیمت بارہ روپیہ۔

حضرت عمرو بن العاصؓ

معنفہ :- محقق محمد فرج مصری - مترجمہ :- محمد احمد پانی پتی

آنحضرت صلعم کے صحابی، صف اول کے سپہ سالار، عظیم دانشور فاتح مصر، اسلام کی اس انقلابی شخصیت کے حیرت انگیز مگر بے لاگ حالات و واقعات کا مجموعہ یہ بے نظیر علمی کارنامہ ہے۔ بڑی سائز، صفحات ۵۰۴، قیمت دس روپیہ آٹھ آنے

عہد لارڈ ماؤنٹ بیٹن

معنفہ۔ کیمبل جانسن (پریس اتاشی) مترجمہ۔ یونس احمر ایم۔ اے

یہ کتاب تقسیم ہند کی تاریخی مگر خونچکاں کہانی، ہندو اور انگریز کی مسلمانوں کے خلاف سیاسی ہنگامہ آرائیوں، کانگریس کی فریب کاریوں، اور قائداعظم کی سیاسی بصیرت و تدبر کے حیرت انگیز واقعات کا مجموعہ ہے۔ یہ وہ تقسیم ہند کے تاریخی واقعات ہیں جس سے آگاہی ہر پاکستانی کے لئے ضروری ہے۔ کوئی لائبریری اس عہد کی اس خون اور آگ کے سیلاب میں لکھی ہوئی کتاب سے خالی نہیں رہنی چاہیے۔

بڑی سائز۔ مجلد۔ اعلیٰ سفید کاغذ۔ قیمت بارہ روپیہ

فتوح البلدان

دو حصے۔ معنفہ۔ علامہ احمد بن یحیٰی بن جابر الشہیر بالبلاذری

مترجمہ :- مولانا ابو الخیر مودودی

یہ کتاب اسلامی تاریخ کے قدیم ماخذوں میں ہے۔ اس کتاب کا مصنف خلیفہ المامون الرشید کے عہد میں پیدا ہوا اور المعتضد کے عہد میں انتقال ہوا۔ اس میں اسلامی عہد کی ابتدائی فتوحات، ہجرت، خیبر، فدک، مکہ وغیرہ سے سجستان، کابل اور خراسان تک کی تاریخ مفصل بیان کی گئی ہے۔ بڑی سائز۔ سفید کاغذ۔ قیمت :- پندرہ روپے

انسان کامل

معنفہ :- سید عبد الکریم الجیلی ترجمہ :- مولوی فضل میراں مولوی فاضل

قرآن حکیم اور احادیث نبوی کی تفسیر و تشریح کی روشنی میں علم

تصوف کے اسرار و رموز، احوال و ظروف، کنایات و حکایات اور حقائق و معارف کا وہ گراں مایہ خزینہ جو ناقصین اور کاملین کے لئے پیر کامل اور رہنما کے فرائض انجام دینے میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔
صفحات ۴۲۴۔ بڑی سائز۔ اعلیٰ سفید کاغذ مجلد۔ قیمت دس روپے پچتر پیسے۔

تاریخ اسلام

مکمل تین حصے۔ مصنفہ: مورخ اسلام مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی
پہلا حصہ عہد رسالت مآب سے لے کر خلافت راشدہ تک
دوسرا حصہ عہد بنی امیہ سے لے کر خلافت بنی عباس مصر تک۔
تیسرا حصہ بنو امیہ اندلس سلجوقیہ، عثمانیہ اور مغولان چنگیز کی تمام مسلمان حکومتوں کے حالات پر مشتمل ہے۔ صفحات حصہ اول ۵۹۲، حصہ دوم ۶۷۲، حصہ سوم ۶۰۸ مجلد۔ بڑی سائز۔
قیمت فی حصہ بارہ روپے۔ مکمل ہر سہ حصہ چھتیس روپے

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ

مصنفہ: ڈاکٹر طٰہٰ حسین
مترجمہ: شاہ حسن عطا ایم۔اے
پیغمبر اسلام کے اولین دو جانشینوں کا محققانہ اور والہانہ انداز میں تذکرہ، اسلام کی دو عظیم شخصیتوں کے حالات۔ اور ڈاکٹر طٰہٰ حسین کا جادو نگار قلم؛ ضخامت ۲۷۲ صفحات، بڑی سائز مجلد۔ قیمت چھ روپے بارہ آنے۔

حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ

مصنفہ: ڈاکٹر طٰہٰ حسین
مترجمہ: علامہ عبدالحمید نعمانی
اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں اس موضوع سے اہم کوئی موضوع نہیں مل سکتا۔ یہ ایسے ہولناک انقلاب کی داستان ہے جس نے تاریخ اسلام کا رخ بدل دیا۔ اس موضوع پر اب تک ہزارہا کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ یہ ایک ایسے غیر جانب دار مورخ کے قلم سے ہے جس نے خالص تاریخی واقعات و حقائق کی روشنی میں یہ کتاب لکھی ہے۔ مصنف نے ایسے مستند ترین واقعات کو تاریخی ترتیب سے پیش کیا ہے جن کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ بڑی سائز ۷۱۵ صفحات۔ مجلد۔ قیمت: ——— بارہ روپے

سفرنامہ ابن بطوطہ

مکمل دو حصے۔ مشہور و معروف سیاح نے جب رخت سفر باندھا تو اس کی عمر ۲۵ سال کی تھی۔ یہ نوجوان سمندروں کی لہروں سے لڑتا بھڑتا

فقہ کے مجتہدات اور عہد بہ عہد کے فقہی نمو نے اور اسلوب کا عالمانہ و فاضلانہ بیان اسلامی شریعت کے اصولوں کو جدید انداز میں پیش کیا گیا ہے اور موجودہ زمانہ کے تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ موجودہ حالات میں اس کتاب کا مطالعہ بہت مفید ہے۔ بڑی سائز صفحات ۵۱۲ مجلد بارہ روپے

حضرت امام ابو حنیفہؒ کی سیاسی زندگی

مصنفہ:- علامہ مناظر احسن گیلانی ۔ ایک عظیم الشان فقیہ، ایک فقید المثال اصولی، ایک محیر العقول مصنف، ایک بے باک داعی حق، جس نے ساری عمر جابر اور ظالم حکمرانوں کے خلاف اعلان حق میں گزار دی۔ ایسی عظیم اسلامی شخصیت کے مفصل حالات زندگی۔

بڑی سائز، صفحات ۵۰۰ ــــــــــــــــ قیمت بارہ روپے

البرامکہ

مصنفہ:- مولانا عبدالرزاق کان پوری

عالم اسلام کے نامور وزرا خالد برمکی، یحییٰ برمکی اور جعفر برمکی کے عروج و زوال کی حیرت انگیز داستان، دلچسپ اور حیرت انگیز معلومات کا خزینہ۔ بڑی سائز، صفحات ۵۵۰، مجلد ــــــــــــــــ قیمت بارہ روپے

صحابیات

مصنفہ:- علامہ نیاز فتح پوری

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات، بنات طیبات اور جلیل القدر خواتین اسلام کے حالات زندگی۔

بڑی سائز مجلد، صفحات ۲۷۲ ــــــــــــــــ قیمت چھ روپے

نظام الملک طوسی

مصنفہ:- مولانا عبدالرزاق کان پوری

خواجہ حسن نظام الملک طوسی عالم اسلام کا پہلا وزیر اعظم، جس نے اسلامی آئین کی تدوین کی اس اہم تذکرہ میں عمر خیام نیشاپوری اور حسن بن صباح بانی فرقہ باطنیہ کے مفصل اور مستند حالات، بڑی سائز مجلد صفحات ۵۴۰ ــــــــــــــــ قیمت بارہ روپے

ملنے کا پتہ نفیس اکیڈمی بلاسس اسٹریٹ کراچی

وہ کتابیں جن کے بغیر کوئی لائبریری مکمل نہیں کہلا سکتی

فلسفۂ اسلام ۔ مصنف ..... ڈی ادلیری ۔ ۶/۷۵
حیات امام ابن القیم ۔ عبدالعظیم عبدالسلام شرف الدین ۱۲/۰
زادالمعاد مصنفہ حافظ ابن قیم ۔ اردو ترجمہ حصہ اوّل ۱۱/۰
زادالمعاد ۔ حصہ دوم ۔ مصنفہ حافظ ابن قیم ۔ اردو ترجمہ ۹/۷۵
زادالمعاد حصہ سوم ۔ مصنفہ حافظ ابن قیم ۔ ″ ۱۲/۰
زادالمعاد حصہ چہارم مصنفہ حافظ ابن قیم ۔ ″ ۱۲/۰
تاریخ الخلفاء مصنفہ علامہ جلال الدین السیوطی ″ ۱۲/۰
فتوح البلدان ۔ البلاذری ترجمہ ابوالخیر مودودی ″ ۱۵/۰
منتخب اللباب حصہ اول مغلیہ دور حکومت مصنفہ خافی خاں ۸/۱۲
منتخب اللباب حصہ دوم مغلیہ دور حکومت مصنفہ خافی خاں ۸/۰
منتخب اللباب حصہ سوم مغلیہ دور حکومت مصنفہ خافی خاں ۱۱/۰
منتخب اللباب حصہ چہارم مغلیہ دور حکومت مصنفہ خافی خاں ۱۱/۰
انسان کامل ۔ عبدالکریم الجیلی ۔ اردو ترجمہ ۱۰/۷۵
حضرت عمرو ابن العاص ۔ ترجمہ محمد احمد پانی پتی ۱۰/۷۵
شاہجہاں کے ایام اسیری اور عہد اورنگ زیب اردو ترجمہ سفرنامہ ڈاکٹر برنیر ۱۲/۰
تاریخ فیروز شاہی ۔ شمس سراج ۔ اردو ترجمہ ۸/۲۵
مآثر عالمگیری ۔ محمد ساقی مستعد خاں ″ ۹/۷۵
سفرنامہ ابن بطوطہ ۔ دو حصے ″ ۱۵/۰
البرامکہ ۔ عبدالرزاق کانپوری ۱۲/۰
نظام الملک طوسی ۔ عبدالرزاق کانپوری ۱۲/۰
تاریخ الاسلام تین حصے مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی ۳۶/۰
آئینہ حقیقت نما ۔ مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی ۱۲/۰
تاریخ فاطمیین مصر ۔ ڈاکٹر زاہد علی حصہ اول ۸/۷۵
تاریخ فاطمیین مصر ۔ ڈاکٹر زاہد علی حصہ دوم ۸/۷۵
حضرت ابوذر غفاریؓ ۔ مولانا مناظر احسن گیلانی ۴/۲۵

تاریخ غرناطہ حصہ اول ۔ مولوی احمد اللہ ندوی ۱۱/۰
تاریخ غرناطہ ۔ حصہ دوم ۔ مولوی احمد اللہ ندوی ۱۰/۷۵
حضرت عثمانؓ و علیؓ ۔ ڈاکٹر طہٰ حسین ۔ اردو ترجمہ ۱۲/۰
حضرت ابوبکرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ ڈاکٹر طہٰ حسین ″ ۶/۷۵
عہد لارڈ ماؤنٹ بیٹن ۔ کیمبل جانسن اردو ترجمہ ۱۲/۰
فقہ الاسلام حسین احمد الخطیب ترجمہ پروفیسر رشید احمد ارشد ۱۲/۰
حضرت امام ابو حنیفہؒ کی سیاسی زندگی ۔ مصنفہ مولانا مناظر احسن گیلانی ۱۲/۰
الادب المفرد کتاب زندگی ۔ حضرت امام بخاری اردو ترجمہ ترجمہ مولانا عبدالقدوس ہاشمی ۸/۰
آیات بینات ۔ حصہ اول و دوم ۔ مصنفہ محسن الملک ۱۲/۰
آیات بینات ۔ حصہ سوم و چہارم مصنفہ محسن الملک ۱۲/۰
سفینۃ الاولیاء ۔ مصنفہ دارا شکوہ ۶/۷۵
صحابیات ۔ علامہ نیاز فتحپوری ۶/۰
اسلامی معاشیات ۔ مولانا مناظر احسن گیلانی ۱۲/۰
الدین القیم ۔ مولانا مناظر احسن گیلانی ۴/۲۵
تذکرہ شاہ ولی اللہؒ مولانا مناظر احسن گیلانی ۴/۵۰
گلشن بے خار ۔ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ ۹/۷۵
فلسفہ عجم ۔ علامہ اقبالؒ اردو ترجمہ ۴/۰
مکاتیب امام غزالیؒ ۔ ترجمہ ظہوری ۳/۷۵
داستانِ کربلا ۔ عبدالرحمٰن صدیقی ۳/۷۵
تاج دار دو عالم ۔ عبدالرحمٰن عزام بے [illegible]
تجدید دین کامل ۔ مولانا عبدالباری [illegible]
تجدید معاشیات ۔ مولانا عبدالباری ندوی ۹/۷۵
تجدید تصوف و سلوک ۔ مولانا عبدالباری ندوی [illegible]
تجدید تعلیم و تبلیغ ۔ مولانا عبدالباری ندوی [illegible]

نفیس اکیڈمی ۔ بلاسس اسٹریٹ کراچی